

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ



إِمْدَادُ الْأَحْكَامِ

امداد الفتاویٰ کا مجموعہ جو ۳۲ء کے بعد کے تقریباً سواد و ہزار
فتاویٰ پر مشتمل ہے،

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد رضا عثمانی ^(۱) حضرت مولانا مفتی عبدالکریم رضا گتھلوٹی

زیر نگرانی و رہنمائی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دہلوی قدس سرہ

جلد دوم

ناشر

ذکر یا بکد پو دیو بسند ضلع سہارنپور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱	اذان اور اقامت میں جزم اور ہر کلمہ پر وقت کا سنون ہونا،		کتاب الصلوٰۃ فصل فی المواقیت
"	مسجد کی چھت پر اذان کہنا سنت ہی یا واجب؟		
۳۳	جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہی نہیں؟	۱۵	صبح صادق اور صبح کاذب کی علامت،
۳۴	مرض طاعون میں اذان دینا مشروع ہی یا نہیں؟	۱۶	عصر کے وقت کی ابتداء کی تحقیق،
۳۵	مسجد میں تلاوت کرنے والے کے لئے اذان کا جواب دینا افضل ہی یا تلاوت؟	۱۸	سایہ اصلی اور مثلین کا بیان
"	تحقیق وقت قیام امام و قوم،	۱۹	سایہ اصلی کے متعلق فتویٰ کس پر ہے؟
۳۹	تفصیل الجواب و تحقیق الصواب،	"	جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہو وہاں نماز کس طرح ادا کی جائے؟
۴۵	جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے مگر دعا کرنا جائز نہیں،	۲۰	لندن میں نماز عشاء اور نماز فجر کے متعلق ایک سوال،
"	استفتاء متعلق ادائیگی کلمات اذان و اقامت	"	نصف شب کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کا حکم
"	رفیع طاعون کے لئے اذانیں دینا مشروع ہے یا نہیں؟	۲۱	غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشاء پڑھنا
۴۶	اذان جمعہ کے لئے نثارہ بجانا،	"	نماز عیدین کا سب سے بڑا وقت کونسا ہے؟
۴۷	اذان میں ترویج کی کیا صورت ہے؟	۲۲	جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو صلوٰۃ تسبیح پڑھنے کا حکم
"	جو شخص مسجد میں ہو اس کو اذان کا جواب دینا واجب ہی یا نہیں؟	۲۳	آخر عصر میں اسی روز کی عصر ادا کرنا،
۴۸	ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا،	"	وقت عشاء و فجر کے بارے میں،
"	اذان سے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء	۲۴	جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم
۴۹	اذان کے بعد گھنٹہ بجا کر لوگوں کو نماز کیلئے بلانا	"	صلوٰۃ خمسہ کے اوقات مستحبہ،
	فصل فی احکام المسجد و آدابہ	۲۸	غروب آفتاب اور غروب شفق امیض میں تفاوت کی تحقیق،
۵۰	مسجد میں سونے کا حکم،	"	فصل فی الاذان و الاقامۃ
"	مسجد میں درزش کرنے کا حکم،	۳۰	اذان کے جواب میں اللہ اکبر کی بجائے جل جلالہ کہنا،
۵۲	مسجد کی دوسری منزل میں نماز پڑھنا بلا کراہت صحیح ہے،	"	بچہ کے کان میں سرّاً اذان دینی چاہئے یا جہراً؟
۵۳	مسجد کی دیوار پر تمجید کرنا مکروہ ہے،	"	

نام کتاب :- امداد الاحکام، جلد دوم
تالیف :- حضرت مولانا ناطق احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
تبویب :- مولانا محمود اشرف عثمانی مولانا رفیع اللہ عثمانی
ترتیب و مقدمہ :- مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب صدر دارالعلوم کراچی
زیر ہدایت :- ذوالفقار علی
ناشر :- زکریا بک ڈپو دیوبند، سہارنپور
فون نمبر :- ۲۳۲۲۳ - ۱۳۳۶
فیکس :- ۲۲۹۲۲ - ۱۳۳۶
طباعت :- اشرفی آفسیٹ پریس دیوبند

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳	مذہب حنفی میں نماز جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے؟	۵۳	طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم
۴۵	بعد از جد میں لائین جلانا کیسا ہے؟	۵۵	مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے؟
"	مسجد صزار کی تعریف	"	حکم تعلیم مدرسہ مسجد
"	مسجد کا فرش اور منبر عید گاہ میں لے جانا	۵۷	مسجد کے اندر اور مسجد کے صحن پر پھت پر نماز
۴۶	مسجد میں تمباکو کھانا اور نسوار لینا کیسا ہے؟	"	پڑھنا ثواب کے اعتبار سے برابر ہے؟
"	مسجد میں اخراج ریح کا حکم	"	مسجد میں جوتے رکھنے اور اخیراً پڑھنے کا حکم
۴۷	نمازی کے سامنے کتنے فاصلے پر گزارنا درست ہے؟	۵۱	محد کی مسجد میں بخوفہ نماز کی فضیلت
"	اس مسجد کا حکم جس کا رخ قبلہ سے ہیں درجے	"	نماز کے سامنے گزریں مسجد کبریہ و صغیر کی تحقیق
"	تک منحرف ہو!	۶۰	مسجد کا چراغ حجرہ میں جلانا درست نہیں
فصل فی شروط الصلوٰۃ ارکانہا و اجاباتها			
وسنہا و آدابہا			
۴۸	رفع سبأہ کے وقت نگاہ کہاں ہونی چاہئے	۶۱	مسجد میں نماز کی فضیلت واردہ اس وقت ہے جبکہ مسجد وقف ہو
۴۹	التحیات سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۶۲	مسجد میں اخراج ریح کرنے والے شخص کی اقتدار کا حکم
"	تکبیر تحریر کہنے کے وقت قیام فرض ہے	"	مسجد بنانا فرض ہے یا واجب؟
"	وضو میں کوئی عضو خشک رہ گیا اور نماز پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟	۶۳	ہندوؤں کو مسجد کیسا مانے گانے بجانیسے و کنا
۸۰	عورت قیام کی وقت دونوں پاؤں میں کتنا فاصلہ رکھنی چاہئے؟	۶۴	مسجد میں کھڑکیاں کھولنے کا حکم
"	تہمت میں رفع سبأہ کا اثبات	"	مسجد میں نمازیوں کیلئے بنانی کا گھڑا رکھنا
۸۲	عورت سجدہ کے وقت پاؤں کیسے رکھے؟	"	بعض وقت مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مباح ہے
۸۳	اقامت کی وقت امام اور مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہئے؟	۶۵	مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟
۸۴	حی علی افلاح کہنے کے وقت امام کا کھڑا ہونا	۶۸	ایض ایض ایض
۸۵	اقامت کی وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟	"	قربانی میں مسجد کی چٹائی استعمال کرنا
۸۷	ایض ایض ایض	۶۹	عید گاہ کو مسفت کرنا کیسا ہے؟
"	ایض ایض ایض	۷۰	مسجد میں کھانا کھانا اور کھلانا مکروہ ہے
۹۰	تکبیر تحریر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ لٹکا کر یا بندھ جائیں یا بغیر لٹکائے باندھے جائیں؟	"	جنازہ مسجد باہر ہونا امام اور مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو نماز جنازہ کی یہ صورت مکروہ ہے یا نہیں؟
"	نماز میں تکبیرات کہنا واجب ہے یا سنت؟	۹۰	قرب و جوار میں متعدد مسجد ہوں تو.....
۹۱		"	مسجد محلہ میں نماز افضل ہے یا سب کا حکم برابر ہے؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۱	امام کا کتنا کھڑا ہونا مکروہ ہے؟	"	نماز میں الصاق رطلین سنت ہے یا نہیں؟
۹۲	غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم	۹۲	مسئلہ رفع یدین
"	امامت کی فضیلت کا حکم	۹۳	رفع یدین در قنوت و ترا
۹۵	اگر نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو مجتہد و امام کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے	"	جماعت میں اگر مقتدی سے کوئی فرض یا واجب فوت ہو گیا تو کیا کرنا چاہئے؟
۱۱۸	بیٹھ کر نماز پڑھنے والے امام کی اقتدار کا حکم	"	نماز میں نیت کرتے وقت نیچے عصر کے مغرب کی نیت کر لی تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟
۱۱۹	احق بالامامہ کو مقدم کرنا سنت کو کدہ مستحب؟	"	کوئلہ کی کان میں نماز پڑھنا
۱۲۲	امامت کے لئے عمامہ باندھنا	"	مقتدی اگر قعدہ اخیرہ میں التحیات درود اور دُعاء ترک کر دے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟
۱۲۳	امام عظیم کو برا بھلا کہنے والے کے پیچھے نماز کا حکم	۹۷	نماز کی حالت میں بارش ہونے لگے تو کیا کرنا چاہئے؟
۱۲۴	امام کا سجدہ کر کے بیٹھ جانا	"	جسکو ترجمہ قرآن پاک آتا ہو کیا اسکی نماز نہیں ہوتی؟
"	صفوں کا قبلہ کی جانب سے ٹیڑھا بچھانا	"	سجدہ میں جہاں پہلے سر ٹیکے یا ناک؟
"	اعرج کے لئے صفت اول میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے	۹۸	بدون عذر فرض و تراویح کی سنت بیٹھ کر پڑھنا
"	دو منزلہ مسجد میں اوپر نیچے جماعت کرنے کا حکم	"	مسئلہ سمت قبلہ
۱۲۵	طاق اور محراب میں امام کا کھڑا ہونا	۹۹	فرض نماز جنازہ و وضو سے پڑھنا
"	اعرج کے پیچھے نماز کا حکم	"	چوتھی رکعت کو تیسری خیال کر کے کھڑے ہونے کے بعد کیا کرنا چاہئے؟
۱۲۶	بدعتی امام ہونے کی وجہ سے جماعت ترک کرنا	۱۰۰	عورت سجدہ میں پاؤں کس طرح رکھے؟
۱۲۸	تجوید سے قرآن پڑھنے والے کا غیر مجزود کے پیچھے نماز پڑھنا	فصل فی الامامۃ و الجماعۃ	
"	صحیح نحو ان کی غلط نحو ان امام کے پیچھے نماز کا حکم	۱۱۱	جماعت ثانیہ کا حکم
"	اعرج کی امامت کا حکم	۱۱۲	جسکی بیوی بدکار اور فاسق ہو اسکی امامت کا حکم
۱۳۰	اس شخص کی امامت کا حکم جسکی بیوی بے پردہ نکلتی ہو	۱۱۳	بدھلین عورت کے شوہر کے پیچھے نماز کا حکم
"	عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم	"	غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم
۱۳۲	تکبیر تحریر کہہ کر مقتدی کا شروع میں شریک ہونا	۱۱۴	محلہ کی مسجد میں جماعت فوت ہو گیا تو کیا کرے؟
"	جماعت ثانیہ		
۱۳۶	حکم نماز امام بلا عمامہ		
"	ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے		
۱۳۷	ستونوں کے درمیان صفیں بنانا مکروہ ہے		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۸	مواضح وقت کے علاوہ وقت کرنے والے کی نماز کا حکم،	۱۳۸	مقتدی نابالغ ہوں تو جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟
۱۵۷	مسجد کی چھت پر بلا ضرورت جماعت کرنا مکروہ ہے	۱۳۹	بلاعد جماعت چھوڑنا،
"	عذر کی وجہ سے توڑک اور اعتماد کرنیوالے امام کا حکم،	"	محراب اور در میں امام کا کھڑا ہونا،
"		"	امام نے سہواً ایضاً وضو نماز پڑھادی؟
فصل فی المسبوق والملاحق		"	اگر دُک کی امامت مکروہ ہے،
"		"	ایضاً ایضاً ایضاً
۱۵۸	مسبوق کی نماز کا حکم جبکہ وہ سجدہ بہوں شریک ہو،	۱۴۰	داڑھی کے سفید بال اکھڑنے والے کی اقتداء
"		"	تراویح میں ختم قرآن پراجرت لینا،
۱۵۹	مسبوق کا غلطی سے سلام پھیر دینا،	۱۴۱	صحبت اقتداء کے لئے علم بانقلاب امام
۱۶۰	مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟	"	شرط ہی رویت نہیں،
"		۱۴۵	جو شخص قطرہ آنے کا مرخص ہو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟
"		"	لواطت سے تائب کی اقتداء کا حکم،
۱۶۲	امام اگر چار رکعت کے بعد سہواً کھڑا ہو جائے تو کیا مسبوق اس کی اقتداء کرے؟	۱۴۶	جس لڑکے کی عمر پندرہ سال ہو اس کی اقتداء میں تراویح بلا کراہت جائز ہے،
"		"	سنت مؤکدہ کے قریب من الواجب ہونے کا مطلب،
"		۱۵۰	بدعتی اور غیر مقلد کی اقتداء کا حکم،
"		۱۵۲	اگلی صفت پڑھنے کے بعد اکیلا آدمی کیا کرے؟
"		"	حکم نزاع در امامت،
"		۱۵۳	صنعت اول میں امام کے پیچھے پھر دامن اور بائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت
۱۶۲	مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں تشہد درود دونوں پڑھے یا فقط تشہد؟	۱۵۴	صحبت اقتداء کے لئے علم بحال و انتقالات امام شرط ہے،
"		"	محلہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے،
"		۱۵۵	امام تیمم سے جماعت کرا سکتا ہے یا نہیں؟
۱۶۵	امام کھڑا ہو جائے تو مسبوق کیا کرے؟	"	
۱۶۵	مسبوق کے شامل ہوتے ہی امام کا سلام پھیر دینا،		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۸	واجب اللغادہ نماز کی جماعت ثانیہ میں شرکت کا حکم،	۱۶۶	فصل فی الحدیث فی الصلوٰۃ
۱۴۹	مسئلہ تخفیف صلوٰۃ،	"	ناک غیر سائل خون کا نکلنا اور آخر نماز تک ہاتھ پر لگا رہنا،
۱۸۰	لنگوٹ پر تہبند یا یا تجامہ پہن کر نماز پڑھنا معذروہ کی نماز کی ایک صورت،	"	فصل فیما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا،
"	نماز میں پا جامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا،	"	نماز میں چینی چلانے اور اچھلنے کو دیکھنا حکم،
"	ساڑھی میں نماز پڑھنے کا حکم،	۱۶۸	بغیر ضرورت عورت بنیان پہنکر نماز پڑھنا،
"		۱۶۹	ناہینا کو نماز میں قبلہ رخ کر دینا درست ہے یا نہیں؟
"	فصل فی القسرة ومسائل ذلہ القاری،	"	منبر کی سیڑھی پر سجدہ کرنا،
"	فاتحہ خلف الامام	۱۷۰	قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد امام سہواً کھڑا ہو کر بیٹھ گیا اور سجدہ سہو کر لیا،
"	صحیح ضاد پڑھنے والے کی غلط ضاد پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کا حکم،	"	نماز ہوئی یا نہیں؟
۱۸۲	فرض نمازوں میں دو سورتیں کامل یا کچھ کم پڑھنا،	۱۷۱	نماز میں عورتوں کے لئے عقیق شعسر مکروہ ہے یا نہیں؟
"	نوافل میں جہر کا حکم،	"	نماز میں رونے کے متعلق بہشتی زیور کی ایک عبارت کی وضاحت،
۱۸۳	ضاد کو دو آد پڑھنا، یا ظار پڑھنا، اور صحیح خواں کا اس کی اقتداء کرنا،	۱۷۲	مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا،
"	ضاد کو آل یا مشابہ آل یا مشابہ ظار پڑھنے والے کی اقتداء،	۱۷۵	بھونڈ کی محاذات مفسد نماز نہیں،
۱۸۴	ضاد کے بجائے آل پڑھنا،	"	بلا ضرورت بنیان یا نیم آستین تمیض پہنکر نماز پڑھنا،
"	تحقیق حرب ضاد،	"	رکعت ثانی کی طوالت کے خوف سے سامع کا اللہ اکبر کہنا،
۱۹۱	نفل کی سب رکعتوں میں اور فرض کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہونے کا مطلب،	"	جس پر سجدہ سہو لازم نہ ہو اور وہ لازم سمجھ کر کرے تو اس کی نماز کا حکم،
۱۹۲	حکم جہر منفرد در تکبیرات صلوٰۃ،	"	چار پانی پر نماز پڑھنے کا حکم،
۱۹۳	قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قرأت جاری رکھنا،	۱۷۷	نیم آستین واسکت میں نماز پڑھنا،
"	قرأت فاتحہ کے بعد بجائی کسی اور سورۃ کے سورۃ فاتحہ کا قصد آیا سہواً ضم کرنا،		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۴	تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر قل هو اللہ	۲۱۳	صلوٰۃ وتر سے قبل آیت "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
"	کو مکر پڑھنا،	"	لِذَا بَاطِلًا يُرْمَنُ،
"	دوسو رتوں کے درمیان ترک سورہ مکروہہ؟	"	جس نے عشاء کی نماز تنہا ادا کی ہو تو ترجمہ
"	سورہ بنی اسرائیل کی آیت "سنۃ قدر سلنا	"	سے ادا کرے یا تنہا؟
۱۹۵	قبلک من رسلنا سے قرأت کی ابتداء کرنا،	۲۱۴	وتر وہی شخص پڑھائے جس نے فرض عشاء
"	قرأت میں قصار و ساط اور طوال کی رعایت	"	پڑھائی ہو، یا دوسرا شخص بھی پڑھا سکتا ہے؟
"	مسنون ہی یا مستحب؟	۲۱۸	نماز وتر میں شوافع کی اقتدار کا حکم،
"	نماز میں سورہ الشقاق پڑھنا،	فصل فی السنن النوافل	
"	فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا،	"	سنن مؤکدہ کا ثبوت،
"	ضاد کو دال پڑھنے والے کی اقتدار کا حکم،	۱۹۹	نماز تہجد سنت مؤکدہ ہی یا مستحب؟
"	قرأت کی بعض غلطیوں کا حکم،	۲۱۹	سنن مؤکدہ کے تارک کا حکم،
"	حکم جہر بسم اللہ سورہ اقتداء،	۲۲۰	صلوٰۃ التبیح میں "بسم اللہ" کے بعد
"	دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورہ پڑھنا	"	ہاتھ باندھے یا کھلے رکھے؟
"	حکم تکرار قل هو اللہ	"	تحتی الوضوء اور تحیۃ المسجد سنت ہی یا مستحب؟
"	مسئلہ قرأت،	۲۲۱	رکعتیں بعد الوتر کے متعلق بہشتی زیور
فصل فی الوتر ودعاء القنوت		"	کے ایک مسئلہ پر شبہ کا جواب،
"	نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنا،	"	نوافل میں دوسو رتوں کے درمیان ایک
"	وتر میں مطلق وتر کی نیت یا وتر واجب کی؟	"	سورہ کا چھوڑنا مکروہ نہیں،
"	وتر کا قعدہ اولیٰ فرض ہی یا واجب؟	۲۲۳	سنن رواتب کے ترک کرنے کا حکم،
"	وتر میں حنفی کا شافعی کی اقتداء کرنا،	۲۲۴	طالب علم، قاضی، مفتی کو درس، فتویٰ اور
"	وتر میں شافعیہ کی اقتداء کرنا درست ہے	"	قضائے میں مشغول رہنے کی وجہ سے سنن
"	یا نہیں؟	"	رواتب کا چھوڑنا،
"	رمضان میں وتر یا جماعت افضل ہے یا	۲۲۵	قبل عشاء چار رکعت والی سنت کے قعدہ
"	بغیر جماعت؟	"	اولیٰ میں رد و شریف اور تیسری رکعت میں
"	فضیلت تاخیر وتر در آخر شب،	"	ثناء و تَعُوذ پڑھنا جائز ہے،
"	جس نے عشاء کی نماز جماعت سے نہیں	۲۱۳	ایضاً ایضاً ایضاً
"	پڑھی وہ وتر جماعت سے پڑھے یا تنہا؟	"	نفل جماعت سے پڑھنا،

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۶	تراویح کی تردید میں تمام جماعت کو جاکر بلانا،	۲۲۶	چھوٹی مسجد میں جماعت کھڑی ہونے کے
۲۲۵	نماز تراویح میں چار رکعت کے بعد امام کس	"	بعد سنت فجر ادا کرے یا چھوڑ دے؟
"	ہدیت سے بیٹھے؟	۲۲۷	سایح کا تراویح سے قبل قرآن سننا جو
۲۲۶	نماز تراویح میں دو رکعت افضل ہی یا چار چار؟	"	مشغولین فی السنن کے لئے باعث تشویش ہو
۲۲۷	تراویح کی جماعت ثانیہ کی ایک صورت،	"	جائز ہے یا نہیں؟
۲۲۸	کیا ایک مسجد میں دو مرتبہ تراویح کی عجمت	۲۲۸	اضطباع بعد قیام اللیل سنت ہی یا نہیں؟
"	مکروہ ہے؟	۲۲۹	جمعہ کا خطبہ مشروع ہونے کے بعد آنے والا
"	بہشتی گوہر کے ایک مسئلہ کے متعلق تقدیم	"	سنن کب ادا کرے؟
"	وتر علی التراویح پر شبہ کا جواب،	"	استحارہ میں دونوں شقیں برابر ہوں تو کیا
۲۲۹	تراویح کی جماعت ثانیہ کی ایک صورت،	"	کرنا چاہئے؟
۲۵۰	تراویح کی بیس رکعت ہونیکے دلائل،	۲۳۰	صلوٰۃ التبیح کی دوسری رکعت کی تسبیح
۲۵۱	المفاتیح لا یواب التواویح	"	میں راجح قول کونسا ہے؟
"	بجواب اشتہار التحقیق فی اعداد التراویح،	فصل فی التراویح	
۲۶۸	نابالغ بچے اور اجرت پر قرآن پاک سنا نیولے	۲۳۲	تراویح کی چار رکعت میں اگر قعدہ اولیٰ
"	کی اقتداء کرنا،	"	بھول گیا تو کیا حکم ہے؟
۲۷۰	دو مسجدوں میں تراویح پڑھانے والے کا حکم،	۲۳۳	ایک حافظ کا ایک رمضان میں تین چار جگہ
"	چار رکعت تراویح کی نیت کی اور چوتھی میں	"	قرآن ختم کرنا،
"	بیٹھنا بھول گیا،	"	روزہ اور تراویح لازم و ملزوم ہیں یا نہیں؟
"	دو مسجدوں میں جماعت تراویح کرنا کیا حکم،	۲۳۵	فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ افطار کرنے
۲۷۶	تراویح میں ختم قرآن کا ثبوت،	"	دلے کی اقتدار کا حکم،
۲۷۷	تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت،	"	نماز تراویح میں قرآن کی سو تو کی ترتیب کا حکم،
"	نماز تراویح میں ایک غلطی کا حکم،	۲۳۶	نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد عار مانگنا
۲۷۸	صرف رمضان میں ختم قرآن کے لئے امام	۲۴۰	ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد دوسری
"	مقرر کرنا،	"	مسجد میں قرآن سننا،
۲۷۹	تراویح میں تکرار قل هو اللہ الخ	"	فاسق امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا،
فصل فی ادراک الفریضۃ		۲۴۲	نابالغ بچے کے پیچھے تراویح کا حکم،
"	ادراک فریضۃ بہشتی گوہر کے ایک مسئلہ پر شبہ کا جواب	۲۴۳	تراویح میں ہر سورہ پر بسم اللہ پڑھنا،

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۵	منفرد سجدہ سہو کیلئے ایک طرف سلام پھیرے		فصل فی قضاء الفوائت
"	یا دونوں طرف؟		ایک دن رات اگر کوئی بیہوش رہا تو نمازوں کی قضاء اس پر واجب نہیں،
۲۹۶	شبہ ترک واجب بر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟		بغیر وصیت کے قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کرنا،
"	فرض اور نفل کے قعدہ اخیرہ میں تکرار	۳۸۰	استفتاء متعلق فدیہ نماز،
"	تشہد پر وجوب سجدہ سہو کے متعلق ...	"	چھ یا اس سے زیادہ نمازیں قضاء ہوں تو ترتیب واجب نہیں،
"	پہنشی زبور اور الامداد کی عبارتوں میں اختلاف کی تطبیق،	۲۸۱	قضاء نماز روزہ کا کفارہ اور فوت شدہ نمازوں کی تعین کا حکم جبکہ صحیح تعدد معلوم میت کی طرف سے قضاء نمازیں ادا کرنا حکم قضاء نماز جماعت سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟
۲۹۸	مبسوق نے نماز مغرب میں درمیانی قعدہ کر دیا تو اس پر سجدہ سہو یا نہیں؟	"	فصل فی سجود السہو
"	امام دعا بقنوت چھوڑ کر رکوع کو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟	۲۸۳	سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو یا دانا،
"	وتر میں سہو کی ایک صورت،	"	القول الحری فی مسئلۃ السجود الخیری
۳۰۰	قعدہ اولی یا ثانیہ میں قیل تشہد یا اس کے بعد فاتحہ وغیرہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟	"	پہنشی زبور کے ایک مسئلہ پر اشکال کا جواب،
"		۲۸۴	سجدہ سہو میں تسبیح پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
	فصل فی سجود التلاوة	"	قعدہ اخیرہ میں تکرار تشہد اور رکعت اولی و ثالثہ میں جلسہ خیفہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟
"	نماز میں سجدہ تلاوت کے بجائے رکوع کا کافی ہونا،	۲۸۵	مغرب کی نماز میں امام کا بھول کر چوتھی رکعت کے لئے قیام کرنا،
"	تحقیق محل سجدہ سورہ ص،	"	امام نے بدون وجوب کے سجدہ سہو کیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟
۳۰۱	نماز میں سجدہ تلاوت کو اپنے مقام مؤخر کرنا	"	تشہد میں سہو ا بسم اللہ پڑھنا،
"	اقرب للناس کے دو سجدہ تلاوت پر سجدہ کرنے کا حکم،	۲۹۲	تکرار اکثر فاتحہ اور اعادہ تشہد سے سجدہ سہو کا واجب ہونا،
"	حکم سجدہ تلاوت بغیر تلاوت آیت سجدہ،	"	
"	قرأت آیت سجدہ پر ختم ہو تو رکوع یا سجدہ میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا،	۲۹۳	
"	احکام سجدہ تلاوت برتالی و سامح،	"	
۳۰۲	آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے وجوب سجدہ کا حکم،	"	
۳۰۶	نماز میں سورہ الشقاق پڑھنا،	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۷	عید گاہ کو نختہ تعمیر کرنا جائز ہے،		فصل فی صلوة المریض و المسافر
۳۳۸	عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم،		زوجہ کے وطن میں قصر کرے یا نہیں؟
"	جمعہ میں ایک آدمی کا خطبہ اور دو سر کا نماز پڑھانا	۳۴۷	وطن اصلی کے متعلق ہونے اور وطن زوجہ کے وطن اصلی ہونے کی تحقیق،
۳۳۹	نماز عیدین کے بعد رفع یدین کیسے مناجات کا حکم،	"	معذر کیلئے استقبال قبلہ کی شرط کا ساقط ہونا
۳۵۰	خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا،	۳۱۲	اس سفر کا حکم جسکے درمیان میں وطن اقامت واقع ہو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کیلئے رکوع کا طریقہ،
"	فدائے عداوت کے دوسری سجدہ میں جمعہ قائم کرنا،	۳۱۳	کشتی اور جہاز کے ملاحوں کیلئے نماز قصر کی تحقیق
۳۵۳	وہ کارخانہ جو شہر سے متصل ہو اس میں نماز جمعہ کا حکم	۳۱۵	کشتی میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک سوال جواب
۳۵۴	نماز عید کے بعد عار مانگنے کا حکم،	۳۲۸	جہاز کے ملازمین کے لئے قصر کا حکم،
۳۵۷	ایک عید گاہ میں عید کی دو جماعت کرنا،	۳۲۹	حکم سیلان زخمیکہ از خود پیدا کرنے شود یا مثل زخم ہست کہ بافت سداوید پیدا گشت،
۳۵۸	نماز عید ایسی جگہ ادا کرنا جہاں سامنے قبرستان ہو،	۳۳۰	بعض مسائل متعلق نماز قصر
۳۵۹	انما کا لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا کا حکم	۳۳۱	بیوی ایک ماہ کیلئے وطن اصلی کے علاوہ کہیں اقامت اختیار کرے اور شوہر وہاں آئے تو اس کیلئے بھی وطن اقامت ہو جائے گا یا نہیں؟
"	عید لفظ میں تکبیر تشریح جہاں کہنے کا حکم،	"	مقیم ہو کیلئے کسی خاص جگہ میں نیت اقامت ضروری
۳۶۰	نماز عیدین کے بعد عار مانگنے کا حکم،		فصل فی الحجۃ و العیدین
۳۶۱	نماز جمعہ اور تعدد جمعہ کی تحقیق،	۳۳۸	دو ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا حکم،
"	گاؤں میں جمعہ کا حکم،	"	غیر عربی میں خطبہ دینے کے مسئلہ میں ملد الفقاوی اور پہنشی گوہر کی عبارتوں میں تطبیق،
"	اس جزیرہ میں جمعہ کا حکم جو متعدد مواضع پر مشتمل ہو	۳۳۹	جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط نظر پڑھنے کا حکم،
۳۶۲	سرکاری قلعہ میں نماز جمعہ کا حکم،	"	گاؤں میں جمعہ صبح نہ ہونے کا بیان،
۳۶۵	خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں مسائل کی تعلیم درست نثر یا نظم میں ترجمہ خطبہ سننے کے بعد عربی میں خطبہ پڑھنا،	۳۳۵	غیر عربی زبان میں خطبہ کے متعلق بعض فقہاء کی عبارات کا مطلب،
"	خطبہ کی وقت ہاتھ میں عصا لینا خلا سنت نہیں،	۳۳۶	نماز عیدین کا عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے،
"	مسجد واحد میں تعدد جمعہ جائز نہیں،	"	
۳۶۷	احکام خطبہ عید،	"	
۳۶۸	اختتام خطبہ کے بعد متصل اقامت شروع ہو تو امام سامع اقامت کیلئے بیٹھے یا نہیں؟	"	
"	حکم نماز جمعہ برکات شکران بادیہ نشین،	"	
۳۶۹	چرواہے پر نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں؟	"	
۳۷۰	گاؤں اور قصبہ کی تعریف،	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۵	جو شخص یہ کہتا ہو کہ ہندوستان میں جمعہ ادا نہیں ہوتا اس لئے ہم ظہر احتیاطی ادا کرتے ہیں اس کے پیچھے جمعہ جائز ہے یا نہیں؟	۳۸۱	جیل میں نماز جمعہ کا حکم
"	مسجد محلہ میں بانی یا کسی دوسرے شخص کا نماز جمعہ ادا کرنے سے منع کرنا،	۳۸۲	مصر کی تعریف
۳۹۷	جہاں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہوتی ہو وہاں بعض افراد سے جمعہ فوت ہو جائے تو ان کو کیا کرنا چاہئے؟	"	خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا،
۳۹۹	فتاویٰ مصر میں نماز جمعہ کی ایک صورت،	"	جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کھانا پینا
۴۰۱	آبادی سے باہر تعمیر کی ہوئی عید گاہ جب آبادی میں آجائی تو اسکی صحائیت باطل ہوگی یا نہیں؟	۳۹۴	کیا ناپینا پر نماز جمعہ واجب ہے؟
"	جمعہ فی لہتری کے متعلق امام اعظم کی تحقیق،	"	شہر یا قصبہ میں نماز جمعہ پڑھ کر شام تک گاؤں واپس آسکے ہو تو ایسے گاؤں اور نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں؟
۴۰۹	آبدی متفرقہ متصلہ کے مجموعہ میں جو جمعہ کی ایک صورت	۳۹۵	حضرت تھانوی کے قول اور احسن لہتری کی عبارت دربارہ تعریف مصر میں رفع اختلاف کے متعلق ایک سوال کا جواب،
۴۱۱	گاؤں میں جمعہ کا حکم،	"	تکبیرات ایام تشریح کن پر واجب ہیں؟
۴۱۲	حضرت نازوئی کے ایک فتویٰ سے جواز جمعہ فی القری کے شبہ کا ازالہ،	"	مفتی بقول امام ابو حنیفہ کا، یا صاحبین کا؟
"	ازن الحاکم بالجمعة یعنی بعد موت اور عزله ام لا؟	۳۸۳	تعریف مصر،
۴۱۶	جس جگہ آبادی تین ہزار سے زائد ہو اور ضروری زندگی دستیاب ہوں وہاں نماز جمعہ کا حکم،	"	صحرا جہاں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے،
۴۱۷	خطبہ جمعہ میں تطویل مکروہ ہے،	۳۸۴	خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم،
۴۱۸	تحقیق کراۃ المخطبة یوم الجمعة بغیر العربیة،	۳۸۷	المنبر اذا اجئی فی المہراب بل یجوز المخطبة علیہ ام لا؟
	فصل فی صلوٰۃ الکسوف الاستسقاء و متعلقا بہما	"	خطبہ جمعہ شروع کرنے سے قبل اعوذ بآئد بسم اللہ جہاں پڑھے یا آہستہ؟
۴۱۹	کسوا و خسوف کے وقت کھانے پینے کا حکم،	۳۸۸	جمعہ کے دن آخر ظہر پڑھنے کا حکم،
	مسائل متفرقہ کتاب الصلوٰۃ،	"	اذان جمعہ سے قبل وعظ کی ایک صورت کا حکم
۴۲۱	نمازی کے آگے سے گذرنا،	۳۹۰	گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین درست نہیں،
۴۲۲	اندر ہیکر میں تہجد پڑھنے کا حکم،	۳۹۳	خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا،
	فصل فی الغسل و الکفن	"	عید جب جمعہ کے روز ہو تو جمعہ اور عیدین دونوں واجب ہیں۔
	میت کو غسل دینا وقت کس طرح لیتا یا جاوے؟	۳۹۳	تکبیرات ایام تشریح جماعت کے نماز پڑھنے والوں کے ساتھ خاص ہے یا یہ حکم عام ہے؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۳	جوازہ کا کپڑا اچھاڑ دینے سے متعلق فتاویٰ عالمگیری کی ایک عبارت کا صحیح مطلب،	۳۲۳	جو شخص بالکل نمازی کے سامنے بیٹھا ہو، اس کو کسی طرف سرک جانا جائز ہے؟
۳۲۷	کیا شوہر بیوی کے مریکے بعد غسل دے سکتا ہے؟	"	نمازی کے سامنے سے بیٹھے کا حکم،
۳۳۸	کوئی عورت غاسلہ موجود ہو تو بیٹے کو غسل دینا جائز نہیں،	"	درود ابراہیمی میں کما صلیت علی ابراہیم میں تشبیہ کی تحقیق،
۳۳۹	غسل میت کے متعلق ہستی زبور کے ایک عبارت پر شبہ کا جواب،	۳۲۵	نماز باجماعت کیلئے لوگوں کی حاضری لینی کا حکم،
۳۴۰	میت پھول جائے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہ رہے تو کس طرح غسل دیا جائے؟	"	خافقہ امدادیہ کے حوض پر بلاسترہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گذرنے کے متعلق حکم،
	فصل فی الصلوٰۃ علی المیت		کتاب الجنائز
			فصل فی احوال موات فی القبور
۳۲۶	نماز جنازہ کے اندر شمارہ درود اور دعا میں تقدیم و تاخیر کرنا،	۳۲۶	عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم،
۳۴۱	نماز جنازہ کو نماز جمعہ سے مقدم کرنے کا حکم،	۳۲۷	قبر پر کتبہ لگانا مکروہ ہے،
"	نماز جنازہ کی تکرار بدعت اور مکروہ تحریمی ہے؟	"	میت کے بعض رسومات کا حکم اور غسل اور کفن و دفن کا طریقہ،
۳۴۲	نماز جنازہ میں سلام کے بعد ہاتھ چھوڑے یا پہلے؟	۳۳۰	زودج کے لئے مردہ بیوی کو بلا حائل ہاتھ لگانا جائز نہیں،
"	فرقہ قرآنیہ پر نماز جنازہ کا حکم،	"	ایم مخصوصہ میں ارواح کا گھروں میں آنا،
۳۴۳	متعدد جنازوں پر ایک نماز بھی کافی ہے،	۳۳۲	حالت نزع میں محضر کو پانی پلانا مستحب ہے،
۳۴۴	دریا سے ایسی حالت میں لاش برآمد ہوئی کہ جسم کی صرف ہڈیاں باقی ہوں تو ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟	۳۳۳	حکم تحویل عظام میت،
"	میت کا جسم بھول اور پھٹ جائے تو نماز جنازہ ساقط ہو جاتی ہے،	۳۳۴	قبرستان میں لوہان سلگانا جائز ہے یا نہیں؟
"	اگر میت کے جسم سے نجاست نکلنا بند نہ ہو، تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟	"	محضر کے لٹانے کا سنون طریقہ،
۳۴۵	جنازہ شرفا وغیر بارکھ کر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟	۳۳۵	کیا باپ کی موجودگی میں شوہر میت کا ولی ہو سکتا ہے؟
"	بے نمازی پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟	۳۳۶	مرنے کے بعد بیوی کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا
			فصل فی الغسل و الکفن
			میت کو غسل دینا وقت کس طرح لیتا یا جاوے؟

کتاب الصلوٰۃ

فصل فی اہواقیب

صبح صادق اور صبح کاذب کی علامت | سوال (۱) |

علامات مشہورہ صبح کاذب و صادق کی یعنی بیاض مستطیل و مستطیر معلوم ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ موسم موجودہ زمانہ سرما میں بیاض مستطیل صبح کاذب کی کس وقت ظاہر ہو کر غالب ہوتی ہے، اور ابتداء بیاض مستطیل صبح صادق کی کتنے بجے پر ظاہر ہوتی ہے، گھڑیال کے حساب اور انداز سے ارشاد فرماویں، زید و عمر و علامات مذکورہ کی شناخت سے عاجز ہیں بلکہ اکثر مسلمان اس جانب کے بے علمی کی وجہ سے صبح صادق میں سحری کیا کرتے ہیں، آپ کے فیصلہ پر اتفاق چاہتے ہیں؟

الجواب؛ قال فی شرح الجعفی وقد عرف بالتجربة ان اول الصبح و
اخر الشفق انما یكون اذا كان انحطاط الشمس ثمانية عشر جزءا ام قال المحشی
هذا هو المشهور ووقع فی بعض كتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزءا وقیل انه
تسعة عشر جزءا وهذا فی ابتداء الصبح الكاذب واما فی ابتداء الصبح
الصادق فقد قیل ان انحطاط الشمس حينئذ خمسة عشر جزءا ام (ص ۱۲۷)
وذكر فی رد المحتار ان التفاوت بین الفجرین وكذا بین الشفقین الاحمر
والابيض انما هو بثلاث درج ام وفي احیاء العلوم باب النوافل ويعرف
رای الفجر الصادق، بالقمري لیلین من الشهر فان القمر یطلع مع الفجر لیل
ست وعشرین ویطلع الصبح مع غروب القمر لیلۃ اثنی عشر من الشهر هذا
هو الغالب ویطرق علیه تفاوت فی بعض البروج ام، ان عبارات سے معلوم ہوا
کہ صبح صادق طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے، جس کی مقدار گھنٹوں کے حساب سے
ایک گھنٹہ ۱۵ منٹ ہوتی ہے، اور صبح کاذب و صادق میں تین درجہ کا تفاوت ہے، یعنی
صبح کاذب صبح صادق سے ۱۲ منٹ پہلے ہوتی ہے، لیکن احتیاط یہ ہے کہ سحری طلوع آفتاب
سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ترک کر دی جائے، اور صبح صادق کے پچاننے کی ترکیب یہ ہے کہ ہر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۶	سرفین کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا،	۲۲۶	جو تون کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنا،
۲۵۲	میت کو قبر میں دائیں پہلو پر لٹانا چاہئے،	۲۲۷	نماز جنازہ نماز عیدین سے مؤخر اور خطبہ
"	صندوقی قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟	"	عید سے مقدم کرنا چاہئے،
"	قبر میں مردے بٹھانے کی وجہ سے قبر	"	جس کی ختم نہ ہوتی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنا
"	کو گہرا کرنے کا حکم،	۲۲۸	غایتاً نماز جنازہ کا حکم،
۲۵۳	میت کو قبر میں رکھنے کا مسنون طریقہ،	۲۲۹	شوافع بلا عذر نماز جنازہ مسجد میں پڑھائیں تو
"	میت کو قبر میں رکھنے کے بعد سب بند	"	حنیفوں کو انکی اتباع کرنی چاہی یا نہیں؟
"	کھول دینے چاہئیں،	"	غیر مستحی نے نماز جنازہ پڑھا دی، اعادہ کے
	فصل فی الشہید	"	وقت ولی کی نماز فرض ہوگی یا نفل؟
۲۵۴	جس شخص نے مرض ضیق النفس میں	۲۵۱	ایک ہی مکان میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو
"	وفات پائی وہ شہید کہلائے گا یا نہیں؟	"	بھی جل کر جائیں اور تمیز ممکن نہ ہو تو
۲۵۵	حکم حریم فی النار،	"	ان پر نماز جنازہ کا حکم،
	جلد دوم تمام شد		فصل فی حمل الجنازة و دفنها
		"	تختے رکھنے کے بعد قبر پر مٹی ڈالنا مستحب
		"	ہے اور اس سے پہلے مکروہ ہے،

میں دو رات چاند کے طلوع و غروب کو دیکھ لیا جائے، اور وہ دو راتیں بارہویں اور چھبیسویں
 راتیں ہیں، بارہویں شب میں چاند کے غروب ہوتے ہی صبح صادق ہو جاتی ہے، اور چھبیسویں
 شب میں صبح صادق کے ساتھ ساتھ چاند طلوع ہوتا ہے، ان دو راتوں کے تجربہ سے یہ معلوم
 ہو جائے گا کہ طلوع فجر اور طلوع شمس میں کتنا فاصلہ ہوتا ہے، لیکن ہمارے عمل اس پر ہے کہ آفتاب
 کے طلوع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے سحری ترک کر دیتے ہیں، واللہ اعلم،
 یہاں آجکل ریلوے ٹائم سے ۵ بجکر ۵ منٹ پر صبح ہو جاتی ہے، لیکن ملک برار کے طلوع
 و غروب یہاں کے طلوع و غروب سے متفاوت ہے، اس لئے وہاں اس پر عمل نہیں ہو سکتا،
 عصر کے وقت کی ابتدا کی تحقیق | سوال (۲) امر ضروری یہ ہے کہ عصر کے وقت شروع ہونے
 کے متعلق علماء دین و شرع متین کیا فرماتے ہیں، آیا امام صاحب کے قول کی بناء پر وقت مثلین
 سایہ کے بعد سے شروع ہوتا ہے، بر بناء قول صاحبین کے مثل سایہ پڑان دونوں اقوال میں
 حنفیوں کا فتویٰ جس پر مؤرخین فرمایا جائے، اگر احناف کا عمل امام صاحب کے قول مثلین پر
 ہے تو حنفی جناب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مثل والی حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں، کارڈ
 میں جگہ ہونے کی صورت میں اگر مسئلہ مذکور کی قدرے دلیل بھی ارقام فرمادیں تو نہایت ممنون
 احسان ہوں گا اور تابعدار کی تشفی خاطر کا باعث

جناب مولانا سخاوت علی صاحب ہا جرمذنی جو پوری مرحوم مغفور اپنے رسالہ مستی
 بعزت الاوقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حنفیوں کا عمل در آمد صاحبین کے قول مثل سایہ پر ہونا
 چاہئے، اس لئے کہ امام صاحب آخر زمانہ میں اس قول کی طرف رجوع ہوئے ہیں، آخر یہ
 کہاں تک صحیح ہے، واقع میں یہ صحیح ہے کہ امام صاحب آخر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف
 رجوع ہو گئے تھے یا نہیں؟ مولانا موصوف کی تحریر تابعدار کے لئے کافی طور پر تسلی بخش
 اس لئے نہیں ہوتی کہ مولانا کے عقائد اور میرے عقائد میں فرق ہے، یعنی بندہ تقلید کا قائل
 ہے اور مولانا اس کے خلاف تھے، محض خادم کو اس مسئلہ کے متعلق حنفیوں کے یہاں کی تحقیق مقصود ہے
 الجواب؛ قال فی مراقی الفلاح وقت الظہر من زوال الشمس الی وقت
 العصر و فیہ روایتان عن الامام فی روایۃ الی قبیل ان یصیر ظل کل شیء مثلیہ
 سورۃ فی الزوال لتعارض الآثار و هو الصحیح و علیہ یجمل المشائخ و المتون ام قال
 المعشی الطحطاوی قولہ لتعارض الآثار بیانہ ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی

الحدیث المتفق علیہ ابوداؤد بالظہر فان شدة الحر من فیح جہنم یقتضی تاخیر
 الظہر عن المثل لان اشد الحر فی دیارہم وقت المثل و حدیث امامہ جبریل
 فی الیوم الاول یقتضی انتهاء وقت الظہر بخروج المثل لانه صلی بہ صلی اللہ
 علیہ وسلم العصر فی اول العثل الثانی فحصل التعارض بینہما فلا یخرج وقت
 الظہر بالشک و تمامہ فی المطولات ام ص ۱۱۹، قلت و فی حدیث امامہ
 جبریل اضطراب ایضا کما بینتہ فی الجزء الثانی من احیاء السنن قال و
 قولہ و هو الصحیح صحیحہ جمہور اہل المذہب و قول الطحاوی و بقولہما ناخذ
 بیدل علی انه المذہب و فی البرہان قولہما هو الاظہر فقد اختلف الترجیح
 قال فی مراقی الفلاح و الروایۃ الثانیۃ اشد الیہما بقولہ او مثله مرة واحدة
 سوی ظل الاستواء و اختار الثانی الطحاوی و هو قول الصحابین ابی یوسف و
 محمد لامامہ جبریل العصر فیہ و لکن علمت ان اکثر المشائخ علی اشتراط
 بلوغ الظل مثلیہ و الاخذ بہ احوط لبراءة الذمة بیقین اذ تقدم الصلوة
 عن وقتہا لا یصح و تصح اذا خرج وقتہا فکیف و الوقت باق اتفاقاً،

ان عبارات سے چند امور استفاد ہوئے (۱) امام صاحب سے بھی ایک روایت مثل
 واحد کے ہے، (۲) حنفیہ نے دونوں روایتوں کی تصحیح کی ہے، ترجیح میں اختلاف کر رہے
 لیکن حسیاً طاً جمہور مشائخ حنفیہ کا عمل مثلین کی روایت پر ہے، (۳) بلکہ علامہ شامی نے لکھا
 ہے کہ اگر کسی مسجد میں عصر کی نماز مثل واحد پر ہوتی ہے، اور مثلین کے انتظار سے فوت جماعت
 لازم آتا ہو تو افضل بلکہ لازم یہ ہے کہ مثلین کا انتظار کرے اور تنہا نماز پڑھے، و ہذا نصہ،
 قولہ و علیہ عمل الناس الیوم ای فی کثیر من البلاد و الاحسن ما فی السراج عن
 شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لا یؤخر الظہر الی المثل وان لا یصلی العصر
 حتی یتبلغ المثلین لیكون مؤدباً للصلواتین فی وقتہما بالاجماع،

و انظر هل اذا المزم من تاخیر العصر الی المثلین فوت الجماعۃ یكون
 الاولی التأخیر ام لا و الظاہر الاول بل یلزم من اعتقد رجحان قول الامام
 تأمل، ثم رأیت فی اخر شرح المنیہ ناقلاً عن بعض الفتاوی انہ لو کان امام
 محلہ یصلی العشاء قبل غیاب الشفق الابيض فالافضل ان یصلیہا

وحدہ بعد البیاضی ۱۸ ص ۲۰۲ ج ۱، ان عبارات میں حدیث جبرئیل کا جواب بھی مذکور ہے، اور ہم لوگوں کو امام صاحب کا آخر عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرنا ثابت نہیں ہوا، مولانا سخاوت علی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ لکھا، تو بتلایا جاوے، ورنہ محض ان کا لکھنا کافی نہیں شامی نے شفق احمد کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ امام نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، پھر بعد میں اس کو بھی رد کر دیا ہے، ص ۳۰۳ ج ۱، مثلیں کے مسئلہ میں امام کا رجوع ثابت نہیں،

۳ سوال سلسلہ ۳

سایہ اصلی اور مثلیں کا بیان | سوال (۳) عصر کے وقت اکثر کتابوں میں یہی دیکھا گیا ہے کہ سوائے سایہ اصلی کے دوسرے ہو جاوے تب عصر کا وقت ہوتا ہے، تو ٹھیک اول وقت کا معلوم کرنے کے لئے آسان طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ سایہ اصلی ہمیشہ کم زیادہ ہو کرتا ہے، اور روزاً اصلی سایہ اور عصر کے وقت کا ناپنا بہت ہی دقت و پریشانی ہے، اس لئے دریافت طلب ہے کہ لکڑی سے سایہ ناپنا ہو جاوے، اور ٹھیک اول وقت بھی معلوم ہو جاوے، جس طرح دوپہر کو آفتاب ڈھل گیا، ظہر کا وقت ہو آفتاب غروب ہوا، مغرب کا وقت ہوا، اسی طرح کوئی آسان طریقہ بتلا دیں، کیونکہ کئی مرتبہ تجربہ کیا گیا ہے تو اذان بے وقت ہوتی ہے، کبھی جماعت بھی ہوتی ہے، آزمائش سے ٹھیک وقت نہیں ہوتا، سوائے اصلی سایہ کے دوسرے کا ہونا یہ قید کا ہونا بارہ ماہ کے لئے ہے یا صرف ایام دھوپ کے لئے ہے بدلیل تحریر فرمادیں، اگر یہ قید بارہ ماہ کے لئے ہے تو ایام بارش میں کس طرح سے معلوم کیا جاوے، اور گھڑی کا شریعت میں اعتبار نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ابر کے دنوں میں سوائے اصلی سایہ کے دوسرے کا ہونا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، تو وہ دلیل کس کتاب میں ہے تحریر فرمادیں، ملا ابراہیم عصر کی نماز دیر کر کے پڑھنے کا حکم ہے تو کیا حد ہے جو اس حد سے ہم دیر کر کے نماز پڑھیں، حد معلوم کرنے کی پہچان خوب خلاصہ تحریر فرمادیں معہ دلیل کے،

الجواب: سایہ اصلی اور دمشق کی پہچان کا طریقہ کسی عالم کی زبانی سمجھ لیں تحریر سے سمجھ میں نہ آئے گا، آسان بات یہ ہے کہ جب دن بہت چھوٹا ہو اس وقت عصر کی نماز غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے پڑھ لیا کریں اور جب دن بہت بڑا ہو تو غروب سے پہلے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے عصر پڑھا کریں، اور درمیانی دنوں میں ایک گھنٹہ پہلے غروب سے پڑھا کریں، اس طریقہ پر عصر ہمیشہ دمشق کے بعد ہو کر گئی، دمشق کے بعد عصر پڑھنے کا حکم ہر زمانہ میں ہر خواہ ابراہیم ہو،

سایہ اصلی کے متعلق فتویٰ کس پر ہے | سوال (۴) سایہ اصلی کے متعلق فتویٰ کس پر ہے، جواب بدلیل تحریر فرمادیں؟

الجواب: فتویٰ اس پر ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل سے پہلے پڑھے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھے، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم، شعبان ۱۳۱۳ جہاں چھ ماہ کا دن ہوتا ہو اور چھ ماہ | سوال (۵) میں سیاح گو پہلے سے ہوں اور یہاں لوگ کی رات ہو وہاں نماز کس طرح ادا کی جائے | تعطیل میں عموماً ادھر ادھر سیر کرنے چلے جائیں، میں احتیاطاً ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں، شاید کہیں وہاں بھی چلا جاؤں، وہ یہ ہے کہ انگلستان کے اوپر چند ایسی جگہ ہیں جہاں ۶ ماہ سورج رہتا ہے اور ۶ ماہ نہیں رہتا، مجھے خود بھی تحقیق نہیں، نہ معلوم کہ سورج ڈوبتا بھی ہے یا نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ موسم گرما میں لوگ کالے پردے لگا کر مکانات میں رات بناتے ہیں، ورنہ تو پوری موسم گرما اتنی روشنی رہتی ہے کہ سونا مشکل ہوتا ہے، موسم سرما میں اتنا اندھیرا رہتا ہے کہ ہمیشہ روشنی سے کام لیا جاتا ہے، وہاں نماز کی کیا صورت ہو، موسم سرما میں تو وہاں جانا مشکل ہے کیونکہ بے اہتمام سردی رہتی ہے، یہاں تک کہ موسم گرما میں بھی برف جمی رہتی ہے، اگر کبھی گیا تو موسم گرما میں جانا ہوگا، جبکہ سورج غروب غروب نہیں ہوتا،

الجواب: قال فی الدرر فاقد وقہما کبلغار مکلف بحما فیقد رلہما ولا ینوی القضاء لفقہ وقت الاداء بہ افقی البرہان الکبیر واختارہ الکمال وتبعہ ابن الشنہ فی الغانہ فصححہ اہ ملخصاً، قال الشامی فی بیان الدلیل علیہ وما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الدجال قلنا ما البثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنة ویوم کثہر ویوم کجمعة وسائر ایامہ کایا مکم قلنا یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیہ صلوٰۃ یوم قال لا اقدر والہ رواہ مسلم ۱۸ ص ۳۰۶ ج ۱ وقال فی ص ۳۰۸ ج ۱ والحاصل انہما قولان مصححان یتأید القول بالوجوب بانہ قال بہ امام مجتہد وهو الامام الشافعی کما نقلہ فی الحلیة عن المتولی عنہ اہ جن مقامات میں ۶ ماہ دن اور ۶ ماہ رات ہوتی ہے وہاں وقت کا انداز کر کے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں الگ الگ فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے مختار قول یہی ہے، واللہ اعلم، ۱۰ شعبان ۱۳۱۳

لندن میں نماز عشاء اور نماز سوال (۶) گرمیوں میں لندن میں سورج ۹ بجے غروب ہوتا ہے، تو گویا اس وقت مغرب کی نماز ادا کی عشاء کا وقت مغرب

فجر کے متعلق ایک سوال، کے اٹھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے تو اس کے لئے ۱۱ بجے تک انتظار کرنا پڑتا ہے، اس سے پہلے سو نہیں سکتے، اس صورت میں کیا ہو، کیونکہ نماز پڑھنے کے بعد کہیں ۱۱ بجے سونے جاسکتے ہیں اور پھر ۱۲ بجے کے بعد نیند آتی ہے، ویسے تو عموماً اتنی دیر تک پڑھتا رہتا ہوں لیکن پھر صبح کا وقت ضائع ہو جاتا ہے، کیونکہ پھر جلد نہیں اٹھ سکتا، ان دنوں میں فجر کی نماز کا وقت قریب ۲ بجے ہوتا ہے، کیونکہ سورج ۳ بجے نکلتا ہے، میرا ہندوستان میں ۵ بجے یا ۶ بجے اٹھنا دشوار تھا ۳ بجے کون اٹھائے گا، اگر میرا کالج الیجے شروع ہوا کرتا تو میں ۲ بجے تک پڑھتا رہتا، اس صورت میں عشاء اور فجر دونوں مل جاتیں، اور پھر ۳ بجے سے ۱۰ بجے تک سوتا، لیکن یہ بھی مشکل ہے، غرض ان تمام باتوں سے ضرور مطلع کیجیو گا کہ میں کیا کروں؟

الجواب: اس صورت میں جبکہ غروب کے بعد ۵ گھنٹہ رات ہوتی ہے، لندن والوں پر مغرب و عشاء و فجر تینوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھنی واجب ہیں، اس صورت پر سائل نے جو اشکال کیا ہے کہ عشاء پڑھ کر ۱۲ بجے سونا ملے گا تو ۲ بجے جاگنا دشوار ہوگا اس کے متعلق چند باتیں معروض ہیں، (۱) دن میں کوئی وقت فرصت کا نکال کر جس میں بہتر وقت دوپہر کا ہے خوب سولیا کریں، (۲) الارم کی گھڑی کو صبح کے وقت برنگا کر سولیا کریں آٹھ ضرور کھل جائے گی (۳) عشاء کی نماز غروب کے ایک گھنٹہ بعد معاً پڑھ لیا کریں، صاحبین کے مذہب پر شفیق احم کے غائب ہوجانے سے عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، اور شفیق احم غروب کے بعد ایک گھنٹہ میں غائب ہو جاتی ہے، اور سہولت کے لئے فتویٰ قول صاحبین پر دیا گیا ہے، گو احتیاط بعد شفیق بیاض کے پڑھنے میں ہے، مگر ضرورت کے وقت قول صاحبین پر عمل کر لینا بھی جائز ہے، پس غروب کے ایک گھنٹہ بعد نماز عشاء پڑھ کر فوراً سو رہا کریں، اس طرح سائل کو ۱۱ بجے سونا مل جائے گا، واللہ اعلم، ارشعبان ۱۳۸۶ھ

نصف شب کے بعد عشاء کی سوال (۷) مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ نصف شب کے نماز ادا کرنے کا حکم !!، بعد اگر کوئی عشاء کی نماز پڑھے تو اس کا اعادہ صبح کو واجب ہے اور حضرت والا بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں کہ مغرب کے بعد سرخی مٹ جانے کے بعد

صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتی، اگر اتفاقاً کبھی نصف شب کے بعد عشاء پڑھی جائے تو صبح کو پھر اعادہ کرنا ضرور ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بعد نصف شب کے عشاء کی نماز درست تو ہے اور وہ ادا صحیح ہو جاتی ہے مگر بلا عذر اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے، باقی اعادہ کا واجب ہونا یہ غلط ہے، کیونکہ اعادہ اس جگہ واجب ہوتا ہے جہاں صلوٰۃ معادہ صلوٰۃ اولیٰ سے آگیا، نہ سکتی ہو، اور یہاں صلوٰۃ معادہ بعد الفجر صلوٰۃ اولیٰ سے انقض ہوگی، کیونکہ اولیٰ ادا ہے اور مانیہ قضاء دشتان مینما، اس تاخیر سے استغفار کرنا چاہئے اگر بلا عذر ہو اور عذر سے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں واللہ اعلم،

غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد سوال (۸) حضور اقدس نے امداد الفتاویٰ جلد اول میں وقت عشاء پڑھنے کا حکم، عشاء غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تحریر فرمایا ہے

بادی النظر میں شبیر ہوتا ہے، خوب سمجھ میں نہیں آتا، اس فرمان واجب الازعان کے موافق اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے گھنٹہ یا سو گھنٹہ کے بعد مغرب پڑھے تو درست ہونا چاہئے، مگر مشاہدہ نہیں مانتا، برادرم ذرا کمر تفصیل فرمادی جاوے، غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدت بہت زیادہ سی معلوم ہوتی ہے،

الجواب: اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے پر پڑھنا چاہئے، عشاء اس سے پہلے نہ پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی نماز اتنی دیر تک درست ہے، چنانچہ عبارت سوال کو دیکھ کر کہ سائل نماز عشاء پڑھنے کے لئے وقت عشاء دریافت کر رہا ہے، ص ۶۲) یہ مطلب ظاہر ہے جو ہم نے بیان کیا، نماز عیدین کا مستحب وقت کونسا ہے؟ سوال (۹) نماز عیدین کا مستحب وقت بحساب گھنٹہ و منٹ کے طلوع سے کس قدر بعد شروع ہوتا ہے اور کتنی دیر رہتا ہے؟

۱۔ نماز عیدین میں وقت مستحب کی پابندی شرعاً اولیٰ ہے یا کثرت نمازیوں کی امید پر وقت مستحب سے تجاوز اور تاخیر اولیٰ ہے؟

۲۔ وقت مستحب پر اس طرح عامل ہونے میں کہ اس سے تجاوز ہی نہ ہو فرضیت کے مرتبہ میں قرار دینا ہے یا نہیں؟

۳۔ نماز عیدین کا وقت بحساب فی گھنٹہ و منٹ کے کس وقت شروع ہوتا ہے؟

الجواب: طلوع آفتاب سے دس منٹ کے بعد وقت شروع ہو جاتا ہے اور نصف شب

تک رہتا ہے، یعنی نصف النہار سے پہلے پہلے قال فی الدرر وقتها من الارتقاع قدر خم
فلا تصح قبلہ الی الزوال باسقاط الغایة فلوزالت الشمس فی اثناء هافسدت اہ
قال الشامی قوله قدر خم هو اثناعشر شبراً والمراد به وقت حل النافلة اہ
رص ۱۱ ج ۸۰، قلت وجزینا ارتفاعها جن القدرین شیئا زائداً علیہ فی عشر
دقائق والله اعلم

۱۱ جماعت میں عموماً نمازیوں کی کثرت کا لحاظ آتی ہے، پس وقت مذکور کے اندر اندر
کوئی ایسا وقت نماز کا معین کیا جائے جس میں نمازیوں کی غالب تعداد شریک ہو جائے، مگر
اس کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ دیہات والوں کی رعایت سے نماز میں اتنی زیادہ
دیر نہ کی جائے جس سے شہر والوں کو تکلیف ہونے لگے، کیونکہ دیہات والوں پر جماعت عیسر
واجب نہیں، محض ثواب اور مستحب ہی، پس اہل استحباب کی رعایت سے اہل وجوب کو تنگی اور
پریشانی میں ڈالنا مکروہ ہے،

نیز بقر عید کی نماز عید الفطر کی نماز سے سویرے پڑھنا چاہئے، کیونکہ شہر والے بعد نماز
کے قربانی کرتے ہیں تو نماز کی تاخیر سے اُن کو قربانی میں تاخیر ہوگی، جس سے تکلیف ہوتی ہے،
قال فی رد المحتار بند بتعجیل الاضحی لتعجیل الاضاحی وتاخیر الفطر لیودی
الفطرة کما فی البحر رص ۱۱ ج ۸۰

۱۲ سوال سوم سمجھ میں نہیں آیا، معلوم نہیں سائل وقت مستحب کس کو سمجھے ہوئے ہے
اور اس پر جو لوگ پابندی کرتے ہیں، اُن کے پاس اس پابندی کی کوئی وجہ ہے یا نہیں ممکن
ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے پابندی ہو، اس لئے مبہم سوال کا جواب نہیں دیا جاسکتا،
۱۳ عیدین کے متعلق وقت کرامت بلندی آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کا وقت ہر
کما تر، ۵ رزی الحج ۳۳

جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو سوال (۱۰) مسئلہ یہ ہے کہ میں بہار نپور گیا تھا وہاں جا کر دیکھا تو
نماز تسبیح پڑھنے کا حکم جمعہ مسجد میں جمعہ کے وقت ٹھیک دوپہر بارہ بجے صلوة التسبیح
پڑھنے لگے، میں نے کہا کہ زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے، انھوں نے کہا کہ جمعہ کو جائز ہے
تم دریافت کرو، آپ فرمادیں کہ یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب؛ امام ابو یوسف ر کے نزدیک جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھنا جائز

ہے، اور بعض علمائے اُن کے قول پر فتویٰ بھی دیا ہے، لیکن ہمارا اور اکثر محقق فقہاء علماء کے نزدیک
امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے، کہ جمعہ کے دن بھی مثل اوردنوں کے اس وقت نماز جائز نہیں
جیسا کہ شامی اور بدائع میں مصرح ہے، بلکہ طوالت کا رڈ میں عہارت نہیں لکھی گئی،
نوٹ؛ ٹھیک دوپہر پلوے کے بارہ بجے نہیں ہوتا، بلکہ کچھ منٹ بعد ہوتا ہے، اور ہر موسم
میں کچھ فرق ہوتا رہتا ہے، کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۶ ریح الثانی ۳۵

آخر عصر میں اسی روز سوال (۱۱) کتاب علم الفقہ میں لکھا ہے کہ نماز اسی دن کی عصر کی مکروہ وقت
کی عصر ادا کرنا، یعنی قریب غروب آفتاب پڑھنا کرامت تحریمیہ کے ساتھ ہے، جس کا

باطل کر کے اچھے وقت ادا کرنا واجب ہے، کیا یہ صحیح ہے، اور قابل عمل ہے، اکثر لوگ وجہ
عظیم الفرستی اپنے پیشہ کے مکروہ وقت میں نماز ادا کرتے ہیں تو کیا انکو اعادہ کر لینا چاہئے؟

الجواب؛ یہ تو صحیح ہے کہ اُس وقت عصر کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس قدر
کرنا سخت گناہ ہے، لیکن اس عصر کو اس وقت توڑ دینا اور اس کو دوبارہ پڑھنا جو علم الفقہ میں

لکھا ہے صحیح نہیں، غالباً مؤلف سلمہ نے شامی سے لیا ہے، اُس میں اس موقع پر عبارت شبہ
میں ڈالنے والی ہے، مؤلف کا ذہن اس طرف گیا، لیکن شامی نے طحاوی کا حوالہ دیا ہے، اس

میں دیکھا تو صاف موجود ہے کہ عصر کو اسی وقت پڑھے، نہ قطع کرے اور نہ دوبارہ پڑھنا واجب
ہے، کیونکہ شامی میں ہے الاصلوة جنازة حینرت فیہا وسجدۃ تلیت ایتمھا فیہا وعصر

یومہ والنفل والنذر والمقید بہا وقضاء ما شرع بہ فیہا ثم افسدہا فتعقد ہذا
الستہ بلا کراہۃ اصلا فی الاولیٰ منها مع الکراہۃ التثنیہ فی الثانیۃ و

التحریمیۃ فی الثالثۃ وکذا فی البواقی لکن مع وجوب القطع والقضاء فی وقت
غیر مکس وہ (ص ۱۱ ج ۳۸) اس میں مع وجوب الخ فقط بواقی کے ساتھ ہے، ثالثہ کے

ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے جیسا کہ مؤلف علم الفقہ نے خیال کیا ہے، چنانچہ طحاوی میں ہے
فیجب القطع والقضاء فی غیر النوعین الا عصر یومہ فانہ لا یجوز قطعہ الخ کتبہ احقر عبدالکریم عفی
عنه

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ شعبان ۳۸
وقت عشاء و فجر کے بارے میں سوال (۱۲) آیا جناب کے علم میں گھڑی کے حساب سے کچھ وقت
مقرر ہے کہ آجکل رمضان میں غروب شمس سے کتنی دیر کے بعد وقت عشاء کا شروع ہو جاتا ہے

اور مختلف فیہ کب سے اور متفق علیہ کب سے اور ایسے ہی صبح صادق سے طلوع شمس تک

کتنا وقت ہے؟

الجواب ہر موسم میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، ماہیں غروب و وقت عشاء، اور ماہیں فجر و طلوع بھی، اور ہر زمانہ میں جو قدرے تفاوت ہوتا ہے وہ مظاہر حق سے یا اسلامی جنٹری سے جو سہارنپور میں ملتی ہو مسلم کریں، کتبہ احقر عبدالکریم ۱۵ رمضان ۱۳۵۸ھ جمعہ کے دن زوال کے سوال (۱۳)..... زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم قول ہر فتویٰ نقل کیا ہے، مگر علامہ شامی نے اس کو مخدوش کر دیا ہے، لیکن خود کوئی فیصلہ نہیں کیا، اب قول فیصل کیا ہے؟

الجواب؛ علامہ شامی نے صاف طور پر ترجیح دی ہے قول امام اعظم رحمہ اللہ کے کہ اور فتح القدیر نے جو قول ابویوسف کو ظاہر ترجیح دی ہے اس کے متعلق لکھا ہے لیکن لم یعول علیہ فی شرح المنیة والصلاد علی ان ہذا الیس من المواضع الی یحمل فیہا المطلق علی المقید کما یعلم من الاصول وایضاً فان حدیث النہی صحیح رواہ مسلم وغیرہ فیقدم بصحتہ واتفق الائمۃ علی العمل بہ وکونہ حافظ الامور اور اخیر میں اپنی تائید کے لئے تحریر فرماتے ہیں، ورایت فی البدائع ایضاً ما نصہ وما ورد من النہی الا بمکة شاذ لا یقبل فی معارضة المشہور وکذا روایۃ استثناء یوم الجمعة غریب فلا یجوز تخصیص المشہور بہ اذ، ولشہد الحمد اس سے صاف واضح ہے کہ راجح قول امام صاحب کا ہے، اور جمعہ کو بھی دیگر ایام کی طرح استوار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے، ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

صلوة غم کے اوقات مستحبہ | سوال (۱۳) نماز فجر کا وقت مستحب طلوع آفتاب سے کس قدر قبل ہے؟ (۲) نماز ظہر کا وقت مستحب نصف النہار سے کس قدر بعد ہے؟ (۳) نماز عصر کا وقت مستحب غروب آفتاب سے کس قدر قبل ہے؟ (۴) نماز مغرب کے وقت غروب کس قدر بعد تک رہتا ہے؟ (۵) نماز عشاء کا وقت مستحب ثلث لیل ہے یا سُدس لیل، اور تعیین لیل غروب آفتاب تا صبح صادق سے کیا جاوے گا یا غروب آفتاب تا طلوع آفتاب سے؟

الجواب؛ نماز فجر میں اسفار مستحب ہے، یعنی روشنی پھیلنے سے پہلے شروع نہ کی جاوے، وهو المختار کما فی الدر المختار وهو ظاہر الروایۃ کما فی البحر عن العنایۃ خلافا

لطحاوی فانہ قال ان کان من عزمہ تطویل القراءة فالأفضل ان یبدأ بالتغلیس ویشتم بالاسفار وان لم یکن من عزمہ تطویل القراءة فالاسفار رای الابتداء فی الاسفار افضل من التغلیس، ووجه المختار ان فیہ تکیف الجماعۃ کما قالہ الشمس الاثنتہ فی المبسوط، اور روشنی پھیلنے کا وقت احقر نے جو تجربہ کیا تو طلوع فجر و طلوع شمس کے نصف پر ہے، اور طلوع میں کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ بیس منٹ ہوتا ہے، اور زائد سے زائد ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ، پس اسفار کا وقت بعض ایام میں طلوع شمس سے ۳۰ منٹ پیشتر ہوگا، اور بعض ایام میں تقریباً ۵۰ منٹ، جیسا کہ اسلامی جنٹری سہارنپور سے واضح ہے، یہ تو نماز فجر کے وقت مستحب کی ابتداء ہے، اور انتہا کے متعلق شامی میں ہے وحد الاسفار ان یمکنہ اعادۃ الطہارۃ ولو من حدث اکبر کما فی النہی والفقہستانی واعادۃ الصلوة علی الحالۃ الاولی قبل طلوع الشمس رای بجث یرتل اربعین آیۃ الی ستین) اور اس کا تخمینہ آدھا گھنٹہ کیا گیا ہے، پس وقت مستحب کا انتہائی حصہ یہ ہے کہ جب نماز شروع کی جاوے اس وقت کم از کم نصف گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی ہو،

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا وقت معین نہیں ہے، جس میں ذرا سی کمی بیشی سے یہ فضیلت فوت ہو جاوے، بلکہ بعض ایام میں طلوع آفتاب سے ۳۰ منٹ پہلے شروع کرنا بھی وقت مستحب کی حد میں داخل ہے، اور بعض میں ۵۰ منٹ قبل طلوع بھی، اور علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وقت فجر کا کوئی حصہ مکروہ نہیں، پس اگر کوئی اسفار سے قبل نماز پڑھے یا زیادہ تاخیر کرے تو اس پر ملامت نہیں، (۲) نصف النہار استوار شمس کا وقت ہے، اس سے دو منٹ بعد زوال شروع ہوتا ہے اور نصف النہار سے پانچ منٹ بعد لوگ شمس محسوس ہو جاوے، پس وقت ظہر کی ابتداء نصف النہار سے ۵ منٹ بعد ہے، مگر نماز پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ نماز ظہر سردی میں جلدی پڑھنا مستحب ہے، اور گرمی میں دیر سے پڑھنا اور تعجیل و تاخیر کی حد یہ ہے کہ نصف اول میں پڑھنا

۱۳۵ شم رأیت فی البحر عن السراج الوبان وحد الاسفار ان یصلی فی النصف الثانی والحمد للہ علی ذلک ۱۳ منہ

۱۳۵ سہارنپور دیوبند وغیرہ میں اسی پر عمل ہے، کہ نماز شروع کرنے کے وقت ۳۰ منٹ سے کم باقی نہیں ہوتے،

اور ۳۰ - ۲۵ سے زیادہ نہیں ہوتے، ۱۲ منہ

تعمیل ہے اور نصف ثانی پڑھنا تاخیر ہے، کما نفعہ صاحب البحر عن الاسرار (ص ۲۴۸) اور
نظر کا وقت متفق علیہ ہے ایک مثل تک ہی پس سردی میں تو ایک مثل کے نصف اول میں پڑھنا
چاہئے، اور گرمی میں نصف ثانی میں، اور ہمارے دیار میں جو معمول ہے وہ بالکل اس کے مطابق ہے
چنانچہ سردی میں دھوپ گھڑی سے تقریباً تین بجے تک ایک مثل ہے، اور دھوپ گھڑی کے
حساب کے ڈیڑھ بجے سے پیشتر جماعت ہو جکتی ہے، جو یقیناً نصف اول ہے، اور گرمی میں پونے
چار تک ایک مثل ہے، اور نماز دو بجے کے بعد پڑھنے کا معمول ہے، جو یقیناً نصف ثانی ہے اور
درمیانی زمانہ میں، تھوڑا تھوڑا تفاوت ہوتا رہتا ہے، کما لا یخفی،

(۳) وقت عصر کی ابتداء اور وقت ظہر کی انتہاء میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک
ایک مثل پر نظر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور امام صاحب کے نزدیک
مشہور روایت کی بناء پر دو مثل پر وقت ظہر ختم ہوتا ہے، اور وقت عصر شروع ہوتا ہے،
اور ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی ہے کہ وقت ظہر تو ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، مگر
وقت عصر دو مثل پر شروع ہوتا ہے، اکثر مشائخ نے احتیاط کی وجہ سے اسی قول کو لیا ہے،
اور ہمارے اکابر کا عمل بھی اسی پر ہے، اور جب وقت عصر کی ابتداء میں اختلاف ہے تو
وقت مستحب کے شروع ہونے میں بھی اختلاف ہوگا، یعنی صاحبین کے نزدیک ایک مثل سے
غروب آفتاب تک جس قدر وقت ہے اس کے نصف اخیر میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور امام صاحب
کے قول پر دو مثل سے غروب تک جتنا وقت ہے اس کے نصف اخیر میں، اور ہمارے دیار میں
جس وقت نماز پڑھنے کا معمول ہے وہ صاحبین کے نزدیک وقت عصر کا نصف اخیر ہے اور
امام صاحب کے نزدیک نصف اول یعنی قول امام کی رعایت اس معمول میں نہیں ہے، حالانکہ
ظہر میں اس کی رعایت کی گئی ہے، کما فی الحاشیة آلفاً، سو اس کی وجہ سننے یا دیکھنے میں تو

لے بک غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس معمول میں دونوں قول کی رعایت ہے، یعنی ایام تعمیل میں ایسے وقت نماز
ہوتی ہے، جو مثلین کا بھی نصف اول ہے اور ایک مثل کا بھی، اور ایام تاخیر میں ایسے وقت نماز ہوتی ہے جو ایک
مثل کا بھی نصف ثانی ہے اور مثلین کا بھی نصف ثانی ہے، اور چونکہ ایک مثل کے بعد وقت مختلف فیہ ہے، اور جو
اس وقت کو نظر کا وقت کہتے ہیں وہ بھی مکروہ کہتے ہیں، اس واسطے ایک مثل سے پہلے ظہر پڑھی جاتی ہے،

نہیں آتی، مگر غالب خیال یہ ہے کہ تاخیر ظہر میں تو ابراہم مقصود ہے، اس کے واسطے قول امام کی رعایت
مزدوری ہے، اور تاخیر عصر کا جو مقصود ہے یعنی نوافل کے لئے گنجائش دینا وہ ایسے وقت پڑھنے
سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جو قول صاحبین کی بناء پر نصف اخیر ہو، اور امام صاحب کے قول پر اول
وقت ہو، واللہ اعلم بالصواب،

اور وقت مستحب کی انتہاء اصفر اشمس تک ہی، یعنی دھوپ زرد ہو جانے تک تاخیر کرنا
مکروہ تحریمی ہے، اور اس کا تخمینہ کبھی احرار نے تو کیا نہیں مگر مولانا نجفی صاحب کا مدہلوی نے
حضرت گنگوہی کا قول نقل کیا تھا، کہ غروب سے صرف دس منٹ پہلے دھوپ زرد ہوتی ہے
خود بھی اس کا تجربہ کر لیا جاوے،

(۴) غروب کے بعد معمولی دیر کا تو مضائقہ نہیں، لیکن یقین غروب کے بعد فوراً اذان
کہنا چاہئے، اور اذان واقامت میں تھوڑا سا وقفہ بھی مامور ہے جس کی مقدار تین آیتوں کا پڑھنا
ہے، اور اگر اس سے زیادہ دیر کی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اشتباک نجوم تک تاخیر کرنا تو مکروہ
تحریمی ہے، اور اتنی دیر کرنا کہ ایک آدھ ستارہ ظاہر ہو جاوے مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر ستارہ
تو کوئی ظاہر نہ ہو مگر اتنی دیر ہو گئی کہ اطمینان سے دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں، تو اکثر فقہاء
اس قدر تاخیر کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، کما صاحب الدرر فح القدر وغیرہما، لیکن شرح منیہ
اور حلیم سے شامی نے نقل کیا ہے کہ مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے، یعنی مستحب تو یہی ہے کہ دو رکعت
کی مقدار دیر نہ کرے، لیکن اگر کسی نے دیر کی تو ظہور النجم تک کراہت نہیں مباح ہے،
خلاصہ یہ کہ اس میں اختلاف ہے کہ وقت مکروہ تنزیہی کب شروع ہوتا ہے، بعض کے نزدیک
دو رکعت مقدار وقت گذرنے پر اور بعض کے نزدیک ظہور النجم سے، والثانی اقرب و اوسع و
ظاہر مافی رد المحتار بدیل ان العلامة الشامی مال الیہ، اور یہ سب گفتگو جب ہے جبکہ کوئی عذر
نہ ہو، اور اگر عذر ہو تو پھر تاخیر میں کراہت نہیں، ومن الاعذار السفر و کونہ علی اکل کما فی الدرر،
پس رمضان میں اقطار کی وجہ سے دیر ہونا مضائقہ نہیں، اور وقت مغرب کی انتہاء مختلف فیہ ہے،
امام صاحب کے نزدیک تو شفق ابیض غائب ہونے پر ختم ہوتا ہے، اور غروب آفتاب و شفق
ابیض کے درمیان اتنا وقت ہوتا ہے جتنا کہ طلوع فجر صادق و طلوع آفتاب میں اور حدیث
کے نزدیک شفق احمر تک وقت مغرب ہے، اس کا صحیح حساب معلوم نہیں ہے، کہ شفق ابیض
سے کتنی دیر پیشتر غائب ہوتی ہے، کسی ریاضی داں سے دریافت کر لیا جاوے،

(۵) شرعات غروب آفتاب سے طلوع فجر صادق تک ہی اور مستحب یہ ہے کہ عشاء میں ثلاث لیل تک تاخیر کی جاوے، اور ثلاث سے نصف تک مباح ہے، اور نصف کے بعد مکروہ تحریمی ہے، لیکن جب ثلاث تک تاخیر کرنے میں تقلیل جماعت کا اندیشہ ہو جیسا کہ آجکل یہ اندیشہ سب جگہ ہے، تو پھر جلدی پڑھ لینا بہتر ہے، واللہ اعلم، ۸ اشوال ۱۵۳۴

غروب آفتاب اور غروب شفق سوال (۱۵) قابل گذارش یہ ہو کہ مولوی عبدالکریم کا جواب ملا، ابیض میں تفاوت کی تحقیق میں نے چاہا تھا کہ ان کے ارشاد کے مطابق بتادوں، اور ہرکت آں قبلہ دو جہاں بناووں گا، مشکل یہ پیش آئی کہ اہل ہندسہ نے ابیض و احمر کی تفریق نہیں کی، صرف ۸ درجہ انعکاس سورج رکھے ہیں، میں نے اس سے پہلے بھی چار سال ہوئے کوشش کی تھی، اور اب پھر کوشش کی، مجھے خیال یہ آیا کہ اہل ہندسہ نے مشاہدات کر کے اصول بنائے ہیں میں خود کیوں نہ تجربہ کروں و مشاہدہ کروں، اور ٹھیک پتہ لگاؤں، چنانچہ برکت آں قبلہ میں نے مولوی شمشیر علی، ممتاز علی، حافظ بشیر احمد صاحبان کو ساتھ لے کر روزانہ غروب سے ۸ بجے تک بیٹھنا اور مشاہدہ کرنا شروع کیا، اور نظر سے جو فرق پیدا ہو سکتا تھا اس کا حساب کیا،

جو جو شفق کی شکلیں آسمان پر پیدا ہوتی ہیں ان کے مسودے اور چلتے ہوئے سرسری نکتے بنا کر پیش کر رہا ہوں۔

صورت یہ پیدا ہوتی ہے کہ غروب کے ساتھ ہی ساتھ کوئی سرخی نہیں رہتی، اس کے بعد تقریباً ۵ منٹ کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ چوتھائی افق پر سرخی چھا جاتی ہے، پھر یہ سرخی طول میں گھٹی جاتی ہے، اور اونچائی میں زیادہ ہوتی جاتی ہے، اور اس کے اوپر خفیف سیاہ ڈورا آجاتا ہے، پھر یہ سرخی سمٹتی ہے، اور ایک جگہ آجاتی ہے، اور اس کے اوپر سفیدی پھیلنا شروع ہوتی ہے، اور سفیدی ہوتی ہے، اور نیچے سرخی کم کم، پھر یہ سرخی غائب ہو جاتی ہے، اس کے غائب ہوتے ہی دو ایک منٹ تک سناٹا ہو جاتا ہے، بعض دفعہ تو نہایت بھیانک نظر آتا ہے، اور ڈر سا لگتا ہے، اب سفیدی کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور مقام غروب سے سورج سے شمالاً و جنوباً سفیدی پھیل جاتی ہے جو دو دھ کی طرح سفید ہوتی ہے، پھر یہ سفیدی طول میں گھٹی ہے، مگر چوڑائی میں زیادہ اور صاف ہوتی ہے،

اس کے بعد طول اور گھٹتا ہے، مگر اب اوپر ایک چھوٹی سی محراب پیدا ہو جاتی ہے، اور بعدہ سفیدی خوب روشن ہو جاتی ہے، چوڑائی میں زیادہ ہوتی ہے، اور اس جگہ جہاں سورج ڈر رہا تھا محراب پیدا ہوتی ہے، اور وہ سفیدی جو طول میں مقام غروب سے شمالاً و جنوباً پھیلی تھی دھیرے دھیرے غائب ہو جاتی ہے، اور صرف محراب جو ایک لمبی ستون کی طرح ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہے، یہی وہ وقت ہے جس کو ہندسہ والے غروب شفق بتاتے ہیں، اور اس کے ختم ہونے پر کل حضرات نے اپنی اپنی جہتوں میں غروب شفق ابیض بتایا ہے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طولاً از شمال تا جنوب شفق نہ ابیض رہا نہ احمر، مگر یہ محرابی ستون اس ابیض کے سمٹنے سے ہی تو پیدا ہوتا ہے، اس کو کیوں چھوڑ دیا جائے، یہ اگر شفق ابیض کا حصہ نہیں تو کیا ہے، یہ حصہ بہت دیر میں تقریباً ۳۵ منٹ میں موسم اعتدال میں غائب ہو جاتا ہے، خادم نے جو مشاہدہ کیا اور بار بار دیکھا ہے اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ ابیض کا حصہ ہے، مگر انھوں نے اس کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے نمودار تمام آسمان پر محیط صورت ختم ہو گئی، صرف مقام غروب آفتاب پر ایک ستون رہ گیا جس کا تمام افق پر کوئی اثر نہیں، جس طرح ریاضی میں اوسط بن کرتے ہیں یا کسرات کو چھوڑ جاتے ہیں، اگر اس ستون کو خارج کر دیا جاوے تب تو ہندسی اعداد ٹھیک ہیں، اور اگر اس کو شامل کیا جائے تو ۲۵ منٹ بعد غروب ابیض ہوگا،

اب بندگان عالی بتائیں کہ خادم اس کو اسی طرح ترک اور نظر انداز کر دے جس طرح جدید انگریزی ہندسہ نے نظر انداز کیا ہے، یا شامل کیا جائے گا تو ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگا، میری اول کی جہتوں سب قابل ترمیم ہیں،

الجواب، گذارش آنکہ آپ کی تحریر میں غور کیا، نیز حضرت واللا سے اس باب میں مراجعت کی، بالآخر یہ طے ہوا کہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض میں اتنا ہی تفاوت ہوتا ہے جتنا کہ صبح کا زب اور طلوع آفتاب میں ہوتا ہے، یعنی ۸ درجے، اور جتنا تفاوت صبح کا زب و صادق میں ہوتا ہے اتنا ہی تفاوت شفق احمر و ابیض کے غروب میں ہوتا ہے، یعنی ۳ درجے، کتابوں میں بھی یہی ملا، چنانچہ جزو اول شرح چغینی میں اور جزو دوم رد المحتا میں مصرح ہے، اور مقنناتے قیاس بھی یہی ہے، پس اصل سوال کا جواب تو ہو چکا، یعنی

بیاض مستطیر کے غروب پر شفق کا غروب مانا گیا ہے، اور وہ سفیدی جو بشکل ستون ۸ درجہ کے بعد آپ نے مشاہدہ کی ہے، نظر انداز کرنے کے قابل ہے جیسا کہ سب جنتریوں میں کی گئی ہے، باقی رہا یہ سوال کہ باوجود بعد شمس عن الافق اس بیاض مستطیر کے رہنے کی کیا وجہ ہے، سو یہ علم ہیئت کی بحث سے خارج ہے، ممکن ہے کہ علم طبیعیات میں اس کی کوئی وجہ مل جاوے، تلامذہ کی ضرورت نہیں سمجھی، کہ اس پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں، فقط احقر عبدالکریم عفی عنہ مورخ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

چونکہ یہ جواب میری مشارکت اور مشاورت سے لکھا گیا ہے اس لئے میں اس میں متفق ہوں اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فجر سے قبل بیاض مستطیل بالیقین عشاء کا وقت ہے، اقرب الی القیاس یہ ہے کہ اسی طرح بیاض مستطیل بعد غروب بھی عشاء کا وقت ہو، واللہ اعلم، البتہ اگر کوئی نقل صحیح اس قیاس کے معارضن ہوتی... تو یہ قیاس مؤثر نہ ہوتا، اور ایسی نقل مفقود ہے، اور گویہ دلیل قطعی نہ ہو لیکن موقع ضرور کمالا یعنی، اشرف علی ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

فصل فی الاذان والاقامۃ

اذان کے جواب میں اللہ اکبر | سوال (۱) اذان سننے کے وقت سامع کو اللہ اکبر کے ساتھ کے بجائے جل جلالہ کہنا | جواب دینا افضل اور بہتر اور مزید ہے، یا جل جلالہ اور اگر جل جلالہ کہنا جائز ہے تو کوئی اس بارہ میں حدیث وارد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی الحصن واذا سمع المؤذن فليقل كما يقول (ع۵) وبعد الحيلة لاحول ولا قوة الا بالله (ص ۸۰) اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر کہنا ہی افضل ہے، لورود الامر فیہ واقلة السنية او الاستجاب، ہاں اللہ اکبر کے بعد جل جلالہ بڑھادے تو اچھا ہے، لکونہ زیادة فی الشناہ، باقی حدیث میں کہیں ہم کو ثابت نہیں ہوا، اور اگر اللہ اکبر نہ کہے بلکہ صرف جل جلالہ کہے تو جواز میں تو شک نہیں، لکون التکبیر فی الاذان اقل تا کما دمنہ فی فتوح الصلوٰۃ فلما جاز فیہ عند الخفیه ان يقول اللہ اجل، او اعظم او الرحمن اکبر او یأودی معنی التعظیم ففی الاذان اولی، لیکن خلاصہ سنت ضرور ہے، سچے کے کان میں سزا اذان | سوال (۲) مولود کے کان میں جو اذان دی جاتی ہے اسکی کیفیت دینی چاہئے یا جہرا؟ | کیا ہے، نماز کی اذانوں کی طرح جیسا قبلہ رخ اور کان میں ہاتھ دینا

بلند آواز سے دینا اور مرد ہونا وغیرہ شرطیں یہاں بھی ملحوظ ہیں یا نہیں، زید کہتا ہے کچھ شرط نہیں بلکہ سچ کو گود میں لیکر بچہ کو سنا دینے سے کافی ہے، نہ چہر کی ضرورت ہے اور نہ قبلہ رخ کی، آیا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: زید کا قول صحیح ہے، کیونکہ اس اذان سے اعلام مقصود نہیں صرف تبرک مقصود ہے لہذا نہ جہر مفروض چاہئے نہ استقبال قبلہ کی ضرورت ہے، اور استقبال کے افضل ہونے میں شک بھی نہیں، کیونکہ مطلق ذکر میں استقبال افضل ہے، فلذا ہذا اگر لزوم کی کوئی دلیل نہیں، واللہ اعلم، ۹ شعبان ۱۳۵۲ھ

اذان اور اقامت میں جزم اور سوال (۵) اذان و اقامت میں حتی علی الصلوٰۃ وحی علی الصلوٰۃ ہر کلمہ پر دو وقت کا مسنون ہونا، اگر پہلے میں وصل کہ کے حتی علی الصلوٰۃ یعنی تاہ کو ظاہر کیا اور نہ حتی علی الصلوٰۃ پر دو وقت کیا تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان و اقامت میں جزم مسنون ہے، پس حتی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح کی تاہ وحاء کو حرکت نہ دینا چاہئے بلکہ ہر کلمہ اذان پر دو وقت اور اقامت میں نیت وقت کرنا چاہئے کافی مراقی الفلاح دیکن کلمات الاذان والاقامۃ فی الاذان حقیقۃ وینو الوقف فی الاقامۃ (لانه لم یقف حقیقۃ لان المطلوب فیہ الحد ۱۲ طحاوی) لقوله علیه السلام الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم ای لا فتاح الصلوٰۃ ام (ص ۱۱۱)

مسجد کی چھت پر اذان کہنا سنت | سوال (۶) در مختار اردو میں تحریر ہے کہ اذان ہے یا واجب، اور بلندی پر اذان کہنے سے بے پردگی ہو تو کیا حکم ہے؟ بلند جگہ پر کہنی چاہئے جو اس کے خلاف کرے گا وہ گناہگار ہوگا، یہاں اس پر عمل ہونے سے کوئی کہتا ہے مکافوں کی بے پردگی ہوتی ہے، بے پردگی کے انتظام کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ قدیم سے جہاں اذان ہوتی آئی ہے وہاں ہوتی چاہئے کیا پہلے دنیا میں مولوی نہیں تھے، اب نئی نئی باتیں کہاں سے نکل آئیں، اکثر اس مسجد میں علماء و دل کی آمد و رفت رہی ہے، کبھی کسی صاحب نے اعتراض نہیں کیا، ایسی صورت میں بموجب شرع شریف کیا کرنا چاہئے، آیا چھت مسجد یا غسلخانہ کی چھت پر یا سقاوہ کی چھت پر یا نالیوں پر جو کہ فرش مسجد سے کسی قدر اونچی ہیں، اذان کہی جاوے، امید کہ بیائس کی تعداد

حضور فرما کر اطلاع بخشیں تاکہ مشرف ہو،

الجواب: قال في الدرر وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة اه (ص ۳۹۸ ج ۱)
قال الشامي في القنية وسين الاذان في موضع عال والاقامة على الارض وفي
اذان المغرب اختلاف المشايخ والظاهر انه ليس المكان العالي في المغرب ايضا
كما سياتي وفي السراج وينبغي ان يؤذن في موضع يكون اسمح للجيران ويرفع
صوته ولا يجهد نفسه اه وفي الشامية ايضا قال ابن سعد بالسند الى ام
زيد بن ثابت كان يذون بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه
من اول ما اذن الى ان بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده فكان
يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره اه (ص ۴۰۲ ج ۱)
قلت هذا شرح كما ذكرته في الاعلاء معزيا الى ابى داود (ص ۱۱۰ ج ۲)
وفي الطحطاوى على مراقي الفلاح ويكره ان يؤذن في المسجد كما في القهستاني
عن النظم فان لم يكن ثمة مكان مرتفع للاذان يؤذن في فناء المسجد اه
(ص ۱۱۳ ج ۱) ودر مختار میں ہے لکھا ہے کہ اذان بلند مکان میں کہنا سنت ہے، اس میں
یہ نہیں لکھا کہ جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا، ہاں اس کے بعد مطلق اذان کے
متعلق کہا ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے اور کواجب فی الحق الاثم، لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ
اگر فرض نماز کے لئے اذان بالکل نہ دی جائے تو گناہ ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ بلند جگہ میں اذان
نہ دی جائے گی تو گناہ ہوگا، خوب سمجھ لو، بہر حال اس میں شک نہیں کہ اذان کا بلند جگہ میں
ہونا مستنون ہے، مگر بلند جگہ میں ہونا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنن زوائد سے ہے، جس کا
کرنا موجب ثواب ہے، اور ترک سے گناہ نہیں، اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال
مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے، اور وہاں کوئی
بلند جگہ اذان کے لئے ان کے واسطے بنا دی گئی تھی، لیکن ہر جگہ کے لئے یکساں بلندی نہیں
مقرر ہو سکتی، بلکہ اس کا معیار اہل محلہ کو آواز پہنچنے پر ہے، پس جتنی بلندی سے محلہ کے اکثر
گھروں میں آواز بہولت پہنچ جائے اتنی بلند جگہ پر اذان دی جائے بشرطیکہ اتنی بلندی سے
مسلمانوں کے گھروں کی بے پردگی نہ ہوتی ہو، اور بے پردگی ہوتی ہو تو ایسی بلند جگہ اختیار
کی جائے جہاں بے پردگی نہ ہوتی ہو اور اس کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر اذان مسجد کے حصہ زیریں

میں مسجد سے باہر نالی وغیرہ پر دی جائے، اور سنت ارتقاء کی رعایت میں محرم کا ارتکاب
نہ کیا جا، واللہ اعلم، ۸/ صفر ۱۳۵۵ھ

جمعہ کے روز اذان ثانی کا سوال (۷) کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت اور مناجات
جواب دینا جائز نہیں، مگر وہ تحریمی ہے، کوئی کہتا ہے مگر وہ تنزیہی ہے، کوئی کہتا ہے
بدعت ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ مستحب ہے، لہذا عرض پرداز ہوں کہ کونسی بات صحیح ہے، مع
ادلہ تحریر فرمادیں گے،

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا مختلف فیہ ہے، صاحبین کے نزدیک جائز
ہے، اور امام صاحب کے قول میں مختلف روایات ہیں، ایک روایت سے کراہت معلوم ہوتی
ہے اور ایک روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے، اور طحطاوی نے اس کا صحیح ہونا نقل کیا ہے،
اور امام صاحب سے جو یہ قول مشہور ہے کہ خروج امام قاطع صلوة وکلام ہے، اس کا مطلب
یہ ہے کہ خروج امام قاطع کلام الناس ہے، اور قاطع سائر الکلام خطبہ کا شروع ہو جانا ہے،
پس ابتداء خطبہ سے پہلے کلام دینی یعنی تسبیح و جواب اذان جائز ہے، وبہ وردت الاحادیث
ناطقة كما ذكرته في اعلاء السنن فعن ابى هريرة مرفوعا خروج الامام يوم الجمعة
للصلوة يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام اخرجہ البيهقي وسندہ حسن وعن
ثعلبة ابن مالك القحظي انه اخبره (راى ابن شهاب) انهم كانوا في زمن عمر
ابن الخطاب يصلون الجمعة حتى يخرج عمر فاذا خرج وجلس على المنبر واذن
المؤذنون قال ثعلبة جلسنا نتحدث فاذا سكت المؤذنون وقام عمر يخطبنا
فلم يتكلم منا احد اخرجہ مالك في الموطاء وسندہ صحيح وثعلبة مختلف في
صحبتہ، قال صاحب التمهيد له صحبة اه وقال الطحطاوى في حاشيته
على مراقي الفلاح وفي البحر عن العناية والنهاية اختلف المشايخ على قول الامام
في الكلام قبل الخطبة فقيل انه يكره ما كان من جنس كلام الناس اما لتبنيح
ونحوه فلا وقيل ذلك مكرهه رايضا والاول اصح ومن ثمة قال في البرهان و
خروجه قاطع للكلام اى كلام الناس عند الامام فعلم بهذا انه لا خلاف
بينهم في جواز غير النبي صلى الله عليه وسلم على الاصح ويحمل لفظة الكلام في الاثر على النبي
ويشهد له ما اخرجہ البخاري ان معاوية رضى الله عنه اجاب المؤذن بين يديه

فلما ان قضی التاذین قال یا ایہما الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
على هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ما سمعتم من مقالق ام من ۳۰۱ والبسط
فی الاعلاء (ص ۵۹ و ۶۰ و ۶۱) ۲۷ رجب ۱۲۵۵ھ

مرض طاعون میں اذان دینا | سوال (۱۶) مرض طاعون میں جو اکثر آدمی مسجدوں
مشرور ہے یا نہیں؟ میں اذانیں دیتے ہیں، یہ مترع کے غلات ہے یا موافق ہے، ایک
مولوی صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے بابت فرماتے ہیں کہ ان کا
توفیقی ہے اذانوں کا، کیا یہ بات صحیح ہے اور ان کا فتویٰ بر؟ جواب فرماویں،

الجواب: قال الشامی عن حاشیة البحر للخیار الرملی رأیت فی کتاب الشافیة
انه قد یسق الاذان لغير الصلوة كما فی اذان المولود والمهموم والمصرع والغضب
ومن ساء خلقه من انسان او جمیمة وعند مزرحم الجيش وعند الحرین و
عند تغول الفیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ اقول ولا بعد فیہ
عندنا ای لان ما صح فیہ الخبر بلا معارض فهو من ذهب للمجتهد وان لم
ینص علیہ ام (ص ۳۹۹) بعض علماء نے تغول غیلان کی حدیث سے طاعون کے لئے
اذان کو مشروع کہا ہے، مگر ہم کو اس میں کلام ہے، ہمارے نزدیک تغول غیلان سے مراد یہ
ہے کہ کوئی ایسی صورت نمودار ہو جس میں جنات کا سامنے موجود ہونا اور غلبہ و تمرد کرنا محسوس
ہو، جیسا کہ رات کو سفر کرتے ہوئے بعض دفعہ جنگلوں میں جنات کی آوازیں یا ڈراونی شکلیں
نظر آیا کرتی ہیں، اس وقت اذان دینا مشروع ہے، اور طاعون میں جنات کا وجود اور غلبہ
محسوس نہیں ہوتا، بلکہ محض سمعاً و نقلاً معلوم ہوا ہے، واللہ اعلم، قلت ویؤید قول الشیخ
فی القاموس و مجمع البحار من تفسیر التغول بالتلون بصورشتی و ایضاً فان فی
الاذان فی هذه الحالة تشویثاً و تغلیطاً و ایضاً فیہ تحویل للناس فانهم اذا
سمعوا الاذانات بکثرة یفرعون و یتوهمون ان الوباء شدیدة فی البلد حتی
سقط حمل بعض الخول بذلک قاله الشیخ لا یقال ان لم یعتقد سنیة هذا
الاذان مستدلاً بالحدیث المذكور لكونه محمولاً علی ظهور الجن بل اذن سنیة
الرقیة ینبغی ان یجوز قلنا ان العوام تعقدون من الامور الشرعیة الدینیة كما
هو شاهد من احوالهم ومن لم یعرف حال اهل زمانه فهو جاهل فانهم، حریر الاحص
ظفر احمد غفانه ۲۱ سوال ۱۲۵۵ھ، نعم التحقیق بقول حقیق، تنبیہ آخرت علی، ۲۳ روال ۱۲۵۵ھ،

مسجد میں تلاوت کرنے والے کو | سوال (۷) تالی القرآن فی المسجد کو خواہ عامی ہو یا عالم جو
جواب اذان افضل ہے یا تکرار؟ الاذان افضل ہے یا مشغولی تلاوت؟

الجواب: جواب اذان افضل ہے، فی الدار المختار (ویجب) وجوباً وقال
الحلوانی ندباً والواجب الاجابة بالقدم من سمع الاذان، ولو جنباً للاحضاء
نفساء و سماع خطبته و فی صلوة جنازة و جماع و مستراح و اكل و تعلم علم
و تعلمه بخلاف قرآن و قال الشامی تحت قوله بخلاف قرآن لانه لا یفوت
جوهره و لعله لان تکرار القرآء انما هو للاجر فلا یفوت بالاجابة بخلاف
التعلم فعلى هذا لو یقر أعلیما او تعلمها لا یقیم ما صحانی (ص ۱۳۴) وقال الشامی
ایضاً ص ۱۳۴ ر ولو بسجد لا، ای لا یجب قطعها بالمعنی الذی ذکرناه
انفا فلا ینافی ما قدمه من ان اجابة اللسان مندوبة عند الحلوانی و فی الصفحة
المذكورة ایضاً بعد نقل حدیث عن الطحاوی فهذه قرینة صارفة للامر عن
الوجوب و به تأیید ما صرح به جماعة من اصحابنا من عدم وجوب الاجابة
باللسان و انما مستحبة و هذا اظاہر فی ترجیح قول الحلوانی و علیہ مشی فی
الخانیة و الفیض الخ، الرزی الحج ۱۲۵۵ھ

تحقیق وقت قیام امام | سوال (۸)
و قوم برکت نماز،

..... زید و بکر دو عالم سنی المذہب آپس میں مختلف ہو گئے ہیں
دونوں کے دلائل لکھے جاتے ہیں جو حق و انصاف ہو اس کو تحریر فرمائیں، واحکم بینہما بالحق،
زید کا قول ہے کہ تکبیر ہوتے وقت امام و مقتدی کو بیٹھے رہنا اور حی علی الفلاح سن کر کھڑے
ہونا مستحب ہے، اور شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ ہے (عالمگیری وغیرہ کتب فقہیہ)
بکر کا قول ہے کہ یہ مسئلہ عام نہیں بلکہ خاص اس صرت میں ہے جبکہ امام و مقتدی محراب
کے قریب ہوں، اور اگر محراب سے دور ہوں تو جب امام محراب کی طرف چلے اور جس صفت کے
پاس پہنچے اس صفت کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں، اور اگر آگے سے آیا تو امام پر نظر پڑتے ہی
سب کھڑے ہو جائیں، جیسا کہ البحر الرائق، در مختار، معج الاہنر، مراق الفلاح، عالمگیری،

عہ ہکذا فی الاصل والصحیح یجب ۱۲ منہ

وغیرہ وغیرہ میں کمال تشریح سے مذکور ہے، عبارت بحر الرائق و در مختار ہے ان کان الامام بقرب المحراب والایقون کل صفت ینتھی الیہ الامام علی الاظهر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیہ الخ اور کبریہ بھی کہتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ بھی نہیں، علامہ طحاوی حنفی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں الظاهر انه احتراز عن التأخیر لا التقدید حتی لو قام اول الاقامة لبا من، اور شروع سے کھڑے رہنا کیونکر مکروہ کہا جاسکتا ہے جبکہ عموماً صحابہ کرام شروع سے کھڑے رہا کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم کی متعدد حدیثوں سے ایک حدیث بخاری یہ ہے اقیمت الصلوٰۃ فسوی الناس صفوفهم فخرج رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقدم، فتح الباری میں بروایت ابن شہاب ہران الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر فيقومون الى الصلوٰۃ فلا ياتي النبي صلی الله علیہ وسلم مقامه حتى تعدل الصفوف، ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اللہ اکبر... سننے کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے، اور حضور تشریف لانے کے ساتھ ہی مصطلے پر کھڑے ہو جاتے، چنانچہ لفظ بخاری فخرج اور تقدم سے ظاہر ہے، اور فقہائے کرام نے جو حجت علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو لکھا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شروع سے نہ کھڑا ہوا تو اب اس لفظ پر کھڑے ہو جانا مستحب ہے، جیسا کہ علامہ طحاوی حنفی نے تصریح کر دی، الظاهر انه احتراز عن التأخیر لا التقدید، غرض حجت علی الفلاح تک بیٹھنا شرعاً مطرب مندوب نہیں ہے، اسی وجہ سے محققین فقہاء نے قیام عند حجت الفلاح کو مندوب لکھا ہے کسی نے قعود الی حجت علی الفلاح کو مندوب نہیں لکھا، اور حدیث وفقہ میں اسی صورت سے مطابقت ہو سکتی ہے

بکر کہتا ہے کہ اگر لاکھوں صحابہ کرام سے کسی صحابی نے کبھی حجت علی الفلاح تک قعود کیا تو بے شک قعود کرنا بہتر ہوگا، ورنہ صرف جائز یا مباح کہا جاتے گا، اور شروع سے کھڑے رہنے کو ہرگز مکروہ نہ کہا جائے گا، اگرچہ عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، مگر بے دلیل ہے، لہذا قابل تسلیم نہیں، دیکھو اسی عالمگیری میں صیام سستہ شوال کو بروایت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکروہ لکھا ہے، حالانکہ بے دلیل ہے، دو سکر فقہاء نے اس مسئلہ عالمگیری کو تسلیم نہ فرمایا اور عام طور پر صیام سستہ کو مستحب و مندوب لکھا ہے، اور وفقہ

میں بہت ایسے مسائل ہیں کہ کسی نے مکروہ لکھ دیا، مگر محققین فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی دلیل نہ ملی، لہذا اس کی کراہت تسلیم نہ فرمائی، شامی و بحر وغیرہ میں کثرت سے اس قسم کی عبارت ملتی ہے لایلزم منه الکواہۃ اذ لا بد لہا من دلیل، اگر تھوڑی دیر کیلئے ظاہر عبارات حضرات فقہاء کرام سے حجت علی الفلاح تک بیٹھنے کو مستحب سمجھ لیا جائے جب بھی شروع سے کھڑے رہنا فقہاء کے طور پر مکروہ نہ ہوگا، کیونکہ ترک مستحب سے کراہت نہیں لازم آتی ہے، بحر الرائق جلد ۱ میں ہے لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ اذ لا بد لہا من دلیل خاص، غرض اصول و ضوابط فقہیہ حنفیہ سے شروع سے کھڑے ہونے کی کراہت نہیں ثابت ہو سکتی،

بکرنے اس کے متعلق ایک رسالہ مدلل و مفصل لکھا ہے جس کا نام "الکلام المحکم فی قیام الامام والمؤتم" ہے، لہذا آپ دونوں میں غور فرما کر جو حجت ہو اس کو تحریر فرمائیں، خلاصہ قول بکر یہ کہ شروع سے نہ قیام مکروہ نہ قعود مستحب بلکہ اگر بیٹھا رہا تو حجت علی الفلاح سن کر کھڑے ہونا مستحب ہے،

دوسرا مسئلہ؛ بکر کا معمول ہے کہ وضو اور سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد میں اسے وقت آتا ہے کہ لوگ وضو اور سنتوں سے فارغ رہتے ہیں یا قریب فارغ ہونے کے رہتے ہیں، تو آنے کے ساتھ ہی مصطلے پر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس کو سنت کریمہ جانتا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے فخرج رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقدم اور مسلم میں فاتی مقام مقامہ سے ثابت ہے، اور اس کے بعد تکبیر شروع ہوتی ہے تو بکر اپنے مقتدیوں کہتا ہے کہ اس صورت میں سب مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، جیسا کہ عبارات فقہیہ مذکورہ سے ثابت ہے والا فيقوم كل صفت ینتھی الیہ الامام، و نیز حدیث صحیح لا تقووا حتی ینکرونی، سے بھی مقتدیوں کا قیام کرنا سنت ہے، زید کہتا ہے کہ اس امام کو بھی اگر مصطلے پر بیٹھ جانا چاہئے اور حجت علی الفلاح پر کھڑے ہونا چاہئے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت بیٹھنے کے لئے کسی فقیہ نے تصریح نہ کی، لہذا قابل تسلیم نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۵۰۸ میں ایسے امام کے لئے فرمایا "اسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں مصطلے پر جائے اور حجت علی الفلاح یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے" اور صفحہ ۴۷۲ میں فرماتے ہیں "پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو، اس وقت دو صورتیں ہیں، اگر اصفول

کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صف سے گذرنا جائے وہی صف کھڑی ہونی چاہئے، اور اگر سامنے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔

لہذا بکر کا یہ معمول فقہ حنفی اور فتاویٰ رضویہ کی تصریح کے موافق کیسا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکر جب مسجد میں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مصلیٰ کم ہیں یا زیادہ تر لوگ وضو اور سنتوں میں مصروف ہیں تو قرب محراب میں بیٹھ جاتا ہے، اور لوگوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے، اور اس انتظار کو بھی سنت نبویؐ جانتا ہے، جب فارغ ہو جاتے ہیں تو تکبیر شروع کر دیتا ہے، اور ظاہر الفاظ فقہیہ کے خیال اور مقامی علماء کے موافقت کے لحاظ سے تکبیر ہوتے وقت بیٹھا رہتا ہے، اور حتیٰ علی الفلاح سنکر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس بیٹھے رہنے کو دلائل مذکورہ کی رد سے صرف جائز و مباح جانتا ہے، پس بکر کا یہ عمل اور خیال کیسا ہے۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ زید بعد خطبہ جمعہ بھی جلوس کرتا ہے، اور حتیٰ علی الفلاح پر کھڑا ہوتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت کے لئے کسی فقیہ نے جلوس کی تصریح نہ فرمائی، لہذا خطبہ کے بعد بیٹھنا چاہئے، بلکہ خطبہ سے فارغ ہو کر مصلیٰ پر کھڑا ہو جائے، چنانچہ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵۰۸ میں ہے، "بعد خطبہ اسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرما کر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے ہیں، یہ حکم قوم کے لئے ہے۔"

چوتھا مسئلہ: زید باوجود مستحب جلوس کے اس مسئلہ میں تشدد کرتا ہے، اور شروع سے کھڑے رہنے والے کو بار بار تاکید کر کے بٹھاتا ہے، بکر کہتا ہے کہ امر مستحب کے لئے یہ تشدد زیبا نہیں، اور نہ مستحب کی یہ شان ہے،

پانچواں مسئلہ یہ ہے جس میں زید و بکر دونوں حیران ہیں کہ فقہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حتیٰ علی الفلاح پر کھڑے ہو جائیں وہاں امام و مقتدی دونوں کے واسطے لکھا ہے مگر حضرت فاضل بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۵۰۹ میں لکھتے ہیں "یہ حکم قوم کے لئے ہے،" پھر صفحہ ۱۱۵ میں ہے "امام کے لئے اس میں خاص کوئی حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں" پھر صفحہ ۱۱۳ میں ہے "مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں۔"

پس حضرت فاضل بریلوی کی یہ تخصیص قوم کی بظاہر عموماً کتب فقہیہ و نیز بہار شریعت کے تصریحات کے خلاف ہے، اور اس سے زیادہ حیرت یہ کہ بہار شریعت کے آخر میں حضرت فاضل بریلوی ممدوح کی تصدیق موجود ہے، پس حضرات علماء لرام اسکی تحقیق

فرمائیں کہ کون صحیح ہے، بلا دلیل و حوالہ کتاب کوئی جواب نہ ہو، قال البکر ما كنت قاطعاً امرأ حتى افتوتني في امری،

تفصیل الجواب
اقول وبالله التوفیق وهو الهادی وهو خیر رفیق
قال العلامة البدیع العینی فی شرح علی البخاری تحت حدیث
تحقیق الصواب
لا تقوموا حتی ترونی ما نصحہ قد اختلف السلف متی یقوم

الناس الی الصلوة فذهب مالک والجمہور الی انہ لیس بقیامہم حد ولکن استحب عامتہم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة وكان انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقوم اذا قال المؤذن "قد قامت الصلوة" وکبر الامام رواہ ابن المنذر وغیرہ وکذا رواہ سعید بن منصور من طریق ابی اسحق عن اصحاب عبد اللہ قالہ الحافظ فی الفتح ص ۱۰۰ ج ۲ فہو حسن او صحیح علی قاعدتہ (و حکاہ ابن ابی شیبہ عن سوید بن غفلة و قیس بن ابی حازم و حماد عن سعید بن المسیب و عمر بن عبد العزیز اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القیام و اذا قال حتی علی الصلوة اعتدلت الصفوف و اذا قال لا الہ الا اللہ کبر الامام و ذکرہ الحافظ فی الفتح ایضاً فہو حسن او صحیح علی قاعدتہ) و ذهب عامة العلماء الی انہ لا یکبر حتی یفرغ المؤذن من الاقامة و فی المصنف کبرہ شام یعنی ابن عروبة ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوة و عن یحیی بن وثاب اذا فرغ المؤذن کبر، وکان ابن زہیم یقول اذا قامت الصلوة کبر و من ذهب الشافعی و طائفة انہ یتحب ان لا یقوم حتی یفرغ المؤذن من الاقامة و هو قول ابی یوسف و عن مالک رحمہ اللہ السنة فی الشروع فی الصلوة بعد الاقامة و بدایة استواء الصف و قال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة یقوم و قال زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة مرة قاموا و اذا قال ثانیاً افتتحوا و قال ابو حنیفة و محمد یقومون فی الصف اذا قال حتی علی الصلوة فاذا قال قد قامت الصلوة کبر الامام لانه امین الشرع و قد اخرج بقیامہما فیجب تصدیقہ و اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمہور الی انہم لا یقومون حتی یرویہم رص ۶، ۲ ج ۱، قلت فی قوله و اذا لم یکن الامام فی المسجد الخ اشارۃ الی ان الاختلاف المنذور سابقاً فی وقت القیام انما هو فیما اذا کان الامام فی المسجد

وقال العافظ في الفتح اما حديث ابى هريرة (الذي اخرج به البخارى) بلفظ اقيمت
 الصلوة فسوى الناس صفوف فيهم فخرج النبي صلى الله عليه وسلم ولفظه في مستخرج
 ابى نعيم فصف الناس صفوف فيهم ثم خرج علينا ولفظه عند مسلم اقيمت الصلوة
 فقمنا فعد لنا الصفوف قبل ان يخرج اليها النبي صلى الله عليه وسلم فيجمع
 بينه وبين حديث ابى قتادة (لا تقوموا حتى ترونى) بان ذلك ربما وقع
 لبيان الجواز وبان صنعهم في حديث ابى هريرة كان سبب النهى عن
 ذلك في حديث ابى قتادة وانهم كانوا يقومون ساعة تقام الصلوة ولو لم يخرج
 النبي صلى الله عليه وسلم فيها هم عن ذلك لاحتمال ان يقع له شغل يبطئ
 فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره ام روى وقد روى مسلم
 عن جابر بن سمرة ان بلالا كان لا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم
 فاذا خرج اقام الصلوة حين يراه ام روى (ص ۱۲۲) ولعل فيه حكاية عن فعل
 بلال بعد النهى المذكور في حديث ابى قتادة، وروى البزار عن عبد الله
 ابن ابى اوفى مرفوعا قال كان بلال اذا قال قد قامت الصلوة نهض رسول الله
 صلى الله عليه وسلم بالتكبير وفيه الحجاج بن فروخ ضعفه الهيثمى في
 مجمع الزوائد (ص ۱۸۲) وذكره ابن حبان في الثقات كما في اللسان (ص ۱۸۲)
 فهو حسن الحديث وقد تقدم عن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت
 الصلوة رواه ابن المنذر وغيره وسكت عنه العافظ في الفتح فهو حسن او صحيح
 وهو محمول على ما اذا كان الامام في المسجد يقرب المحراب والمراد بالقيام القيام
 بحقيقة الصلوة وهو بالتكبير للاحرام كما يشعر به لفظ البزار نهض بالتكبير
 واما القيام من الجلوس فلا بد ان يتقدمه بشئ ثبت انه صلى الله عليه وسلم
 كان يقوم في صلاة عند قول المؤذن قد قامت الصلوة قبله بشئ وكذا فعله
 انس فمارواه عبد الرزاق من ابن جريم عن ابن شهاب ان الناس كانوا
 ساعة يقول المؤذن الله اكبر يقومون الى الصلوة فلا ياتي النبي صلى الله عليه
 وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف كما في فتح البارى (ص ۱۰۰) يحصل
 القيام فيه على القيام من مكان الجلوس لا القيام في الصف فكانوا يقومون

في الصف عند قول المؤذن قد قامت الصلوة قبله بشئ كيلا تتضاد الآثار وان كان
 الظاهر منه القيام في الصف كما لا يخفى، وبالجملة فعاصل الاحاديث ان الامام
 اذا كان في المسجد يقرب المحراب فلا ينبغي للناس والامام ان يقوموا قبل الشرح
 في الاقامة بل بعده اما ساعة يقول المؤذن الله اكبر او عند قوله قد قامت الصلوة
 قبله بشئ وان كان خارجا منه فلا يقوموا حتى يروه فاذا رآوه مقبلا الى المحراب
 قاموا ومقتضاه ان الامام اذا دخل المسجد وقد شرع المؤذن في الاقامة
 لا يجلس فيه منتظرا قول المؤذن حتى على الصلوة او قد قامت الصلوة بل يستمر
 ذاهبا الى المصلى لانه بعد ان يؤمر الناس بالقيام لرؤية الامام ويؤمر هو بالجلوس
 كلا، واما مقاله الفقهاء من كراهة السمود فمعناه انتظار الناس الامام قياما
 قبل رؤيتهم اياه مقبلا الى المحراب وهو معنى قول على بن ابي رستم سامد بن
 يريدة ما رواه ابو داود عن كهمس باسناد رجاله موثقون انه قال قمنا الى
 الصلوة بهي والامام لم يخرج فعد بعضنا فقال لى شيخ من اهل الكوفة ما
 يقعد لك قلت ابن بريدة قال هذا المشهور (ص ۲۱۳) فالسمود ان ينتظروا
 الامام قياما قبل خروجه وقبل رؤيتهم اياه مقبلا عليهم وقال العافظ المحجة
 ابن قدامة الحنبلى في المغنى يستحب ان يقوم الى الصلوة عند قول المؤذن
 قد قامت الصلوة وهذا قال مالك قال ابن المنذر على هذا اهل الحرمين
 وقال الشافعى يقوم اذا فرغ المؤذن من الاقامة وكان عمر بن عبد العزيز و
 محمد بن كعب وسالم وابوقلابة والزهرى وعطاء يقومون في اول بدوة
 من الاقامة رقت وعليه العمل اليوم في الديار والامصار بلا انكار (ص ۱۱۲) و
 قال ابو حنيفة يقوم اذا قال حتى على الصلوة فاذا قال قد قامت الصلوة كبر و
 كان اصحاب عبد الله يكبرون اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة وبه قال
 سويد بن غفلة والنخعي ولا يستحب عندنا ان يكبروا بعد فراغه من
 الاقامة وهو قول الحسن ويحيى بن وثاب واسحق وابى يوسف والشافعى
 وعليه جل الاسمة في الامصار واذا ثبت هذا فانما يقوم المأمورون اذا كان
 الامام في المسجد او قريبا منه وان لم يكن في مقامه فان اقيمت والامام

فی غیر المسجد ولم یعلموا قربه لم یقوموا الماری ابو قتادة قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى ترونى متفق عليه
وللبخارى قد خرجت وخرج على والناس ينظرونه قياماً للصلوة فقال ما لى
ارنكم سامد بن ام ملخصار ص ۵۰ و ۵۰، وقال فى الدرر فى آداب الصلوة و
القيام الامام وموتى حين قيل على الفلاح خلافا لزمى فعنده عند حى الصلوة
ان كان الامام بقرب المحراب والاروان لم يكن بقرب المحراب بان كان فى موضع
اخر من المسجد او خارجه ودخل من خلف ۱۲ شامى) فيقوم كل صفت يستهوى اليه
الامام على الاظهر وان دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه ام (ص ۲۹۹)
وقال محمد فى الآثار اخبارنا ابو حنيفة عن طلحة بن مصرف عن ابراهيم انه
قال اذا قال المؤذن حى على الفلاح فينبغي للقوم ان يقوموا للصلوة فاذا قال قد
قامت الصلوة كبر الامام اخرجه محمد فى الآثار ثم قال وبه ناخذ وهو قول
ابى حنيفة فان كف الامام حتى فرغ المؤذن من الاقامة ثم كبر فلا بأس ايضا
كل ذلك حسن ام قلت وقول ابراهيم حجة عندنا لكونه لسان ابن مسعود
واصحابه وقد تقدم فى قول الحافظ ابن قدامة ان اصحاب عبد الله كانوا
يكبرون عند قول المؤذن قد قامت الصلوة والظاهر انهم اخذوا ذلك عن
عبد الله رضى الله عنه وقد ظهر من قول محمد ان الشرع عند قوله قد
قامت الصلوة ليس من الواجبات بل من الآداب فقط فلو شرع بعد الاقامة
كان حسنا ايضا قلت وكذلك القيام عند قوله حى على الصلوة من الآداب ايضا
كما يشعر به صنيع الفقهاء فانهم لم يذكروا فى السنن ولا فى الواجبات بل
ذكروا فى الآداب فقط فلو قاموا عند بد والاقامة فلا بأس به وكان ذلك
حسنا وذا قال الطحطاوى فى حاشية الدرر تحت قوله والقيام لامام وموتى

عنه انه ليس لفظ قد خرجت عند البخارى بل هو عند مسلم وغيره فلعلمه من نزلة القلم ۱۲ منه
عنه وفى بعض الروايات عكس هذا فعند الثلاثة عند حى على الصلوة وعند زفر عند حى
على الفلاح والصحيح من زفر ان يقوم عند قد قامت الصلوة ۱۲ منه

حين قيل حى على الفلاح الى مانصه الظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى
لوقام اول الاقامة لا بأس وحرراه (ص ۲۳۱ ج ۱) ولكنه قال فى حاشيته على مراعى
الفلاح تحت قول الماتن ومن الادب القيام (اى قيام القوم والامام ان كان حسنا
بقرب المحراب حين قيل اى وقت قول المقيم حى على الفلاح لانه امر به فيجاء
وان لم يكن (الامام) حاضر فيقوم كل صفت يستهوى اليه الامام فى الاظهر ام مانصه
واذا اخذ المؤذن فى الاقامة ودخل رجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما
فانه مكروه كما فى المضمرة فتتا فى ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة
والناس عنه فانلون ام (ص ۱۶۱) ويمكن التطبيق بين قوليه ان قوله فى حاشية
الدرر محمول على ما اذا كان الامام حاضرا فى بد والاقامة فلا بأس بالقيام من
ابتداء الاقامة وقوله فى حاشية المراعى محمول ما اذا لم يكن الامام حسنا وقت الاقامة لا ينجى القيام الا ان يأتى
الامام ويشعر لفظ المضمر ولا ينتظر قائما ومعنا فانه اعلم ان لا ينتظر الامام قائما فانهم، واما
حكم الاقامة لصلوة الجمعة فللمؤمنين ان يقوموا عند قوله حى على الفلاح
او حى على الصلوة ولو قاموا عند بد والاقامة فلا بأس به وذلك حسن ايضا كما مر
وللامام ما ذكره فى الدرر ويؤذن ثانيا بين يديه اى الخطيب اذا جلس على المنبر
فاذا تم اقيمت ام قال الشامى اقيمت بحيث يتصل اول الاقامة باخر الخطبة و
تنتهى الاقامة بقيام الخطيب فى مقام الصلوة ام (ص ۸۶۰ ج ۱) ومفاده ان
الخطيب يستمر قائما عند الاقامة ولا يجلس منتظرا قول المؤذن حى على الصلوة
وهذا ظاهر وعليه العمل فى ديار الاسلام والله اعلم

خلاصه ان تمام روایات کا یہ ہے کہ اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں قریب محراب
کے بیٹھا ہوا ہو، تو فقہاء حنفیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ شروع تکبیر پر قیام نہ کریں نہ
امام نہ قوم بلکہ حى على الصلوة یا حى على الفلاح یا قد قامت الصلوة پر کھڑے ہوں ر على
اختلاف الاقوال بين الائمة و زفر كما مر، اور اگر شروع اقامت ہی پر کھڑے ہو جائیں تو یہ بھی
بہتر ہے اور مباح ہے، اور بہت سے تابعین کا اس پر عمل تھا، پس اس کو مکروہ نہیں کہا
جاسکتا، کیونکہ کراہت پر کوئی دلیل نہیں، اور بعض عبارات فقہیہ میں جو اس کو مکروہ
لکھا ہے، اس کا محل یہ ہے کہ اگر شروع اقامت میں امام حاضر نہ ہو تو اس کے انتظار میں

قیام مکروہ ہے، اور اگر امام موجود ہو اور وہ شروع اقامت ہی پر کھڑا ہو گیا ہو تو مقتدیوں کو بھی کھڑا ہونا چاہئے، اور یہ مکروہ نہیں، نہ امام کے لئے نہ مقتدیوں کے لئے، گواہی یہ تھا کہ سب کے سب حتیٰ علی الصلوة پر کھڑے ہوتے،

اور اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں اور قرب محراب میں موجود نہ ہو تو جب تک امام کو آتا ہوا نہ دیکھیں سب لوگ بیٹھیں رہیں، خواہ اقامت پوری ہی ہو جائے، غرض اس وقت امام کو بدون دیکھے کھڑا ہونا مکروہ ہے، وہوداخل فی السمود وهو الذی نھی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ابی قتادہ اذا قیمت الصلوة فلا تقوموا حتیٰ ترونی، اور اگر امام اقامت سے پہلے مصلے پر پہنچ جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کو اقامت شروع ہونے کے بعد حتیٰ علی الصلوة یا قد قامت الصلوة پر کھڑا ہونا چاہئے، اور شروع اقامت پر کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اقامت سے پہلے کھڑے نہ ہوں،

اور بکر کا یہ فعل کہ وہ اقامت سے پہلے مصلے پر پہنچ جاتا ہے پھر تکبیر شروع ہوتی ہے سنت کے موافق نہیں، حضور کی عادت شریفیہ تھی کہ جب آپ حجرہ سے نکلتے بلائ اسی وقت تکبیر شروع کر دیتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختم اقامت یا وسط اقامت میں مصلے پر پہنچتے تھے، غرض اقامت شروع ہونے سے پہلے امام اور قوم دونوں کو مصلے پر کھڑا نہ ہونا چاہئے کہ اس کا ثبوت فعل سلف اور آثار مرفوعہ وغیرہ سے نہیں ملتا،

اور جمعہ کی نماز میں مقتدیوں کو توحی علی الصلوة یا شروع اقامت پر کھڑا ہونا چاہئے، اور امام مؤذن کو یہ تعلیم کرے کہ وہ اقامت خطبہ ختم ہونے کے قریب اس طرح شروع کر دیا کرے کہ امام خطبہ ختم کر کے جب مصلے پر پہنچے تو اقامت ختم ہو جائے، یہ مستحب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام کو خطبہ ختم کر کے بیٹھنا مستحب نہیں، اور اگر مؤذن ختم خطبہ سے پہلے اقامت شروع نہ کرے جب بھی اس وقت امام کے لئے جلوس ثابت نہیں بلکہ وہ کھڑا ہی رہے، خواہ منبر پر، اور ختم اقامت کے قریب مصلے پر پہنچے، یا خطبہ ختم کر کے مصلے پر ہی کھڑا ہو جائے، یہاں تک سائل کے سوال اول و دوم رسوم کا جواب ہو گیا، چوتھے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کہ وہ مقتدیوں کو شروع تکبیر پر کھڑے ہونے سے منع کرتا اور بھلا تلبے تشدد وغیر معنی اور غلو فی الدین ہے، کیونکہ حتیٰ علی الصلوة پر کھڑا ہونا محض ادب ہے، اور شروع اقامت پر کھڑا ہونا بھی سلف سے ثابت ہے، اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں،

پانچویں مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں قیام علی حتیٰ علی الصلوة کو امام کے ساتھ خاص کرنا نصوص فقہیہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ حکم سب کے لئے ہے، یہ اور بات ہے کہ حکم سنت ہے یا محض ادب، سو عبارات فقہاء میں اس کی تصریح ہے کہ محض ادب ہے، اور شروع اقامت سے ہی سب کھڑے ہو جائیں تو جائز ہے اور یہ بھی حسن ہے، مگر خواہ شروع اقامت پر کھڑے ہونے کا حکم ہو یا حتیٰ علی الصلوة پر دونوں حکم امام اور مقتدی سب کے لئے ہیں، پس فتاویٰ رضویہ کی یہ تفسیر و تخصیص صحیح نہیں، اور اس کا قول بلا دلیل قابل تسلیم نہیں، واللہ اعلم، ۲۳ محرم ۱۳۸۴ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز | سوال (۹) جمعہ میں اذان ثانی کا جواب دینا اور اذان کی ہے مگر دعاء کرنا جائز نہیں، دعاء پڑھنا از روئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں، حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے سعایہ فی کشف شرح الوقایہ میں اس کے متعلق بہت بحث کی ہے، اور آخر میں اپنی رائے سے یہ لکھ لیا کہ جواب دینا جائز ہے، لہذا آپ امید کرتا ہوں کہ اس کے متعلق کافی بحث کریں گے، بندہ اب تک جواب نہیں دیتا اور نہ دعاء پڑھتا ہے، لیکن سعایہ کے دیکھنے سے اب شبہ پڑ گیا ہے،

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا تو جائز ہے، کیونکہ وہ قبل از خطبہ ہے، مگر اذان کے بعد دعاء پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ خطبہ کا وقت ہے، وکلام الامام یقطع سائر انواع الکلام والبسط فی اعلاء السنن (ص ۶۰ ج ۲) ۲۴ شعبان ۱۳۸۴ھ

استفتاء متعلق ادائیگی | سوال (۱۰) اذان اور اقامت میں اگر اللہ اکبر کی راہ کو اللہ سے ملاؤ کلمات اذان و اقامت جائے، اور اسی طرح اور کلمات کو ساکن نہ کرتے ہوئے ان کے اعراب کو ظاہر کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، میرے ناقص خیال سے جائز ہونا چاہئے؟

الجواب: اذان اور اقامت کے کلمات میں سکون و دقت مطلوب ہے، حرکت کا اظہار نہیں چاہئے، و فی الامداد و حیزم الراد فی التکبیر ای یسکنا قال الریعی یعنی علی الوقت لکن فی الاذان حقیقۃ و فی الاقامۃ ینوی الوقت ای للحمد رشامی رحمہ اللہ اعلم، ۲۴ شعبان ۱۳۸۴ھ

رفع طاعون کے لئے اذانیں | سوال (۱۱) طاعون مکرخ کے وقت اکثر عوام میں اذانوں کا رواج دینا مشروع ہے یا نہیں؟ ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حدیث میں تغول غیلان کے وقت اذان کو مندوب فرمایا ہے، اور طاعون

میں وخر اعدائنا من الجن ثابت ہے، اس لئے بعض نے کہلے کہ رفح طاعون کے لئے بکثرت اذائیں دینے کا مضائقہ نہیں، مگر صورت یہ ہونی چاہئے کہ اوقات اذان ہی میں اور ایام کے کچھ زیادہ آدمیوں نے اذان پڑھ دی، اور یہ صورت متعارف ہے کہ غیر اوقات اذان و صلوة میں بکثرت اذان دی جاتی ہے اس میں تشویش علی الناس ہے، اس لئے قابل ترک ہے اور بعض کے نزدیک اس وخر کو تغول پر قیاس کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ تغول میں ظہور ہوتا ہے جس کا کوئی وقت نہیں، اس لئے فوراً اذان کی ضرورت ہوتی ہے، اور وخر میں کوئی خاص وقت ظہور کا نہیں، اس لئے وقتی اذائیں بھی برکت کے لئے کافی ہیں، مستقبل اذان کی کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ بدعت ہوتی جس کا ترک واجب ہے، یہ دونوں قول ہیں، اور اقوی دلیل سے ثانی ہے، لہذا اسی پر عمل کرنا چاہئے، واللہ اعلم، ۲۴ سوال ۲۶

اذان جو کیلئے نقارہ بجانا اور سوال (۱۲) اس کے متعلق چند سوالات

ہے اختیار کیا ہے کہ ہر ایک مسجد میں ایک ایک نقارہ رکھا ہوا ہے، اس واسطے کہ جمعہ کے روز اس کو واسطے اعلان نماز جمعہ کے بجایا جاوے، کیونکہ اکثر لوگ دیہاتوں کے باہر کھیتوں میں دور دور ہوتے ہیں، اذان کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی ہے، اس وجہ سے مسجدوں میں نقارے رکھے گئے ہیں، اس واسطے وہ نقارہ جمعہ کے روز اور روزہ افطاری کے وقت اور سحری کے وقت بجایا جاتا ہے، اور مسجد کے روپے سے وہ نقارہ بنایا گیا ہے، سو اس طرح یہ نقارہ بجانا اعلان کے واسطے اور مسجد کے روپے سے اس کو بنانا جائز ہے کہ نہیں اور اس کو جائز جانتا کیسا ہے؟

دوسرے بیماری طاعون کے واسطے اس نقارے پر ایک دعا لکھ کر اس کو بجایا جاتا ہے، اس واسطے کہ اس کی آواز جہاں تک جائے گی بیماری طاعون ہو جائے گی، اس طرح بجانا اور اس کو جائز جانتا کیسا ہے، اور نقارہ کو مسجد کے اندر رکھنا اور بجانا کیسا ہے، خلاصہ جواب باصواب مع حوالہ کتب احادیث کے مرحمت فرمادیں، بینوا و توجروا، فقط،

الجواب؛ افطار اور سحری کے لئے تو نقارہ بجانا جائز ہے، لیکن اذان جمعہ کی اطلاع کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں نقارہ سے اذان کا کام لینا لازم آئے گا، اور یہ حد کے خلاف ہے، فانہ صلی اللہ علیہ وسلم اہتم اولاً بان یضرب الناقوس

او البوق فتوکہ حذرا عن التشبه بالكفار فلا یجوز لنا احداث ما ترکہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا علام الصلوة، دوسرے دیہات والوں کے ذمہ جمعہ کی نماز فرض نہیں تو ان کو اطلاع کی ضرورت ہی کیا ہے جو شخص بدون اطلاع کے آئے پڑھ لے ورنہ خیر،

اور مسجد کے روپیہ سے نقارہ بنانا اس کی دو صورتیں ہیں ایک کہ لوگوں نے مسجد میں ایسی غرض سے روپیہ دیا ہو کہ اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ صورت تو جائز ہے، ایک یہ کہ جو روپیہ مصارف مسجد کے لئے جمع تھا اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ جائز نہیں، فقہ صرح فی الخلاصہ انہ لا یجوز لقیم المسجد ان یشتری جنازة او تخمنا لغسل الاموات من مال المسجد،

اور طاعون کے زمانہ میں نقارہ پر دعا لکھ کر بجانا بھی جائز نہیں، الفساد عقیدۃ العوام فیہ، اور نقارہ کو مسجد کے اندر یا مسجد کی چھت پر رکھ کر بجانا بھی جائز نہیں، بلکہ جن مواقع میں بجانا جائز ہے اس وقت مسجد سے باہر رکھ کر بجانا جائز اور نقارہ مسجد کو مسجد میں رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے رکھنے سے نمازیوں کو تنگی نہ ہوتی ہو، ورنہ باہر رکھا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ سوال

اذان میں تثنیہ کی کیا صورت؟ سوال (۱۳) اذان میں تثنیہ کی کیا صورت ہے، اور تثنیہ کے معنی، کیا معنی ہیں؟

الجواب؛ اذان میں تثنیہ مسنون تو یہ ہے کہ اذان فجر میں الصلوة خیر من النوم اضافہ کیا جائے، اور تثنیہ مبتدع ایک تو اذان میں ہے کہ حتی علی خیر العمل اضافہ کیا جائے جیسا و انقض کرتے ہیں، اور ایک مابین الاذان والاقامة ہے کہ مؤذن تھوڑی دیر میں ... الصلوة جامعۃ یا الصلوة الصلوة رحمکم اللہ پکارتا ہے، یہ دونوں بدعت و مکروہ ہیں، واللہ اشدا بتداعا و کراہتہ

جو شخص مسجد میں ہو اس کو سوال (۱۴) مسجد کے اندر جواب اذان دینا واجب ہے یا نہیں، جواب اذان دینا واجب ہے یا نہیں، کیونکہ کتاب القول المتین میں لکھا ہے کہ جواب دینا ضروری نہیں ہے، اگر جواب دے تو صواب ہے،

الجواب؛ بیشک اس صورت میں جواب دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے، لہذا بلا وجہ ترک کرنا بہتر نہیں، واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عبد الکریم عفا عنہ
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۰ شعبان ۱۴۲۴ھ

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا | سوال (۱۵) |
 ایک مسجد محلہ ہنود میں ہے، نہ وہاں پر مسافر کا گزر ہوتا ہے نہ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسجد ہے، اور ایک شخص دوسری مسجد کا امام نماز کے بعد اس لئے اذان پڑھ دیتا ہے کہ یہ مسجد ویران نہ ہو، اور ہنود اس میں بڑی حرکت نہ کرنے پائیں،
 الجواب: دو مسجدوں میں اذان کہنا ہے تو مکروہ، مگر چونکہ کسی مسجد میں اذان کا ترک ہو جانا موجب اندیشہ ہے، اس واسطے اس میں قواعد سے گنجائش ہو سکتی ہے، مگر کوئی جزئیہ نہیں ملا، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۶ ر شوال ۱۳۴۴ھ
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ

اذان سے متعلق چند سوالوں پر | سوال (۱۶) | محکوم مباد کہ اذان نماز پنجگانہ در مسجد دادن و مشتمل ایک استفتاء۔
 شبان گاجہ سراغ روشن کردن اگر جماعت نباشد و چون گاہی گردد و گلبے نہ گردد، پس حکم دارد و اذان محض بر جماعت مسنون است یا برائے مسجد نیز شرط است و چون گاہی ترک گردد و چه لازم آید و بعض مؤذنان این اطراف گاہ بگاہ بدعوت رود و آنجا نماز یا جماعت خواند پیش از آنجا آمدہ اذان دادہ بکار خویش مشغول شود، پس اذان دریں صورت مسنون است یا نہ، جملہ صور مفصلاً تحریر فرمودہ ممنون سازند،

الجواب: اذان در ہر مسجد سنت مؤکدہ مثل واجب ہست خواہ جماعت باشد یا شخصے تنہا نماز گذارد و لیکن اگر از محلہ ثانیہ آواز رسیدہ باشد آن کفایت کند و اذان کے بعد کہ نماز دریں مسجد گزارد و اذان شخصیکہ نماز بمسجد دیگر خواندہ است کراہت وارد و همچنین بعد اذان بمسجد دیگر رفتن ممنوع است کما قال الشامی (ص ۳۵۷ ج ۱) تحت قول الدر للفرائض الخمس دخلت الجمعة بحر و شمل حالة السفر والحضر الانفرد والجماعة قال فی مواهب الرحمن و نور الايضاح ولو منفرداً اداء او قضاء سفر او حضراً او وفيه ايضا تحت قوله كالواجب قال فی النهر و لمار حکم البلدة الواحدة اذا تسعت اطرافها كمنصر والظاهر ان اهل كل محلة معموا الاذان ولو من محلة اخرى يسقط عنهم لان لم يعموا ام واليضافيه (ص ۳۷۳ ج ۱) تحت قوله رويكوله ان يؤذن في مسجدين، لان الاذان للمكتوبة وهو في عه قلت علم من التعليل ان التاذين مكره لمن قد صلى سوا اذن في مسجد آخر اولافهم ۱۲ منہ

المسجد الثاني يصلي النافلة فلا ينبغي ان يدعوا الناس الى المكتوبة وهو لا يساعدها فيها اهل بدائع وفيه ايضا (ص ۲۶۸ و ۲۶۹) تحريمها للنهي (خروج من لم يصل من مسجد اذن فيه) وليكن چراغ روشن کردن پس حکم آن نیا فتم کہ سنت است یا مستحب آری این قدر معلوم است کہ این فعل از زمانہ قدیم متواتر است و نیز آنکہ دریں امر نیز جماعت را دخل نیست بلکہ بہر حال روشن کردن مسادی، مست خواہ در آن مسجد جماعت باشد خواہ منفرداً نماز خواندہ شود، البتہ مسجدیکہ آمدن کے در آن احتمال ندارد، چنانکہ بعض مساجد در خرابہ یا باشد دریں چنین مسجد چراغ روشن کردن نداشتہ چہ حکم دارد، واللہ اعلم، ۲ رجب ۱۳۴۴ھ

اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کر | سوال (۱۷) |
 لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے

..... ہمارے اس دیہات میں بعض نے ایسے رواج کر لیا کہ ہر نماز یا بعض نماز جیسے فجر و عصر و جمعہ کی اذان کے آگے یا پیچھے گھنٹے بجاتے ہیں، یا ٹین پر مارتے ہیں، تاکہ لوگوں کو نماز کے وقت کا ہونا.... یا جماعت شروع ہونا معلوم ہو تاکہ جلد مسجد کی طرف روانہ ہوں نماز کے باجماعت ادا کے لئے، بعض نے مسجد کے ساتھ ہی گھنٹہ لٹکایا اور ٹین کو لٹکایا، ان سے جب اس کی علت پوچھی گئی تو جواب دیا کہ گھنٹے ڈٹین کی آواز بہت بلند ہے، لوگ بہت دور سے سنتے ہیں کہ جہاں اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی، بعض کہتے ہیں کہ فجر میں نیند سے بیداری کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، غرضیکہ کسی سورت سے یہ نام شروع فعل جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، نادان کا یہ خیال ہے کہ ایسا فعل قطعاً حرام ہوگا، کیونکہ اس سے اذان مسنونہ بالکل بیکار ہو جاتی ہے، اس کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی، اس پر اعمام و مکر کے لوگ بھی گھنٹے کی آواز کی طرف تاک لگائے رہتے ہیں، حالانکہ اذان کو ایسے بیکار چھوڑنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، اور اس سے تشابہ بالکفار بھی لازم آتا ہے،

الجواب: صورت مسئلہ سوال مکروہ ہے اور بدعت، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اعلان نماز کے لئے طریق اعلان نماز کی فکر ہوئی تو حضور نے ان سب طریقوں کو ناپسند فرمایا اور اہام و وحی کے بعد اذان کو اختیار فرمایا، اب اذان کے ساتھ دوسرے طریقے اعلان کے لئے اختیار کرنا بدعت ہے و ایضاً

ففي الجرس للعبادة مثل الصلوة تشبهاً بالبنود، البتة اگر اذان سے پہلے گھنٹہ اس واسطے بجایا جائے، تاکہ بستی والوں کو وقت کی اطلاع ہو جائے اور مؤذن وقت کو معلوم کر کے اذان دے تو اس میں گنجائش ہے، لکن الجرس بغير الصلوة من بيان الاوقات وفيه سعة والله اعلم.

۵۱ ذیقعدہ ۱۲۸۸ھ

فصل في احكام المسجد وادابه

مسجد میں سونے کا حکم | سوال (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی العموم مسجد میں سونا جائز ہے، چنانچہ اس سونے کے دلائل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہمیشہ مسجد میں سونا ثابت کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ مسجد میں سونے سے بے ادبی تو ضرور ہوتی ہے، اور بعض منکرات بھی سونے والے سے وقوع میں آتے ہیں، گو بوجہ سوجانے کے کیوں نہ ہو، غالباً اسی وجہ سے بعض مولوی مسافر باوجود ملنے مکان کے اپنا رہنا ہنسنا اور خورد و نوش مسجد ہی میں خستیا کرتے ہیں، منع کرنے پر یہ کہتے ہیں کہ دروازے پر جانے سے زقزق بقیق میں پڑنا ہوگا، حالانکہ مسجد میں جہالت کی باتوں کی پوری داد دی جاتی ہے، بہر حال مسجد میں سونا حنفیہ کے نزدیک کیسا ہے؟

الجواب؛ مسجد میں سونا معتکف اور اس مسافر کے سوا جس کو مکان نہ ملتا ہو باقی لوگوں کے لئے مکروہ ہے، قال فی الدرر واکل ونوم الامتعتکف وغریب، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فعل ضرورت پر محمول ہے قال الحافظ فی الفتح وروى عن ابن عباس کواھیتہ الامن یرید الصلوة وعن ابن مسعود مطلقاً وعن مالک التفصیل بین من لا مسکن فیکماہ و بین من لا مسکن له فیباح ۵۱

مسجد میں درزش کرنے کا حکم | سوال (۲) مسجد میں درزش کرنی یعنی ڈنڈہ مونگدر اور کوئی ایسی ہی چیز یعنی تلوار وغیرہ کا چلانا جو واقعی درزش ہے مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ زنگیوں کے کھیلنے کو مسجد میں ثابت کر رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دکھلانا یہ بھی حدیث سے ثبوت کو پہنچ رہا ہے، تو کیا اب بھی اس معنی کر کے مسجد کے اندر ایسے فعل کرنا جائز ہے، اور اگر نہیں تو آداب مسجد کے کیا معنی ہیں؟

الجواب؛ مسجد میں ڈنڈہ اور منگدر سے درزش کرنا مکروہ ہے، لما ورد فی صحیح مسلم من قوله صلی اللہ علیہ وسلم لا اعرابی الذی بال فی المسجد ان هذه المسجد لا تصلم

لشیء من هذا البول ولا القذر انما هي لذكرا لله تعالى والصلوة وقراءة القرآن اه
رفتح الباری ج ۱ ص ۲۴۸، وفيه ايضا وظاهر الحصر من سياق مسلم في حديث انس
انه لا يجوز في المسجد شئ غير ما ذكر من الصلوة والقران والذکر لکن الاجماع
على ان مفهوم الحصر منه غير معمول به ولا ريب ان فعل غير المذکورات ما في معنا
خلايف الا وثى، والله اعلم (ص ۲۸۰ ج ۱)

رہا حبشہ والوں کا مسجد میں نیسروں سے کھیلنا تو اس سے اگر مسجد میں ڈنڈہ منگدر کو جائز کیا جائے تو رقص کا بھی مسجد میں جائز ہونا لازم آئے گا، کیونکہ اسی قسم میں یہ بھی وارد ہے کہ ایک حبشی عورت اُچھل کود رہی تھی اور اس کے گرد بچے تاشاد بکھ رہے تھے، ففی روایة النسائی من طریق یزید بن رومان عنہا سمعت لغطا وصوت وصبیان فقام المنبى صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حبشية ترفن ای ترقص والصبیان حولها اه (فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۰) پس اس حدیث سے استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ مسجد میں رقص کو کسی نے جائز نہیں کہا، اور نہ یہ اعدواہم ما استطعم کی فرہ ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ یہ رقص اور لعب مسجد سے باہر تھا، اور کچھ تاشاد بچے والے مسجد میں کھڑے ہوں گے، اس لئے راوی نے مجازاً یہ کہہ دیا کہ مسجد میں نیزوں سے کھیل رہی تھی، یعنی مسجد کے قریب،

دوسری بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھیلنے والوں کو دھمکایا تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے عمران کو چھوڑو، یہ بنو ارفدہ ہیں، یعنی یہ لڑکے کھیل کے عادی ہیں، خصوصاً ایام عید میں (اور وہ دن عید ہی کا تھا)، ام، محب طبری نے اس پر لکھا ہے کہ اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے بعضی وہ باتیں معاف ہیں جو دوسروں کے لئے معاف نہیں ہیں، اور چونکہ اصل یہی ہے کہ

مسجد کو لہو و لعب سے بچایا جائے اس لئے مورد نص پر مقتصر ہے گا اع زادی روایة الزہری عن عروة فزجرهم عمر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا عمر و زاد ابو عوانة فانہ بنو ارفدہ قال المحب لطبری فیہ تنبیہ علی انه یغتفر ہم ما لا یغتفر لغيرہم

عہ بظاہر یہ کوئی بیواں نابالغ اور نا سمجھ لڑکی تھی جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے حضور نے بچوں کا کھیل سمجھ کر اس کو منع نہ کیا ہوگا، یا وہ ایسی ہی بادی ہوگی وہ کوئی باقاعدہ رقص نہ تھا ۱۲ منہ

لان الاصل في المساجد تنزيهاً عن الجلب فيقتصر على ما ورد فيه النص انتهى رفتح الباری ص ۳۰۳، ۳۰۴، ملخصاً، علاوة ازیں قاعدہ یہ ہے کہ جب قول اور فعل اور تقریر میں تعارض ہو تاہر قول کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ فعل اور تقریر میں خصوصیات کا احتمال ہو سکتا ہے، اور یہ واقعہ حدیث قولی کے خلاف ہے جو پہلے بروایت مسلم گذر چکی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجدیں تو صرف قرآن اور صلوٰۃ اور ذکر کے واسطے بنائی گئی ہیں اور دوسری حدیث ابن ماجہ میں ہے جنوا مساجدکم صبیانکم و عجانکم و شراکم و بیعکم و خصوصاً تکم و دفع اصواتکم و اقامة حد و حکم و مسل سیوفکم الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی مسجدوں کو بچوں سے اور پاگلوں سے بچاؤ نیز بیع و شرا سے اور جھگڑے و خصومت سے اور آواز بلند کرنے سے اور حدود قائم کرنے سے اور تلوار سونٹنے سے الخ اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کے طرق متعدد ہیں، جیسا کہ محدث سخاوی نے مقاصد حسنہ ص ۸۴ میں بیان فرمایا ہے، اور حدیث ضعیف تعدد طرق سے قابل احتجاج ہو جاتی ہے، نیز مسلم کی حدیث مذکور بھی اس کے لئے شاہد صحیح ہی پس بوقت تعارض یہ حدیث قولی اس واقعہ فعلی سے مقدم ہوگی، لکن ہوتے رہے فی الاصول) لہذا اذکر لکھنؤ کی ورژن مسجد میں کر رہے، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰

مسجد میں گھنٹہ لگانا جائز ہے | سوال (۳) آجکل اکثر مسجدوں میں بڑی گھڑی آویزاں کی جاتی ہے، نمازوں کے وقتوں کے پیمانے کے لئے اس میں سے بجنے کے وقت جو آواز نکلتی ہے یہ ممنوع تو نہیں ہے؟ کیونکہ بعض لوگ اس قول مع کل جسرس شیطان کی وجہ سے مسجد میں ایسی گھڑی کا رکھنا منع کرتے ہیں، تو کیا یہ باجا ہو سکتا ہے یا نہیں، اور مسجد میں اس معنی کر کے گھڑی رکھنا چاہتے یا نہیں، اور یہ قول صحابی ہی یا احادیث رسول؟

الجواب؛ مع کل جسرس شیطان، یہ حدیث نبوی ہے، ابو داؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقطعاً مروی ہے (کنزانی الترغیب ص ۵۰۵) قال فی مجمع البحار جسرس بفتح سین وهو ما یعلق بعنق الدابة او برجل البازی والصبيان وكذا الاجلاء جل جسرس کی مانعت حدیث میں دو جگہ وارد ہے، ایک عورتوں کے زیوروں میں کیونکہ اس سے مردوں کو آواز پہنچتی ہے، اور ان کے قلوب مائل ہوتے ہیں، دوسرے سفر میں جانوروں کی گردنوں میں یا گاڑی وغیرہ میں جو گھنٹہ یا گھنٹی ہوتی ہے اس کو منع کیا گیا ہے، جس کی علت

غالباً کفار کا تشبیہ ہے کہ وہ اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے ایسا کرتے تھے، مسلمانوں کو ایسا نہ چاہئے، پس گھڑی میں جو گھنٹہ بجتا ہے وہ جس ممنوع میں داخل نہیں، فقہاء نے بحیثی وغیرہ میں لوگوں کے جگانے کے لئے نقارہ کو جائز لکھا ہے، کیونکہ مقصود وقت کا بتلانا ہے اور مقصود نہیں، یہی مصلحت اس گھنٹہ میں ہے، لہذا اس میں کراہت نہیں، ۲۴ جمادی الاولیٰ مسجد کی دوسری منزل میں نماز | سوال (۴)

بڑھنا بلا کراہت صحیح ہے، اول ایک مسجد ایک منزل تھی، پھر اس کو دو منزل بنا گیا اس طرح سے ایک سمت تو پہلی ہی سنیاد رہی اور تین سمت سے بنیاد بڑھائی گئی، اور پوری مسجد پر دوسری منزل بنا دی گئی ہے، جس میں نیچے صحن بالکل نہیں رہا، چونکہ ایسی حالت میں نیچے کے درجہ میں گرمی سخت ہوتی ہے، اس لئے بعض موسم میں اوپر کی منزل میں نماز پڑھی جاتی ہے، بعض علماء سے معلوم ہوا کہ سقفت مسجد پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جب سے سخت تر زد کر کہ دوسری منزل میں اگر نماز پڑھی جاوے تو اس کراہت کا ارتکاب لازم آتا ہے، اور اگر نیچے کی منزل میں پڑھی جاوے تو بعض موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک روز امام صاحب کو بوجہ شدت گرمی غش آ گیا تھا، علاوہ اس کے ایسا کرنے میں غالب گمان یہ ہے کہ اس موسم میں اس میں کوئی نماز پڑھے گا، اور مسجد معطل ہو جاوے گی، تو ایسی حالت میں موسم گرما میں اوپر کی منزل میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، بیوا تو جو راہ

الجواب؛ قال فی الدرر کونہ تحریماً الوطأ فوقہ والبول والمقوطلانہ مسجد الی عنان السماء اه و فی الفتاوی الشامیة قوله الوطأ فوقہ ای الجماع خزائن اما الوطأ فوقہ بالقدم فغیر مکروہ الا فی الکعبۃ لغیر عذر لقولہم بکراہۃ الصلوٰۃ فوقہا ثم رأیت الفہستائی نقل عن المفید کراہۃ الصعود علی سطح المسجد ام ویلزمہ کراہۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ فلیتامل قوله لانه مسجد علة لکراہۃ ما ذکر فوقہ قال الزلیعی ولہذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیہ اذالم یتقدم علی الامام ولا یبطل الاعکاف بالصعود الیہ ولا یجلی للمجنب والحائض والمنفساء الوطأ علیہ ام (ص ۶۸۶، ۱۳۰) و فی رد المحتار ج ۳ ص ۵۴۳، قوله او جعل فوقہ بیتا الخ ظاہرہ انہ لا فرق بین ان یکون البیت للمسجد او لا الا انہ یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجداً فیما اذا لم یکن وقفاً علی مصالح المسجد وہ صرح

فی الاسعات فقال واذا كان السرداب او العلول صالح المسجد او كافا و قفا عليه صار
مسجداً اه مشربلا لیه، قال فی البحر و حاصله ان شرط كونه مسجد ان يكون سفلہ
و علوه مسجد الی منقطع حتی العبد عنه اه قال فی الدرر ص مذکور، فرم ہو بنی
فوقہ بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمست المسجدیة ثم اسراد البناء
منع اه قلت لعل هذا المنع مختص بما اذا بنی بیتا فوقہ للسكنی كما هو ظاهر و
اما اذا بنی للصلوة و توسیع المسجد فلا یمنع مطلقا ۱۲ نظیر، قال فی رد المحتار و
فی جامع الفتاویٰ لیسم تحویل المسجد الی مكان اخر ان ترکوه بحیث لا یصلی فیہ اه
ر ص ۲۵۷ ج ۲، قلت كان لیسم تحویل المسجد الی مكان اخر قلان یحولوا للصلوة فی
بعض المواضع من تحتہ الی فوق اولیٰ بالجواز و ما کراهة الوطأ بالاقدم فوق
المسجد فانه مختص بما اذا كان لغير عذر و اذا كان عذر فلا کراهة فی الصلوٰۃ
فوقہ ایضا، والله اعلم

مت

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں مسجد کی اور پر والی منزل میں نماز بلا کرا
جائز ہے مسجد کی چھت پر نماز کا مکروہ ہونا اس صورت کے ساتھ مختص ہے، جبکہ چھت پر
اہل محلہ نماز کے لئے جگہ نہ بنا دیں اور اس کو چھت ہی قرار دیں اور جب اس پر نماز کے لئے
دوسری منزل بنا دی گئی، تو اب یہ سقف کے حکم میں نہیں، بلکہ دوسری منزل کی چھت کو
سقف قرار دیا جائے گا، واللہ اعلم، ۴، ارشوال سنہ ۳

مسجد کی دیوار پر تمیم کرنا مکروہ ہے | سوال (۵) مسجد کی دیوار پر تمیم کرنا جائز ہے یا نہیں،
خواہ دیواروں پر چونہ پھیرا گیا ہو یا مٹی سے لپائی ہوئی ہو

الجواب؛ مسجد کی دیوار پر تمیم کرنا مکروہ ہے، کیونکہ مال وقف کو غیر مصرف میں صرف
کرنا ہے، لیکن اگر تمیم کر لیا تو درست ہو جائے گا، بشرطیکہ جس چونہ یا مٹی سے مسجد کی لپائی
کی گئی ہے وہ چونہ اور مٹی پاک ہو، اس میں ناپاکی نہ ملی ہو، ۲، ارشوال سنہ ۳

طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم | سوال (۶)

..... ایک مسجد زمانہ قدیم کی بنی ہوئی ہے، اور اس وقت کے مسلمان اس کی مرمت
کرتے ہیں اور اس میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، مگر یہ مسجد کسی (طائفہ رنڈی) کی
بنوائی ہوئی ہے، تو بعض لوگ منع کرتے ہیں، اور بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں، آیا ایسی مسجد

میں نماز درست ہو جو اور مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے اس مسجد میں ملے گی یا نہیں، واسطے
تحقیق مسئلہ یہ استفتاء خدمت والا میں ارسال کر کے امیدوار ہوں کہ بحوالہ کتب معتبرہ کیا فرمائیں
الجواب؛ زانیہ کی بنائی ہوئی مسجد حکماً مسجد ہوگی، حتیٰ کہ ورثہ کا حق اس سے منقطع ہو گیا
اور اس میں کسی کا تصرف خلافت وقف ناجائز ہو گیا، نہ اس کو ڈھاکتے ہیں نہ اس کو بیچ کر کے
دوسری مسجد میں اس کی قیمت لگا سکتے ہیں، لیکن اس میں نماز پڑھنے سے ثواب کامل نہ ملیگا
گو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، قال فی الدرر و شرطہ شرط سائر التبرعات
کحریمیہ و تکلیف و فی رد المحتار افاد ان الواقع لا بد ان یكون ما کمالہ وقت الوقت
ملکا باتا و لو بسبب فاسد الی ان قال و صم وقت ما شراه فاسد البعد القبض اه
ص ۲۵۵ ج ۲، و فی الحدیث ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب،

مولانا رفیع الدین دہلوی در بعضے تحریرات خود می نویسد، معلوم است کہ در زمین معصوم
پیش حنفیہ نماز ساقط از ذمہ می شود، پس در مسجد فاحشہ نماز خواہ شد لیکن نقصان ثواب
برائے مصلیٰ و محرومی ثواب برائے زانیہ مقرر است، فی الحدیث لا یصل الی اللہ الا الطیب اه
از فتاویٰ مولانا عبدالحی مع الخلاصہ ص ۲۲۹ ج ۱، پس بہتر ہے کہ ایسی مسجد کا دروازہ
اینٹوں سے بند کر کے صورت مسجد پر چھوڑ دیا جائے اور اس میں نماز نہ پڑھی جائے، واللہ اعلم
۲۰، ر ذی الحجہ سنہ ۳

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے | سوال (۷) مسجد میں دنیاوی معاملات کے متعلق گفتگو
کرنے کی شرع مشریت نے اجازت دی ہے؟

الجواب؛ قال فی الدرر و ریکوہ، الکلام المباح و قیدہ فی الظہیریۃ بان
یجلس لاجلہ لکن فی النہی الاطلاق اوجہ ۱ ص ۶۹۲ ج ۱، مسجد میں دنیاوی باتیں
مکروہ ہیں، ۸، شعبان سنہ ۳

حکم تعلیم مدرس در مسجد | سوال (۸) جس مدرس کو تنخواہ مدرسہ ملتی ہے اور بچوں سے مشاہرہ
نہیں ملتا تو وہ تعلیم کا کام مسجد میں کر سکتا ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب؛ ایسے مدرس کو بھی تعلیم کا کام مسجد میں مکروہ ہے، البتہ اعتکاف کی
نیت کر کے بیٹھا کرے تو درست ہے، اور اعتکاف تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے، ۳، ر ذی الحجہ سنہ ۳
اس مسجد کا حکم جس کا قبلہ قدر منحون ہو | سوال (۹)

..... واضح ہو کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد شریف غریب لوگوں نے تیار کی ہے، مگر بنا کے وقت ستارہ قطب کا درمیان نہیں کیا گیا اور مسجد شریف اچھی طرح سے تیار رہی ہے، جس میں عرصہ دو ماہ سے سنت جماعت ہو رہی ہے، اب معلوم ہوا کہ مسجد شریف قطب ستارہ پر تمام پوری سیدھی نہیں، اس طرح کہ جب مسجد شریف کے جنوبی کونہ سے دیوار سے متصل ہو کر قطب ستارہ پر نظر کی جاتی ہے تو دیکھنے میں نہیں آتا ہے، اور جب مشرق کی طرف تین وال بڑھ جاتا ہے تو شمالی مشرقی کونہ میں پورا ٹھیک تمام نظر آتا ہے، اور بغیر ستارہ قطب کے جب بین المغربین کا حساب کیا جاتا ہے تو مسجد شریف پوری تمام نظر آتی ہے، لیکن اور مسجد سے مبدل نظر آتی ہے، اب بتلا دیجئے کہ ملک سندھ و ہندوستان میں ستارہ قطب معتبر کر یا بین المغربین، اور اس مسجد شریف کے لئے کیا حکم ہے، اگر گرا دینے کا حکم ہے تو پھر تیار ہونا ممکن نہیں، کیونکہ اس مسجد شریف کے جماعتی بالکل مسکین لوگ ہیں، اور جماعت کی تعداد بالکل کم ہے؟

الجواب: اصل اعتبار تو محاریب قدیمہ کا ہے جن کا صحیح ہونا عام طور پر معلوم ہے، باقی ہندوستان میں نماز کی صحت کے لئے بین المغربین ہونا بھی کافی ہے، اور قطب ستارہ کا اعتبار بھی صحیح ہے، محاریب قدیمہ غالباً اسی پر بنائی گئی ہیں، پس اس مسجد کا قبلہ اگر بین المغربین ہو تو نماز درست ہو جائے گی، مگر بہتر یہ ہے کہ مساجد قدیمہ سے جس قدر انحراف اس کے قبلہ کا ہو، اور مقتدی صفت بندی کے وقت اس قدر انحراف کر لیا کریں، مسجد کے گرانے کی کوئی ضرورت نہیں، قال فی رد المحتار فی الفقہستانی ولا باس بالانحراف انحرافاً لا تتزول بہ المقابلة بالکلیۃ بان یبقی شیء من سطح الوجه مسامتا للکعبۃ ام الی ان قال و سیأتی فی المتن فی مفسدات الصلوة انها تفسد بتحول صدرہ عن القبلة بغیر عذر فعلم ان الانحراف الیسیر لا یضر وهو الذی یبقی مع الوجه اوشی من جوانبہ مسامتا لعین الکعبۃ او ہوائہا بان یشرف الخط من الوجه او من بعض جوانبہ ویسیر علی الکعبۃ او ہوائہا مستقیماً ولا یلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامة خارجاً من جبهة المصلی بل منها او من جوانبها کما دل علیہ قول الدر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان و علی ما قررناہ یحمل ما فی الفتح والبحر عن الفتاوی من ان

الانحراف المفسدان یجاوز المشارق الی المغرب ام قلت ولا یخفی ان المصلی اذا قائم بین المغربین یشرف الخط من بعض جوانب وجهہ مارا علی الکعبۃ اور ہوائہا، فی الدر وهو فی القری علی والا مصارحاریب الصحابة والتابعین ام رقلت و فی حکمہا محاریب من بعدہم من السلف الی اجمع المسلمون علی استقامة قبلتها، و فی المغاوی البحار النجوم کالقطب ام قال الشامی هو اقوی الادلۃ وهو نجم صغیر فی بنات نعش الصغری بین المشرقین والحدی الخ (ص ۲۳۶ الی ۲۳۷، ۱۳۰۲۴، واللہ اعلم، ۲۳ شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ)

مسجد کے اندر نماز پڑھنا اور مسجد کے صحن یا چھت پر نماز پڑھنا برابر ہے یا ثواب میں فرق آتا ہے؟

سوال (۱۱)..... مسجد اور صحن کی بزرگی ایک درجہ میں مانی جاتی ہے یا علیحدہ؟ مسجد میں نماز پڑھنے سے ثواب کی زیادتی اور صحن میں امام کھڑے ہو کر نماز پڑھانے سے ثواب کی کمی، کیا ثواب میں بہ لحاظ مسجد و صحن کے دو درجے ہیں یا ایک ہی درجہ ہے، حرارت کے دنوں میں امام اور مقتدریان کا صحن میں نماز پڑھنا ہوتا ہے، مینوا تو جسروا؟

الجواب: جہاں تک زمین مسجد کے لئے یعنی نماز پڑھنے کے لئے وقف کی گئی ہو وہ سب فضیلت میں برابر ہے، اور جب مسجد میں صفت بندی ہو جائے اور جگہ نہ رہے تو جو لوگ خارج مسجد کھڑے ہو کر نماز میں شامل ہوتے ہیں ان کو بھی مثل مسجد والوں کے ثواب ملتا ہے، غرض اندرون مسجد و صحن مسجد میں کوئی فرق نہیں، ہاں سقف مسجد داخل مسجد میں فقہانے فرق بیان کیا ہے، کہ سقف میں وہ ثواب نہیں جو داخل مسجد میں ہے، گو حکم اعتکان میں وہ بھی مسجد ہی ہے، واللہ اعلم، ۲۵ شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ

مسجد کے اندر جوتے رکھنے، اخبار پڑھنے اور دنیوی باتیں کرنے کا حکم

سوال (۱۱) حامداً ومصلياً، مسجد کے احاطہ کے اندر جوتہ چھوڑنا یا خلافت کے رسالے اور اخبار اور اشتہار جنگ کے پڑھتے ہیں، مسجد یا صحن میں بیٹھ کر دنیا کی اور تجارت کی باتیں کرنا، بیچنا کرنا یا جائز ہو گا یا نہ؟ اور مسجد میں باتیں کرنے والوں کے لئے کیا وعید آتی ہے، مینوا تو جسروا؟

الجواب: جوتہ میں اگر نجاست نہ لگی ہو تو مسجد کے اندر رکھ دینا جائز ہے، اور اگر چوری خوف نہ ہو تو مسجد سے باہر رکھنا اولیٰ ہے، اور اگر ناپاکی لگی ہو تو بد دن اس کے دور کر دینا

جو تہ کو مسجد میں رکھنا جائز نہیں، بلکہ یہ سب کام مسجد کے اندر کر رہے ہیں، باہر ہونی چاہیں البتہ اگر پچاسیت شریعت کے موافق ہو اور لڑائی جھگڑا نہ ہو تو اس کا مسجد میں کرنا مضائقہ نہیں، ورنہ ناجائز ہے، وعید کوئی خاص منقول نہیں، یہی بہت بڑی وعید ہے کہ کہ یہ کام گناہ ہی، واللہ اعلم، ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

سوال (۱۲) کیا محلہ کی مسجد میں نماز کا ثواب جامع مسجد سے بھی نماز کی فضیلت زیادہ ہے؟ اور یہ زیادتی کا حکم پنجوقتہ نماز کے لئے ہے یا جمعہ اور عیدین بھی اس میں شامل ہیں؟

الجواب: پنجوقتہ نماز محلہ کی مسجد میں افضل ہے، اس کو چھوڑ کر قصد جامع مسجد میں نہ جائے، البتہ کسی کام سے جامع مسجد کی طرف گیا ہو اور وہاں نماز کا وقت آجائے تو اس حالت میں جامع مسجد ہی میں نماز پڑھ لے اور اس وقت اس کا ثواب مسجد محلہ سے زیادہ ہوگا، اور جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں افضل ہے، اور عیدین کی جنگل میں افضل ہے، نمازی کے سامنے سے گزرنے میں سوال (۱۳) شامی وغیرہ کتابوں میں مسجد کبیر کی تعریف میں مسجد کبیر و صغیر کی تمتین، اربعین یا ستین ذراع ببارہ مردارام المصلیٰ مذکور ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ پیمائش ببارہ مردارام المصلیٰ طول کی ہے یا عرض کی، یا ہر ایک کی یا چاروں طرف کی مجموعہ پیمائش مراد ہے؟ مدلل جواب عطا فرمائیے؟

الجواب: مراد طول میں ستین یا اربعین ذراع ہونا ہے، کیونکہ مدار اس پر ہے کہ مسجد اتنی بڑی ہو کہ جس میں اگر مصلیٰ کے سامنے دور سے گزرے تو بعد کافی ہو جائے، جس سے تشویش مصلیٰ کو لاحق نہ ہو، اور اس امر میں مقدار طول کو دخل ہے نہ کہ عرض کو، نیز شامی میں کہا ہے؛ فانہ لای المسجد الصغیر، کبقعة واحدة منها يجعل جميع ما بين يدي المصلی الى حائط القبلة مکانا واحدا بخلاف المسجد الكبير والصحران فانہ لوجعل كذلك لزم الحرج على المارة فاقصر على موضع السجود ام (ص ۶۶۳ ج ۱) ظاہر ہے کہ حرج علی الماریں مقدار طول ہی کو دخل ہے، نہ عرض کو، نیز جعل جميع ما بين يدي المصلی الى حائط القبلة بھی اس کو مفید ہے، پس یہ مقدار طول بجانب قبلہ کی ہے، اور عرض اس کے مناسبت ہوگا، واللہ اعلم، ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

سوال (۱۳) جن مسجد کا رخ قبلہ سے مائل وغیرت ہو اس میں نماز پڑھنا کیسا؟

..... ایک مسجد ایسی بنی ہوئی ہے کہ جس کا رخ مائل بجانب شمال قبلہ سے اس قدر ہٹا ہوا ہے، آیا اس قدر کجی سے نماز ہوتی ہے یا نہیں، حکم مشروع کیا ہے، در صورت نہ ہونے نماز کے اور باوجود مالی استطاعت کے مسجد مذکور کو از سر نو تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں، یا قبلہ ہی کی دیوار توڑ کر اس کو درست قبلہ رخ کر دیا جائے، اگر از سر نو تعمیر نہ کرانی جائے اور نہ دیوار توڑ کر اس کو قبلہ رخ کیا جائے، تو ایسی حالت میں اجنبی شخص کو دھوکہ کھانے اور خلاف قبلہ رخ پر نماز پڑھنے کا اندیشہ ہی، ایسے خطرے کی حالت میں اگر از سر نو مسجد مذکور کو تعمیر کر دیا جائے تو درست ہے یا نہیں، اور سوا بارہ فٹ کجی ہے، یہ بھی تحقیق سے معلوم ہوا ہے، جواب مشرف فرمائے، صورت ہلکا۔

مغرب

مغرب

مغرب

مغرب

شمال دیوار قبلہ نماصحیح

شمال

جنوب

جنوب

مشرق

مشرق دیوار قبلہ

الجواب؛ قال في الشامية قد علمت انه لو فرض شخص مستقبلا من بلدة لعين الكعبة حقيقة بان يفرض الخط الخارج من جبينه واقعا على الكعبة فهذا مسامت لها تحقيقا ولو انه انتقل الى جهة يمينه او شماله بغير اسخ كثيرة وفرضنا خطا مارا على الكعبة من المشرق الى المغرب وكان الخط الخارج من جبين المصلی يصل على استقامته الى هذا الخط المار على الكعبة فانه بهذا الانتقال لا تزول المقابلة بالكلية لان وجه الانسان مقوس فمها تاخر عينا او شمالا عن عين الكعبة يبقى شيء من جوانب وجهه مقابلا لها الى ان قال بل المفهوم مساقت مناها عن المعراج والدر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل يميننا او يسارا انه لا يصح لو كانت احداهما حادة والاخرى منفرجة بهذه الصورة خط الكعبه ثم قال لكن وقع في كلامهم ما يدل على مصلی ان الانحراف لا يضرة ففي القهستاني ولا بأس بالانحراف انحرافا لا تزول به المقابلة بالكلية بان يبقى شيء من سطح الوجه مسامتا للكعبة ام وسيأتي في المتن في مفسدات الصلوة انها تفسد بتحويل صدره عن القبلة بلا عذر

فعلم ان الانحراف اليسير لا يضر وهو ان يبقی معه الوجه اوشى من جوانبه
 مسامتا لعین الکعبۃ اولهوا ثمان بان يخرج الخط من الوجه او من بعض جوانبه
 ويبر على الکعبۃ او هو اثرها مستقيما ولا يلزم ان يكون الخط الخارج على استقامة
 خارجا من جهة المصلی بل منها ومن جوانبها كما دل عليه قول الدر من جبين
 المصلی فان الجبين طرف الجمجمة وهما جبينان وعلى ما قررنا يحمل ما في الفتح
 والمبصر عن الفتاوى من ان الانحراف المفسدان يجاوز المشارق الى المغرب اهر
 (ص ۱۳۲۲۶) عبارات مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نمازی کی پیشانی سے یا جواب
 چہرہ کے کسی جسز سے بھی ایسا خط نکلے جو خط کعبہ سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے تو اتنے
 انحراف سے نماز ہو جائے گی، اب اس کو خود دیکھ لیا جائے کہ صورت مذکورہ میں موجودہ دیوار
 قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے سے چہرے کی کسی جانب سے بھی ایسا خط نکل سکتا ہے
 جو خط کعبہ سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرتا ہو، اگر ایسا خط نکل سکتا ہے، تو اس قدر انحراف
 مفسد صلوٰۃ نہیں، اور نہیں نکلتا تو نماز نہ ہوگی، باقی ہر صورت بہتر یہ ہے کہ اگر ممکن ہو
 تو ساری مسجد کو منہدم نہ کیا جائے بلکہ دیوار قبلہ کو توڑ کر صحیح طور پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور
 اگر ایسا ممکن نہ ہو تو صحیح قبلہ کے لئے جبکہ رخ میں انحراف ہیں ہو پوری عمارت کا از سر نو بھی
 بنا دینا جائز ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کو اس کی استطاعت ہو، ورنہ سہل صورت یہ ہے
 کہ فرش مسجد میں قبلہ کے صحیح رخ پر پچھتہ مسالے سے خط کھینچ دیا جائے، اور صفیں اسی خط
 کے موافق بچھائی جائیں، اس سے آنے والوں کو بھی دھوکا نہ ہوگا، وہ خطوط کو دیکھ کر
 قبلہ کا رخ معلوم کر لیں گے، واللہ اعلم، الرذیقہ ۲۳ ص ۳

مسجد کا چراغ حجرہ میں سوال (۱۵) مسجد میں جو
 جلانا درست نہیں، تیل چراغ روشن کرنے کو لوگ دے جاتے ہیں، اس تیل سے سحر میں
 اور نماز فجر کے وقت چراغ روشن کرنا جائز ہے یا نہیں، اور لوگوں کی طرف سے اس کی صریح
 اجازت ہونے نہ ہونے میں اور ان کو اس کا علم ہونے نہ ہونے کی حالت میں کچھ فرق ہے
 یا نہیں، نیز مسجد کے حجرہ میں مسجد کا تیل جلانا جائز ہے یا نہیں، اور اگر کوئی تیل دیوار والا
 انڈیا دریافت کرنے پر حجرہ اور مسجد دونوں میں جلانے کی اجازت دیدے تو کیا حکم ہے
 اور بعض مرتبہ کسی بچے وغیرہ کی معرفت تیل بھیج دیتے ہیں وہ اگر مسجد اور حجرہ دونوں جگہ

جگہ جلانے کی اجازت دے تو معتبر ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو حیروا،

الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی
 بیته ویحمل من بیته الی المسجد ولا یباس ان یتروک سراج المسجد فی
 المسجد الی ثلث اللیل ولا یتروک اکثر من ذلك الا اذا شرط الواقف ذلك
 او کان ذلك معتادا فی ذلك الموضع کذا فی فتاویٰ قاضی خان ام رص ۱۳۰،
 اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کا چراغ یا تیل حجرہ میں جلانا جائز نہیں، البتہ اگر تیل دینے والا
 صراحتاً اس کی اجازت دیدے تو اجازت دینے والے کے تیل میں سے مؤذن کو بقدر
 ضرورت حجرہ میں تیل جلانا جائز ہے، اور جو اجازت نہ دے اس کے تیل میں سے جلانا جائز
 نہیں، پس مؤذن کو اجازت والا تیل اور بے اجازت والا الگ الگ برتن میں رکھنا چاہئے
 اور نابالغ بچہ کی اجازت معتبر نہیں،

اور مسجد کا چراغ ہتھائی رات سے زیادہ مسجد میں روشن نہ کرنا چاہئے، کہ یہ جائز نہیں
 البتہ اگر تیل والا اجازت دیدے تو اس کے تیل میں سے سحر کے وقت روشن کرنا جائز ہے
 یا کسی موضع میں دستور عام ہو کہ سحر میں چراغ روشن کیا جاتا ہو تو وہاں بدون اجازت اگر بھی
 سحر میں روشن کرنا جائز ہوگا، اور نماز صبح کے وقت جاڑوں میں چراغ روشن کرنا عام دستور
 ہے، اس لئے صبح کے وقت جاڑوں میں تو مطلقاً اس کی اجازت ہے اور گرمیوں میں اجازت
 لینا چاہئے، یا عام عرف کو دیکھ کر عمل کرنا چاہئے، واللہ اعلم، غرہ صفر ۲۳ ص ۳

مسجد میں نماز کی فضیلت، داردہ سوال (۱۶) ۱ - حدیث میں جو مسجد محلہ کا ثواب ہے
 اس وقت ہے جبکہ مسجد وقف ہو، رکعت کا وارد ہر اب وہ زمین وقف کا حکم ہے یا مطلق
 نماز کے لئے بنانے سے بھی یہ حکم ہوگا، اور کسی نے نماز کے واسطے مکان بنا دیا اور نماز پڑھنے
 لگے مگر زبانی وقف نہیں کیا، اب لوگوں کے نماز پڑھنے پر بھی وقف کا حکم دیا جاوے گا یا نہیں؟
 (۲) نماز جماعت سے پڑھنے کا ستائیس درجہ تہنکے ملتا ہے، یہ حکم گھر پر جماعت کا بھی
 ہے یا مسجد کا، اور جب مسجد کا حکم پچیس کا ثواب ہے، اور جماعت کا ستائیس کا ہے، اب
 اس قاعدہ سے جب مسجد اور جماعت دونوں ہوں گے تو ۲۵ اور ۲ کے ضرب دینے کا ثواب
 ہونا چاہئے، یہ قاعدہ ٹھیک ہے یا نہیں، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں،

الجواب؛ (۲) مسجد وہی ہے جو وقف ہو، جو وقف ہو وہ مسجد نہیں ہے، اس

میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو ملے گا، مگر مسجد کا ثواب نہ ملے گا، اور بدون وقف کئے فقط مکان میں نماز کی اجازت دینے سے مسجد نہیں ہوتی، اور بغیر مسجد کے بھی اگر عبادت ہو تو ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور مسجد کا ثواب اس کے علاوہ ہی، واللہ اعلم

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

مسجد میں اخراج یح اور ایسے شخص کی اقتدار کا حکم

سوال (۱۸)

مسئلہ اول: مسجد میں قصداً آواز سے حدیث کرنا، یعنی آواز سے گوز مارنا، یہ گناہ صغیرہ ہے یا کہ کبیرہ، (۲) قصداً بلکہ اصراراً آواز سے حدیث کرنے والے کو اگر امام مسجد کیا جارے تو اس کی اقتدار کیسی! اور جو نماز مکروہ تحریمی ہو اس کا اعادہ ضروری یا غیر ضروری؟ (۳) صفت مذکورہ پر حدیث کرنے اور مردوں کو غسل دینے والے یعنی غسل پیشہ ہر دونوں کی اقتدار میں کراہت کا حکم، لوگوں کے مکروہ جاننے پر موقوف ہے، یا کہ عقل سلیمہ کے نزدیک ہر دو شارع علیہ السلام کی مسند قائم کرنے کے قابل نہیں، ان کی اقتدار میں کراہت کراہت تحریمی ہے یا کہ تنزیہی؟

الجواب: مسجد میں یح خارج کرنا منع ہے، کما فی العالمگیریہ (ص ۲۱۵ ج ۲)

وفی اللالی واختلفت فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم قالوا لا یفسو و یرجح اذا احتاج الیہ وهو الاصح کن فی التمر تاشی وهکذا فی الشیخ رضی اللہ عنہما ونصہ ولا البول والفسد فیہ ولونی انا والحق وکن الا یرجح فیہ الریح من الد براہ ثم ذکر مثل کلام العالمگیریہ، اگر یہ فعل خارج مسجد ہے تو خوارم مروت سے یقیناً ہے، بلکہ زور سے اخراج یح تو خارج مسجد بھی ناجائز ہے، لقولہ تعالیٰ وتاتون فی نادیکم المنکر وفسرته عائشہ رضی اللہ عنہا فی المجلس ذکرہ الامام ابن جریر الطبری فی تفسیرہ بسندہ (ص ۹۲ ج ۲۰) ولا یقال قد ورد فی بعض الروایات تفسیرہ بالخذف ای کانوا یخذون اهل الطريق ویخرون بہم کما ذکرہ الطبری ایضاً من مذکور، قلت لا منافاة بینہما فکانوا یفعلون کلا الامرین واما تفسیرہ باتیان بعضهم بعضاً فی المجالس فلم یرد الا عن مجاہد ولم یرفعہ فلا یقدح فی تفسیر الصحابة فان رفعہ

اقربا والله تعالیٰ اعلم! پس اس فعل کا عمداً آواز کے ساتھ کرنا شرعاً منکر ہے جو کراہت تحریمیہ کو مستلزم ہے، (لکن ثبوت منکر تہ بالبحر النطنی) اور مسجد میں کرنا تو اشد کراہت کو مستلزم ہے، واما اختلاف السلف فیہ فانہا ہو فیما اذا اضطررنا لایما اذا اضطررنا بالتصویب عمداً، پس شخص اگر اس حرکت سے باز نہ آوے اور توبہ نہ کرے تو وہ امام بنانے کے قابل نہیں، اور عزل میں فتنہ نہ ہو تو اس کو امامت سے الگ کر دینا چاہئے،

(۳) صفت مذکورہ پر حدیث کرنے والا تو فاسق ہے اس لئے امام بنانے کے قابل نہیں اور مردوں کو غسل دینے والا اگر لوگ اس کی امامت سے کراہت کرتے ہوں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے راضی نہ ہوں تو اس کو بھی امام نہ بنایا جاوے، بشرطیکہ مقتدیوں میں اس کی برابر یا اس سے زیادہ احکام صلوة کا جاننے والا اور قرآن صحیح پڑھنے والا دوسرا موجود ہو، ورنہ غسل ہی کی امامت اولیٰ ہے، واللہ اعلم، ۲۲ رجب ۱۳۸۵ھ مسجد بنا کر فرض ہے یا واجب | سوال (۱۸) مسجد کا بنانا فرض ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے، جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب: ہر شہر و قصبہ و گاؤں میں مسجد کیلئے بقدر ضرورت زمین وقف کرنا تو وہاں کے مسلمانوں پر واجب علی الکفایہ ہے، باقی عمارت بنانا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے قال فی الدرر من نذرنا مطلقاً من جنسہ واجب وهو عبادۃ مقصودۃ ووجد الشرط لزم النادر الوفاء بہ کصوم و صلوة و صدقہ و وقف و اعتکان و اعتق رقبة و حج و ما شیا فانہا عبادات مقصودۃ و من جنسہا واجب لوجوب الاعتق فی الکفایۃ الی ان قال ووقف مسجد للمسلمین واجب علی الامام من بیت المال رای فی کل بلدۃ علی الظاہر ط ۱۲ شامی، والا فعلى المسلمین رای وان لم یفعل الامام فعلى المسلمین ۱۲ شامی، ص ۱۰۲ و ۱۰۳ ج ۳) و فی حاشیئہ علی البحر بعد نقل کلام البدائع فی عدم صحۃ النذر ببناء المسجد لكونها قربة غیر مقصودۃ مانصہ فہذا صریح فی ان الشرط کون المنذر و نفسه عبادۃ مقصودۃ لا ماکان من جنسہ و یدل علیہ انہم صححوا النذر بالوقف لان من جنسہ واجب و اجبا و هو وقف المسجد للمسلمین وقد علمت ان بناء المسجد غیر مقصود ام (ص ۹۷ ج ۳) قلت علی ان بناء المسجد لیس من جنسہ واجباً، واللہ اعلم،

ہندو مسجد کے قریب گانا یا سنگ
گرجن کرنے ہوئے گذرے تو اس سے
مسجد کی ہتک حرمت ہوگی یا نہیں
اور مسلمانوں کو شرعاً اس سے روکنے
کا حق ہے یا نہیں؟

سوال (۱۹)

..... اگر ہندو لوگ کوئی مسجد کے
قریب سے گانا بجانا کرتے ہوئے یا سنگ گرجن کرتے
ہوئے جاویں تو اس میں مسجد کی ہتک حرمت ہوگی یا نہیں؟
ہتک حرمت اور عبادت میں وہ نخل ہونے کی جہت سے

مسلمانوں کو شرعاً حق ممانعت و منافی کی ہے یا نہیں؟ اور اس کو بند کرنے کے لئے
مسلمانوں کو بہ دل و جان کوشاں ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب؛ قال تعالى وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاءً وَتَصَدَّقَ
فَذُرُّوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَكَانَ وَقَدْ فَسَّرْنَا بِمَكَاءٍ بِالتَّصْفِيرِ وَنَفَخَ الْبُوقَ
وَنَحْوَهُ وَالتَّصْدِيقَ كَمَا فِي الدَّرَالْمَنْتُورِ وَالتَّصْفِيرِ ابْنُ جَرِيرٍ فِي تَفْسِيرِ
هَذِهِ الْآيَةِ، قُلْتُ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى بَعْضِ اللَّهِ وَمَقْتَهُ أَمْثَالُ تَلْكَ الْأَفْعَالِ
عِنْدَ الْمَسَاجِدِ وَاشْعَارِيَانِ بِهَاتِنْتَهُمَا حُرْمَةُ الْمَسَاجِدِ فَضَرَعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ
فَذُرُّوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَفَسَّرَ بِمَا حَصَلَ لَهُمْ مِنَ الْخُرْبِيِّ وَ
النَّكَالِ بِيَدِهِ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ كُلَّ مَا يَبْغِضُهُ اللَّهُ وَيَمَقْتُهُ لَا يَقْرَأُ مَوْءُونَ أَبَدًا
وَأَنَّ سَكُوتَهُ عَنْهُ وَتَقْرِيرُ فَعْلِهِ عَلَيْهِ مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ فَيَجِبُ عَلَيْهِ انْتِكَاسُ مَا
أَمَكَنَ وَإِدْنَاهُ أَنْ يَنْتَكِرَ بِقَلْبِهِ أَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ تَغْيِيرَهُ بِلِسَانِهِ وَلَا بِيَدِهِ وَأَعْلَاهُ
أَنْ يَغْيِرَهُ بِيَدِهِ أَنْ كَانَ يَسْتَطِيعُ ذَلِكَ وَشَرْطُ الْأَسْتَطَاعَةِ أَنْ لَا يَتَرْتَبِ عَلَيْهِ
فِتْنَةٌ أَشَدُّ مِنْهُ وَالْكَفْلُ ظَاهِرٌ مِنْ نَظَرِي فِي قَوَاعِدِ الشَّرْعِ، هَذَا وَقَدْ ذَكَرَ
الْمَشِيخُ ابْنُ تَيْمِيَّةٍ فِي شَرْطِ عَمْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَعَ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَلَا تَظْهَرُ
الصَّلِيْبُ عَلَى كِنَانَتِنَا وَلَا تَظْهَرُ صَلِيْبًا وَلَا كِتَابِي فِي شَيْءٍ مِنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ
وَلَا أَسْوَأَ مِنْهُمْ وَلَا نَضْرِبُ بِنَوَاقِسِنَا فِي كِنَانَتِنَا الْأَضْرَابَ بِأَخْفِيفًا وَلَا نَرْفَعُ
أَصْوَاتِنَا مَعَ مَوْتَانَا وَلَا تَظْهَرُ النَّيْرَانُ مَعَهُمْ فِي شَيْءٍ مِنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ
وَلَا نَرْفَعُ أَصْوَاتِنَا فِي الصَّلَاةِ وَلَا الْقِرَاءَةِ فِيمَا يَحْضُرُ الْمُسْلِمُونَ،
(ص ۵۸) قَالَ رَوَاهُ حَرْبٌ بِإِسْنَادٍ وَجِيدٍ وَهَذِهِ الشَّرْطُ طَائِفَةٌ فِي
كِتَابِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمُ وَهِيَ مَجْمُوعَةٌ عَلَيْهِمَا فِي الْجَمَلَةِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَمْ قُلْتُ

۵

فَظْهَرُ مِنْ ذَلِكَ أَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ عِلَامَاتِ غَلْبَةِ الْكُفْرِ وَذَلَّةِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَلِذَا
شَرَطَ عَلَيْهِمْ تَرْكَهُ كُلَّهُ فَمَا كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَقْدِرُونَ عَلَى اسْتِيفَاءِ مِنْ هَذِهِ الشَّرْطِ
تَحْتَ قَوَائِنِ الْحُكُومَةِ يَلِزُ مِنْهُمْ اسْتِيفَاءُ مِنْهُمْ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اس میں شک نہیں کہ کفار کا مساجد مسلمین کے سامنے گانا بجانا اور رسوم کفر و
شرک بجالانا موجب ہتک حرمت مسجد ہے، اور اس وجہ سے اب تک مختلف مواقع میں
حکومت وقت نے ہندوؤں کو مسجد کے سامنے ان افعال سے منع کیا ہے، کیونکہ ان مسلمانوں
کو ایذا ہوتی ہے اور مساجد کی ہتک حرمت ہوتی ہے، اور مسلمانوں نے کبھی اس کو
آج تک گوارا نہیں کیا، اور جب یہ افعال مسجد کے سامنے ہتک حرمت مسجد کا سبب ہیں
تو مسلمانوں کو یہ بھی حق ہے کہ ہندوؤں کو مساجد کے سامنے ان افعال کے کرنے سے روکیں
مگر روکنے کی وہ صورت اختیار کرنا چاہئے جس میں اس سے بڑھ کر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو،
اور جس صورت میں اس سے بھی زیادہ فتنہ کا خطرہ ہو وہ صورت اختیار نہ کی جائے، پس
مسلمانوں کو صرف یہ صورت اختیار کرنا چاہئے کہ حکومت وقت سے درخواست کریں،
کہ ہندوؤں کو مساجد کے سامنے گانا بجانا اور اپنے رسوم کفر و شرک بجانا ہماری مسجدوں
کی ہتک حرمت کا سبب ہے، اس لئے ان کو مسجدوں کے سامنے ایسے افعال کرنے سے
روک دیا جائے، گورنمنٹ نے ایسی درخواست کرنے میں پوری کوشش بدل و جان کرنا
چاہئے، اور اس میں جس قدر سعی کی جائے گی باعث ثواب عظیم ہوگی، (المافیہ من اعلا کلمۃ اللہ)
اور جب حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حق مل جائے جیسا کہ ابتداءً حکومت اس وقت
تک گورنمنٹ نے مسلمانوں کو یہ حق دے رکھا تھا تو اس کے بعد اگر کسی جگہ ہندوؤں کے
ظلمات عمل کریں وہاں ان کے روکنے کی صورت یہ تدبیر کریں کہ حکومت ہی سے استغاثہ کریں
تاکہ حکومت اپنے قاعدہ کے موافق ہندوؤں کو اس نا جائز و ناشائستہ حرکت سے خود
روک دے، مسلمانوں کو بلا واسطہ ہندوؤں سے تعرض و مزاحمت نہ کرنا چاہئے، کیونکہ
اس میں مساجد کی زیادہ ہتک حرمت کا قوی اندیشہ ہے، کیونکہ جب ان سے بلا واسطہ
مزاحمت کی جائے گی تو وہ مقابلہ کریں گے، اور مقابلہ میں اگر مسجد کی زیادہ ہتک
حرمت کریں گے، مثلاً اس پر ڈھیلے پتھر پھینکنے لگیں یا مسجد ہی کو معاذ اللہ منہدم
کر دیں گے، چنانچہ بعض مواقع میں ایسا سنا بھی گیا ہے، پس یہ صورت جائز نہیں،

اور اگر کسی بگے کہ ناواقف مسلمانوں نے یہ صبرت اختیار کی ہو اور اس میں اپنی جان دیدی ہو ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، وہ ہر شخص کی نیت و عذر کو خود جانتے ہیں، باقی شرعاً مسلمانوں کے لئے اس وقت صرف پہلے طریقہ سے کوشش کرنا جائز ہے، کہ گورنمنٹ سے درخواست کریں اور اگر طریقہ سے کوشش جائز نہیں، کہ خود مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جائیں کہ اس میں زیادہ ہتک حرمت اور زیادہ مفساد و فتن کا خطرہ ہے، اور اگر خدا نخواستہ گورنمنٹ مسلمانوں کی اس درخواست کو قبول نہ کرے تو اس وقت مسلمانوں کو صبر کرنا چاہئے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے کہ وہ مساجد کی ہتک حرمت کو دور کرنے کی کوئی سبیل پیدا کر دیں، اس وقت مسلمانوں کو صرف دل سے ہندوؤں کو اس فعل پر نفرت و کراہت مگر کافی ہے، مقابلہ کسی کا نہ کریں، نہ حکومت کا نہ رعایا کا، لیکن حکومت کے ایک بار اس درخواست کے رد کرنے پر کوشش کو ترک نہ کریں بلکہ موقع بہ موقع بار بار حکومت سے اس حق کے عطا کی درخواست کرتے رہیں، انشاء اللہ حکومت ضرور توجہ کرے گی، واللہ اعلم، ۸ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

مسجد میں کھڑکیاں کھولنے کا حکم | سوال (۲۰) مسجد کی مغربی دیوار پر کھڑکیاں بنانا جس میں ہوا کی آمد و رفت ہو اور وہ شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے مگر کینسہ و گر جا کے طرز پر نہ ہو بلکہ مسجدوں کے طرز پر ہوں، واللہ اعلم، ۵ محرم ۱۳۸۵ھ

مسجد میں نمازیوں کے لئے پانی کا گھڑا رکھنا | سوال (۲۱) مسجد کے اندر یا باہر فرش پر نمازیوں کے لئے پانی کا گھڑا رکھنا ایسا ہے،

الجواب: اس میں فی لفظہ تو کوئی حرج نہیں، اگر وہاں کوئی خرابی ہو تو اس کو ظاہر کیا جاوے، کتبہ احقر عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح نظر احمد عفا اللہ عنہ

بضرورت مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مباح ہے؟ | سوال (۲۲) مسجد میں گفتگو دنیوی کرنا کس درجہ کا گناہ ہے؟

الجواب: دنیوی کلام بضرورت ہو تو مسجد میں جائز ہے، بشرطیکہ مسجد میں اسی غرض سے نہ آیا ہو، بلا ضرورت مکروہ ہے، اس پر حدیث شریف میں سخت وعید وارد ہے، ۲۵ رجب ۱۳۸۵ھ

محلہ کی مسجد چھوڑ کر دور کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم | سوال (۲۳) واضح ہو کہ میرے محلہ میں

دو مساجد ہیں، قریب کی مسجد میں نماز مسنون طریقہ سے نہیں ہوتی، امام مختصری سوئس پڑھتا ہے جس سے طبیعت سیر نہیں ہوتی، وہ ایک بوڑھے آدمی کا جو بالکل تند رست ہے خیال کرتا ہے اور زیادہ پڑھے تو وہ بوڑھا آدمی جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس واسطے لمبی رکعت نہیں ہوتی، دور کی مسجد میں جو بہت دور نہیں ہے ایک نیک بخت آدمی ہیں اور وہاں نماز عمدہ اور مسنون طریقہ پر ہوتی ہے، پس درخواست ہے کہ ارشاد فرمادیں کہ کیا نماز دور کی مسجد میں ہو جاتی ہے، اور چھپیں نمازوں کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

دیگر اس قریب والی مسجد میں لڑائی جھگڑے کا بھی اندیشہ رہتا ہے، ایک مولوی نے مجھ کو منع کیا تھا کہ دور نماز کے لئے نہ جایا کرو، اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ کیا دور کی مسجد میں نماز پڑھنے سے کوئی نقص تو واقع نہیں ہوتا؟ اور آپ دور والی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، یا نہیں، مفصل جواب سے مشرف فرمادیں؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ مسجد محلہ جو اپنے گھر سے اقرب ہو اس کا حق زیادہ ہے اس کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانا بلا وجہ معتدبہ جائز نہیں، پس اگر مسجد قریب کا امام فاسق اور غلط خواہ نہیں ہے تو محض اس وجہ سے کہ وہ لمبی سوئس نہیں پڑھتا مسجد قریب کا ترک جائز نہیں، اور اندیشہ فساد جو لکھا ہے تو مسائل فساد کی بات میں شرکت نہ کرے، ہاں اگر بدون اس کی شرکت کے بھی کوئی خواہ مخواہ اس سے فساد کرتا ہو تو اس عذر کی وجہ سے مسجد بعید میں جانا جائز ہے، قال الشافعی تحت قول الدر لو فاتتہ (الجماعة) ندب طلبہانی مسجد اخر الا المسجد الحرام ام مانصہ واعترض الشافعی بطلانی بان هذا ینافی وجوب الجماعة واجاب بان الوجوب عند عدم الحرج و فی تتبعها فی الاماکن القاصیة حرج لا یخفی مع مافی مجاوزة مسجد حیة من مخالفة قوله صلی اللہ علیہ وسلم لا صلاة لجار المسجد الا فی المسجد ام (ص ۶، ۱۳۵) ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ | سوال (۲۴) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر گھر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطار میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھا لیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھنٹہ پانی یا صرف پھوارا وغیرہ کھا کر چلے تو اول رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے اور مسجد اول

یہ دیکھ کر کہ وہ اذان دیکھ کر اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت کی اول رکعت میں شامل ہو جائیں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جاوے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں اور کھانے سے کچھ دیر پہلے اعتکات کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکات قدر قلیل زمان کا بھی صحیح ہے، قال فی الدرر وکروہ اکل ونوم الاعتکات الخ قال الشافعی قوله اکل ونوم الخ اذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکات فیدخل ویذکر الله تعالی بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء فتاویٰ ہندیہ (جلد ۶۹ ص ۶۹) واللہ اعلم غورہ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

ایضاً ایضاً سوال (۲۵) رمضان شریف میں اہل محلہ کا بوقت ترک جماعت نماز مغرب مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل اشیاء سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں اکل و شرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، کا مسافر بیابان لہ النوم فیہ، اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے، اس لئے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، قال علی الفاری فی وجہ تاخیر عمرو و عثمان الاقطا عن الصلوۃ انہما کانافی المسجد وکانا غیر معتکفین و رأیا الاکل والشرب بغیر المعتکف مکروہین فی المسجد، لکن اطلاق احادیث التعجیل ظاہر فی استثناء حال الافطار (ص ۵۱۳ ج ۲) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھا لیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکات کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک اعتکات ساعت بھی درست ہے، دبی یفتی، پھر یہ کراہت کلیتہً مرتفع ہو جاوے گی، واللہ اعلم۔ ۱۴ رمضان ۱۴۲۵ھ

سوال (۲۶) قربانی کے گوشت کی وجہ سے ہر اس کے لئے ایک استعمال کرنا درست نہیں، بوریانیا خرید کیا جانا ہے، اور اس کا استعمال اس طرح پر ہوتا ہے کہ محلہ کی مسجد کے پُرانے اور بوسیدہ بوریئے گوشت کے کام میں لائے جاتے ہیں اور

نتے بوریئے مسجد میں ڈال دیتے جاتے ہیں، بعض لوگ اس عمل کو بھی ناجائز بتاتے ہیں، امید ہے کہ جناب والادونوں یا توں کے شرعی حکم سے مشرف فرمائیں گے؟

الجواب: قربانی کے لئے مسجد کا پُرانا بوریانیا جس طرح عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کی صورت یہ ہونا چاہئے کہ پُرانے بوریئے کو متولی یا مہتمم مسجد سے نئے بوریئے کے عوض خرید لیا جاوے، خریدنے کے بعد وہ پُرانا بوریہ تمھاری ملک ہو جائے گا، اور ملک مسجد سے نکل جائے گا اور قبل اشتراء کے وہ ملک مسجد میں ہے، اور ملک مسجد کو اپنے ذاتی تصرفات میں لانا جائز نہیں، واللہ اعلم، ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

سوال (۲۷) زید میگوید کہ درس ملک بنگال عید گاہ را مسقف ساختن بشرط جواز برسد زیرا کہ باران بکثرت می بارد و احیاناً بباد صور اتصال می گردد، لہذا مراد اسے نماز عید در عید گاہ صورتی نمی بندد و حصار عید گاہ از جائے مسقف دوری باشد و بدون تکمیل صرف بسقف در میدان عید گاہ حکم مکان ندارد، و بکر می گوید کہ عید گاہ را مسقف کردن جائز نباشد زیرا کہ برائے نماز عید خروج الی الجبانہ سنت است و عید گاہ بوجہ مسقف و حصار مکانے می گردد و خروج الی مکان خلاف سنت است فلا جرم جائے عید گاہ را مسقف ندیدہ ام و نشنیدہ ام و اگر باران وغیرہ گاہے مانع گردد تا برائے نماز عید مساجد موجود است،

الجواب: قول بکر کہ عید گاہ بوجہ مسقف و حصار مکان می گردد و خروج الی مکان خلاف سنت است، قال فی البحر عن المغرب والخروج الی الجبانہ سنة لصلاة العید وان کان یستہم المسجد الجامع و فی المغرب الجبانہ المصلی العام فی الصحراء (ص ۱۴۲ ج ۱) قلت و کذا یصحی و تسمی بہما المقابر لانہما تکون فی الصحراء (ص ۱۴۲ ج ۱) قلت و کذا یصحی بہما مصلی العید لانہما تکون فی الصحراء لان مصلی العید ہی الصحراء بعینہا کما یشعر بما قلنا قول المغرب، پس دریں صورت خروج الی الجبانہ یعنی خروج الی المصلی العام فی الصحراء متحقق است زیرا کہ خروج بسورہ مکانیکہ در صحراء ہست مستلزم خروج بسورہ صحراہم باشد قال فی البحر فی الخلاصۃ ولا یشخرون المنبر الی الجبانہ یوم العید و اختلف المشائخ فی بناء المنبر فی الجبانہ قال بعضهم یکرہ وقال

بعضہم لا یکرہ فی نسخۃ الاما خواہر زادۃ ہذا حسن فی زماننا وعن
ابن حنیفۃ انہ لا یأس بہ رص (۲۳۱۵۹) قلت والمراد ببناء المنبر مع ما یستلحق
بہ من الحصار وغیرہا فان بناء المنبر وحنہ فی الصحراء لا یتصور عادیۃ و
لم یکن ذلك متعارفا، پس بناء بر قول خواہر زادہ کہ بناء منبر برا زمانہ خود حسن گفتہ
تسقیف عید گاہ ہم درجائے کہ بکثرت باران نماز عید بدون سقف متعذر باشد جائز خواہ
شد کہ در ترک تسقیف ترک سنت خروج الی الجبانۃ دواماً لازم می آید پس قول زید نزد ما
قوی است، واللہ اعلم، ۸، محرم سنہ ۱۲۸۷ھ

مسجد میں کھانا کھانا اور کھلانا مکروہ ہے | سوال (۲۸) دیار بنگالہ میں یہ دستور ہے
کہ بروز جمعہ شیرینی بچا کے یا کبوتر یا مرغ وغیرہ ذبح کر کے بہات سالن تیار کر کے مسجد میں
لے جاتے ہیں، بعد نماز تمام مصلیٰ کو قطارِ صلوٰۃ میں مسجد کے اندر ہی اندر تقسیم کر دیتی ہیں،
اور بوقت نذر اکثر یہ کہتے ہیں اگر یہ کام ہو جاوے تو مسجد میں کبوتر وغیرہ کو ذبح کر کے شیرینی
مع نیاز دوں گا، یا فقط شیرینی بھیج دوں گا، یا بلا تعلیق مثلاً کھیت و زراعت کا نیادھان
دھل مل جاوے مسجد کی نیت سے بچا کر بھیج دیتے ہیں، اگر کہا جاوے مصلیوں کو بلا کر گھر میں
کھلا دو تو ہرگز نہیں ملتے، پس ان صورتوں میں مذکورہ نیادھان نذر جو کہ تعلق مسجد کو ضروری جانتے
ہیں کیا حکم ہوگا، کیا واقعی نذر یا رسوم جاہلانہ ہے اور اطعمہ مذکورہ کا کھانا فقیر و غنی کو
کیسا ہوگا، اور بعض یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام پر مسجد میں دوں گا، تفصیلاً حوالہ کتب
سے تسکین بخشیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمادیں، اکثر لوگ خاص و عام.....

... فتنہ و فساد میں مبتلا ہیں، حضور والا کے جواب باصواب پر امید ہدایت ہے، اگر طرز
سوال میں کوئی خلط ہو تصحیح فرمادیں عین عنایت ہے، تاکہ مجمع علماء میں پیش کیا جاوے،
الجواب، مسجد میں کھانا کھانا اور کھلانا مکروہ ہے، اور اگر اس کا التزام کر لیا جاوے
تو سختی کے ساتھ منع کرنا لازم ہے، واللہ اعلم، ۶، شوال سنہ ۱۲۸۷ھ

جنازہ مسجد باہر ہونا اور مقتدی | سوال (۲۹) ہمارے یہاں بڑی جامع مسجد ہے اس میں اکثر
سب مسجد کے اندر ہوں تو یہ صورت ہر جمعہ کے روز نماز کے بعد کوئی جنازہ آجاتا ہے تو اس جنازہ
بھی جنازہ کی مکروہ ہے یا نہیں؟ کو مسجد کے باہر رکھ لیتے ہیں اور مسجد کے قبلہ کی طرف والے
دیوار میں ایک بڑی کھڑکی ہے، وہ کھول کر اس کے سامنے جنازہ باہر مسجد سے رکھ کر امام

جمعہ مع جماعت مسجد میں نماز جنازہ پڑھا لیتا ہے، پس سوال یہ ہے کہ ہر چند فقہاء نے اس صورت
میں بھی مکروہ کو راجح لکھا ہے لیکن جمعہ و عید کے وقت از دحام و کثرت جماعت کی حالت میں
بھی جواز بے کراہت کی گنجائش ہو سکتی ہے یا کہ نہ، کیونکہ اس وقت میں اتنے آدمی نماز
جنازہ کے لئے مسجد سے باہر کہاں سما سکتے ہیں؟

الجواب، صورت مسئلہ میں درمختار میں تو کراہت ہی کو مختار کہا ہے، مگر شامی نے
بعض جزئیات فقہیہ سے اس میں توسع لکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، قال الشامی اما
اذا عللنا بخوف تلویث المسجد فلا یکرہ اذا کان المیت خارج المسجد وحدثنا
مع بعض القوم ۳۵۱ قال فی شرح المنیۃ والیہ مال فی المبسوط والمعیط وعلیہ
العمل وهو المختار ام قلت بل ذکر فی غایۃ البیان والعنایۃ انہ لا کراہۃ فیہا
بالاتفاق لکن ردہ فی البحر ثم اعلم ان التعلیل الاقل رای قولہ ان المسجد
انما بنی للمکتوبۃ وتواجہا، فیہ خفاء اذ لا شک ان الصلوٰۃ علی الجنائزۃ
دعاء و ذکر و ہما مہما بنی لہ المسجد والا لزم المنع عن الدعاء فیہ لنعو
الاستسقاء والکسوف مع ان الوارد فی ذلك ما مر اہل اسلام ان رجلا نشد
فی المسجد ضالۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا وجبت انما بنیت المساجد
لما بنیت لہ فلیتأمل ام رص ۱۹۲۳ قال الشیخ ولکن مراد الفقہاء ان
الدعاء لمثل ہذا لم ینقل عن السلف فی المسجد فكانت مہما لہ
المساجد، ثم قال فاصل المذہب ما ذکرہ فی الدرر نعم لما اختلفت اقوال
الفقہاء فیہ ففیہ وسعۃ فلا ینبغی التشدد فی الانکار والاصرار علی
الاحتراز عنہ والضرر، واللہ اعلم، ۱۵، شوال سنہ ۱۲۸۷ھ

جو لوگ کثرت جماعت کے سبب | سوال (۳۰) جس وقت کثرت جماعت سے مسجد
خارج مسجد امام کی اقتدار میں نماز اور اگر اس کا التزام کر لیا جاوے
تو سختی کے ساتھ منع کرنا لازم ہے، واللہ اعلم، ۶، شوال سنہ ۱۲۸۷ھ

بعض کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟
الجواب، اتصالِ صفوف و اتحاد مکان کی وجہ سے خارج مسجد حکم مسجد
ہو جاتا ہے، اسی لئے اقتدار بد داخل مسجد صحیح ہے، ورنہ اقتدار ہی صحیح نہ ہوتی،

فان اختلاف المكان يمنع الاقتداء قال الشامي نقلاً عن البدائى لو كان على سطح بجانب المسجد متصل به ليس بينهما طريق فاقتدى به (اي بمن في جوف المسجد) صح اقتداءه عندنا لانه اذا كان متصلاً به صار تبعاً لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد فهو كاقْتِدَاءِهِ فِي جَوْفِ الْمَسْجِدِ اِذَا كَانَ لَا يَشْتَبِهُ عَلَيْهِ حَالُ الْاِمَامِ (ص ۱۱۳، ۱۱۴) خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اقتداء داخل المسجد صحیح ہے وہاں تک کہ تمام زمین نماز جماعت کے وقت حکماً مسجد ہے اور سب کو ثواب مسجد کا ملے گا، یہ اور بات ہے کہ حقیقی مسجد اور حکمی کا مسجد کا فرق ہو جیسا کہ مسجد نبویؐ میں جہاں تک بھی مسجد بڑھ جائے، ثواب موعود حدیث ملے گا، گو افضل تحری مسجد قدیم ہے، اور قواعد شرع بھی اسی کو مقتضی ہیں، کیونکہ نمازی جس قدر بھی نماز کو آتے ہیں سب کی نیت مسجد ہی میں نماز پڑھنے کی ہوتی ہے، مجبوری ضیق ہی کی وجہ سے وہ باہر کھڑے ہوتے ہیں، پھر ان کو مسجد کا ثواب کیوں نہ ملے، وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات ای ثوابہا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۶، شوال ۱۳۸۴ھ

سوال (۳۱) قرب وجوار میں متعدد مسجدیں ہوں تو مسجد محلہ میں نماز افضل ہے یا سب کا حکم برابر ہے

..... زید کے مکان کے قریب تین مساجد ہیں۔ تفصیل ذیل میں ہے: (۱) مسجد فاطمہ مکان زید سے ۸۳ قدم کے فاصلہ پر ہے، راستہ میں پختہ سڑک نہیں ہے، ایک مقام پر راستہ میں کچھ بھی رہا کرتی ہے، مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت وقت معینہ پر ہوتی ہے، لیکن امام کا تعین نہیں ہے، (۲) مسجد سجان، مکان زید سے ۱۲۳ قدم کے فاصلہ پر ہے، راستہ میں پختہ سڑک نہیں ہے، گلی میں ایک مقام پر حوض بھی ہے، مسجد میں پنج وقتہ نماز بھی ہوتی ہے، لیکن امام کا تعین نہیں ہے، (۳) مسجد فیض، مکان زید سے ۱۲۳ قدم کے فاصلہ پر ہے، راستہ میں پختہ سڑک بھی ہے، سڑک پر لائٹیں کی کافی روشنی رہتی ہے، مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت وقت معینہ پر ہوتی ہے، امام کا تعین ہے، زید اپنی ہمراہ لائٹیں رکھنے کی استطاعت رکھتا ہے، لیکن بہ لحاظ سہولت نماز عشاء و فجر اسی مسجد میں ادا کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ مسجد اوکو شب میں جاتے ہوئے حشرات ارض کا خطرہ دل میں پیدا ہوتا ہے، استفتا، یہ ہے کہ زید کو ہر مسجد متذکرہ بالا میں سے کس مسجد میں

بالالتزام نماز پنجوقتہ ادا کرنی چاہئے، بیوا تو بسر دے

الجواب، ان مسجدوں میں جو مسجد سائل کے محلہ کی مسجد ہو وہ افضل ہے، اس میں اس کو بالالتزام نماز پڑھنا چاہئے، اور اگر یہ سب اسی کے محلہ کی مسجدیں ہیں تو ان سب میں جو سب سے پہلے کی اور قدیم مسجد ہو وہ افضل ہے، اگر قدم میں بھی سب برابر ہوں یا قدم معلوم نہ ہو تو جو سب سے زیادہ قریب ہے وہ افضل ہے، ہذا ما علمتہ من کلام الدرر الشامی (ص ۱۱۳، ۱۱۴) واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰، جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ

سوال (۳۲) تبلیغی کانفرنس صوبہ متحدہ آگرہ اودھ مسجد جماعت میں نماز جنازہ مطلقاً کرے

..... اسال خورجہ میں منعقد ہوئی ہے، جس کے صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند قرار پائے ہیں، حضرت مولانا جمعہ کے دن خورجہ تشریف لے آئے، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ایک جنازہ کی نماز جنازہ کو مسجد کے اندر رکھ کر اور مصلیٰ باہر مسجد مولانا نے نماز پڑھائی، جس وقت کہ جنازہ مسجد کے اندر رکھا گیا تو عبداللہ خان گنج والوں نے مولانا سے عرض کیا کہ مسجد کے اندر جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے، آپ نماز پڑھ لیں، میں بعد نماز آپ کا اطمینان کر دوں گا، مگر عبداللہ خاں بھائی نے نماز نہیں پڑھی، اور عرض کیا کہ تمام حضرات دیوبند سے کہ جو آج قبروں میں بھی آرام فرما رہے ہیں اور موجودہ بھی ہیں یہی سنتے رہے ہیں کہ مسجد کے اندر جنازہ کی نماز مکروہ ہے، چونکہ مجمع ہزار پانچ سو آدمیوں کا تھا بڑی قیل و قال ہوئی، بعد نماز ایک اور صاحب نے عرض کیا کہ مولانا اس مسئلہ کو حل فرماتے جائے گا، کہ جنازہ مسجد کے اندر رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں در نہ احتمال ہے کہ خورجہ والوں کے سر ٹھوٹنے لگیں، اس پر مولانا نے فرمایا کہ شوافع کے یہاں بالکل درست ہے اور احناف کے یہاں جنازہ کو مسجد کے اندر رکھ کر نماز پڑھنے میں اختلاف ہے، ایک جواز کی طرف اور دوسرا عدم جواز کی طرف اور مکہ میں یہی ہوتا ہے اور مدینہ میں مسجد کے اندر جنازہ رکھ کر نماز پڑھی جاتی ہے، اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ مولانا ہم رواج اور رسم دریا نہیں کرتے ہیں، حدیث شریف میں کیا حکم ہے، مولانا نے حدیث شریف پڑھ دی، اس کے بعد لوگوں نے مولوی صاحب اور قاری صاحب سے دریافت کیا، دونوں صاحبوں نے اس صورت کو متفق علیہ مکروہ تحریمی بتایا، اور اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور مصلیان داخل فی المسجد

تو اس صورت کو احناف کے یہاں مختلف فیہ کہا، مگر راجح یہی ہے کہ اس صورت میں نماز درست ہے، بالآخر مولانا حسین احمد صاحب کے سامنے ایک استفتاء پیش کیا گیا ہے، جس میں صورت کا حکم از روئے فقہ حنفی دریافت کیا ہے، مولانا نے فرمایا کہ اگر طحاوی یا مرقی الفلاح ہو تو میں ابھی دکھا دوں، اس پر عرض کیا گیا کہ یہاں یہ دونوں کتابیں نہیں ہیں، جب سب سے پہلے کو علم ہوا کہ مولانا مرقی الفلاح مانگتے ہیں تب میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مرقی الفلاح میں نے جناب کو مکہ سے لاکر پیش کی ہے، آپ مکان سے اس کو لادیں، تو مولوی صاحب مکان گئے، مگر تساہل کی وجہ سے کتاب نہ لاسکے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب مولانا سے بالمشافہ گفتگو کرنے میں گریز کرتے تھے، بہر حال مولانا اس استفتاء کو دیوبند لے گئے ہیں، مگر ہفتہ ہوا کہ جواب نہیں آیا، دیکھئے کیا جواب مرحمت فرماتے ہیں، حضور والا صورت مسطورہ میں فقہ حنفی میں کچھ گنجائش جواز کی ہو یا نہیں؟

الجواب اس مسئلہ میں مولانا حسین احمد صاحب نے جو فرمایا ہے صحیح ہے، احناف کے علماء میں جنازہ کو مسجد کے اندر رکھ کر بشرطیکہ مقتدی و امام سب باہر ہوں نماز پڑھنے میں بھی اختلاف ہے، بعض نے اس کو جائز کہلے، شرح مرقی الفلاح میں ہے، فلو كان الميت موضوعاً في المسجد والناس خارجه لا تكفه وبالعكس تكفه كما في الوجهة قال الطحاوی (ص ۳۲۷) وفيه ان الميت يشغل المسجد بقدر جنازته،

مگر علماء احناف کے اقوال مختلف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مذہب میں بھی اختلاف ہو بلکہ جب کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوتے ہیں تو مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، اور مذہب وہ ہے جس کو اہل متون نے اختیار کیا ہو، پس مذہب حنفی میں راجح اور صحیح یہ ہے کہ مسجد حیات میں نماز جنازہ بہر حال مکروہ ہے، خواہ جنازہ تہما مسجد کے اندر ہو اور مقتدی اور امام باہر مقتدی و امام مسجد کے اندر ہو اور جنازہ باہر یا امام اور جنازہ تہمایا مع بعض قوم کے باہر ہو اور باقی مقتدی اندر، جیسا کہ درمختار اور ضامی ص ۹۲۲ ج ۱ سے ظاہر ہے، البتہ چونکہ اس مسئلہ میں شواہد اور خود علماء حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، اس لئے مولانا حسین احمد صاحب کے فعل پر شدت کے ساتھ انکار کرنا بے جا تھا، اور مولانا کو بھی مناسب تھا کہ چونکہ منکر کا انکار بالکل غلط نہ تھا بلکہ مذہب مختار و صحیح کے موافق تھا اس لئے اس کے انکار کو عملاً تسلیم کر لیتے اور بعد میں قولاً اس کی اصلاح فرمادیتے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں صورت کی بھی

گنجائش ہو جس پر آپ نے انکار کیا تھا، اس لئے شدت کے ساتھ انکار مناسب نہ تھا، واللہ اعلم، ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

بجز مسجد میں لائٹیں جلا نا کبھی | سوال (۳۳)

..... ہمارے گاؤں کی مسجد بستی سے باہر ہے، وہاں اور کوئی گھر نہیں ہے، اندر میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آنا بغیر روشنی کے مشکل ہے، برسات میں راستہ میں سانپ پڑی رہتے ہیں، ایسی صورت میں مسجد کے اندر مٹی کے تیل کی لائٹیں رکھنا جائز ہے یا نہیں، بلاشبہ کے دن میں تو مسجد کے اندر رکھنے کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، ہاں اگر بارش نہ ہو تو مسجد کی دیوار سے باہر جو حصہ چھت کا ہے اس کی کڑھی میں رکھنے کی صورت ہے، ایسی صورت میں جو حکم شرع ہو ارشاد فرمادیں،

الجواب، عذر کی صورت میں جائز ہے، اور یہ صورت عذر کی ہے فقہ ورد فی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اكل من هذه الشجرة الخبيثة را البسل والثوم، فلا يقرب من مسجدنا فاخذ رجل بين رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ووضعها على صدره وفيه قرحة قد شد عليها البصل فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انك معدن وراوكما قال ذكره الحافظ في الفقه وعزاه الى ابی داؤد كما هو في حفظی، ۱۵ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

مسجد خراب کی تعریف | سوال (۳۴) مسجد خراب کی تعریف کیا ہے اور اس کی بنا کیونکر ہوتی ہے؟

الجواب، مسجد خراب جس کی قرآن میں مذمت ہو وہ جس کی بنا سے مسجدیت مقصود نہ ہو اور جس کی بنا سے مسجدیت مقصود ہو وہ مسجد ہے، گو فساد نیت کی وجہ سے ثواب کم ہو واللہ اعلم، ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

مسجد کا فرش اور ممبر عید گاہ | سوال (۳۵) مسجد کا ممبر اور بچھونے عید گاہ میں لیجا نا درست ہے یا نہیں؟ جیسا کہ ہمارے اطراف کے بعض لوگ لیجا یا کرتے ہیں، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عند الضرورة ممبر عید گاہ میں لیجا سکتے ہیں، یہ بروئے کتاب درست ہے یا نہیں، جواب با صواب سے مطلع فرمادیں؟

الجواب، مسجد کا فرش عید گاہ میں لیجانا جائز نہیں، ہاں ایک روایت میں ممبر کا

بیجانا جائز ہے اور دوسری روایت میں مکر وہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ منبر بھی نہ لیجائیں
قال فی الدرر لا یأثم باخراج منبر الیہا ولكن فی الخلاصة لا یأثم بسبائہ
دون اخراجہ ام قال الشامی ومثلہ فی المعانیة فذل کلامہما علی انه لا یخلو
فی کراہة اخراجہ الیہا وانما الخلاف فی بنائہ فیہا ویسکن حمل الکراہة
علی التنزیہیة وہی مرجح خلاف الاولی المفاد من کلمة لا یأثم غالباً فلا
مخالفة فافہم ام (ص ۸۶، ۸۷) واللہ تعالی اعلم واما حرمة اخراج حصر
المسجد الی المصلی فلان اشیاء المسجد وقف علیہ ولا یجوز استعمال الوقف
فی غیر ما وقف لہ وهذا ظاہر، ۹ محرم مشکلاہ

مسجد میں تمباکو کھانا | سوال (۳۶) تمباکو کی نسوار لینا اور تمباکو کھانا مسجد کے اندر
اور نسوار لینا کیسا ہے؟ کیسا ہے؟

الجواب؛ نسوار سونگھنا اور تمباکو کھانا مسجد کے اندر خلاف اولی ہے، جو کراہت
تنزیہیہ سے خالی نہیں لافیہ من الرأحة الکراہة التی امر بنظافة المساجین
عندہا ولما فی الثوم من الصیخ الحاصل عند العطاس وقد امرنا بخفض
الصوت فی المسجد ونہینا عن رفعہ فیہ واللہ تعالی اعلم ۱۲ صفر ۱۳۸۸ھ
مسجد میں اخراج ریح کا حکم | سوال (۳۷) مسجد میں حدیث کرنا جائز ہے یا نہیں؟
اگر نہیں ہے تب کیا حرام ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ع | اگر جائز نہیں ہے تو جو طلبہ مسجد میں رہتے ہیں اور کتاب کا تکرار کرتے ہیں
اور نیند کر جلتے ہیں، ان لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، اس حالت میں معاف ہے کیا؟
الجواب؛ علی فی العالمگیریة (ص ۶۱) واختلف فی الذی یفسو فی
المسجد فلم یر بعضہم بأساً وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ
وهو الاصح کذا فی القوتاشی، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اخراج ریح نہ چاہئے، اور ظاہر
اس عبارت سے کراہت تحریمیہ ہے،

علی فی العالمگیریة ایضاً (ص ۲۱۵) ولا یأثم للخریب ولحصا الدار
ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذہب والاحسن ان یتورع فلا ینام کذا فی
خزانة الفتاوی، پس مسجد میں سونا جلائی اولی ہے گو جائز ہے، اور جب سونا جائز ہے

تو حالت نوم میں خروج ریح سے گناہ نہ ہوگا، اور نیز نوم تو رافع تکلیف ہے، اس لئے
نفس نوم اگر ممنوع تسلیم کیا جاوے تب بھی نوم میں حدیث کرنے سے گناہ نہ ہوگا،

چھوٹی اور بڑی مسجد میں نمازی کے | سوال (۳۸) بڑی مسجد جس میں چھ سات صف یا زیادہ
سامنے کتنے فاصلہ پر گزارنا درست ہے | صفیں جماعت کی ہو جاویں، یا چھوٹی مسجد جس میں
ایک اندر اور دو باہر صف ہوں یا جنگل میں نماز ادا کی جاوے تو نمازی کے آگے سے
نکلنے والا کتنے فاصلہ میں ہر صورت میں گنہگار ہوگا؟

الجواب؛ بڑی مسجد اور جنگل میں تو نمازی سے اتنے فاصلہ پر گزارنا جائز ہے کہ
جہاں تک سجدہ کی جگہ پر نظر رکھ کر نمازی کی نظر نہ پہنچے، لیکن چھوٹی مسجد میں اتنے فاصلہ
پر سے گزارنا بھی جائز نہیں ہے، اور سوال میں جسکو بڑی مسجد لکھا ہے، وہ بڑی مسجد نہیں ہے
بڑی مسجد وہ ہے جس کا عرض کم از کم چالیس گز ہوا،

اس مسجد کا حکم جس کا رخ | سوال (۳۹) اسلامی ملکوں سے دور دراز ایک جزیرہ میں تاجر
بنیں درجے تک منحرف ہوں | مسلمانوں کی ایک جماعت نے باہم چند سے ایک مسجد تعمیر کی،
تعمیر کے منتظم نے غلطی سے مسجد کا رخ قبلہ کی سمت سے تقریباً بیس درجے پھرا ہوا رکھا
جیسا نقشہ سے معلوم ہوگا، تعمیر اسی شکل پر پوری ہوگئی، اس کے بعد جاننے والوں نے
بتایا کہ مسجد میں قبلہ کا رخ غلط ہے، پس کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ:-

(۱) در صورتیکہ مسجد کا سرمایہ بھی اس قدر ہو کہ دوبارہ صحیح رخ پر مسجد کو بنایا جاسکتا ہو
نیز وہاں کے مسلمان بھی اس کے لئے تیار ہوں کہ دوبارہ چندہ کر کے مسجد کو قبلہ کے
ٹھیک رخ پر بنایا جائے (۲) کیا مسجد کو اسی حال پر رکھا جائے یا (ب) قبلہ کے رخ
کو درست کر کے دوبارہ بنایا جائے؟

(۲) موجودہ تعمیر میں صرف صفوں کو صحیح رخ پر سمجھا کر صحیح رخ پڑھی جائے،
یا صحیح سمت قبلہ جلتے ہوئے بھی اسی غلط رخ پر نماز ادا کی جائے، جان بوجھ کر غلط رخ
پر نماز پڑھنے والے کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر امام صحیح رخ جانتے ہوئے اسی غلط رخ پر نماز پڑھے اور جاننے والا مقتدی
خود اپنا رخ صحیح کر لے تو اس مقتدی اور اس کا نماز کا شریعت میں کیا حکم ہے؟
(۴) تعمیر کا منتظم اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہوئے اگر مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے سے

روکے اور صفوں کو صحیح رخ پر بچھا کر ٹھیک سمت پر نماز پڑھنے سے بھی منع کرے، تو ایسا شخص متولی و منتظم مسجد بنانے کے قابل ہے یا نہیں، اور اس کا حکم اس معاملہ میں مانا جائے یا نہیں؟

(۵) اگر امام مسجد میں اس متولی و منتظم کو خوش کرنے کے لئے جان بوجھ کر اسی غلط رخ پر نماز پڑھائے، اور بعض مقتدیوں کے منع کرنے بلکہ قطب نما نقشہ آلات دکھا کر صحیح رخ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو ایسا شخص امام بنانے کے قابل ہے یا نہیں، اگر اس کا اقتدار درست ہے تو اس وقت مقتدی کو امام کے غلط رخ پر کھڑا ہونا چاہئے یا صحیح پر، اور نقشہ یہ ہے۔

الجواب؛ یہ سب سوالات اس واسطے پیدا ہوئے ہیں کہ اس فرق کو صحتِ صلوة کا منافی سمجھا گیا، حالانکہ اتنا فرق ہوتے ہوئے نماز بالکل درست ہے، پس اختلاف کی ضرورت نہیں، اسی رخ پر بلاشبہ نماز پڑھتے رہیں، اور اگر کبھی بالاتفاق درست کرنا چاہیں تب بھی مسجد کا سرمایہ اس میں نہ لگایا جاوے، لائن لیس بضرورۃ، البتہ اگر مستقل چندہ کر لیں تو چنداں مضائقہ نہیں مورخہ۔ اذیتعدہ اشرف، کتبہ الاحقر عبدالکریم حفی عنہ

فصل فی شروط الصلوة و ارکائہا و واجباتہا و سننہا و آدابہا

رفیع سببہ کے وقت نگاہ | سوال (۱) بندہ نماز میں قعدہ کے وقت نظر گود میں رکھتا ہے، کہاں ہونی چاہئے؟ تو کیا رفیع سببہ کے وقت نظر سببہ کی طرف رکھنی چاہئے؟ اور کیا سلام پھیرنے تک نظر سببہ کی طرف رکھنی چاہئے؟

الجواب؛ قعدہ کے وقت نظر گود ہی کی طرف رکھنی چاہئے، سببہ کی طرف نظر کرنا میری نظر سے نہیں گذرا قال فی مراقی الفلاح ص ۱۶۱ و منها نظر المصلی سواء کان رجلاً او مراۃ الی موضع سجودہ قائماً الی ان قال، والی حجر جالساً بعد میں ایک حدیث نظر سے گذری جس کو نسائی نے روایت کیا ہے عن عبد اللہ بن عمر فی حدیث طویل وفيہ اشار باصبعہ الی تلی الایہام فی القبلة و رمی ببصرہ الیہا و تعوھا ثم قال هكذا رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع

اھ و سکت عنہ، اس سے اشارہ کے وقت سببہ کی طرف نظر کرنا ثابت ہے، مگر تیار ثابت نہیں، واللہ اعلم،

التحیات قبل بسم اللہ | سوال (۲) التحیات کے قبل بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر پڑھنے کا حکم، التحیات کو پڑھنا حدیث شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ التحیات میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم کسی حدیث میں ثابت نہیں البتہ بعض احادیث میں اس طرح وارد ہے بسم اللہ التحیات لله والصلوات لله والسننات لله الخ باقی حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل تشہد ابن مسعود ہے جو کہ ان بلاد میں رائج ہے، اس پر زیادت کرنا خلاف اولیٰ ہے، باقی اگر بسم اللہ پڑھاوے تو نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا، قال فی الدرر ویضاً تشہد ابن مسعود وجوباً کما یجوز فی البحر و لکن کلام غیر یفید ندب و جزم شیخ الاسلام الحد بان الخلاف فی الافضلیۃ ۱ ص ۵۲۲ واللہ اعلم، ۳ رجب ۱۳۵۵ھ

تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت قیام فرض ہے | سوال (۳) ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں ہے اس نے تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں شرکت کر لی، یعنی تکبیر تحریمہ کہہ کر قیام کچھ نہیں کیا، فوراً جھک گیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب؛ اگر تکبیر تحریمہ بحالت قیام کہی ہے یا بحالت انحاء کہی ہے، مگر وہ اقرب الی القیام تھا تو نماز درست ہے، اور اگر بحالت انحاء کہی اور اقرب الی الرکوع تھا تو نماز درست نہیں، غرض تکبیر تحریمہ کا بحالت قیام یا بحالت اقرب الی القیام ہونا فرض ہے، تکبیر تحریمہ کے بعد مزید قیام فرض نہیں، قال فی مراقی الفلاح والثانی من شرط صحتہ التحریمة الایتان بالتحریمة قائماً و منحنيًا قليلاً قبل وجود انحاء بما هو اقرب للركوع قال فی البرهان لو ادرك الإمام ركعاً حتى ظهره ثم كتب ان كان الی القیام اقرب صح الشروع ولو اراد به تكبیر الرکوع و تلفو نیتہ لان مدرك الامام فی الرکوع لا یحتاج الی تکبیر مرتین خلافاً لبعضہم وان کان الی الرکوع اقرب لا یصح الشروع ۱ ص ۱۱۲، ۳ شعبان

وضو، کوئی عضو خشک رہ گیا | سوال (۴) زید نے وضو کیا جتنے مقام کا دھونا وضو میں اور نماز پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟ فرض ہے تو فرض کے مقام پر ایک انگل خشک رہ گیا اور

خشک کار ہنا زید کو معلوم نہیں ہے، ویسے ہی نماز پڑھ لی تو زید کی نماز ہو گئی یا نہیں، یا بکر نے دیکھ لیا کہ زید کا فلاں مقام پر فرض کی جگہ پر ایک انگل خشک ہے تو بکر نے زید کو دو سبب سے نہیں بتلایا، ایک سبب یہ ہے کہ زید کو کوئی بھولی چونک بتلاتا ہے تو زید کو برا معلوم ہوتا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بکر سے زید کی نا اتفاقی ہے، ایسی صورت میں بکر گنہگار ہوگا یا نہیں ہوگا، شرعاً حکم کیا ہے؟

الجواب؛ جب عضو مفروض خشک رہ گیا تو جس وقت زید کو معلوم ہوا اس وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، اگر اعادہ نہ کیا گنہگار ہوگا اور اگر کبھی معلوم نہ ہوا تو اگر اس نے وضو احتیاط کے ساتھ اعضا کو خوب مل مل کر کی تھی، اور اپنی طرف سے کچھ کوتاہی نہیں کی تو امید ہے کہ اس نماز کے فساد سے اس کو عذاب نہ ہوگا، اور اگر بے احتیاطی و لاپرواہی سے جلدی جلدی وضو کیا تھا تو اس نماز کے فساد کا اس کو گناہ ہوگا (۱) بکر نے اگر اس واسطے نہیں بتلایا کہ زید کو اس کی غلطی پر مطلع کرنے سے غصہ آتا اور وہ برا مانتا ہے تب تو صرف زید کو گناہ ہوا بکر کو نہیں ہوا، اور اگر زید اس سے برا نہیں مانتا، لیکن بکر نے محض نا اتفاقی کی وجہ سے نہیں بتلایا تو بکر کو بھی گناہ ہوگا،

سوال (۵) عورت نماز میں قیام کے وقت دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھے؟
سوال (۶) عورت نماز میں قیام کے وقت دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھے، اور کیا دونوں پاؤں کے متھے بالکل ملادے؟

الجواب؛ قال فی رد المحتار وینبغی ان یکون بینہما مقدار اربع اصابع الیہ لانہ اقرب الی الخشوع ہکذا روی عن ابی نصل لدیوسی انہ کان یفعلہ کذا فی الکبریٰ وماروی انہم الصقوا الکعب بالکعب اریب بہ الجماعۃ ای قام کل احد بجانب الاخرام (ص ۲۶۲، ۱۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ بجالت قیام دونوں پیروں میں چار انگل کا فاصلہ مناسب ہے، اور اسی حکم سے کسی جگہ عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، پس ان کے لئے بھی یہی مناسب ہے، ہاں رکوع و سجود کی کیفیت مرد و عورت کی مختلف ہے، واللہ اعلم، ۸ ارشوال ۱۱۳

تہد میں رفع سبابہ کا اثبات سوال (۶) درمیان خلق مشہور است کہ در اشارت اور روایات نفعی کا جواب سبابہ روایات ہنی و اثبات ہر دو آمدہ لیکن چونکہ ہنی را بر اثبات

ترجیح باشد لہذا ہنی اشارت را ترجیح شد و بعض خلق می گوید کہ چون معارضتہ حل و حرمت بیاید ترجیح حرمت باشد مثبتین اشارت را ازین چہ جواب است،

دیگر آنکہ مانعین اشارت می گوید کہ لفظ علیہ الفتویٰ کہ از آکا لفاظ ترجیح است، بر نفعی اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ بسیار در کتب مذکور است، چنانکہ در مختار وغیرہ و بر اثبات اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ نیا ورده لہذا ہنی اشارت را ترجیح دادہ شود بر اثبات اشارت، عرض آنکہ در کتب در کلام کتاب محمد علیہ بر اثبات اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ آورده یا نہ اگر آورده باشد عبارت کتاب نوشتہ شود و اگر نہ جواب مانعین را نوشتہ شود؟

الجواب؛ امام محمد موطا میں بسند صحیح یہ حدیث نقل کر کے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلہا و اشار باصبعہ الی تلی الایہام و وضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری اہ فرماتے ہیں قال محمد و یضیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ و هو قول ابی حنیفہ (ص ۱۰۶) ترجمہ: کہا محمد نے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فعل کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کا، امام محمد کا یہ قول ہزار علیہ الفتویٰ سے آکید و مؤکد ہے، لمانیہ من اسنادہ الاخذالی یضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور مانعین اشارت کا یہ کہنا کہ اثبات اشارت پر لفظ فتویٰ نہیں ہے غلط ہے، در مختار میں ہے، بل فی متن در رد البحار و شرحہ غرر الاثر المفقی بہ عند ناانہ یشیر باسقاط اصابعہ کلہا و فی الشر بتلالیۃ عن البرہان الصحیح انما یشیر ببسبختہ و حناہا و احتوز بالصحیح عما قبل لا یشیر لانہ خلاف الدرایۃ والروایۃ اہ وقال فی رد المحتار ناقلاً عن غرر الاثر و الفتویٰ ان المفقی بہ عند ناخلافہ ای خلاف عدم الاشارة و هو الاشارة علی کیفیۃ عقد ثلاثہ و خمین کما قال بہ الشافعی و احمد و فی المعیظ انہ سنة یرفہا عند النفی و یضعہا عند الاثبات و هو قول ابی حنیفہ و محمد و کثرت بہ الاثار و الاخبار فالعمل بہ اولی اہ (ص ۵۳۰، ۱۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ عدم اشارہ کے مقابل اثبات اشارہ کے لئے

لفظ معتد و صحیح و مفتی بہ و علیہ الفتویٰ والعلل بہ اولیٰ بہت سے الفاظ کتب فقہ معتد علیہا میں موجود ہیں، اور محمدؐ کی کتابوں میں اسی کی تصریح ہے، اسی ہی مذہب حنفیہ کا ہے، اور احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اور کتب محمدؐ کے مقابلہ میں خلاصہ وغیرہ کی کوئی ہستی نہیں اور حرمت و حلت کا تعارض اور ترجیح حرمت کا قاعدہ وہاں ہے، جبکہ حرمت و حلت کا اور دو کلام شائع میں ہو اور اس مسئلہ میں کسی حدیث سے ممانعت اشارہ کی ثابت نہیں ہوئی، باقی مصنفین کے کلام میں اگر حرمت و حلت کا تعارض ہے تو وہاں مطلقاً حرمت کو ترجیح نہ ہوگی، بلکہ جو قول روایت و درایت کے زیادہ موافق ہوگا وہی راجح ہوگا، پس اشارہ موافق سنت ہے، یہی راجح ہے اور اہل سرحد پنجاب جو اس سے روکتے اور انکار کرتے ہیں ان پر خوف عذاب شدید ہے، واللہ اعلم، ۱۸، رمضان ۱۳۲۷ھ

سوال (۷) نماز میں بحالت سجدہ عورتیں اپنے دونوں پاؤں مردوں پاؤں کیسے رکھیں، کی طرح کھڑے رکھیں یا بچھادیں، جیسا کہ قعدہ میں عورتوں کو داہنی طرف پاؤں نکال کر بچھانے کا حکم ہے، صرف قدم کے کھڑے رکھنے اور بچھانے میں شبہ ہے، کہ اس امر میں قعدہ اور سجدہ کا عورتوں کیلئے یکساں طریقہ ہے یا کچھ فرق ہے؟ باقی سجدہ میں شک و فحش و ذرا عین وغیرہ ملا کر پست ہو کر سجدہ کرنا عورتوں کو یہ تو معلوم ہے، کتابوں میں سجدہ کی حالت میں قدمین کو کھڑے رکھنے یا بچھانے کا حکم باوجود تجسس و تلاش کے معلوم نہیں ہوا، عورتوں کے لئے، مردوں اور عورتوں کے طریقہ نماز کا فرق جہاں کتابوں میں بتلایا ہے وہاں سجدہ کی حالت میں دو سکر فرق کو تو بتلایا ہے، مگر قدمین کو بچھا کر اور داہنی طرف کو نکال کر سجدہ کرنا عورتوں کے لئے نہیں بتلایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں قدمین کو سجدہ میں مثل مردوں کے کھڑے رکھیں، اور آجکل عورتیں قدمین کو بچھا کر اور داہنی طرف نکال کر مثل قعدہ کے سجدہ کرتی ہیں، اگر کسی کتاب میں یہ طریقہ بتھم مرقوم ہو تو کتاب کا حوالہ تحریر فرمائیں

الجواب: از مولانا عبدالحی اللکھنوی سوال کردہ شد کہ بعض زنان ہند چو از قومہ سجدہ می روند اول بتورک نشسته پستر بہماں حالت تورک سجدہ می سازند و جمیع سجرات متورکانه ادائی سازند ہر دو پارا بجانب راست کشیده، بعض علماء نفی آن می کشند و می گویند کہ نسوان عرب چنان نمی کنند بلکہ در سجدہ پارا مثل مردان قائم و انگشتان را متوجہ قبیلہ می دارند و فعل نسوان ہند بلا دلیل است، فاجاب رحمہ اللہ فقہاء در کتب خود فرمود

کثیرہ برائے نسوان ذکر کردہ اند کہ در ان شرکت مردان نیست مجملہ آن این ہم است کہ در سجدہ نصب قدمین مثل مردان نسا زند در بحر الرائق می نویسند لا تنصب لقدمین کما ذکرہ فی المنجیبی و در جامع الرموز است والمرآة تنخفض اسی توقع الحفظ المہود فلا تنصب اصابع القدمین ولا تبری لضعیفین الخ پس نہ قائم کردن زنان ہند ہر دو پارا وقت سجدہ موافق اقوال فقہاء است (ص ۷۷ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو سجدہ میں قدمین کو مرد کی طرح کھڑا نہ کرنا چاہئے، رہا یہ کہ دائیں طرف نکال کر سجدہ کرے یا بدون اخراج کے سجدہ کرے تو ان دونوں میں جو صورت زیادہ موجب ستر ہو وہ افضل ہوگی، اور بظاہر دائیں طرف پیر نکال کر سجدہ کرنے میں ضم اللحم باللحم اور ستر زیادہ ہے، فہو اولیٰ وان لم ارہ صریحاً و لکن ورد الامر بضم اللحم لمن فی حدیث مرسل و در مراعاة الاسترہن فی کلام الفقہاء و ہذا یؤید ما قلنا واللہ اعلم، ۸، رجب ۱۳۲۷ھ

اقامت وقت امام اور مقتدیوں کو | سوال (۸) امام اور مقتدیوں کو اقامت شروع ہوتے ہی کب کھڑا ہونا چاہئے؟ کھڑا ہونا چاہئے یا درمیان میں صورت ثانی میں درمیان میں کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اسی طرح امام کو تکبیر تحریمیہ درمیان اقامت میں کہنی چاہئے، یا اقامت ختم ہونے کے بعد، بینوا توجسروا؟

الجواب: اگر امام شروع اقامت کے وقت محراب کے قریب یا مسجد میں موجود ہو تو امام اور مقتدی دونوں کو حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے، اور بعض کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا مستحب ہے، ابتداء اقامت ہی سے کھڑا ہونا جیسا کہ آجکل راجح ہے، مکروہ ہے، لیکن اگر امام اقامت سے پہلے محراب پر پہنچ جائے، تو مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے، گو اس صورت میں امام نے خلافت اولیٰ کا ارتکاب کیا، مگر امام کے کھڑے ہو جانے کے بعد مقتدیوں کو نہ بیٹھنا چاہئے، پس ابتداء اقامت سے مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ امام بوقت اقامت موجود نہ ہو، اور تکبیر تحریمیہ شروع کرنا قدامت الصلوٰۃ

اس پر بعد میں اتنا شبہ ہوا کہ پہلے تورک کرنے میں ایک فعل زائد یعنی قعدہ کی زیادت لازم آتی ہے، و لیکن ان یقال ان التورک قبل السجدة انما ہو لیکون السجدة من اولہا بضم اللحم باللحم بخلاف اذا سجداً للبدن التورک فیکون الضم المذكور حاصل بعد الامن اول لکن یکمل علیہ زیادة الفعل لشد فلا یبغی لاجل رعایة الاسترہن السی

پر مستحب ہے، اقامت کہنے والا اقامت پوری کرنے اور امام درمیان میں قدامت الصلوة پر تحریر یا نذر لے، اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ امام ختم اقامت ہونے کے بعد تحریر شروع کرے، اور بعض فقہار نے اسی قول کو اعدل المذاہب اور اصح قرار دیا ہے، مگر حدیث سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے، واللہ اعلم.

قال فی نور الايضاح ومن الادب القيام ای قيام القوم والامام ان كان حاضر البقر المحراب حين قيل ای وقت قول المقيم حتى على الفلاح (وقال الحسن وزفر عند حى على الصلوة كما فى سكب الانهر عن ابن الكمال انه طحاوى) لانه امر به فيجاب وان لم يكن ظاهراً يقوم كل صفحين ينتهي اليه الامام فى الاظهر فكلمها جاوز صفقا م ذلك الصف اه وان دخل من قد اهمهم قاموا حين رأوه اه طحاوى) ومن الادب شروع الامام الى احرامه من قيل ای عند قول المقيم قد قامت الصلوة عندهما وقال ابو يوسف يشرع اذا فرغ من الاقامة راى بدون فصل وبه قالت الاثمة الثلاثة وهو اعدل المذاهب شرح المجمع وهو الاصح فهستانى عن الخلاصة وهو الحق نهرام طحاوى) قلت وفى مجمع الزوائد (ص ۱۳۱۸۲) عن عبد الله بن ابي اوفى قال كان بلال اذا قال قد قامت الصلوة نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير رواه البزار وفيه الحجاج بن فروخ وهو ضعيف اه قلت ذكره ابن حبان فى الثقات كذا فى اللسان (ص ۱۳۱۸۹) وقوله نهض بالتكبير معناه قام متلبس به وقال الطحاوى واذا اخذ المؤذن فى الاقامة ودخل رجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائماً فانه مكروه فهستانى ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون اه قلت وهو محمول على ما اذا لم يقم الامام عند ابتداء الاقامة والا فيقوم القوم عند قيام الامام لقوله صلى الله عليه وسلم لا تقروا حتى ترونى اه علق قيامهم على روية الامام فعلى قيامه بالاولى، والله اعلم، رجمادى الثانية سنة ۳

حی علی الفلاح کہنے کے وقت | سوال (۹) بعض پیش امام اقامت کہتے وقت مصلے سے امام کا کھڑا ہونا | جدا کھڑے رہتے ہیں، جب حی علی الفلاح پڑھا جاتا ہے

اس وقت مصلے پر آ کر کھڑے ہوتے اس کی بابت کیا مسئلہ ہے؟

الجواب؛ قال فی مواقی الفلاح ومن الادب قيام القوم والامام ان كان حاضر البقر المحراب حين قيل ای وقت قول المقيم حتى على الفلاح الخ، اس کے معلوم ہوا کہ ادب نماز کا یہ ہے کہ اگر امام اقامت کے وقت موجود ہو تو امام اور تمام مقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں اس سے پہلے بیٹھے رہیں باقی اس سے پہلے مصلے سے الگ کھڑے رہنا اس کی کوئی اصل نہیں، واللہ اعلم، ۳ / رمضان ۱۳۴۳ھ

اقامت کے وقت امام اور | سوال (۱۰) ان امصار و بلاد میں یہ قاعدہ ہے کہ جب نماز کے واسطے اقامت مقتدی کب کھڑے ہوں

شروع ہوتی ہے امام اپنے مصلے پر اور تمام مقتدی صفت میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس جگہ جامع مسجد سکندر آباد میں بھی ہمیشہ سے اسی طرح سے کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ شرح وقایہ جلد اول مطبع مجتبائی صفحہ ۱۰۰ پر ہے، ویقوم الامام والقوم عند حى على الصلوة اور اس کے حاشیہ پر ہے، وفيه اشارة الى انه رجل اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلوة قائماً بل يجلس بدو وضع ثم يقوم عند حى على الفلاح وبه ص ۳ فى جامع المصنرات، جامع المصنرات کے حوالے سے شروع میں کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے، فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۲۳ جلد اول مطبع نو لکشور میں ہے، ان كان المؤذن غير الامام وكان القوم مع الامام فانه يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حى على الفلاح عند علماءنا الثلاثة وهو الصحيح (عالمگیری میں بالاتفاق اسی کو صحیح لکھا ہے) غاية الاوطار جلد اول مطبع نو لکشور، ص ۲۲۱ میں ہر دو القیام للامام والمؤتم حين قبل حى على الفلاح خلافا لفرج فعنده حين حى على الصلوة، ابن کمال شامی کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں بھی یہی طریقہ صحیح لکھا ہے، ان کتابوں میں یہ مسئلہ دیکھا کہ شروع میں کھڑا ہونے کو مکروہ لکھا ہے، اور عند حى على الفلاح یا حى على الصلوة کو مستحب و احسن لکھا ہے، طریقہ قدیم کو چھوڑ دیا اور مقتدیوں کو بتلادیا کہ اس طریقہ کو مستحب لکھا ہے واجب فرض نہیں، بخودتہ نماز میں قریب ہیں پچیس آدمی سب اس کے عادی ہو گئے کہ پہلے سے ایک صف میں برابر اٹھ جلتے ہیں اور وقت حی علی الصلوة کے کھڑے ہو جاتے ہیں، صف بھی سیدھی ہوتی ہے، جمعہ کے روز

زیادہ آدمی ہوتے ہیں، بیٹھے میں ٹھیک انتظام نہیں ہوتا، اگر جمعہ کے روز اس مستحب طریقہ پر عمل کیا جائے تو جماعت سیدھی نہ ہوگی، اور جماعت کے سیدھی کرنے کا زیادہ اہتمام ہے، اور یہ فعل مستحب ہے، اس روز شروع سے کھڑے ہو کر جماعت سیدھی کر لیتے ہیں، عرصہ چار یا پانچ ماہ سے یہ عمل جاری ہے، اب کوئی باہر کے عالم آتے ہیں تو اس طریقہ کو بدعت و مکروہ بتلاتے ہیں، اب عرض یہ ہے کہ اگر یہ فعل متصل حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا بدعت یا مکروہ ہو تو اس کو چھوڑ کر اسی طریقہ پر عمل کریں یعنی شروع سے کھڑے ہو جایا کریں، مگر برائے مہربانی بحوالہ کتب حنفی ارشاد ہو کہ شروع سے کھڑا ہونا مستحب ہے، حوالہ کتب ضرور ہو جو آجکل رسم درواج ہے کہ شروع سے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کو دخل نہ ہو، بلکہ بحوالہ کتب ہو، بیٹھا تو جروا؟

الجواب: فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوموا حتی تردنی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کو مسجد میں آنا ہوا دیکھنے سے پہلے مقتدیوں کا کھڑا ہونا ممنوع ہے، اور یہی سمود ہے جس کو فقہار نے انتظار قائم سے بیان فرمایا ہے اور امام جب مسجد میں آجائے اور مصلتے پر پہنچ جائے تو اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا جائز ہے، خواہ تکبیر نے تکبیر نہ کی ہو یا حی علی الفلاح پر نہ پہنچا ہو حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ امام بھی حی علی الفلاح ہی پر کھڑا ہو، اور اگر وہ شروع تکبیر پر کھڑا ہو جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ جس صف کے سامنے سے امام گزرے وہ کھڑے ہو جائیں، اور جب مصلتے پر پہنچ جائے تو سب کھڑے ہو جائیں، قال فی الدر فی ادب الصلوٰۃ والقیام لا اماماً ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافاً للفرس، فعندہ عند حی الصلوٰۃ ان کان الامام یقرّب المحراب والارای وان لم یکن یقرّب المحراب بان کان فی موضع اخر من المسجد او خارجہ ودخل من خلف ح ۱۲ شامی، فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظہر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرہم علیہ ام (ص ۲۹۹ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونے کا استحباب ہر صورت میں نہیں بلکہ اس وقت ہے جب کہ امام مصلتے پر کھڑا نہ ہو، بلکہ محراب کے قریب بیٹھا ہو، اور اگر وہ محراب کے قریب بیٹھا نہ ہو بلکہ مسجد کے کسی اور حصہ میں ہو یا مسجد سے باہر

تو جس وقت وہ کھڑا ہو کر صفوف کے سامنے گزرے یہ صفوف دلے اس کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام و مقتدی کا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا آداب میں ہے واجبات و سنن میں سے نہیں، پس حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا بدعت نہیں، اور اس سے پہلے بھی کھڑا ہونا بدعت نہیں، اگر امام کو مصلتے کی نظر آتا ہو اور دیکھ لیا جائے، البتہ اگر امام مصلتے کی طرف نہ آتا ہو بلکہ بیٹھا ہو یا مسجد باہر کسی کام میں ہو تو اس صورت میں مقتدیوں کو حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے، لکن داخلہ فی السمود و موالات انتظار قائم، واللہ اعلم، ۱۳ رجب ۱۳۵۳ھ

اقامت کے وقت امام اور سوال (۱۱) زید مدعی ہے کہ مصتین کو حی علی الصلوٰۃ پر امام کو مقتدی کب کھڑے ہوں۔ قد قامت الصلوٰۃ پر... قیام کرنے کی کوئی دلیل نہیں، عاجز نے مظاہر حق دکھائی تو کہا اس کے علاوہ اور دلیل لاؤ، تو تسلیم کروں گا، دلیل مظاہر بلا حوالہ کتب ہے، حدیث و فقہ کے دلائل بیان فرمائیے،

الجواب: عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوٰۃ فخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر رواہ البزار، ضعفہ الہیثمی و ذکرہ ابن حبان فی الثقات ر مجمع الزوائد (ص ۱۸۲ ج ۱) (ولسان ص ۱۷۹ ج ۲) اس مرفوع حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قامت الصلوٰۃ پر تکبیر شروع فرمادیا کرتے تھے، اور مقتدیوں کو امام کی تکبیر سے پہلے صف درست کرنے کے لئے اٹھنا چاہئے، تو حنفیہ کا قول ثابت ہو گیا، ۱۲ رمضان ۱۳۵۳ھ

ایضاً ایضاً سوال (۱۲) امام و مقتدی نماز سے پہلے اپنی جگہ پر صف میں بیٹھے رہیں اور تکبیر اقامت میں حی علی الصلوٰۃ کہے تب امام و مقتدی کھڑے ہو جائیں، اور نماز کی نیت کر لیں، یہ مسئلہ مفتاح البیہ اردو مصنفہ جناب مولوی کرامت علی صاحب جو پوری مطبوعہ مطبع احمدی واقع شاہ باغ صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں تحریر ہے، حالانکہ اس وقت تک محققین علماء کرام کا جو احناف میں سے ہیں اس پر عمل ہے، کہ شروع اقامت کے وقت امام و مقتدی کھڑے ہو کر صفوف کو ترتیب دیتے ہیں، اور کلمہ قد قامت الصلوٰۃ پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں، ایک امام مسجد جو علم عربی سے بالکل ناواقف ہیں

اس مسئلہ کو کتاب مذکور میں دیکھ کر خود بھی اقامت شروع ہونے سے پیشتر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو مجبور کرتے ہیں، اس سے فتنہ و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیا کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے امام اور مقتدیوں کا اقامت کے وقت بیٹھا رہنا ثابت ہے؟ اور اگر کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت ہے تو علماء احناف کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ اور یہیں کس مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے؟ جواب بدلائل و حجرت فرمایا جاوے،

الجواب: شروع اقامت سے کھڑے ہو جانے کا جو معمول ہے وہی بہتر ہے اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں اور یہ مسئلہ جو مفتاح الحجۃ میں ہے کتب فقہ میں بھی اس کی اصل مذکور ہے، لیکن اول تو اس میں فقہاء نے تفصیل لکھی ہے، نامعلوم مفتاح الحجۃ میں وہ تفصیل بھی لی ہے یا نہیں، تفصیل یہ ہے کہ اگر امام وقت جماعت سے پیشتر ہی مصلے کے قریب بیٹھا ہوا ہے تب تو حی علی الفلاح کہتے ہی سب کھڑے ہو جاویں اور اگر امام جماعت کے وقت پر خارج مسجد سے آیا ہے تو جس صف سے امام گذرنا جاوے وہ صف کھڑی ہونی چاہئے، اور اگر امام صفوں کے سامنے سے داخل ہوا ہو تو سب صفوں امام کو دیکھتے ہی کھڑی ہو جاویں، یہ تین صورتیں زور مختار عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہیں، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ امام مسجد میں تو پہلے سے موجود ہے، لیکن محراب سے فاصلہ پر ہے، سو اس صورت کا حکم بھی تفصیل بالا سے معلوم ہو گیا، کہ جن صفوں سے امام آگے ہے وہ صفیں امام کے اٹھتے ہی سب کھڑی ہو جاویں، اور جو صفوں امام سے آگے بیٹھی ہیں ان میں جس صف سے امام بڑھتا جائے وہ کھڑی ہوتی جاوے، اس چوتھی صورت کو علامہ شامی نے در مختار ہی کی عبارت سے مستنبط فرمایا ہے، در مختار کی عبارت یہ ہے (والقیام، الامام وموتم رحین قبل حی علی الفلاح، ان کان الامام یقرب المحراب والافیقوم کل صف ینتہی الیہ الامام علی الاظہر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرہم علیہ، اور شامی نے والافیقوم کے تحت میں لکھا ہے امی دان لم یکن الامام یقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد اخرجہ ودخل من خلف من خلف ۷ ص ۵۰۰ ج ۱، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم

سے بعض علی الصلوٰۃ لکھتے ہیں، دانش عالم ۱۲ منہ

سے مثلاً حجرہ میں نہ بیٹھتا امام اس درجے سے آوے ۱۲ منہ

ہر حال میں نہیں ہے، بلکہ چار صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں ہے، و نیز یہ کسی نے نہیں کہا کہ امام صاحب ضرور خواہ مخواہ جا کر بیٹھا کریں بلکہ اس مسئلہ کا منشاء صرف یہ ہے کہ اگر اتفاقاً پیشتر سے امام محراب کے قریب بیٹھا ہو تو یہ حکم ہے، پس ان امام صاحب نے اس کا اہتمام جو شروع کیا ہے یہ ان کی زیادتی ہے، ایسا اہتمام ہرگز نہ چاہئے، دوسرے یہ کہ یہ سب آداب میں سے ہیں اور ادب وہ ہے جو اکمال سنت کے واسطے مشروع ہوا ہو اور اس کے ترک پر ملامت و عتاب نہیں ہو سکتا، اگر کوئی کرے تو بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں ہے، کما صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہاء پس مقتدیوں کو مجبور کرنا بالکل بے جا ہے، تیسرے یہ بات غور طلب ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا جو آداب میں شمار کیا ہے تو اس کا مقابل کیا ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا خلاف اولیٰ ہے، حالانکہ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد بیٹھا رہنا خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ اقامت کے بعد فوراً نماز شروع کر دینا مستحب ہے، اس واسطے اس کے ختم ہونے سے پیشتر کھڑا ہونا آداب میں رکھا گیا تاکہ اس سنت مستحبہ کی تکمیل ہو جاوے، پس اس بناء پر اگر اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اور یہ جو اہتمام نے کہا ہے کہ قیام عند الجملة کو اولیٰ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پیشتر قیام خلاف اولیٰ ہو بلکہ جمیعہ کے بعد جلیس کو خلاف اولیٰ کہنا چاہئے، اس کی طرف مراقی الفلاح کے قول میں اشارہ ہے، کیونکہ اس میں یہ دلیل لکھی ہے، لانه امر بہ فنجاب، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود امر کی طرف مبادرت ہے، کما صرح بہ الطحاوی بقوله فیبادر الیہا بالقیام اور ظاہر ہے کہ مبادرت کا مقابل دیر لگانا ہے، بعد امر کے نہ کہ امر سے قبل مستعد ہونا، پس واضح ہو گیا کہ ہمارا معمول ہرگز خلاف اولیٰ نہیں ہے بلکہ ہم بدرجہ اولیٰ اس حکم مبادرت الی القیام پر عامل ہیں و نیز جتنا جلدی کھڑے ہوں گے اسی قدر اہتمام ہوگا تسویہ صفوں کا، اس کی کوئی وجہ نہیں کہ قیام قبل الجملة کو خلاف اولیٰ کہا جاوے، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ شرح مراقی الفلاح میں تصریح ہے، واذا اخذ المؤمن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانه یقع ولا یستظر قاسماً فانه مکروہ کمافی المضمرات

عنه مؤلف مفتاح الحجۃ نے یہی سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دیا کہ امام مقتدی سب اپنی جگہ پر

بیٹھ رہیں، ورنہ کتب فقہ میں اس جملہ کا کہیں پتہ نہیں ۱۲ منہ

قہستانی و یفہم منہ کراہتہ القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون ام، سواس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ جزئیہ اگر تسلیم کیا جاوے تو مخصوص ہوگا اس صورت کے ساتھ جبکہ امام اور قوم بیٹھی ہو کہ اس وقت آنے والے کو سب کی موافقت کرنی چاہئے خلاف کرنا کراہت سے خالی نہیں، پس یفہم منہ سے جو تفریح کی گئی ہے وہ محذوش ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم،

اور دوسرا جزء جو سوال میں ضمنا مذکور ہے کہ کلمہ قد قامت الصلوة پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں پہلے اکابر کا اس پر بھی عمل نہیں ہے بلکہ اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کرتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں، کیونکہ اس طرح مؤذن تکبیر تحریمیہ میں شامل ہو جاتا ہے، اور اقامت کا جواب دینا جو مستحب ہے، اس کا بھی موقع امام اور مقتدی سب کو ملتا ہے اور خطاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، لانه قال تحت قول الشربنلا لیه (رو) من الادب و شروع الامام، الی احرامہ و مذقیل، ای عند قول المقیم (قد قامت الصلوة) عندهما وقال ابو یوسف عن شیعہ اذا فرغ من الاقامة الخ ای بدون فصل و بہ قالت الاثمة الثلاثة وهو اعدل للذاهب شرع المجمع وهو الاصح قہستانی عن الخلاصة وهو الحق کفر (ص ۱۶۲) فقط واللہ اعلم بالصواب، کتبه الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۸ جمادی الثاني ۱۲۵۴ھ

تکبیر تحریمیہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ لٹکا کر سوال (۱۴).....
باندھے جائیں یا بغیر لٹکا کر باندھ جائیں..... نماز کی تکبیر تحریمیہ اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ لٹکا کر نواف کے نیچے باندھنا چاہئے یا ہاتھ بغیر لٹکائے باندھ لینا چاہئے، بعض عالم کہتے ہیں تکبیر تحریمیہ کی اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ لٹکا دینا پھر نواف کے نیچے باندھ لینا بہتر ہے بعض کہتے ہیں کہ بغیر ہاتھ لٹکائے باندھنا بہتر ہے، بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمیہ کی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا مکروہ ہے، ہاتھ نہ لٹکانا چاہئے، فقط اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ بدون چھوڑے ہوئے باندھنا چاہئے، بعض کہتے ہیں ہاتھ لٹکانا اور نہ لٹکانا دونوں قول صحیح ہیں، کسی حالت میں مکروہ نہیں چاہئے لٹکائے یا نہ لٹکائے، دونوں قولوں میں کوئی افضل نہیں دونوں برابر ہیں، اب بنوہ عرض کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب کا راجح قول کون سا ہے، بینوا توجسروا؟

الجواب؛ قال فی الدرود وضع الرجل یسارہ علی یسارہ تحت سرارہ کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح ام قال الشامی هو ظاہر الروایة و ردی عن محمد فی الزاد رانہ یوسلہا حالۃ الشاء فاذا فرغ منه یضع بناء علی ان الوضع سنۃ القیام الذی لہ قرار فی ظاہر المذہب و سنۃ القراءۃ عند محمد، حلیہ ص ۱۱۵ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر روایت اور امام ابو حنیفہ کا قول تو یہ ہے کہ تکبیر کہہ کے ہاتھوں کو بدون چھوڑے ہوئے باندھ لے، اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ تکبیر تحریمیہ میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے اور جب تک شہ پڑھتا رہے اس وقت تک ہاتھ چھوڑے رکھے، جب قرأت یعنی الحمد شروع کرے اس وقت باندھے، اور اصح قول اول ہے، باقی یہ قول کسی کا نہیں کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے پھر چھوڑ دے پھر فوراً ہی باندھ لے کہ اس صورت میں یہ ارسال محض لغو ہے، واللہ اعلم، ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ

نماز میں تکبیرات کہنا سوال (۱۵) نماز میں تکبیرات کا کہنا سنت یا واجب؟
واجب ہیں یا سنت؟ الجواب؛ تکبیر تحریمیہ تو فرض ہے اور باقی رکوع و سجدہ کی تکبیریں سنت ہیں، کافی العالمگیریہ (ص ۱۳۰ ص ۲۲) فرائض الصلوة وہی سنت منہا التحریمة وفيه ایضاً (ص ۲۵) سنہارفع الیدین للتحریمة الی ان قال و تکبیر الركوع و تسبیحہ ثلاثا و اخذ رکبتيہ بید یہ و تفریح اصابعہ و تکبیر السجود و الرفع، احقر عبد الکریم گہتلوی عفی عنہ
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ

رکوع میں الصاق رجلین سوال (۱۶) باسمہ تعالیٰ؛ ایہا العلماء العاملون سنت ہے یا نہیں، والفضلاء کاملون ما تقرلون فی الصاق رجل کعبیہ فی الركوع والسجود اعدتھو من سنن الصلوة ام لا و بای حدیث صحیح ثابت ہو، و من القائل بہ من الاثمة المعتمدين وكثير من علماء هذا الزمان ينكرون سنية ذلك ومنهم صاحب السعاية وغيره بينوا بحقیق و توجروا علی الیقین ونحن نرید ان نطبع فتویٰ کمر

الجواب؛ لم نجد حدیثا صریحا فی سنیة هذا الصاق فی الركوع والسجود ولم یذکرہ من فقہائنا الا صاحب الدرر و شارح المنیة ومن

تعبہا وہم قلیل ولم یتعرض له القادری ولا صاحب الکنز والوقایة وغیرہم
من اصحاب المتون المعتمدة الناقلین لظاهر الروایة وفي ترجیح الراجح شیخنا قال لعلاء عبد الحی
الکهنوی فی السعیة ان قدوة القائلین بسنیة اللصاق من الحنفیة هو الزاهد
وهو وان کان اما ماجلیلا فی الفقه لکنه مشهور بنقل الروایات الضعیفة صرح
به ابن عابدین فی سقیم الفتاوی الحامدیة وفي الفرائد البهیة انه کان معتزلی
العقائد حنفی الفروع والنور ص ۱۶ متعلق شعبان سئل عن وکلام الطحاوی فی
معانی الآثار لیفید ان اللصاق لیس مشروعاً فی شیء من الاعضاء فی الركوع
ولان السجود (للمرجال) بل المشروع عکسه ای التجانی بینهما قال الطحاوی
فی بحث التطبيق ثم التماس حکم ذلك من طریق النظر کیف هو فرأینا
التطبيق فیہ التقاء الیدین ورأینا وضع الیدین علی الركبتین فیہ تقرقهما
فأردنا ان ننظر فی حکم اشکال ذلك فی الصلوة کیف هو فرأینا السنة جاءت عن
النبی صلی الله علیه وسلم بالتجانی فی الركوع والسجود واجمع المسلمون علی
ذلك فکذلك من تقرق الاعضاء وکون فی الصلوة امران یراد بین میه قدوی ذلک عن ابن مسعود
وهو الذی وی للتطبيق فلما رأینا تقرق الاعضاء فی هذا بعضها من بعض ولی من اللصاق بعضها
اختلفوا فی الصلوة تقرقها فی الركوع کا النظر علی ان ینکونوا مختلفوا فیہ ذلک معطو علی ما اجمعوا علیه منه فیکون
کما کان التفریق فیما ذکرنا افضل ینکون فی سائر الاعضاء كذلك ام (ص ۱۳۵
و ۱۳۶) وبعد ذلك فلاحاجة الی اقامة الدلیل علی سنیة هذا اللصاق
اذا ثبت ضعف نقله فی المذهب ونص الطحاوی علی سنیة التجانی بین
الاعضاء فی الركوع والسجود جميعاً والله تعالی اعلم

مسئلہ رفع یدین | سوال (۱۷) حدیث عدم

رفع یدین بروایت براء بن عازب ابوداؤد میں موجود ہے اس میں راوی یزید بن ابی زیاد
میں علماء حدیث کو بہت کلام ہے، اور کہتے ہیں کہ ان کا حافظہ بوقت زیادتی لا یعود
کے فاسد ہو گیا تھا، ابن حبان و بخاری و بیہقی و حاکم و دارقطنی وغیرہم نے ایسا ہی کہا
ہے، اور حافظ عینی نے بنائے عمدة القاری میں اس کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یعقوب
بن سفیان و ابن شاہین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، لہذا عرض ہے کہ سو حافظ عینی

کے اور بھی کوئی مصنف معتمد انہی حفاظ کی توثیق یزید بن ابی زیاد کے بارے میں نقل کرتا ہے
ہاں حافظ زلیعی نے تخریج ہدایہ میں ابوالحسنہ سے نقل کی ہے مگر نہیں معلوم کہ یہ ابوالحسنہ
رجال جرح و تعدیل سے ہیں یا نہیں، امید کہ جواب باصواب تسلی فرما دیں گے،

الجواب؛ مسئلہ رفع یدین کے متعلق حضرت مولانا خلیل احمد مدنی نے
”بذل الجہود فی حل ابی داؤد“ جلد دوم میں بہت مبسوط تحریر فرمائی ہے کہ اس قدر جامع اور
مبسوط تحریر اور جگہ نہیں مل سکتی، اس کے صفحہ ۷ پر جو ہر نفی سے نقل کیا ہے تم حکم البیہقی
عن الدارمی انه قال و یحقق قول ابن عیینة ان الثوری و زہیرا و ہشیم و
غیرہم من اهل العلم لم یجئوا بہا راوی زیادہ لم یعد انما جاء بہما من سمع منه
باخرة قلت یعارض ہذا قول ابن عدی فی الکامل رواہ ہشیم و شریک و جماعة
معہما عن یزید باسنادہ و قالوا فیہ ثم لم یعد الخ پھر تحریر فرمایا ہے قلت قولہم
ان زیادہ لفظہ ثم لا یعود مد رج من قول یزید ابن زیاد لقن فتلقن ببطہ
ما رواہ عیسی بن عبد الرحمن والحکم بن عتیبہ عند البیہقی والطحاوی ابی
داؤد کلاہما ثقتان بل عیسی بن عبد الرحمن ثقہ ثبت و اما قولہم بان حدیث
عیسی والحکم رواہ عنہما محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی وهو ضعیف
فالجواب عنہ ان الحافظ قال فی التہذیب بعد نقل تضعیفہ قال ابو حاتم
عن احمد بن یونس ذکرہ زائغاً فقال کان افقہ اهل الدنیا وقال العجلی کان
فقیہا صاحب ستہ صدوقاً جامع الحدیث وکان عالماً بالقرآن وکان من
احسن الناس کان جمیلاً نبیلاً و قال یعقوب بن سفین ثقہ عدل فی حدیثہ
بعض المقال لین الحدیث عندہم الی ان قال فتأید حدیث یزید بن زیاد
بحدیث عیسی والحکم و تأیدت روایة محمد بن عبد الرحمن بحدیث رواہ
جماعة من المحدثین عن یزید بن ابی زیاد ملخصاً، کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۳۳۳ھ

رفع یدین در قنوت و تر | سوال (۱۸)

..... ایک غیر مقلد صاحب نے مذہب احناف پر اعتراض کیا، جس کی وجہ سے
عوام میں فتنہ مچا ہے کہ تر میں قبل دعا قنوت جو رفع یدین و تکبیر مروج ہے یہ حدیث سے
ثابت نہیں، لہذا بدعت سیئہ ہے، اور ہم نے ہر چیز بموافقت استطاعت کتب حدیث و فقہ

میں تتبع و تلاش کی لیکن دربارہ رفع یدین اثر ابن مسعود و ابراہیم نخعیؒ کچھ نہ ملا اور دربارہ تکبیر حدیث علیؑ میں جو صاحب بدائع نے مرفوعاً نکالا ہے لیکن اس کی تخریج معلوم نہیں۔ لہذا اگر کوئی حدیث صحیح دربارہ رفع یدین و تکبیر ہو تو عبارات مع حوالہ کتاب و صفحات تحریر فرمادیں، اور کوئی حدیث صحیح نہ ہو تو عوام کے سمجھانے کی کوئی بہتر صورت تحریر فرمادیں امید کہ جلد جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے، بینوا توجروا،

الجواب؛ فی حاشیة آثار السنن (ص ۱۱) قلت وقد ثبت رفع الیدین فی مطلق القنوت عن عمر بن الخطابؓ اخرج البخاری فی جزع رفع الیدین باسناد صحیح عن ابی عثمان قال کنا وعمر یوم الناس ثم یقنت بنا عند التکویف یرفع یدیه حتی ینزل کفاه ویخرج ضبیعه وعنه قال کان عمر یرفع یدیه فی القنوت رواه البخاری فی جزع باسناد حسن وقال البیهقی فی المعرفة وروی فی رفع الیدین فی قنوت الوتر عن ابن مسعودؓ وابی ہریرةؓ وافیہ ایضاً (ص ۱۹) وعن طارق بن شہاب قال صلیت خلف عمرؓ صلوة الصبح فلما فرغ من القرآءة فی الرکعة الثانیة کبر ثم قنت ثم کبر فکرم رواه الطحاوی و اسنادہ صحیح،

پس حضرت عمرؓ سے مطلق قنوت میں رفع یدین صحیح سند سے ثابت ہوا، اور موقوف مالا بدرک بالرائی میں حکماً مرفوعاً ہوتا ہے اور نماز میں ہر رفع یدین میں تکبیر ہے، اس لئے تکبیر بھی ضمناً ثابت ہو گئی، اور دوسری روایت میں تکبیر کی تصریح ہے، باقی رہی یہ بات کہ وہ قنوت فجر کے بارہ میں ہو سو قنوت فجر وغیر فجر میں فرق ہونے کی دلیل کیا ہے، اور اثر ابن مسعود و نخعی کی آثار السنن میں تصریح کی ہے، وقال ابن قدامة فی المغنی روى عن عمر انه کان اذا فرغ من القرآءة فی الوتر کبر ام وروی الطبرانی فی معجمہ الکبیر حد شاعلی ابو نعیم شاعبد السلام بن حرب عن لیث عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابیہ ان عبد الله را ابن مسعود کان یکبر حین یرفع من القرآءة ثم اذا فرغ من القنوت کبر و رکع ام قال النیموی رجال اسنادہ کلہم ثقات الا لیثا و هو ابن ابی سلیم ام من التعلیق الحسن ص ۲۷۱ قلت لیث وثقة ابن معین واخرج له مسلم واستشهد به البخاری فالحدیث حسن و فی آثار السنن (ص ۱۱) عن الاسود عن عبد الله انه کان یقرأ فی آخر رکعة

من الوتر قل هو الله ثم یرفع یدیه فیقنت قبل الرکعة رواه البخاری فی جزع رفع الیدین و اسنادہ صحیح ام،

پس عبد اللہ بن مسعودؓ سے وتر کی قنوت میں رفع یدین اور تکبیر کا ثبوت سند صحیح حسن سے ہو گیا ہے، اور صحابی کا فعل و قول عجت ہے خصوصاً ابن مسعود و عمر رضی اللہ عنہما کہ ایک خلفائے راشدین میں سے ہے جن کے اقتدار کا ہم کو حکم ہے اور دوسرے صحابی کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رضیت لامتی ما رضیہ ابن ام عبد و قال اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر، اب جو اس تکبیر و رفع کو بدعت کہتا ہے وہ خود بدعت ضال ہے اور حضرت علیؑ کی روایت کے متعلق تحقیق نہ ہو سکی، فقط عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح نظر احمد عفا اللہ عنہ ۳ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

جماعت میں اگر مقتدی سے کوئی فرض یا سوال (۱۹) درمیان نماز اگر مقتدی سے فرض یا واجب ت ہو جا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ واجب کا سہو ہو جائے تو کیا کرے، پھر سے نماز پڑھے امام سے الگ ہو کر یا نیت توڑ کر الگ ہو جائے، یا وقت سلام وہ مقتدی سجدہ سہو کرے، جس طرح دفعیہ ہوتا ہو تو تحریر فرمائیے،

الجواب؛ اگر درمیان میں فرض فوت ہو جائے تب تو نیت توڑ کر اسی وقت از سر نو نیت باندھ کر امام کے ساتھ شامل جماعت ہو جائے، اور اگر واجب فوت ہو جائے تو کچھ نہ کرے، نہ نیت توڑے نہ سجدہ سہو کرے، مقتدی کو ترک واجب سہو آمحان ہو اور عمدتاً ترک ہو تو بعد جماعت کے نماز کا اعادہ کرے،

سوال (۲۰) نماز میں دل سے نیت کرنے وقت مغرب کی نیت کرنی تو نماز ہو جاگی یا نہیں؟ سہو ا دل ہی میں بجائے وقت عصر کے وقت مغرب زمین میں آ گیا، اور تکبیر تحریمیہ کہہ کر نیت باندھ لی، پھر معاً خیال آیا کہ میں نے غلطی کی تو وہ نیت توڑ کر پھر سے نیت کرے، یا نماز پڑھ لے؟

الجواب؛ اس صورت میں نیت درست نہیں ہوتی، جب کہ نیت ہی میں غلطی ہو، پس دوبارہ صحیح نیت سے تکبیر تحریمیہ کے ساتھ نماز شروع کرنا لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، رحمہم کوئلہ کی کان میں نماز پڑھنے سوال (۲۱) کے متعلق ایک استفتاء، جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں وہاں برکھاد ہے، کوئلہ کی زمین کے اندر

سے کوئلہ نکالا جاتا ہے، لہذا جو لوگ مسلمان غریب اس میں کام کرتے ہیں کوئلہ کٹتے ہیں اور گاڑیوں میں بھرے ہیں، وہاں پر پانی بھی ملتا ہے، مگر اندھرا سخت قیامت کا نمونہ ہے، وہاں پر لوگ نماز پڑھتے ہیں، لیکن مسئلہ پوچھتے ہیں، کیونکہ جس جگہ وہ لوگ کام کرتے ہیں، جگہ بہت خراب ہے، اور حالت یہ ہے کہ کپڑا جسم میں صرف فرض یعنی ستر ڈھانکنے کے لائق ہوتا ہے، بعض تو لنگوٹ باندھ کر کام کرتے ہیں، نیچے بھی پانی ہے، پانی کی جگہ سے کوئلہ ٹوکری میں بھر کے گاڑی میں لادتے ہیں، اس پر اوپر سے پانی مثال سوتوں کے ٹپکتا رہتا ہے، اور گرمی بھی بعض جگہ ایسی ہے کہ پسینہ کثیر ہر وقت جاری رہتا ہے، اسی حالت میں کوئلہ اٹھانا پڑتا ہے اور کان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جماعت ہو جائے اگر کوشش کی جاوے تو مع ام کے چار پانچ پڑھتے ہیں جماعت کے ساتھ، مگر اکثر جگہ گیلی پانی جاتی ہے وہاں پر نماز چھوڑ دینا چاہئے یا کہ نہیں اور عورت و مرد دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں، کس صورت سے نماز پڑھیں، کیا حکم فرماتے ہیں، اور یہاں پر کام کرنے کا وقت ۸ بجے جمع سے ۸ بجے رات تک ہی، اور در وقت ۸ بجے رات سے ۸ بجے صبح تک کام ہوتا ہے، دو وقتہ کام ہوتا ہے، یعنی یہ کارخانہ چوبیس گھنٹہ چالو رہتا ہے، اتوار کی رخصت ملتی ہے، جو شخص اس ہفتہ دن میں کام پر جاوے گا وہ اگلے ہفتہ رات کو کام پر جاوے گا، ازل تو وہاں رات اور دن دونوں کی ایک صورت ہے، گھڑی کے ذریعہ سے وقت معلوم ہوتا ہے، اور جس جگہ زمین کے اندر جاتے ہیں اس جگہ سے کام کرنے کی جگہ آدھ میل یا آدھ میل زیادہ درجا پڑتا ہے، بلکہ بعض جگہ ایک میل زائد دو جا پڑتا ہے، اول وقت معلوم کرنے کی قلت ہے، دوسرے پانی کی سخت تکلیف ہے، اور وہاں پر پانی بہتا رہتا ہے، نالی سے مگر اس میں لوگ شبہ اور کراہت کرتے ہیں، کیونکہ وہیں پر لوگ پاخانہ پیشاب کرتے ہیں، اور جگہ جگہ نالی کے سرے پر اکثر غلیظ پایا جاتا ہے، بہت سخت تکلیف ہے، اگر اوپر اٹھ کر نماز پڑھی جاوے تو وقت بہت سا برباد ہو جاتا ہے، اور جو کام ہم لوگ کر کے آتے ہیں وہ کوئی دوسرا لے لے گا، یعنی کوئلہ گرایا ہے، ہم گئے نماز پڑھنے تو دوسرے شخص نے آکر لے لیا، ہماری محنت ضائع گئی، اور ہم نماز ہی کے لئے تین دفعہ گئے وقت ختم ہو گیا، دوسرے کا وقت آ گیا، یعنی ۸ بجے، اب ہم کوکل پھر صبح ۸ بجے گاڑی ملے گی، اور ہم کوئلہ کاٹ کر لائیں گے، ہم لوگ کیا کریں، سخت مجبور ہیں، اب حضور بتلاویں کہ یہ لوگ نماز

۷

پڑھتے نہیں، اگر کہتے ہیں تو سو سو اعتراض کرتے ہیں اور حیلہ و حجت کرتے ہیں، اور جو لوگ نماز کے شوقین ہیں وہ پانی کے ناپاک ہونے کے خیال سے اوپر سوکھی مٹی لیجاتے ہیں، اور تمیم کر کے نماز پڑھتے ہیں، وہ وہ لوگ ہیں جو سرداروں میں سے ہیں، حضور کیا حکم دیتے ہیں کہ وہاں پر تمیم جائز ہوگا یا کہ نہیں یا کہ اس پانی سے وضو جائز ہوگا، اور جگہ گیلی ہوگی متعلق کیا حکم ہوتا ہے یا ایسی جگہ نماز چھوڑ دیتے کا حکم ہے یا اوپر آکر قضا پڑھنی چاہئے، اس لئے ہم نے تفصیل لکھا ہے، آدمی جب کھاد سے اوپر اٹھتا ہے تو ایک دم کالا بھوت ہو جاتا ہے، اور زمین کے نیچے ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار فٹ نیچے جا کر یہ سب کام ہوتا ہے، بعض جگہ کہے پانچ سو یا سات سو فٹ ہے جو حکم ہو رہی کیا جاوے؟

الجواب: جگہ کا گیلیا ہونا نماز سے مانع نہیں، گیلی جگہ پر نماز درست ہو جاتی ہے، جب کہ زمین پر پیشانی جم جائے، اور جو پانی اس جگہ نالی سے بہتا ہے وہ پاک ہے، جب تک پانی میں غلیظہ و نجاست کی بو وغیرہ ظاہر نہ ہو، پس جو لوگ کوئلہ کی کان میں کام کرتے ہیں ان کو ایسی جگہ جہاں وہ کام کرتے ہیں نماز پڑھنا چاہئے، اور وقت کو اور قبلہ کے رخ کو انداز سے معلوم کرنا چاہئے، اور نماز کے وقت ستر کو اچھی طرح ڈھانک لینا چاہئے، پھر اگر سہولت ہو تو جماعت سے نماز پڑھیں اور اگر دشواری ہو تو الگ الگ ہی پڑھ لیں اور جب تک بہتے ہوئے پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس کو ناپاک سمجھنا غلط ہے، اور تمیم جائز نہیں بلکہ وضو کرنا واجب ہے، ہذا واللہ اعلم، ۲۷ رمضان ۱۳۲۷ھ

مقتدی اگر قعدہ اخیرہ میں الخیات سوال (۲۲) مقتدی نے آخر قعدہ میں الخیات اور درود دعاء ترک کرے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر سہواً قہماً نہیں پڑھا، تو اعادہ لازم نہیں، اور اگر عمدتاً ترک کیا ہو تو نماز تو اس صورت میں بھی ہوگی، مگر اعادہ لازم ہے، تاکہ ترک واجب عمدتاً سے خلل آگیا ہے وہ مرتفع ہو جاوے، ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

میز وغیرہ پر ناپاک روغن اور پاش لگایا گیا ہو سوال (۲۳) آجکل میز وغیرہ سب پر جو روغن اس پر بغیر کپڑا ڈالے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہوتا ہے اس پاش میں شراب کی آمیزش، مسروع ہے، دریں صورت بلا بسط ثوب اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ایسی میز پر بلا بسطِ ثوب نماز پڑھنا خلاف احتیاط ہے، ۱۲ رمضان ۱۳۲۰ھ
بحالت نماز بارش ہونے لگے | سوال (۲۳) جماعت کے ساتھ صحن میں نماز ہو رہی ہو، ایسی
تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ حالت میں پانی برسنے لگے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب؛ پانی برسنا نماز سے تو مانع نہیں، نماز پڑھتا رہے، اور اطمینان سے
پڑھتا رہے، اس کے بعد خدائے کبیرے دیتے ہوں تو گیلے اتار کر سوکھے پہن لے، اور کپڑے
نہ ہوں تو انہی کو سکھا کر پڑھ لے، البتہ اگر کسی کو بارش میں نماز پڑھنے سے بیمار ہونے کا اندیشہ
ہو وہ جلدی جلدی نماز پوری کر لے، اور اگر زیادہ خطرہ ہو تو نماز توڑ کر اندر چلا جائے، واللہ
تعالیٰ اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۲۰ھ

سوال (۲۵) بکر کہتا ہے کہ جس شخص کو ترجمہ قرآن نہیں آتا اس کی
ذات آتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی، نماز ہرگز نہیں ہوتی اور نہ اس کو تلاوتِ قرآن کا ثواب ملتا ہے،
ذات اس کو تلاوت کا ثواب ملتا ہے؟ اس پر بعض لوگوں نے نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا چھوڑ دیا، اس کا

جواب مدلل دیا جائے؟

الجواب؛ دلیل کا بیان کرنا خود اس شخص کے ذمہ ہے، کیونکہ وہی مدعی ہے، اور
دعویٰ بلا دلیل مسموع نہیں، لہذا یہ قول غلط ہے، نیز ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ اس شخص کا قول
فاقر اذ انا تیسرے ترجمہ کے خلاف ہے، کیونکہ جو شخص قرآن پڑھنے پر قادر ہے اور ترجمہ
سمجھنے پر قادر نہیں تو یہ آیت اس کو صرف قرأتِ قرآن کا مکلف بناتی ہے، اور اس سے اسکی
نماز صحیح ہو جائیگی لائیان المامور بہ، ترجمہ کی قید لگانا تیسرے کے خلاف ہے، دوسرے ہم پوچھتے
ہیں کہ قرآن نظم عربی کا نام ہے یا نظم عربی مع الترجمة کا، شق ثانی باطل ہے، ورنہ لازم آئے گا
کہ صبیان و جہلاء تلاوتِ قرآن کے وقت قاری قرآن نہ ہوں، بلکہ وہ قرآن کے سوا کچھ اور
پڑھتے ہوں، اور یہ لغو ہے، پس شق اول متعین ہے، تو اس کے تحقق سے قرأتِ قرآن کا
تحقق ہو گیا، اور یہی شرط صلوة و ثواب ہے، اس سے زیادہ بشرط صلوة و ثواب نہیں،

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے | سوال (۲۶) سجدہ میں جب جاتے ہیں تو پہلے سر ٹیکے یا ناک
سر ٹیکے یا ناک.....؟ ٹیکے، اور جب اٹھتے تو پہلے سر اٹھا دے یا ناک اٹھا دے؟

الجواب؛ سجدے میں جلتے ہوئے پہلے سر رکھے پھر ناک اور اٹھتے ہوئے کوئی
ترتیب مذکور نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ساتھ ہی اٹھائے جائیں، قال فی الدرر

وجہہ مقدّماتہ لما مرّای لقربہ من الارض لما قال الشامی لکن فی البدایہ
ومنہا ای من السنن ان یضع جہتہ ثم انفہ وقال بعضهم انفہ ثم جہتہ و
مقتضاه اعتماد تقدیم الجہتہ لان العکس قول البعض ام قال فی الدرر ویکس
مخوضہ قال الشامی وهل یرفع الالف قبل الجہتہ ای علی القول بانہ
یضعہ قبلہا قال فی الحلیۃ لم اقف علی صحیح فیہ ام (ص ۱۱۶) واللہ اعلم
۱۶ رجب ۱۳۲۰ھ

سوال (۲۷) یہاں پر عورتوں کا دستور ہے کہ جب
بدون عذر فرض، وتر اور سنت فجر | نماز پڑھتی ہیں تو پہلے کھڑی ہو کر ایک رکعت چاہ کر
بیٹھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، باقی نماز بیٹھ کر پڑھتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ ہمارے
فرض ہوں یا سنت پڑھتی ہیں، آپ فرماؤں کہ یہ نماز ہوتی ہے یا نہیں، اور حالانکہ تندرست
ہیں اور کوئی تکلیف نہیں،

الجواب؛ فرض اور وتر سنت فجر میں بدون عذر بیٹھنا جائز نہیں، نماز درست
نہ ہوگی، اور بقیہ سنن مؤکدہ میں بلا عذر قعود مکروہ ہے، شامی (ص ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸)
کھڑا ہو کر پڑھنا ضروری ہے، اور مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے اور نفل میں ایسا کرنا جائز
ہے کہ ایک رکعت کھڑی ہو کر پڑھی جائے باقی بیٹھ کر دوہوا الصبح، اور اس میں بھی مرد
عورت برابر ہیں، مگر یہ صورت صاحبین کے نزدیک نوافل میں بھی جائز نہیں، ہاں یہ
جائز ہے کہ نوافل کو اول سے اخیر تک بیٹھ کر پڑھے (شامی ص ۲۹، ج ۱) نیز نوافل
میں یہ بھی اتفاقاً جائز ہے کہ دو رکعت قیاماً پڑھے اور دو رکعت جالساً، لان کل شفعة
مہنا صلوة علیحدہ، (شامی ص مذکور) اسی طرح شروع میں بیٹھ کر پڑھنا پھر کھڑا ہونا
بالاتفاق جائز ہے،
احقر عبد الکریم عفی عنہ، اربع الثانی ۱۳۲۰ھ

سوال (۲۸) سوال یہ ہے کہ کلکتہ، پٹنہ، گنیا اور الہ آباد سے مکہ معظمہ
پچھم دکن کی طرف ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے ہیں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی یہ
صورت ہوگی کہ ذرا سادکن مڑتے ہوئے پچھم کے رخ کھڑے ہوں، مگر ایک عالم صاحب
ہیئت دان یہ فرماتے ہیں کہ ان شہروں میں پچھم سے ذرا اتر کر طرف مڑتے ہوئے کھڑے
ہونے سے مصلیٰ قبلہ رخ ہوگا، یہ فرمانا ان کا صحیح ہے یا نہیں، اور نماز میں ان مذکورہ

جگہوں میں کس طرف کھڑا ہونا چاہئے، یا ٹھیک پچھم کی طرف؟ مینوا توجروا،

الجواب: فی الدرر وہ فی القرائی والامصار معاریب الصحابة والمتابعین وقال الشامی تحتہ فلا يجوز التحری معہا زلیعی بل علینا اتباعہم خانیۃ ولا یعمد علی قول الفلکی العالم البصیر المنقہ ان فیہا انحرافا خلافا للشافعیۃ فی جمیع ذلک کما بسطہ فی الصتاوی الخیریۃ الخ وقال الشامی ایضا بعدہ قلیلا والظاہر ان الخلاف فی عدم اعتبار ہا را ای النجوم انما ہو عند وجود المحاریب القدیمۃ اذ لا يجوز التحری معہا کما قد مناہ لثلا تلزم تخطئة السلف الصالح وجمہیر المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفانرة الخ، ص ۱۲۲، ج ۱

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مسلمین نے جس سمت پر مساجد بنائی ہیں ان کو غلط نہ کہنا چاہئے پس تدقیقات مذکورہ فی السؤال سے احتراز لازم ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے قواعد کو صحیح گمان کر کے تھوڑا بہت تفاوت مساجد عامہ میں ثابت بھی کر دے تو اس سے سمت کا غلط ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ قول درر وغیرہ) اسی لغیر معانیہا (اصابتہ جہتہا) کے تحت میں شامی کے ملاحظہ کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے، اور درر والوں کو سوائے جہت کے اور کیا معلوم ہو سکتا ہے، عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے واسطے ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے، واللہ اعلم، کنہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۷ رجب ۱۳۵۴ھ

ناز جنازہ کی وضو سے | سوال (۲۹) ناز جنازہ کی وضو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس وضو سے ناز جنازہ پڑھی جاوے اس سے فرض وغیرہ پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۴ رجب ۱۳۵۴ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفی عنہ چوتھی رکعت کو تیسری خیال کر کے کھڑے ہونے | سوال (۳۰) نماز میں درمیانی قعدہ سہواً کے بعد یاد آیا تو کیا کرنا چاہئے؟؟؟ رہ جاوے اور کھڑے ہو جانے کے بعد یا کھڑے ہو جانے کے قریب یاد آوے تو بیٹھنا نہیں چاہئے، بلکہ سجدہ سہو کر لینا چاہئے، لیکن آخری قعدہ چوتھی رکعت کو تیسری رکعت خیال کرنے کے وقت کھڑا ہو جاوے اور کھڑے ہونے کے بعد یاد کھڑے ہو جانے کے قریب یاد آوے کہ یہ چوتھی رکعت تھی تو بیٹھ جانا چاہئے یا بیٹھنا

نہیں چاہئے، بلکہ ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کرنا چاہئے؛

الجواب: قعدہ اخیرہ کو بھول کر کھڑے ہو جانے کی صورت میں بیٹھنا ضروری ہے، حتیٰ کہ اگر پانچویں رکعت کا رکوع بھی کر چکا ہو تب بھی بیٹھ جاوے اور پھر حال سجدہ سہو کر کے نماز ہو جاوے گی، البتہ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو اب یہ نماز نفل ہو چکی فرض دوبارہ پڑھنا پڑیں گے، ۱۵ رمضان ۱۳۵۴ھ

سؤال (۳۱) نماز میں شیطان و سوس اور دنیاوی خیالات آنا، نہ ہو، اور دنیاوی خیالات نہ ہوں؟

الجواب: جہاں تک ہو سکے قرأت اور تسبیح وغیرہ کی طرف دھیان رکھیں، رفتہ رفتہ عادت پختہ ہو جاوے گی، اور باوجود اس کوشش کے پھر بھی خود بخود دھیان اور طرف جہت تو کچھ حرج نہیں فقط اتنا ضروری کہ بجز ارادہ دوسری طرف خیال نہ کری، احقر عبد الکریم عفی عنہ، سؤال الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ، نماز کے بعد جو سر پر ہاتھ رکھا جاتا ہے | سوال (۳۲) بعد فرض نماز جو سر پر ہاتھ رکھتے ہیں کیا اس میں کچھ پڑھنا بھی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بسم اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم اللہم اذہب عنی الہم والحزن پڑھتے ہیں، ۷ رجب ۱۳۵۴ھ

سؤال (۳۳) عورت سجدہ میں پاؤں کس طرح رکھے | سوال (۳۳) بہشتی زیور بدلتل میں حصہ دوم کے صفحہ ۲۴ پر یہ عبارت سجدہ کے بیان میں لکھی گئی ہے، "ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے، مگر پاؤں کھڑے نہ کرے، بلکہ اپنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر الہ اور اس میں لفظ مگر نکال تک عبارت بڑھائی گئی ہے، اس عبارت کے بڑھ جانے سے احقر کے سمجھ میں یہ آیا ہے کہ سجدہ میں عورت اپنے دونوں پیروں کو مثل تورک کے دہنی طرف نکال دے اور اسی طور سے سجدہ کرے، مگر شامی میں ہے و ذکر فی البحر انہا لا تنصب اصابع القدین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیروں کو تو عورت کھڑے رکھے اور انگلیوں کو زمین پر بچھائے رکھے اور اسی صورت میں انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا ممکن ہے ورنہ نہیں، اور عالمگیری میں ہے والمرأة لا تجانی فی رکوعہا وسجودہا وتقعد علی رجلیہا، فی السجدة تفرش بطنہا علی فخذیہا کذا فی الخلاصۃ، اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت سجدہ کرتے وقت مردوں کی طرح پاؤں پر بیٹھے تورک کے طور پر نہ بیٹھے، اور پست سجدہ کرنے میں یہ فرق

کافی ہوگا کہ بازوؤں کو کمر و ٹوں میں ملا کر دبائے رکھے، اور پیٹ کو رانوں پر جا بیوسے اور کلائیوں کو زمین پر بچھائے رکھے، اور نپٹلیوں کو بھی زمین پر بچھائے رکھے، بخلاف مردوں کے، اور جامع الرموز میں لکھا ہے فلا تنصب اصابع القدمین، پس ان عبارتوں میں اور رقم بالا بہشتی زیور کی اس عبارت مزیدہ میں مخالفت معلوم ہوتی ہے، اور کسی طرح سمجھیں سکا کہ دونوں پریشمال کی طرف داہنی جانب کو باہر بھی نکلے ہوئے ہوں اور ان کے اوپر بیٹھی ہوئی بھی، اور سجدہ کے وقت دونوں پاؤں داہنی طرف نکلے ہوئے بھی ہوں اور انگلیاں بھی ہوئی قبلہ رو بھی اور دونوں قدم بھی کھڑے ہوں، پس مکلف ملازمان قدی صفت ہوں کہ کونسی صورت اختیار کی جائے، اس سے پیشتر تو احقر شامی اور جامع الرموز اور عالمگیریہ کے موافق بتلاتا تھا اور اب بوجہ نہ سمجھنے کے حیرانی پیدا ہوئی، پس امید ہے کہ تصریح فرمائی جائے کہ کونسی عبارت کی اتباع کروں؟

الجواب: فقہاء نے عورت کو انصاف مستثنیٰ کر کے توجیہ اصابع الی القبلة سے مستثنیٰ نہیں کیا، اور ترک انصاف کے ساتھ توجیہ اصابع الی القبلة کی وہی صورت ہے جو بہشتی زیور میں ہے، اس کے سوا سجدہ میں توجیہ اصابع الی القبلة کی عورت کے لئے کوئی صورت نہیں، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۰، سوال مشکہم

الجواب الثانی: سوال میں جو تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے یہ تو ممکن نہیں ہے، کیونکہ تورک و عدم تورک میں تنافی ہے، پس لا تنصب اصابع القدمین او و تقعد علی رجلیہا، ان حضرات کی روایت ہے جو تورک کے قائل نہیں، اب فقط یہ سوال باقی رہا کہ توجیہ اصابع الی القبلة دونوں روایت میں سے کس کی بنا پر ہے، سو احقر کے نزدیک عدم تورک کی حالت میں لا تنصب الاصابع کی تصریح ہوتے ہوئے توجیہ اصابع ناممکن ہے اور جو صورت بیان کی گئی ہے جب اس میں توجیہ اصابع ممکن ہی نہیں تو اس کو مستثنیات میں بیان کرنے کی حاجت ہی کیلئے، لکن لا یخفی، اور تورک کی صورت میں بھی گو بدقت کسی قدر پاؤں کو موڑ کر قبلہ کی طرف انگلیاں ہو سکتی ہیں، اور اسی بنا پر بہشتی زیور میں توجیہ اصابع الی القبلة کو برقرار رکھا گیا ہے، لیکن احقر کے فہم ناقص میں اس صورت میں توجیہ اصابع ناممکن نہیں ہے اور گو توجیہ اصابع سے عورت کو کہیں مستثنیٰ نہیں کیا، لیکن اس کے واسطے مستقبل صورت سجدہ بیان کرنا اور اس صورت میں توجیہ اصابع کا محال یا متعذر ہونا

خود استثنا ہے، واللہ اعلم، مراقی الفلاح میں ہے (رو) بین (داختراش) الرجل درجلہ الیسوی ونصب الیمینی وتوجیہ اصابعہا نحو القبلة كما ورد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما (رو) یسن (تورک الموائی) بان تجلس علی الیسما وتضع الفخذ وتخرج رجلیہا من تحت و رکبها الیمینی لانہ استرلہا وقال شارحہا (توجیہ اصابعہا) ای بالمن اصابع رجلہ الیمینی نحو القبلة بقدر الاستطاعة فان توجیہ الخنصر لا یخلو عن عسر قہستانی، فقط، اس سے معلوم ہوا کہ قدر استطاعت توجیہ مسنون ہے، اور ظاہر ہے کہ مرد کو خنصر کی توجیہ میں اس قدر دقت نہیں جس قدر تورک کی حالت میں دقت ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ بوجہ دشواری عورت اس حکم سے مستثنیٰ معلوم ہوتی ہے، لیکن فقہاء نے مستثنیات میں شمار نہیں کیا، اس واسطے اگر سہولت سے ہو سکے کر لیا جاوے در نہ کاوش نہ کی جاوے، واللہ اعلم احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰، سوال مشکہم

التنقیح علی الجواب الثانی: مشاہدہ میں کلام ہے، احقر کا مشاہدہ یہ ہے کہ توجیہ اصابع الی القبلة کی آسان صورت تورک ہی ہے، اس کو محال یا متعذر کہنا عجیب ہے، منشأ اس دشواری یا استحالة کا یہ ہے کہ مجیب ثانی کے ذہن میں تورک مع ضم الرجلین کی صورت نہیں، وہ تورک مع تفریح الرجلین میں توجیہ اصابع کو دشوار دیکھ کر مطلق تورک میں اس کو دشوار سمجھ گئے ۱۲ ظفر احمد عفا عنہ

ضمیمہ سوال مذکور:

..... خادم نے یہ سوال خدمت سامی میں پیش کیا تھا، جس کا جواب جناب مولانا دمکرنا مولوی ظفر احمد صاحب نے اور مولانا عبدالکریم صاحب نے تحریر فرمایا ہے جو بعینہ نیاز نامہ ہذا کے ساتھ ارسال خدمت گرامی ہے، ان صاحبوں نے جو جواب تحریر فرمایا ہے اس سے بچائے تردد و شبہ رفع ہونے کے اور بھی بڑھ گیا، اسی حیرانی میں لفظی حصار العی سوال پھر مکلف ہوں، موجب تردد یہ ہے کہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ فقہاء نے عورت کو انصاف الخ اس عبارت کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ عورت کے لئے سجدہ میں پاؤں کا کھڑا کرنا فقہاء رحمہم اللہ نے مستثنیٰ فرمایا ہے، اور توجیہ اصابع للقدمین جائز بلکہ ضروری ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ قومہ سے جب سجدہ میں جا

تو پاؤں کو داہنی طرف نکال کر سجدہ کرے، اور جب میں خاکسار شامی کی عبارت انہما لا تنصب اصابع القدمین کو مولانا ظفر احمد صاحب کی عبارت جواب سے ملانا ہوں تو شامی کی عبارت اس سے نہیں ملتی، کیونکہ شامی کی عبارت سے انصباص القدمین کا استثناء ثابت نہیں ہوتا، بلکہ انصباص اصابع القدمین کا استثناء معلوم ہوتا ہے، چنانچہ رسالہ مفتاح الصلوٰۃ کے صفحہ ۸ پر ہے، "ہشتم انگلستان پائے استادہ نہ کند" اور جامع الرموز کی عبارت فلا تنصب اصابع القدمین سے بھی فہم ناقص میں یہی سمجھا گیا ہے کہ عورت جب قومہ سے سجدہ میں جائے تو سیدھی سجدہ میں جائے پہلے زانو ٹیکے پھر ہاتھ ٹیکے، پھر پیشانی و ناک ٹیکے اور دونوں پاؤں کو علیٰ صدور القدمین کھڑے اور اصابع القدمین کو علیٰ بطونہا، مفروش رکھے، اس صورت میں توجیہ الی القبلة بھی ہوگئی، بوجہ اتم،

الجواب؛ قدمین کی یہ حالت مرد و عورت میں یکساں ہوگئی، کیونکہ مرد بھی قدمین کو سجدہ میں اسی طرح رکھتا ہے، حالانکہ فقہاء کی عبارت قدمین کو حالت کو مرد و عورت کے حق میں متفاوت بتلاتی ہے، اب اس کے بعد یہ بتلائیے کہ اس کے مقابل مرد کے واسطے نصب اصابع قدمین کی کیا صورت ہوگی جس میں توجیہ الی القبلة بھی ہو سکے؟

سوال؛ اور فرق مرد و عورت کے سجدہ میں بھی ہو جاتا ہے، اور اس قدر شرق مع دیگر مستثنیات کے کافی ہے، کیونکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے والمرأة تخفص کی شرح یہی کی ہے، کہ عورت بازوؤں کو کرڈٹ سے ملائیوے، اور کلائیوں کو زمین پر بچھائے، اور پیٹ کو زانو پر بچھائے، اور پنڈلیوں سے زانوؤں کو ملائے، اور پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر بچھائے، یہ صورت تو تمام کتب فقہ میں پائی جاتی ہے، مگر جس صورت کو مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ توجیہ اصابع القدمین کی مع انصباص القدمین کے استثناء کے سوائے صورت مسطورہ بہشتی زیور کے اور کوئی صورت ہی نہیں، وہ یعنی بحالت سجدہ عورت دونوں پاؤں کو داہنی طرف نکال کر سجدہ کرے تو اس صورت میں توجیہ اصابع القدمین الی القبلة کہاں ہے، یہ تو عقلاً و نقلاً لوجیہ اصابع الی الشمال ہے البتہ اسی صورت کو توجیہ اصابع الی القبلة فرض کر لیا جائے تو یہ اور بات ہے،

الجواب؛ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے مشاہدہ سے، تحریر سے کیونکہ واضح کیا جائے، حاصل یہ ہے کہ رجلیں کو داہنی طرف نکال کر اگر بیسروں کو خوب ملا یا جائے جیسا.....

عورتوں کو ضم رجلیں کا حکم ہے تو توجیہ الی القبلة اصابع کی بہت آسان ہے، ہاں اگر ضم نہ کیا جائے بلکہ رجلیں میں تفریح ہو تو توجیہ الی الشمال ہوگی،

سوال؛ اور اس صورت میں جو احقر کی سمجھ میں ان عبارات مرقومہ سے آتی ہے، حدیث امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجہت والیمن والیمن والیمن و اطراف القدمین، و متفق علیہ سے بھی پوری پوری موافقت و مطابقت ہو جاتی ہے، اور اگر پاؤں کو داہنی طرف نکال کر سجدہ کیا تو شات اعضا کے عوض کل پانچ اعضا پر سجدہ ہوگا، تو اس لحاظ سے بھی وہ صورت اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے، نہ یہ صورت جس میں پانچ اعضا پر سجدہ ہو،

الجواب؛ حدیث میں اطراف القدمین آیا ہے، جس سے وہ صورت بھی خارج نہیں جو بہشتی زیور میں مذکور ہے، کیونکہ ہر قدم کی کرڈٹ زمین سے ملی رہے گی، تو اطراف قدمین پر سجدہ ہوگی، البتہ اطراف سے مراد اگر اصابع ہوں تو بے شک بہشتی زیور کے خلاف ہوگا، فلیرد لبتاً مل،

سوال؛ اور یہ صورت جو قومہ سے چل کر عورت پہلے بیٹھ کر دونوں پاؤں کو داہنی طرف نکال کر بعد اس کے سجدہ کرے اسی کی تمام عورتیں عادی ہیں جو غالباً تمام ہندوستان بھر کی عورتوں کا تعامل اسی طور پر کسی فقہ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے، یا انصباص القدمین کو کسی نے لکھا ہے یا فقط انصباص اصابع القدمین سے انصباص القدمین مراد لیا جاتا ہے، (عبارت زائدہ) احقر نے بہت دیکھا بھالا مگر اس فرق مرقومہ کے سوا اور فرق کسی نے نہیں لکھا ہے، عورت انصباص اصابع الرجلیں میں مستثنیٰ ہے نہ انصباص القدمین میں، پس امیر ہے کہ جواب شافی سے احقر کے تردد و پریشانی کو رفع فرمادیں گے،

الجواب؛ عبارات فقہاء میں تو لا تنصب اصابع القدمین ہی وارد ہے، مگر ترک نصب اصابع سے ترک نصب قدمین دو وجہ سے مراد لیا گیا ہے، ایک یہ کہ اس میں ستر زیادہ ہے، اور عورتوں کو اختیار ستر کا امر ہے، دوسرا اس میں توجیہ اصابع الی القبلة بھی ہے، اگر عورت نصب قدمین کرے تو اس میں ستر کی تغلیل ہے، پھر اس کے ساتھ اگر نصب اصابع نہ کرے بلکہ بقول سائل کے ان کو قبلہ رُو ببط کرے تو فقہاء کا نصب اصابع رجلیں میں عورت مرد کو متفاوت بتلانا لغو ہوگا، کیونکہ یہی صورت مرد بھی کرتے ہیں، اس کو لا تنصب اصابع

القدیم کی تفسیر بنانا غلط ہے، بس صحیح تفسیر یہی سمجھ میں آئی کہ مراد یہ ہے کہ عورت پیروں کی انگلیوں کو زمین پر کھڑا نہ کرے، نہ قبلہ رو نہ ترک استقبال کے ساتھ بلکہ پیروں کو اس طرح بچھائے کہ اصابع قبلہ رو ہوں، واللہ اعلم۔

سوال؛ اور جناب مولانا عبدالکریم صاحب زاد مجد نے زیب رقم فرمایا ہے کہ سوال میں جو تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، الخ،

احقر نے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف یہ استفسار ہو کسی نے فقہاء متقدمین یا متاخرین سے یہ صورت (جو اس مزید فرمودہ عبارت سے مفہوم ہے، اور تمام ہند کی

عورتیں قریب قریب اسی طرح کرتی بھی ہیں) لکھی بھی یا نہیں لکھی، اگر لکھی ہے تو کس نے اور اگر نہیں لکھی تو یہ استثناء انتصاب القدیم کی ان عبارات سوال کے مخالفت ہے، کیونکہ

ان عبارتوں میں وہ صورت معلوم ہوتی ہے کہ یہ پاؤں کو داہنی طرف نکالا جائے، احقر نے یہ لکھا ہے کہ سجدہ میں تو رک کی صورت نہ بیٹھے، بلکہ خوب سمٹ کر سجدہ پست کرے مگر

پاؤں کو کھڑا رکھے علی صدر القدیم، اور انگلیوں کو مفردش علی بطونہا موجه الی القبلة رکھے، اور جلسہ میں عورت اپنے دونوں پاؤں کے اوپر بیٹھے، آن عبارتوں سے میں نے یہ سمجھ کر

بہشتی زیور کی اس مزید عبارت کو ان عبارتوں کے خلاف سمجھ کر یہ سوال لکھا ہے تو رک تو تعدد میں ہی کیا جاتا ہے، سجدوں اور جلسوں میں نہیں کیا جاتا، اگر جلسہ اور حالت سجدے

میں کسی نے لکھا ہے تو لکھتے، والسلام،

جواب؛ یہ سوال حضرت علامہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کیا گیا ہے، انھوں نے زنان ہند کے اس طریق سجدہ کو احوال فقہاء کے موافق بتلایا ہے، اسی

کے موافق بہشتی زیور میں مسطور ہے، اور فقہاء کی عبارت سے جس طرح یہ مضمون سمجھا گیا اور پر لکھ دیا گیا، دو سکر علماء سے بھی مراجعت کر لی جائے، فلعل اللہ یحدث بعد ذلك امراً،

سوال؛ آنجناب نے جو فقیر کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اس سے تسلی و تشفی پھر بھی نہیں ہوئی، کیونکہ آنجناب

تحریر فرماتے ہیں، اول عبارات فقہاء تو انتصاب اصابع القدیم ہی وارد ہے، مگر نصب اصابع سے ترک نصب قدیم در وجہ سے مراد لیا گیا ہے الخ فقیر کے نزدیک یہ بیان صحیح نہیں

ہے، کیونکہ آنجناب فرماتے ہیں کہ اصابع سے قدم مراد ہے،

جواب؛ یعنی اس عبارت میں جو عورتوں کے متعلق ہے،

سوال؛ اور یہ خلاف ہے فقہاء کے، کیونکہ کبیری مطبوعہ نجر المطالع کے صفحہ ۲۰۸ پر ہے "المراد من وضع القدم وضع اصابعها،

جواب؛ یہ عبارت مردوں کے متعلق ہے، سوال؛ تو جبکہ وضع قدم سے وضع اصابع مراد مان لیں تو وہ تحریر سامی اس کے خلاف

ہوگی، پس اسی کے موافق و مؤید ہے عبارت عالمگیری، پس انگلیاں کھڑی کرنا مردوں کا اور بچھانا عورتوں کا کافی ہے،

جواب؛ مردوں کا انگلیاں کھڑی کرنا آپ نے کہاں سے نکالا اور اس صورت میں مد توجیہ اصابع الی القبلة کیونکر کرے گا،

سوال؛ تفاوت مع دیگر امور متفاوتہ سجدہ کے یعنی کلائییاں زمین پر بچھی ہونا اور رانیں پنڈلیوں سے ملی ہوئی ہونا اور بازوؤں کا کر ڈٹوں سے اور رانوں سے چسپاں رکھنا اور

پیٹ کو زانو پر بچھانا اور دونوں پیروں کے اوپر بیٹھنا جلسہ میں اور سجدہ میں زانوؤں سے متصل کرنا، چنانچہ عالمگیری کی یہ عبارت جلسہ اور سجدہ کی ہیئت کو صاف بتلاتی ہے،

والمرأة لا تجافی فی رکوعها وسجودها وتعد علی رجليها وفي السجدة تفرش بطنها علی فخذیها کذا فی الخلاصة، اور اس کا ترجمہ مولوی امیر علی صاحب یوں کرتے ہیں، ترجمہ، عالمگیری

جلداول صفحہ ۱۰۱ عورت اپنے اعضا کو رکوع اور سجود میں ملا ہوا رکھے، جدا جدا نہ کرے، اور سجدہ میں دونوں پاؤں پر بیٹھے، اور پیٹ کو زانو پر بچھاوے، الخ اس سے بھی صاف بیان ہو گیا کہ

یہ فرق جو بندہ نے عرض کیا ہے کافی ہے، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ سجدہ کے وقت اور جلسہ میں عورت متورک نہ ہوے، بلکہ پاؤں کے اوپر بیٹھے، اور مذکورہ مرقومہ عبارت سے اصابع الرجلین

کا نصب نہ کرنا لغو نہیں ہے، کیونکہ قدیم سے مراد اصابع ہے، کما حقہ فی عبارة الکبیری،

دوم اینکه قدیم کی یہ حالت مرد و عورت میں الخ قدیم کو مرد بھی کھڑے رکھے اور عورت بھی کھڑے ہی رکھے، اور مرد انگلیوں کو کھڑی رکھے،

جواب؛ قبلہ رخ کیونکر ہوں گی، ذی الحدیث المتفق علیہ عن ابی حمیدانہ، صلی اللہ علیہ وسلم کان یفتح اصابع رجليه اذا سجد ای یشیہا ویعطفہا ویکسر بالتوجه الی القبلة، اور انگلیوں کا کھڑا

کرنا اس کے خلاف ہے،

سوال: اور عورت انگلیوں کو مفروش رکھے اور قد میں بقول آنجناب ملتے رکھے، یہ فرق سجدہ کا ہوا اور جب جلسہ میں بیٹھے تو دونوں پیروں پر بیٹھے، جلسہ میں توڑک کر کے نہ بیٹھے اور مرد ایک پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے، اور دوسرے کو کھڑا رکھے، باینظر کہ اس کی انگلیاں مفروش و رد قبلہ ہوں پس یہ تفاوت کافی ہے، اس کو عالمگیری کی عبارت مفروضہ میں غور فرماتے پر خوب سمجھ سکتے ہیں، ہم ناقص میں جو آیا ہے عرض کر دیا ہے، مرد کے واسطے اصابع کو کھڑا رکھنا آئی ہے، اور اس کو یوں بتلایا ہے کبیری فخر المطالع المراد بوضع الاصابع توجیہا نحو القبلة لیكون الاعتماد علیہا، اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ انگلیوں کے سر زمین پر معتمد ہونا اس میں... توجیہ بھی ہو جاتی ہے،

جواب: اگر اصابع کا سر زمین پر معتمد ہوا تو قبلہ رو ہرگز نہ ہوں گی، اور اگر مرد نے انگلیوں کو دبا دیا اور دبا کر قبلہ رو کیا تو یہی صورت آپ عورتوں کے لئے تجویز کر رہے ہیں حالانکہ فقہاء کا یہ قول کہ والمرأة لا تنصب اصابع قدمیہا الخ بتلاتا ہے، کہ یہ حکم عورتوں کے لئے خاص ہے، مرد و عورت دونوں اس میں مشترک نہیں، پس نصب اصابع و ترک نصب اصابع کی ایسی صورت بتلائیے، جس میں مرد و عورت دونوں سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ رو بھی کریں پھر مرد نصب اصابع کریں اور عورتیں ترک نصب اصابع، آپ کی اس تطویل سے یہ اشکال حل نہیں ہوا،

سوال: کیونکہ کسی قدر دبانے سے ذرا سا انگلیوں کے سر رو قبلہ ہو جاتے ہیں، مگر اس میں تکلف ضرور ہے، سو ہم یہ بات مشاہدہ سے الخ یہ تحریر سے بھی سمجھ میں... آتی ہے چنانچہ ان عبارات منقولہ میں غور کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے داہنی طرف پیروں کا کھانا اور ان کو ملانا اس کی کیا ضرورت ہے، جبکہ کسی نے اس کو لکھا ہی نہیں کہ جواب: اور آپ نے مردوں کے لئے جو صورت نصب اصابع کی لکھی ہے جس میں استقبال اصابع نہیں وہ کس نے لکھی ہے؟

سوال: اور وہ صورت جو لکھی ہوئی ہے وہ نہایت آستر ہے، تو پھر اسی کا عامل ہونا لازم ہے، نہ اس صورت کا، یہ صورت توڑک تو قعدہ کی ہے نہ سجدہ کی، جس کے لئے یہ تکلف گوارا کیا جائے، اور یہ آسان بھی نہیں ہے، اور آسان بھی وہی شکل ہے جس کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، البتہ چونکہ اس صورت توڑک کی عورتیں عادی ہو چکی ہیں

ان کو آسان معلوم ہوتی ہوگی، مگر جبکہ اس صورت کو لکھا ہی نہیں تو پھر اس کو چھوڑ کر اصل صورت کو سختی کرنا کرنا چاہئے، اور تعامل موجودہ مرد و عورت قابل اعتبار نہیں، بہت سی باتیں مذہب کے خلاف مرد و عورت میں جن کے سنوارنے میں علماء، رحمہم اللہ کو دشواریاں پیش آتی ہیں، چنانچہ مردوں کو قبروں میں چت لٹاتے ہیں، حالانکہ کروٹ پر لٹانا تاہم کتب میں مسطور و مزبور ہے،

جواب: اس دعوت کی ضرورت نہیں، کلام اسی میں ہے کہ عورتوں کی یہ صورت سجدہ شرع کے موافق ہے یا نہیں؟

سوال: اسی طرح مسئلہ زیر بحث کا حال معلوم ہوتا ہے کہ خلاف قاعدہ مرد و عورت ہو گیا ہے، گو کتب مذہب میں مصرح ہے، چہآرم حدیث من اطراف القدمین الخ اطراف القدمین سے مراد انگلیاں ہیں، نہ کہ قد میں کی کر وٹیں، کیونکہ شامی اور عنائیہ شرح ہدایہ والکبیری وغیرہا میں انگلیاں رکھنا ہی فرض بتلایا ہے، نہ کہ کر وٹیں، تو کر وٹیں مراد لینا اطراف القدمین سے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے، چنانچہ کبیری کی عبارت یہ ہے ثم المراد من وضع القدم وضع اصابعها، قال الزاهدی و وضع رءس القدمین حالۃ السجود فرض و فی مختصر الکرخی سجد و رفع اصابع رجلیہ عن الارض لا تجوز و کذا فی المخلصة فی البرازی وضع لھما بوضع الاصابع وان وضع اصبعاً واحدة او وضع ظھر القدم بلا اصابع ان وضع مع ذلک احدی قدمیہ صح و الا فلا و فہم من ہذا ان المراد بوضع الاصابع توجیہا نحو القبلة لیكون الاعتماد علیہا والا فہو وضع ظھر القدم و قد جعلہ غیر معتبر و ہذا مما یجب التنبیہ لہ فان اکثر الناس عنہ غافلون،

جواب: یہ عبارت مردوں کے لئے متعلق ہے، ان کے واسطے اعتماد علی الاصابع میں کلام نہیں، مگر جب عورتوں اعتماد علی الاصابع سے منع کیا گیا ہے تو ان کو یہ عبارت عام نہیں، اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو صورت مردوں کے لئے نصب اصابع کی آئی ہے اور لکھی ہے وہ غلط ہے، کیونکہ وضع اصابع و نصب اصابع سے مراد توجیہ الی القبلة نہ مطلع وضع اور مطلق نصب

سوال: اس میں میں نے غور کرنے سے یہی سمجھا کہ اطراف سے مراد انگلیاں ہیں، اور باقی مسئلہ کی صورت بھی اس سے شکل آتی ہے، اور فائدہ سراجیہ (جو فتاویٰ قاضی خان کے شاہیہ

پر ہے، کے صفحہ ۵۲ پر ہے، المرأة فی سجودہا تتخفص ولا تنصب كانتصاب الرجل وتلحق بطنها علی فخذیہا وتجلس للتشهد علی الیبتہ الیسری وتخرج رجلیہا من الجانب الآخر، اس میں ظاہر طور سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ انتصاب القدرین عورت کو کرنا ہے مگر مرد کے مثل نہ کرے، بلکہ اس کے خلاف کرے، اور وہ انگلیوں کے بسط سے حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں انتصاب کی نفی نہیں کی بلکہ مماثلت کی نفی ہے، پس ان تمام عبارتوں سے تو وہ عبارت زائدہ بہشتی زیور کی صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کوئی عبارت کسی کتاب کی نقل فرمائی ہو تو قبہا، ورنہ بلانقل کے ان کا اجتہاد ہوگا، جو ان عبارتوں کے شائبہ کہ خلاف بھی مانا جائے گا، اور فقیر کا اعتماد جو اپنے حضرت مرشدنا ممد اللہ تعالیٰ اظلال فضیلتہ الی یوم الدین پر ہے، وہ اور کسی پر نہیں ہے، واللہ علی ما اقول وکیل،

الجواب؛ مولانا عبدالحی صاحب نے فقہاء کے کلام سے سمجھ کر لکھا ہی اور وہ مسلم صاحب فتویٰ اور صاحب وسیع النظر ہیں، ان کا استنباط ہمارے آپ کے استنباط سے مقدم ہے، تفصیل کا شوق ہو تو ان کا فتویٰ ملاحظہ فرمایا جائے،

تمتہ؛ عبارات فقہاء سے قطع نظر کر کے اب میں حدیث کی طرف توجہ کرتا ہوں، حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے اذا سجدت المرأة فاتحفت وتضم فخذیہا رواہ ابن ابی شیبہ بسند حسن، اور عبد اللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث میں ہے اذا سجدت المرأة الصقت بطنها علی فخذیہا وانی روایت میں فخذیہا کا ستر مایکون، رواہ البیہقی، اور یزید بن ابی خبیث کی مرسل روایت میں ہے قال للمرأةین اذا سجدتا فعضا بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذلک لیس کالرجل رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ، والروایات کلماتی اعلا السنن،

اس سے ابورذیل معلوم ہوتے (۱) عورت سجدہ میں احتفاز کرے، والاحتفاز التضمین فی السجود (۲) عورت سجدہ میں پورے ستر کے ساتھ جتنا ممکن ہو پیٹ کو رانوں سے چپکا کر اب ہمارا خیال یہ ہے کہ پورے ستر کے ساتھ الصاق بطن بالفخذین اور پورا التضمین اعضاء اور زمین سے گوشت کو منضم کر دینا اسی صورت سے متحقق ہے جو بہشتی زیور میں ہے، اور جو صورت آپ نے تجویز کی ہے نہ اس میں پورا الصاق ہے نہ پورا ستر ہے، نہ زمین سے گوشت کا التضمین ہے، مجھے امید نہیں کہ اس تفصیل کے بعد بھی آپ میری بامائیں گے، مگر اس کا اتنا اثر ہونا چاہئے کہ آپ عورتوں کے مروجہ سجود پر انکار نہ کریں، اور یہ سمجھ لیں کہ اس کی بھی گنجائش ہے

ہاں اپنی مستورات کو آپ جو صورت چاہیں تعلیم کریں اس کا اختیار ہے، اور لیقہ ۴۸ سجده میں توجہ اصابع رجلین سوال (۳۵) نماز میں حکم ہے کہ بحالت سجده اصابع رجلین متوجہ عورتوں کے لئے بھی مسنون ہے الی القبلة ہونی چاہئیں، کیا عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، اگر نہیں ہے تو نساء کا استفتاء کہاں مذکور ہے؟

الجواب؛ بحالت سجده توجہ اصابع الی القبلة عورتوں کے لئے بھی مسنون ہے، اور وہ اس کو سہولت کے ساتھ ادا کر سکتی ہیں مگر مستحسب کرتی ہیں، ۲۴ لیقہ ۴۸

فصل فی الامامۃ والجماعۃ

جماعت ثانیہ کا حکم سوال (۱) ہمارے اطراف میں اکثر جماعت کے ساتھ نماز پنج وقتی بعض جگہوں میں پڑھی جاتی ہے، اور بلا تنخواہ کے امام بھی امامت کے لئے نامزد رہتے ہیں، گو مؤذن کسی ایک ہو کرتے ہیں، تو آیا جماعت اولیٰ کے بعد ایسی جگہوں میں جماعت ثانیہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، تحریمی یا صرف مکروہ یا کچھ بھی نہیں؟

الجواب؛ قال فی الشامیۃ یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد مغلۃ باذان و اقامۃ الا اذا صلی بہما فیہ اولاً غیر اہلہ او اہلہ لکن بہخافتۃ الاذان لو کرراہلہ بد و نھما او کان مسجد طریق جاز اجماعاً کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجاً فوجاً فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامۃ علیحدۃ کما فی امالی قاضی خان ۴ ص ۱۱۳، ۵، ۶، وفیہ (ص ۸، ۵، ۶) وقد منافی باب الاذان عن اخر شرح المنیۃ عن ابی یوسف انه اذا لم تکن الجماعۃ علی المیضۃ الاولی لا تکرہ ولا تکرہ وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف المیضۃ کذا فی البزازیۃ انتھی و فی التاتارخانیۃ عن الولی الجیۃ وبہ ناخذ ۵،

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بصورت مذکورہ مسجد محلہ میں جس میں امام و مؤذن مقرر ہیں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، مگر بتخییر ہیئت امام ابو یوسف کے قول پر گنجائش ہے، لیکن ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لئے اس پر فتویٰ نہیں دیا، بلکہ مسجد محلہ میں جہاں امام و مؤذن مقرر ہو مطلقاً کراہت کا فتویٰ دیا ہے، واللہ اعلم، ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ

سوال (۲) جس کی بیوی بیکار اور فاسق ہو اس کی امامت کا حکم

ہندہ ایک عورت نامعلوم الاسم والنسب (جو تحقیق کرنے سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ہندہ مفورہ نامسلمان تھی) اول وہ ایک رافضی کے (بسیب خواہش نفسی) ساتھ فرار ہوئی اور کچھ عرصہ تک اس کے پاس رہی، پھر دوسرے رافضی کے پاس اس اول مرد کو زندہ چھوڑ کر ساتھ رہی، نکاح غالباً دونوں میں سے کسی سے ہوا، جو جس کا علم نہیں، بعد مرنے دوسرے شخص کے کچھ دنوں آزاد بدچلن رہی، اب ایک لڑکی ہے جس کو اپنے بطن سے بتلاتی ہے، اور لڑکی کا نکاح ایک رافضی مرد سے کر دیا ہے، بلکہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ خود بھی اس رافضی داماد سے ناجائز تعلق رکھتی ہے، بلکہ اس رافضی داماد کی خوشی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے جس خاندان اہل سنت میں ہندہ نے نکاح کیا ہے اس کی عورت کو بھی اس سے ناجائز تعلق کرانا چاہتی ہے، جو واقعات سے ظاہر ہو چکا ہے، اور اگر اس کے داماد کی نگرانی کی جاتی ہے تو کہتی ہے کہ میں شوہر کے ساتھ نہیں داماد رافضی کے ساتھ... رہوں گی، اور اس کے لڑکے یعنی نواسہ کو پرورش کرتی ہے، اور متبنتی جانتی ہے، اب اہل سنت مرد سے نکاح کر لیا ہے، مگر شوہر اس کے رشتہ داروں سے رافضیوں کو ترجیح دیتی ہے، اب اس نکاح کی وجہ سے ہندہ اپنے کو اہل سنت کہتی ہے، بلکہ اس تحقیق مذہب کے خیال سے اس نے ایک بزرگ اہل سنت سے بیعت کر کے دھوکہ میں ڈال دیا ہے، مگر چونکہ اس کے شوہر کی رشتہ داری رافضیوں میں پہلے سے ہوتی رہی ہے، اور بعض رشتہ دار اسکے شوہر کے مکان اہل رافضی سے خوب واقف ہیں، جب اس سے تحقیق نام و مذہب و نسب چاہتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ اگر میں رافضی ہوں تو پیشاب پلاؤں گی، اور نام و نسب وغیرہ نہیں بتلاتی، بلکہ بعض وقت تحقیق حالات میں شوہر کے رشتہ دار اہل سنت کو کا فر بھی کہتی ہے تو ایسی عورت کو جو نام و نشان وغیرہ اپنے سابقہ حالات کچھ نہ بتلاتی ہو اور حالاً بالاموجود ہوں اس کو اہل سنت سمجھیں یا کیا، اور اس سے مثل رافضیوں کے احتیاط کریں یا نہیں؟

الجواب، جب ہندہ نے رافضی مردوں سے ناجائز تعلق رکھا، اور اپنی بیٹی کو بھی رافضی سے بیاہا، اور خود بھی داماد سے ناجائز تعلق رکھتی ہے اس صورت میں بظاہر

ہندہ پر رافضی ہونے کا مشبہ ہو اور بیکار و فاسق ہونے میں تو مشبہ بھی نہیں، اگر ہندہ کے شوہر کو یہ سب حالات معلوم ہیں اور وہ پھر بھی اس پر تشبیہ نہیں کرتا نہ اس کو علیحدہ کرتا ہے تو وہ بھی فاسق و دیوث ہے، اہل سنت کو ایسے شخص کے گھر میں اپنی مستورات کو نہ بھیجنا چاہئے، اور مستورات اہل سنت کو ہندہ سے پوری طرح احتراز کرنا چاہئے، اور ہندہ کے شوہر کے پیچھے اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ۲۴ ربیع الثانی مسئلہ

سوال (۳) ہندہ ایک عورت نامعلوم الاسم والنسب والمذہب کے پیچھے نماز کا حکم، ہے، اور جس نے اس خاندان میں نکاح کیا ہے، اس کے خاندان اور

مردوں کو بھی اپنے ساتھ اپنی خواہش سے زانی بنایا اور اس کے داماد سے بھی جو رافضی ہے زنا کراتی ہے، اور اس رافضی کی رضامندی کے واسطے اس خاندان کے دوسری عورتوں کو بھی خراب کرانا چاہتی ہے، جو واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ غیروں کے تعلق کو زیادہ پسند کرتی ہے، اور اگر اس کی نگرانی کی جاوے تو نگرانی کرنے والوں کو متہم کرتی ہے، اب ہندہ کے شوہر کا باپ چاہتا ہے کہ ایسی عورت جو خود بدچلن اور مخرب عزت خاندان ہو اس کے شوہر اور اس خاندان سے علیحدہ ہو جاوے، چونکہ ہندہ بہت چالاک اور جاود و تعویذ وغیرہ لغویات کرنے والے لوگوں سے واقف ہے اپنے شوہر کو ایسا مجبور کر دیا ہے کہ باوجود علم کے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا، کیا ایسی عورت کو شرعاً علیحدہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر ایسی عورت کو علیحدہ کرنا جائز ہے تو کیا تدبیر کی جاوے، کوئی دعا یا اسم باری تعالیٰ یا جو کچھ مناسب ہو تعلیم فرمایا جاوے، اور اس کے شوہر کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، نماز جائز نہیں، اور اصلاح کی تدبیر یہ ہے کہ ساری برادری اس کا کھانا پینا اس کے یہاں آنا جائز کر دیں، ۲۴ ربیع الثانی مسئلہ

سوال (۴) ایسے شخص کے پیچھے جسکی قرأت درست نہ ہو، جان کے پیچھے نماز کا حکم، جو جھک کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور بغیر جانے ہوئے نماز پڑھنے تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب، اگر اس شخص کی قرأت ماہجوز بہا الصلوٰۃ ہے تب تو اقتداء کا مضائقہ نہیں، اور اگر ایسی غلط قراءت ہے کہ اس سے نماز صحیح نہیں ہوتی تو اقتداء صحیح نہیں، اور ہر حالت میں عمدہ قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے ہی شخص کو امام مفسر

کرنا چاہئے، کمافی الحدیث لیومکم اقرکم، واللہ اعلم، ارجمادی الاولیٰ مشکوٰۃ
 محلہ کی مسجد میں اگر جماعت | سوال (۵) اگر مسجد میں جماعت فوت ہو گئی ہو تو تنہا مسجد میں
 فوت ہو جائے تو کیا کرے؟ نماز ادا کرنا بہتر ہے یا مکان پڑا اور فضیلت مسجد میں نماز پڑھنے کی
 جو چھپس یا پانچویں ہزار یا پچاس ہزار یا لاکھ کا مسجد محلہ سے لے کر کعبہ تک کے بارہ میں آیا ہے
 تو یہ باعتبار جماعت کے یا تنہا اور یہ سب واجبات سے ہے یا مندوبات سے، بینوا تو حردا،
 الجواب؛ قال فی الخلاصۃ (ص ۲۲۸ ج ۱) رجل فاتمہ الجماعۃ فی مسجدہ ان ذاب
 الی مسجد آخر لصلی فیہ بالجماعۃ فموجس وان صلی فی مسجد حیمہ وحده فحسن وان دخل منزله
 فصلی باہلہ فحسن ام، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اپنی مسجد میں اگر جماعت فوت ہو جاوے
 تو دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے، اور اگر تنہا اسی مسجد محلہ میں پڑھے
 یہ بھی اچھا ہے، اور اگر اپنے گھر پر آکر اہل وعیال کے ساتھ جماعت کر کے پڑھے یہ بھی بہتر ہے
 اور بظاہر سب بہتر صورت اولیٰ ہے، اور اخیر کی دونوں صورتیں فضیلت میں برابر ہیں،
 کیونکہ تنہا مسجد میں پڑھنے سے جماعت کا ثواب نہ ہوگا، مگر مسجد کی فضیلت حاصل ہو جائیگی
 اور گھر پر جماعت کرنے سے مسجد کی فضیلت فوت ہو جاوے گی مگر جماعت کا ثواب مل جائیگا
 مگر میرے خیال میں تیسری صورت دوسری سے افضل ہے، کیونکہ جماعت کی فضیلت مسجد کی
 فضیلت سے زیادہ ہے، البتہ اگر مسجد محلہ میں کوئی بھی نماز نہ پڑھتا ہو اس وقت مسجد میں
 تنہا نماز پڑھنا گھر پر جماعت کرنے سے افضل ہے، اور مسجد میں نماز پڑھنے پر جو ثواب احادیث
 میں وارد ہے وہ ہر حال میں خواہ تنہا پڑھے یا جماعت سے، اور جماعت کا ثواب اس کے علاوہ
 ہے (کذا دل علیہ اطلاق الحدیث) واللہ اعلم، جماعت حنفیہ کے نزدیک واجب عین ہے، اور مسجد
 میں جماعت کرنا سنت مؤکدہ ہے، واللہ اعلم، قال فی الخلاصۃ قال الصدر الشہید انما
 الاساءۃ فیما اذا ترک اهل المسجد کلہم الجماعۃ فمساوا و ترکوا السنۃ وان صلوا
 بالجماعۃ فی البیت اختلف المشائخ فیہ والصحیح ان للجماعۃ فضیلة وللجماعۃ
 فی المسجد فضیلة اخری فهو قد اتی بلحدی الفضیلتین وترک الاخری وھکذا
 الجواب فی المکتوبات ام ص ۶۳ ج ۱، ۲۳ جمادی الاولیٰ مسد

امام کا کتنا درنچا کھڑا ہونا مکروہ ہے؟ | سوال (۶) امام کا
 اور سب جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے خواہ کتنی ہی اونچی ہو، اس کی دلیل بحر الرائق (ج ۲ ص ۲۶) میں ہے

اور محراب میں بھی امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، وقت فرصت جواب مرحمت ہو،
 الجواب؛ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ امام کا مطلقاً کسی قدر اونچا کھڑا ہونا مکروہ نہیں
 مثلاً دو انگل یا چار انگل اونچا ہو یہ جائز ہے، بحر الرائق کی عبارت سے میرے اس قول کی تائید
 ہوتی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں قوله وانفرد الامام علی الدکان وعکسہ اما الاول فالحديث
 الحاكم من فرغاً عنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق ویقفی الناس
 خلفہ وعلوہ بانہ تشبہ باهل الکتاب فانہم یتخذون لامامہم وکانا الملقبہ
 فشمسہ ما اذا کان الدکان قدر قامۃ الرجل او دون ذلك وهو ظاہل لروایۃ
 وصحہ فی البذل ثم لاطلاق النهی وقیدہ الطحاوی بقدر القامۃ ونفی الکراہۃ
 فیما دونہ ام غالباً فشمسہ ما اذا کان الدکان قدر قامۃ الرجل او دون ذلك
 سے آپ کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ذرا سی بلندی بھی مکروہ ہے، حالانکہ صاحب بحر کا یہ مقصود نہیں ہے
 بلکہ ان کا مقصود طحاوی کے قول کو رد کرنا ہے، کہ انھوں نے قدر آدم بلندی کو مکروہ کہا ہے،
 اس سے کم کو مکروہ نہیں کہا، یہ تفسیر صحیح نہیں، کیونکہ اطلاق حدیث قدر آدم اور اس سے کم
 دونوں کی کراہت کو مقتضی ہے، رہا یہ کہ قدر آدم سے کم جس قدر بھی ہو سب مکروہ ہے،
 حتیٰ کہ ایک دو انگل بلندی بھی، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بلکہ آگے چل کر خود
 بحر الرائق میں تصریح ہے کہ تھوڑی سی بلندی مکروہ نہیں ہے، وقال قاضی خان فی شرح
 الجامع الصغیر امه مقدر بذراع اعتباراً بالسرۃ وعلیہ الاعتماد و فی غایۃ البیان
 وهو الصحیح و فی فتح القدیر وهو المختار، اس میں تصریح ہے کہ صحیح اور معتد قول یہ ہے
 کہ ایک ذراع بلندی مکروہ ہے، اس پر اعتماد ہے، اس سے کم مکروہ نہیں، اس کے بعد لکھتے
 ہیں ولکن قال رای صاحب الفتح (۱۲) الا وجه الاطلاق وهو ما یقع بہ الامتیاز
 لان الموجب وهو شبہ الانر ذراع یتحقق فیہ غیر مقتصر علی قدر الذراع ام
 یعنی صاحب فتح نے کہا ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ذراع کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ اطلاق
 پر رکھا جاوے کہ جتنی بلندی سے امتیاز حاصل ہو وہ مکروہ ہے، سواؤ لایہ صاحب فتح کی
 رائے ہے روایت نہیں ہے، دوسرا ان کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ذرا سی بلندی بھی مکروہ
 ہے، کیونکہ وہ اگر ذراع کی قید نہیں لگاتے تو یہ قید ضرور برٹھاتے ہیں کہ جتنی بلندی سے
 امام کو امتیاز ہو جائے، وہ مکروہ ہے، اس سے کم مکروہ نہیں، اور ظاہر ہے کہ ایک دو انگل

دید یوں، اور مجذوم کہتا ہے کہ قرآن و حدیث سے علماء منع فرمادیں تو میں اپنے مکان پر نماز جماعت ترک کر کے پڑھ لیا کروں، لہذا مسلمانوں کی رائے سے یہ استفتاء ارسال خدمت والا ہے، کہ بحوالہ کتب معتبرہ کے ارشاد فرمادیں تاکہ مسلمانان اس کے مطابق عمل کریں، یعنی اس بیچالے جذامی کو ساتھ لے کر نماز پڑھیں یا پریسز کریں؟

الجواب؛ جب مجذوم سے نمازیوں کو ایذا ہوتی ہے تو اس کو نماز اپنے گھر پڑھنا چاہئے، جماعت یا جمعہ وغیرہ میں شریک نہ ہونا چاہئے، اس کو گھر پر نماز پڑھنے میں کبھی جماعت کا ثواب ملے گا، جبکہ وہ جماعت کا شوق دل میں رکھتا ہے، فی القادی الشامیہ وکذلک الحق بعضهم بذلک من بقیہ بخراوبہ جرح لہ راعیة وکذلک القصاب والسماک والمجنون والابصر اولى بالالتحاق وقال سبحانه لا اری الجمعة علیہما الی ان قال وقوله صلی اللہ علیہ وسلم ولیقعد فی بیتہ صریح فی ان اکل هذه الاشیاء مثل الثوم والبصل اذا کان عن ضرورتہ (۱۲) عذر فی التخلف عن الجماعة وایضا هنا علتان اذی المسلمین واذی الملائکة فبالنظر الی الاولی یعذر فی ترک الجماعة وحضور المسجد الخ ۶۵۲/۱

۳۰، رزی الحج ۲۸۴

سوال ۱۱۱ ایک صاحب بعمر ۸ سال سے لڑکے اور لڑکیاں کے پیچھے نماز کا حکم پڑھاتے رہے، اور مسجد میں پیش امام بھی رہے ہیں، اور اب انکی عمر ۸۵ سال ہے، یا زیادہ کی ہوگی، اور پھر یہ امر بتی ہوا کہ ۳۲ سال فحط جو ہوا بسبب تنگی گھاس درخت سے گر کر ضرب شدید ٹانگوں میں ہو گئی، اور ہڈی وغیرہ میں کچھ ضرب نہیں ہوئی، اور پھر وہ ہی اپنا کام بیٹھ کر کرتے رہے، اور نماز باقاعدہ پڑھا رہے ہیں، کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ ان کے مقتدیوں کی نماز میں کچھ فرق تو نہیں پڑتا، بسبب ناطقتی کے بیٹھ کر پڑھاتے ہیں،

الجواب؛ اگر یہ شخص بوجہ عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے اور رکوع و سجدہ بجالاتا ہے، یعنی رکوع و سجدہ کے لئے محض اشارہ نہیں کرتا، بلکہ جس طرح تندرست آدمی بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے ہیں کہ رکوع کے لئے گھٹنوں کے مقابل سر جھکاتے ہیں، اور سجدہ کے لئے زمین پر سر ٹیکتے ہیں اسی طرح وہ بھی کرتا ہے تو مقتدیوں کی نماز

صحیح ہے، مگر اس صورت میں بھی احتیاط یہی ہے کہ امام ایسا آدمی ہو جو کھڑا ہو کر قیام اور رکوع بجالاتا دے، اور اگر یہ شخص سجدہ کے لئے زمین پر سر نہیں ٹیک سکتا بلکہ اشارہ سے سجدہ کرتا ہے تو مقتدیوں کی نماز درست نہ ہوگی، قال فی نور الایضاح و صح اقتدار قائم بقاعدہ قال الطحاوی لے رکع ولسجد وذا عندہما خلافا للمحد قولہ حوط کما فی البرہان وغیرہ صفحہ ۱۴۲، واللہ اعلم، رزی الحج ۲۸۴

احق بالامامت کو مقدم کرنا سنت مؤکدہ ہے | سوال (۱۱۱) باب الامامة میں جو احق بالامامت یا استحباب اور غیر احق کو مقدم کرنے کا حکم، الا علم باحکام الصلوة مذکور ہے، تو باب اول کتب فقہ

کی ترتیب کا ملحوظ رکھنا از قبیلہ مندرجات ہے یا سنت مؤکدہ ہے، بہشتی زیور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت ہے، مسئلہ؛ اجارہ علی الطاعات متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ متاخرین بعض طاعات میں بضرورت اس کے جواز کے قائل ہیں، پس امامت کے لئے کسی کو اجورہ پر مقرر کرنا بے ضرورت جائز ہے یا نہیں یعنی فی زمانہ جو متولیان و منتظمین کی مساجد کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ کسی حافظ وغیرہ کو اجرت پر امام مقرر کرتے ہیں اور قوم میں بعضہم فوق بعض عالم، فاضل، قاری موجود ہوتے ہیں ان سے اس بارے میں کچھ مشورہ نہیں کیا جاتا، اور مقتدیوں میں سے جو نیکانہ نماز میں حاضر رہتے ہیں اور بہت سے ان میں احق بالامامت ہوتے ہیں ان سے نہیں کہا جاتا کہ تم میں جو احق بالامامت ہو وہ کارامتہ اپنے ذمہ لے، بلکہ محض اپنی رائے سے جو مناسب اجورہ پر کوئی معمولی شخص دستیاب ہو گیا کہ نہ وہ ذی علم ہوتا ہے نہ صحت کے ساتھ مثل قاریوں کے قرآن شریف پڑھ سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ محض حافظ ہوتا ہے اور اس کو امام مقرر کر دیتے ہیں، پھر بسا اوقات ان لوگوں کو جو احق بالامامت ہوتے ہیں ان کو اس شخص کی اقتدار میں گونا گوں وجوہ سے ضیق واقع ہوتی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر نماز پڑھانا ہمارے متعلق ہو جاوے تو ہم اس کو بہ طیب خاطر گوارا کر لیں اور ہمیں تنخواہ وغیرہ سے کچھ غرض نہیں، لیکن متولیان و منتظمین مساجد اس طر تو جہ نہیں کرتے، تو دریاقت طلب یہ امر ہے کہ اگر قوم میں عالم فاضل و افضل لوگ موجود ہوں تو ان کی موجودگی میں متولیان مساجد کو بلا مرضی ان کی کے کسی غیر احق کو امام مقرر کرنا جائز ہے اور موافق سنت جو یہ نہیں اور متولیان مساجد کو اور قوم کو ایسا حق حاصل ہے یا نہیں، کہ وہ بموجبی احق بالامامت کے

غیر کو بلا مرضی و استمراحت احق بالامام مقرر کر سکیں، اور اگر قوم یا متولیان مساجد کسی غیر حق کو مقدم کریں تو احق اور افضل کو حق منع حاصل ہے یا نہیں، باب الجنازہ اور مختار میں مذکور ہے۔
 ثم الولی بترتیب عصوبۃ الاستکاح الا الالب فیقدم علی الابن اتفاقاً، قال الشامی قوله فیقدم علی الابن اتفاقاً لہ ہوا لاصح لاقالاً فضیلۃ علیہ و زیادۃ سن و الفضیلۃ و الزیادۃ تعتبر ترجیحاً فی استحقاق الامامۃ کما فی مسأله الصلوٰۃ، بحر عن المبدل کلم، بعد ازاں در مختار میں یہ مذکور ہے ولہ ای للولی و مثله کل من یقدم من باب اولی الاذن لغيره فیہا لانہ حقہ فیملک البطالہ الا انہ ان کان هناك من یساویہ فلہ ای لذلک المساوی ولو اضر سنا المنع لم یشارکتہ فی الحق، شامی لکھے ہیں فلو کان شقیقین فالسن اولی لکنہ لو قدم احد افلا اضر منعه و لو قدم کل منہما واحداً فمن قدمہ الاسن اولی، بحر، پس جب کہ ان عبارات سے یہ معلوم ہو گیا کہ باب اولی کا حکم باب الامامہ اور باب الجنازہ میں برابر ہے، از روئے استحقاق کے تو اس سے ظاہر تریہی معلوم ہوتا ہے کہ متولیان مساجد اور قوم اگر کسی غیر اولی کو بوجود اولی امام بنا دیں تو اولی شخص کو حق منع حاصل ہے، اور کتب فقہ میں جو اجورہ علی الطاعات متاخرین کے نزدیک مجوز ہے وہ بشرط ضرورت ہے، چنانچہ یہ امر مصرح ہے کہ اہدایہ ثواب کے لئے قرآن اجورہ پر ناجائز قرار دیا گیا ہے، بوجہ اس کے کہ اس کو ایک امر غیر ضروری مانا ہے، نیز کتاب الفرائض باب الرد میں یہ امر مصرح ہے کہ رد علی الزوجین بوجود دیگر ثناء ناجائز ہے، البتہ اگر ماسوا زوجین کے کوئی اور وارث نہ ہو تو ان پر رد صحیح ہے، پس یہ صورتیں مقتضی اس امر کی ہیں کہ بے ضرورت اجورہ پر امام مقرر کرنا بھی ناجائز ہے، بالخصوص ایسی صورت میں کہ بوجود اولی و افضل غیر اولی کو ہمیشہ کے لئے امام مقرر کیا جاوے، مینو اوجروا؛

الجواب؛ قال فی الدر واللاحق بالامامۃ تقدیماً بل نصباً مجبم الا اضر الاعلم با حکام الصلوٰۃ ام قال الشامی قوله تقدیماً ای علی من حضر معہ بل نصباً ای للامام السائب و فی الدر ایضا و لو قدر مواعیر الاولی ساء و ابلا اثم و فی رد المعتار قال فی التتارخانیۃ ولو ان رجلیین فی الفقہ و الصلاح سواء الا ان احدهما اقرأ فقدم القوم الاخر فقد اساء و اذ ترکوا السنۃ و لکن

لا یأثمون لانہم قد مورجلا صالحا و کذا الحکم فی الامارۃ و الحکومتہ اما الخلافۃ و ہی الامامۃ الکبریٰ فلا یجوز ان یترکوا الا فضل و علیہ اجماع الامۃ اہ فاقہم و فی الدر ایضا و اعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجن الراتب ۱ ولی بالامامہ من غیر مطلقاً قال شامی لکن غیرہ من العاضرین ہوا علم و اقرأ منہ الخ رص ۵۸۳ ج ۱۳، و فی الدر ایضا و کذا تکوہ خلفا مرد الی ان قال و من ام باجورہ، قال الشامی بان استوجر لیصلی اماما سنۃ او شهراً بکن اولیس منہ ما شرطہ الواقف علیہ فانہ صدقۃ و معونۃ لہ رحمۃ ای یشبہ الصدقۃ و یشبہ الاجرۃ کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ فی الوقف علی ان المفقوبہ مذہب المتاخرین من جواز الاستجار علی تعلیم القرآن و الامامۃ و الاذان للضریۃ ام (ص ۵۸۴ ج ۱) و فی الدر ایضا طالب التولیۃ لا یولی الا المرطط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفيذ و فیہ ایضا ثم اذا مات المرطط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولاية التصب للقاضی اذا لا و لایۃ مستحق الایتولیۃ ام (ج ۳ ص ۶۳۵ و ۶۳۶) و فی رد المحتار و فی البیری عن حاوی الحصری عن وقف الانصاری فان لم یکن من یتولی من جیران الواقف و قرابۃ الابرزق و یفعل واحد من غیرہم بلا رزق فذلک الی القاضی ینظر فیما ہوا الا صلح لاهل الوقف ام فیہ ایضا من الامشباہ اذا ولی السلطان مدرسالیس باہل لم تصح تولیۃ لان فعلہ مقید بالمصلحۃ خصوصاً ان کان المقرر عن مدرس اهل فان الاهل لم ینعزل و صرح البزازی فی الصلح بان السلطان اذا اعطی غیر المستحق فقد ظلم مرتین بمنہ المستحق و اعطاه غیر المستحق ام (ص ۵۹۳ ج ۳)

ان عبارتوں سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) سنت یہ ہے کہ احق بالامامہ کو امام مقرر کیا جاوے، (۲) اگر متولیان مسجد غیر احق کو مقرر کریں تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ امامت کا اہل بھی نہیں، مثلاً مسائل صلوٰۃ سے جاہل ہے، یا قرآن قدر صلوٰۃ جواز پڑھنے سے عاجز ہے یا فاسق ہے، تب تو متولیوں کے امام بنانے سے وہ امام ہی نہ ہوگا، اور اگر متولی اس کو تنخواہ مسجد کی آمدنی سے دیں گے تو ظالم و گنہگار ہوں گے، اور اگر

اہل ہے گواہی نہ ہو تو اس کا امام معتبر رکنا خلاف سنت ہے مگر متوتیان کو گناہ نہ ہوگا (۳)۔
 جب کوئی شخص امام راتب مقرر ہو جائے بشرطیکہ وہ نااہل نہ ہو تو پھر وہی احق بالامامت ہے
 گو اس کے پیچھے اس سے افضل و اکل موجود ہوں، (۴) مستحق امامت کو قبل از تقریر بوجہ اپنے
 علم و فضل وغیرہ کے کسی امام کو امامت سے روکنے کا حق نہیں (۵) جو شخص خود امام بننا چاہتا
 ہو وہ امامت کا مستحق نہیں، گو کیسا ہی افضل ہو، ہاں اگر اس کے سوا اور کوئی اہل نہ ہو تو
 وہی مستحق ہے، یا وہ بلا تخریج امامت پر راضی ہو اور دوسرے تخریج کے بغیر راضی نہیں تو متوتیان
 کو وقت کی مصلحت پر نظر کرنا چاہئے، اور جو مناسب ہو اس کو امام مقرر کرنا چاہئے، اگر
 بلا تخریج امامت کرنے والا ویسے ہی پابندی کرے جتنی تخریج والا کرتا ہے، اور وہ احق بالامامت
 بھی ہو اور اکثر نمازی اس کو پسند بھی کرتے ہوں، تو تخریج دار کا ایسی حالت میں رکھنا وقت
 کی مصلحت کے خلاف ہے (۶) اگر واقف نے وقت مسجد میں امام کی تخریج مشروط کر دی ہو
 تو وہ اجرت نہیں بلکہ وہ اعانت و امداد ہے، جو اتفاقاً جائز ہے، اور مشروط نہ کی ہو تو وہ
 اجرت ہے جو متاخرین کے نزدیک جائز ہے، واللہ اعلم، ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

امامت کے لئے امام باندھنا سوال (۱۲).....

..... آیا امام باندھنا فعل رسول اللہ ہے، اور ہمیشہ یا گاہ بگاہ، کیا آپ ہمیشہ
 نماز عمامہ سے پڑھتے تھے، یا کبھی بلا عمامہ بھی نماز پڑھا یا ہے، اگر کوئی پیش امام کبھی بلا عمامہ
 نماز پڑھائے تو وہ تارک سنت کہا جائے گا، یا اس کا ثواب کم ہو جائے گا یا کیا بحوالہ کتب
 احادیث صحیحہ ارشاد فرماتے گا، اور شرح سفر السعادت بمقابلہ کتب احادیث صحیحہ کیا اثر
 رکھتی ہے، بینوا تو جروا،

الجواب: عمامہ باندھنا نماز اور غیر حالت نماز دونوں میں سنت ہے، امام
 کے لئے بھی اور مقتدی کے لئے بھی، لیکن بدون عمامہ کے بھی نماز پڑھنا جائز ہے،
 اس سے نماز میں کچھ کراہت نہیں ہوتی، بلکہ جہاں عمامہ کو نماز کے لئے لوگ ضروری سمجھتے
 ہوں وہاں امام کو اصلاح عقیدہ عوام کے لئے گاہے گاہے عمامہ کا ترک کر دینا افضل
 ہوگا قال العلامة المحدث عبد الرؤوف المنادی فی شرح الشماائل للترمذی
 مانصہ والعمامة سنة لاسيما للصلوة ويقصد التجميل لاخبار كثيرة فيها
 واشتد ادضعف كثير فيها يجبره كثرة طرقتها وزعم وضع اكثرها

تساہل وتحصل السنة بكونها على الرأس او القلنسوة تحتها الى ان قال ولا يلبس
 بلبس لقلنسوة اللاصقة بالرأس والمرتفعة المضربة وغيرها تحت العمامة
 وبلا عمامة لان ذلك كله جاء عن المصطفى صلى الله عليه وسلم وبن ذلك
 ايد بعضهم ما اعتين في بعض الاقطار من ترك العمامة من اصلها وتمييز
 علماءهم بطيلسان على قلنسوة بيضاء ولكن الافضل العمامة ام وقال
 العلامة القاري في شرح الشماائل أيضا ولا يلبس الاصل والمصنف فرق ما بيننا
 وبين المشركين العمامة على القلانس قال المصنف غريب وليس اسناد
 بالقائم ص ۱۵۵ و ۱۶۶ ج ۱، وفي زاد المعاد لابن القيم وكانت له صلى الله
 عليه وسلم عمامة تسمى السحاب كساها عليا وكان يلبسها ويلبس تحتها
 القلنسوة وكان يلبس لقلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة
 وكان اذا اتم ارضى عمامته بين كتفيه ص ۳۳ ج ۱، قلت وهذا عام
 للصلوة وغيرها، والله اعلم، ۱۹ جمادى الاولى سنة ۱۳۳۴ھ

ام اعظم کو برا بھلا کہنے والے سوال (۱۳) بعد تھوڑے عرصہ کے جناب حافظ صاحب
 کے پیچھے نماز کا حکم، مسجد میں نماز مغرب کے قبل تشریف لاکر مصلیوں سے
 کہنے لگے کہ دیکھئے دیکھئے صاحبو اس کتاب نام لا معلوم میں لکھا ہے، کیا لکھا ہے مسئلہ مذکور
 امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک زنا کی خرچی حلال عینی کی شرح میں موجود ہے، بس مصلیوں
 میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ جناب حافظ صاحب آپ شاید امام صاحب کے حالات سے
 واقف نہیں امام صاحب وہی ہیں کہ ایک وضو سے چالیس برس تک نماز فجر کی پڑھی، تو
 حافظ صاحب نے جواب دیا کہ امام صاحب نے بدعت کیا، تو اسی مصلی نے کہا کہ اد نماز پڑھو
 اعتقاد حافظ صاحب کا معلوم ہو گیا اور ان کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہوگی، کیونکہ اس روز بالابتداء
 کو پڑھی بنایا، اور آج امام صاحب کو زنا کی تہمت لگایا اور بدعتی بنایا، افسوس جناب
 حافظ صاحب آپ اگر جماعت مسلمان علم والوں میں ہوتے تو اس گفتگو پر جماعت سے
 گوشائی دے کر نکال دیئے جاتے اور امام بننے کے لائق نہ رہتے، اور دیکھو بھائیوں ان کے
 پیچھے نماز پڑھوں گا، اور اگر جماعت ہوتی رہے گی تو دار کوعوام الراکعین کے خیال سے جماعت
 میں شریک ہو کر نماز اپنی دہراؤں گا، چونکہ حافظ صاحب اس محلہ کے امام ہیں، خلاصہ

یہ ہے کہ اظہار حق ہو اس شخص کا کلام ارقام سے باہر ہے، ایسے کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں، اور ایسے اعتقاد والے کو کیا کہنا چاہئے، صاف صاف مدلل تحریر ہو؟

الجواب؛ جس نے امام اعظم کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کئے وہ خود مردود ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں، مسلمانوں کو کوئی اور امام صالح حنفی متقی تلاش کرنا چاہئے، واللہ اعلم ۲۴ رجب ۱۳۲۵ھ

سوال (۱۳) امام نے دوسری رکعت میں ایک سجدہ کر کے بیٹھ جائے الخ | سوال (۱۴) امام نے دوسری رکعت میں ایک سجدہ کر کے بیٹھ گیا تو اب لقمہ کس طرح دیوے، کہ امام کو معلوم ہو جاوے کہ میں دوسرا سجدہ بھول گیا،

الجواب؛ جب امام ایک سجدہ کر کے بیٹھ جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہہ دیں اس سے امام کو یاد آ جاوے گا کہ مجھ سے کچھ رہ گیا ہے،

سوال (۱۵) مسجد کا پیش امام مسجد میں صفیں غیر رخ بچھاتا ہر صفوں کا قبلہ کی جانب سے ٹیڑھا بچھانا، اگر کوئی مقتدی صف کو درست کرتا ہے تو خفا ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ صفیں درست ہیں، مگر صفیں بالکل ٹیڑھی ہوتی ہیں جس کا خاکہ یہ ہے قبلہ صحیح اس حالت میں نماز میں کراہیت تو نہیں ہوگی،

الجواب؛ صورت مذکورہ میں نماز تو سب کی ہو جاتی ہے، مگر امام کا بلا وجہ صفیں ٹیڑھی بچھانا اور اس پر اصرار کرنا موجب نقصان صلوة ہے، اور باعث تشویش قوم لہذا اس کو اس لغو حرکت سے احتراز کرنا چاہئے، قال فی الخلاصۃ فی القبلة المختار انہ یمنظر الی غروب الشمس فی اقصر یوم فی الشتاء والی الغروب فی اطول یوم فی الصيف فیجعل ثلثی ذلک عن یمنہ والثلث عن یسارہ ویصلی فیما بین ذلک، ص ۷۰ ج ۱، ۲۲ رمضان ۱۳۲۱ھ

سوال (۱۶) لنگڑ آدمی جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، عرج کے لئے صف اول میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اس کو جماعت میں صف اول میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز ہے، واللہ اعلم ۲۲ شعبان ۱۳۲۵ھ

سوال (۱۷) دو منزلہ مسجد میں اوپر نیچے ہونا (جیسا کہ دیکھا جاتا ہے) ضروری ہے یا بغیر اس کے بھی بیک ایک جماعت کرنے کا حکم،

جماعت دونوں منزلوں میں نماز جائز ہے؟

الجواب؛ جب مسجد کی منزل اسفل نمازیوں سے بھر جاوے تو اوپر کی منزل میں کھڑے ہو کر مقتدی جماعت میں شریک کر سکتے ہیں بشرطیکہ امام سے آگے نہ بڑھیں، اور امام کے افعال کی اطلاع ہوتی رہے، امام کے سامنے اوپر کا حصہ کھلا ہونا شرط نہیں، البتہ اس سے اطلاع احوال امام میں سہولت ہوتی ہے، واللہ اعلم، ۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ

سوال (۱۸) طاق اور محراب میں امام کا کھڑا ہونا | سوال (۱۹) مسجد کی کمانوں میں اور مسجد کے دونوں ستونوں کے درمیان میں امام کو کھڑا ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ، اگر امام کمان سے ذرا ہٹ کر پیچھے کھڑا ہو تو پیچھے کی صف والے کو سجدہ کی جگہ نہیں رہتی، لہذا امام عین کمان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، فقط بیوا توجسروا،

الجواب؛ کمانوں اور ستونوں میں ہتماہ امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، لیکن اگر جگہ تنگ ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی، قال فی مرقی الفلاح ویکرہ قیام الامام بجملۃ فی المحراب لاقیامہ خارجہ وسجودہ فیہ والکراہۃ لاشتباه الحال علی القوم واذ اضاق المکان فلا کراہۃ ۲۵ شعبان ۱۳۲۵ھ

سوال (۱۹) بیٹھ کر امامت کرانے والے | سوال (۲۰) عرج کے پیچھے نماز کا حکم | قصبتہ مراد نگر میں ایک مسجد کے پیش امام پیشتر بھی اپنی ٹانگوں سے مجبوری کی حالت میں تھا، لیکن وقتی اور جمعہ کی نماز کھڑے ہو کر بدقت تمام ادا کرتا تھا، اب معذوری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہا، اور بیٹھ کر وقتی اور جمعہ کی نمازوں کی امامت ادا کرتا ہے، ایسی حالت میں نماز جمعہ خصوصاً اور وقتی نماز عموماً اس کے پیچھے جائز ہیں یا نہیں، جواب سے مشرح طور پر آگاہی بخشی جاوے،

الجواب؛ قال فی الدررکذ انکروا خلف امرء وسفیہ ومفلوج وابصر شاع برصہ اھ قال الشامی وکن لک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاعتناء بغیرہ اولی والظاہر ان العلة النفسیة ولذا قید الابصر بالشیوع لیکون ظاہر اولعدم امکان اکمال الطہارۃ ایضاً فی المفلوج وغیرہ اھ رص ۱۳۵۸

ملخصاً صورت مسئلہ میں اگر امام مذکور کے برابر یا اس سے زیادہ علم و قرارت والا کوئی دوسرا امام مل سکے تو اس کی اقتدار افضل ہے، اور اس صورت میں امام اعرج کی اقتدار

مکروہ ہوگی، اور اگر کوئی اس جیسا نہ مل سکے تو اسی امام کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہوگی
واللہ اعلم، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

امام کے بدعتی ہونے پر مسجد کی جماعت ترک کرنے اور گھر میں جماعت کرنے کا حکم، دفعۃً چھوڑ دیا، اور اپنی اموات وغیرہ میں کتب فقہ کی ہدایا کے مطابق عامل بن گئے، اور کسی کے بڑا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کو پسند کیا، تو مبتدع امام کا مسئلہ معلوم کرنے پر ان کو خیال ہوا کہ ہم اہل سنت بدعتیوں کے پیچھے کیوں پڑھیں، ہم اپنی جماعت الگ قائم کر سکتے ہیں، اور چونکہ ہماری جماعت کے آدمی بیس پچیس کی تعداد سے متجاوز ہیں، مگر باوجود اس ہر مسجد کے اماموں کو بسبب مستدین کے غلبہ کے معزول و برطرف نہیں کر سکتے، اب یا تو تارک جماعت ہو کر فرادی فرادی نمازیں مسجدوں میں پڑھا کریں، یا کسی مکان مثل گھیر لہ وغیرہ کے محلہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جمع کر کے جماعت اپنی نمازیں پڑھا کریں، پس ان لوگوں نے اس صورت ثانی کو اختیار کر کے محلہ کی مسجد کے قریب ایک وسیع گھیر میں اپنی جماعت قائم کر لی ہے، تو کیا یہ جماعت قائم کر لینا ان کا جائز بلا کراہت کے ہو گا یا مکروہ ہے، کیونکہ مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ فرادی فرادی پڑھیں، اس میں تو ہمیشہ کے لئے تارک جماعت بنتے ہیں، اور مبتدع کے پیچھے مکروہ ہے، اور وہاں یعنی اس گھیر میں اپنی جماعت مستقل ہوتی ہے، چونکہ مسجد میں فتنہ و فساد کے عذر سے جماعت نہیں قائم کر سکتے، اور اس مکان میں کوئی مانع نہیں ہے، تو یہ مذکور لوگ تمام یا اکثر اپنی جماعت جو کرتے ہیں اس میں ان کا یہ عذر شرعی عذر ہی یا نہیں، اگر ہے تو کیا ان کی نماز بسبب اس عذر کے مسجد کے جماعت کے برابر فضیلت رکھے گی یا نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کے باب الجہاد میں یہ حدیث ہے کہ اذا مرض العبد او سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيماً صحيحاً، اس سے تو فضیلت مسجد کے برابر ہی سمجھی جاتی ہے، اور ہدایہ کی اس حدیث (صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم) کے تحت میں صاحب کفایہ لکھتے ہیں وصلوٰۃ المعذور لیست علی النصف بل ہو مثل صلوٰۃ القائم، اور اس سے عذر کو پورا دخل معلوم ہوتا ہے، اور اسی بنا پر وہ لوگ اپنی جماعت اس گھیر میں قائم کرتے ہیں، پس جو امر مفتی بہ ہو اس سے مطلع فرمائیں،

الجواب؛ قال فی البحر و ذکر فی غایۃ البیان معنی الی الاجناس ان تارک الجماعة یتوجب اساءة ولا تقبل شہادۃ اذا ترکها استخفاً بذلک و عجانۃ اما اذا ترکها سهواً او ترکها بتاویل بان یکون الامام من اهل الاهواء و مخالف المذہب المقتدی لایراعی مذہبہ فلا یتوجب الاساءة و تقبل شہادۃ ام (ص ۳۲۵ ج ۱) و فیہ ایضاً و ذکر المشرح وغیرہ ان الفاسق اذا تعدر منعه یصلی الجمعة خلفه و فی غیرہا ینتقل الی مسجد اخر و علل له فی المعراج بان فی غیر الجمعة یجد اماماً غیرہ فقال فی فتح القدیر و علی هذا فیکسر الاقتداء به فی الجمعة اذا تعدر اقامتها فی المصر علی قول محمد و هو المفقو بہ لانه بسببیل من التحول حیث عن ام (ص ۳۲۹ ج ۱) و فی تعلیق البحر لابن عابدین عن القنیۃ اختلف العلماء فی اقامتها فی البیت و الاصح انہا کما قامت فی المسجد الا فی الفضیلۃ و هو ظاہر من ذہب الشافعی ام (ص ۳۲۵ ج ۱) عبارت اولی سے بدعت امام مسقط جماعت معلوم ہوتا ہے، اور عبارت ثانیہ سے وجوب تحول بجانب امام دیگر مقہوم ہوتا ہے اور عبارت ثالثہ سے جماعت خانہ کا حکم مثل جماعت مسجد معلوم ہوتا ہے، صرف فضیلت کا فرق ہے، پس اگر عذر بدعت امام کی وجہ سے گھر میں جماعت اہل سنت کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو عبارات مذکورہ سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، رہا یہ کہ اس صورت میں جماعت بیت سے مسجد کی فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا، البتہ مراقی الفلاح میں کہا ہے و اذا انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها المبیحة للتخلف و كانت نیته حضورها لولا العذر والحاصل یحصل له ثوابها لقوله صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرئ ما نوى ام (ص ۱۷۴) اور اوپر بدعت امام کا عذر ہونا معلوم ہو چکا ہے، ان مقدمات سے مستنبط ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں مسجد کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی، واللہ اعلم، لیکن اس پر خدشہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے حجاج وغیرہ کے پیچھے جماعت ترک نہیں کی، حالانکہ وہ بھی اپنے گھر میں الگ جماعت کر سکتے تھے، اگر یہ افضل ہوتا تو صحابہ ضرور ایسا کرتے، ہاں یہ ممکن ہے کہ انہوں نے خوف کی وجہ سے تخلف جماعت نہ کیا ہو، فدیبر، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

تجوید سے قرآن مجید پڑھنے والے کی
غیر مجتہد کے پیچھے نماز کا حکم،
کوئی بڑا عالم نماز میں جا کی جگہ ہا یا عین کی جگہ الف اور
ضاد کو ال پڑھے تو جو کوئی عالم نہیں لیکن قرآن صحیح پڑھتا ہے اس کی اقتدار اس عالم
کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر اول پھر نماز کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟
الجواب؛ اگر یہ عالم اپنی قدرت کے موافق تصحیح حروف میں سعی کر چکا پھر بھی
صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہوایا اس کی زبان میں علت ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح پڑھنے سے
معذور ہے، ان دو صورتوں میں صحیح پڑھنے والے کی نماز اس کے پیچھے درست ہو جائے گی،
اور اگر اس نے سعی نہیں کی، نہ اس کی زبان میں علت ہے، تو اس کے پیچھے صحیح قرآن پڑھنے
والے کی نماز درست نہیں، اس صورت میں اس نماز کا اعادہ واجب ہے، جو اس کے پیچھے
پڑھی گئی ہو، واللہ اعلم، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

صحیح خواں کی غلط خواں کے | سوال (۲۲) اگر محلہ کی مسجد کا امام قرأت میں ایسی غلطیاں کرتا ہو
امام کے پیچھے نماز کا حکم، کہ بچکے معروف صیغوں کے مجہول اور بجائے مجہول کے معروف اور
بجائے صادر کے سین پڑھتا ہو تو اس صورت میں وہ شخص جو قرآن صحیح پڑھتے ہوں محلہ
کی مسجد کے خیال سے اسی مسجد میں اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا دوسری جگہ؟
الجواب، غلط خواں امام کے پیچھے صحیح قرآن پڑھنے والے کی نماز بعض صورتوں میں
فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ اگر فساد نہ ہو تو غلط خواں امام کو امامت سے الگ
کر کے صحیح خواں امام مقرر کیا جائے، اگر اس میں فتنہ کا احتمال ہو تو صحیح قرآن پڑھنے والے غلط خواں
کی اقتدار نہ کریں، بلکہ مسجد محلہ کو چھوڑ کر کسی صحیح خواں امام کی اقتدار کریں، واللہ اعلم، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ
اعرج کی امامت بخود کا بنا | سوال (۲۳)
اور اس کی تفصیل،

..... زید کے عذر کی وجہ سے چلنے وقت بایاں قدم
ذرا دبا کر چلتا ہے، اور نماز میں سجدہ اور قعدۃ اولیٰ سے اٹھتے وقت دایاں قدم تقریباً ایک باشت
آگے بڑھ جاتا ہے، ایسے حالت میں شخص مذکور فقہائے حنفیہ کے نزدیک اعرج کے حکم میں داخل ہے
یا نہیں، اور درختار کی عبارت (ولوام تو ما وہم لہ کارہون ان الکراہتہ لفساد فیہ اولانہم احق
بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریماً لحدیث ابی داؤد) کی رو سے کیا شخص مذکور کی امامت مکروہ تحریمی
ہوگی؟ جبکہ شخص مذکور بحالت قیام دونوں قدم پر کھڑا ہوتا ہو، اور بایں ہمہ خود بھی امامت

سے گریز کرنا ہو، معتبر اور صاحب فہم اصحاب ان کے اعلم اور اقرہ ہونے کی وجہ سے جبراً امام بناتے
ہیں، اور یہاں فساد خلقی اور خلقی دونوں مراد ہیں یا صرف فساد خلقی مثل فسق و فجور وغیرہ کے
مراد ہے، اور اگر فساد عام مراد ہے تو صورت حاضرہ اس میں داخل ہے یا نہیں، اور اگر داخل بھی
ہو تو صورت واقعہ اس طرح ہونے پر کہ اول کسی ذاتی کاوش کی وجہ سے ایک شخص شخص مذکور
سے ناراض ہو کر اس کی امامت سے منہ موڑتا ہے، پانچ چھ روز کے بعد ایک شخص کو اپنا
ہم خیال بنا کر مسجد اور جماعت سے علیحدہ کرتا ہے، پھر بعد ایک ماہ کے ایک تیسرے شخص کو
مع اس کے اتباع کے مسجد اور جماعت میں سے علیحدہ کر کے طرح طرح کے فساد برپا کرتا ہے،
اور اعرجیت کی صورت کو آڑ بنا کر اس سے اپنے فساد میں امداد لیتا ہے، ایسی حالت میں کیا
ان علیحدہ شدہ بعض قوم کی نفرت شرعاً مقبول ہوگی یا نہیں، بحوالہ کتاب بیان فرما کر ثواب
دارین حاصل کریں،

الجواب؛ قال فی الدرر کذا تکبرہ خلف امرہ و سفیہ و مفلوج و ابرص
شاع برصہ اء، قال الشامی و کذا اعرج یقوم ببعض قدمہ فالافتد اء
بغیرہ اولیٰ الی ان قال والظاهر، ان العلة المنقرہ اء و فی الدرر الیضا هذا ان و جن
غیر ہم ای من ہوا حق بالامامۃ منہم ۱۲ شامی، والافلا کراہتہ بحر بشار قال
الشامی وقد علمت انه موافق للمنقول عن الاختیار وغیرہ ۱۱۲ اء (ص ۸۰) اء
چونکہ اعرج میں یقوم ببعض قدمہ کی قید لگانی گئی ہے، اور قیود فقہیہ احترازی ہوتی ہیں
اس لئے معلوم ہوا کہ جو شخص دونوں پیروں پر بخوبی کھڑا ہوتا ہے وہ اس اعرج میں داخل
نہیں جس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، کیونکہ اعرج قلیل موجب نفرت نہیں ہوتا، پھر جس اعرج
کے پیچھے نماز مکروہ بھی ہے تو کراہت اس وقت ہے جبکہ مقتدیوں میں اس سے افضل موجود
ہو اور اگر اس سے علم و قرأت میں افضل کوئی نہ ہو تو اعرج کامل کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت
نہیں رہتی اور اس حالت میں لوگوں کی نفرت کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا، قال فی البحر
قید کراہتہ امامتہ الاعمی فی المحيط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان
کان افضل فہو اولیٰ الی ان قال وعل وجہ ان تنفر الجماعۃ بتقدیمہ یزول
اذا کان افضل من غیرہ بل التفسیر یكون فی تقدیم غیرہ اء (ص ۵۸۵ ج ۱)
پس بصورت مذکورہ اس اعرج کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے، اور نفرت قوم کا اعتبار

نہیں خصوصاً جبکہ اس نفرت کا منشاء ذاتی عداوت ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے،

ہذا واللہ اعلم بالصواب، ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

اس شخص کی امامت کا حکم سوال (۲۲) بکر ایک امام مسجد ہے، اور ایک چھوٹے موضع کا رہنے والا ہے، اور اکثر بکر کی زوجہ اپنے عزیز واقارب کے بغرض ملاقات ایک چادر اوڑھ کر چلی جاتی ہے، اور عام طور سے کسی جگہ نہیں آتی جاتی، جیسا کہ عام زمینداران کی مستورات کھیت وغیرہ میں کھلے منہ روٹی وغیرہ لے کر جاتی ہیں اور دن میں بہت کم ادھر ادھر آتی جاتی ہے، بلکہ اکثر رات کو چلی جاتی ہے بکر کی امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں بکر کی امامت درست ہے، لیکن یہ لازم ہے کہ بکر اپنی زوجہ کو تاکید کرے کہ جب اعزہ واقارب کے ملنے جایا کرے تو چادر سے سارا بدن خوب چھپا کر جایا کرے، ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم سوال (۲۵).....

پردہ نشین لکھی پڑھی عورت نماز عیدین اور نماز جمعہ اپنے گھر میں صرف عورتوں ہی عورتوں کی امام بن کر پڑھا سکتی ہے؟ اگر نماز جمعہ نہیں پڑھا سکتی تو کیا عیدین کی نماز پڑھانے کی اجازت ہے، اور کچھ کراہت تو نہیں؟ اگر باجماعت نہیں تو عیدین میں عورتیں ایک گھر میں جمع ہو کر علیحدہ علیحدہ اپنی دو رکعت پڑھ سکتی ہیں، اور کیا روایت ذیل سے جماعتِ نساء کی اباحت پر استدلال صحیح ہے؟ خاص کر عیدین کی جماعتِ نساء پر مفصل جواب تمام شبہات کو دفع فرماتے ہوئے دستخط خاص سے مزین فرماویں،

روایات یہ ہیں؛ سنن ابوداؤد میں حدیث طویل میں مروی ہے وکانت امی ام و قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتخذ فی دارھا مؤذنا فاذن لھا وامرھا ان توعم اهل دارھا،

کتاب الآثار محمد بن الحسن میں ہے اخبرنا ابو حنیفہ نا حمد عن ابراهیم عن عائشہ انھا کانت توعم النساء فی شہر رمضان فتقوم وسطھن،

تخریج رافعی میں ہے اخرج ابن ابی شیبہ ثم الحاکم من طریق ابن ابی لیلی عن عطاء عن عائشہ انھا کانت توعم النساء فتقوم معھن فی الصف،

واخرج الشافعی وابن ابی شیبہ وعبد الرزاق عن ام سلمہ انھا کانت امت النساء فقامت وسطھن، اور مستدرک میں یہ بیان عائشہ کانت توعم دن وتقیم وتوعم النساء فتقوم وسطھن، بعض میں مطلق امامت کا ذکر ہے، اور بعضوں میں قصر رمضان نیز کار میں جماعت ان روایات کا کیا جواب دیتے ہیں،

الجواب: اخرج الہیثمی فی مجمع الزوائد عن عائشہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاخیر فی جماعۃ النساء الا فی المسجد او فی جنازہ قتیل رواہ احمد الطبرانی فی الاوسط الا انه قال لاخیر فی جماعۃ النساء الا فی المسجد جماعۃ وفیہ ابن ہبوعہ وفیہ کلام ام رص ۱۵۵ ج ۱، قلت قد حسن له الترمذی واحتج به غیر واحد کما فیہ ایضاً رص ۱۲۶ و ص ۱۲۵ ولا یخفی ان جماعۃ النساء فی مسجد لجماعۃ لا تكون الا مع الرجال فمعنی الحدیث لاخیر فی جماعۃ النساء الا مع الرجال فعلم ان جماعۃ النساء وحدھن مکروہة لفقہ صلی اللہ علیہ وسلم الخیریة عنھا، وقد اجمعت الامۃ علی اکوۃ خروج النساء الی مسجد الجماعۃ ایضاً ولو خرجن فلم یخوڑ احد من الائمة ان یجمعن وحدھن بل لا بد لھن من الصلوة خلف الرجال فافہم وکل ما ورد عن عائشہ وام سلمہ فی امامتھا النساء فلا یخلو عن مثل لیث بن ابی سلیم وابن ابی لیلی وغیرھما من فیہ مقال فلم یکن راجح علی اثر ابن لیبعة ہذا اور روایۃ ابراهیم عن عائشہ منقطعہ فلا ترجیح لہ ایضاً ولا یخفی ترجیح المرفوع علی الموقوف ولم یتبسین مخالفة عمل الراوی لروایۃ هل کانت قبل الروایۃ او بعدھا فلا یعل بفعل عائشہ وان شہا المرفوع فافہم والبسط فی الاعلاء ص ۱۱۲ و ۱۱۳ ج ۱

روایات مذکورہ سوال کا جواب تو عبارت عربی میں دیدیا گیا کہ حضرت عائشہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں خیر نہیں ہے، اسی پر حنفیہ کا عمل ہے، اور اسی سے ان کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے پس عورتوں کو باہم جماعت کرنا مکروہ ہے، اور عید کی جماعت تو صرف عورتوں سے منعقد ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ وہ مثل جمعہ کے ہے، جس کے لئے رجال کا وجود شرط ہے، اور اس کے

سوا بھی ان کی جماعت مکروہ ہے، اور عید کے دن الگ الگ بھی نماز پڑھنا ایک گھر میں جمع ہو کر مکروہ ہے، کیونکہ اجتماع نساء فتنہ سے خالی نہیں ہاں ہر عورت اپنے گھر میں بہ نیت نفل جتنی چاہے نماز پڑھے، واللہ اعلم، ۱۹ رجب ۱۳۵۴ھ

سوال (۱۳۶) امام رکوع میں ہو تو تخریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں شرکت کر لے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟
 کہہ کر فوراً مقتدی رکوع کر سکتا ہے یا نہیں، اس کی نماز ایسا کرنے سے ہوگی یا نہیں؟ ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں ہے، اس نے تکبیر تخریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں شرکت کر لی، یعنی تکبیر تخریمہ کہہ کر قیام کچھ نہیں کیا، فوراً جھک گیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر تکبیر تخریمہ بحالت قیام کہی ہے یا بحالت انخفاء کہی ہے، اگر وہ اقرب الی القیام تھا تو نماز درست ہے، اور اگر بحالت انخفاء کہی اور اقرب الی الركوع تھا تو نماز درست نہیں ہوئی، غرض تکبیر تخریمہ کا بحالت قیام یا بحالت اقرب الی القیام ہونا فرض ہے، تکبیر تخریمہ کے بعد مزید قیام فرض نہیں قال فی مراقی الفلاح والثانی من شروط صحة التحریمة الا تیان بالتحریمة قائما ومنحنیا قليلا قبل وجود انحنائه بساھو اقرب للركوع قال فی البرھان لو ادرك الاما را كعنا فحسب ظہرہ ثم كبر ان كان الی القیام اقرب صح الشروع ولو ادا به تكبیر الركوع وتلغو نيته لان مدارك الاما في الركوع لا يحتاج الی تكبیر مرتین خلافا لبعضہم وان كان الی الركوع اقرب لا يصح الشروع ام ص ۱۲، ۳ شعبان ۱۳۵۴ھ

سوال (۱۳۷) جس مسجد میں امام اور مؤذن مستر رہے اور اس گاؤں کے تمام آدمی اس مسجد میں اول جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں، اس کے بعد اگر وہی آدمی پھر جماعت کریں مکروہ تحریمی ہوگا یا نہیں؟ چند کتب معتبرہ کی عبارت نقل فرما کر جواب عنایت فرمادیں، بینوا توجسروا،

الجواب واللہ الموفق للصواب؛ ذکر فی رد المحتار عن المنبع ثم قال فی الاستدلال ولنا انه عليه الصلوة والسلام كان خرج ليصلم بين

عہ قلت اخبرني الطبراني في الكبير واللاوسط عن ابى بكره درجال ثقات كذا في مجمع الزوائد ۱/۱۱۱

قوم فعاد الی المسجد وقد صلى اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهلہ و صلى ولو جاز ذلك لما اختار الصلوة فی بيته علی الجماعة فی المسجد ولان فی الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تقوتهم ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان ويؤيد ما في الظهيرية ولو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه اهلہ يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية ام وهذا مخالف لحكاية الجماع المارة وهو ما ذكره قبل عن المنبع والتقليد بالمسجد المختصة بالمحلة احتراز من الشارع وبالاذان الثاني احتراز عما اذا صلى في المسجد المحلة جماعة بغیر اذان حيث يباح اجماعا ام (ص ۱۰۵) لبدائع في بيان ما يفعله بعد فوات الجماعة مانصه لاختلاف في انه اذا فاتته الجماعة لا يجب عليه الطلب في مسجد اخر ولكن كيف يصح ذكر في الاصل انه اذا فاتته الجماعة في مسجد حيه فان الی مسجد اخر يرد اذراك الجماعة فيه فان صلى في مسجد حيه فالحسن قال كانوا اذا فاتتهم الجماعة فمنهم من يصلى في مسجد حيه ومنهم من يتبع الجماعة اراد به الصحابة رضی الله عنهم ولان في كل جانب مراعاة حرمة وترك اخرى ففي احد الجانبين مراعاة حرمة مسجد وترك الجماعة وفي الجانب الاخر مراعاة فضيلة الجماعة وترك حق مسجد فاذا تعدل الجمع

عہ اور د عليه بعض الناس نقلًا عن التحرير المختار بقوله ولا يتم الاستدلال به الا اذا وجد جماعة يصلى بهم في المسجد ومع هذا اختار الصلوة في منزله باصله اعم قلت عدم وجوبه مثل هذه الجماع بعيد لانه صلى الله عليه وسلم لم يكن يذهب للصلاة بين الاقوام وجره بل كان يذهب بجماعة من اصحابه كما هو المعروف من غيرة ولو سلم تنزلا فكان يمكن ان يحج الصلوة باصله في المسجد فان النساء كن يشهدن الصلوة فيه مع النبي صلى الله عليه وسلم كما عرفت في موضعه فاستدلال بتام ولا يضره الاحتمالات البعيدة ۱۲، علی انه قد ثبت عن الصحابة انهم لم يجعوا في المسجد ثانيا مع قدرتهم علی ذلك كما سيأتي، عہ سیاتی ما يدل له مؤيدہ ۱۲ منہ

بينهما مال الى ايهما شاء وذكر القدرى انه اذا فاتته الجماعة جمع باهله في منزله وان صلى وحده جاز لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه خرج من المدينة الى صلح بين حيين من احياء العرب فانصرف منه وقت فرغ الناس من الصلوة فمال الى بيته وجمع باهله في منزله وفي هذا الحديث دليل على سقوط الطلب اذ لو وجب لكان اولى الناس به رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر الامام الشافعي ان الاصل في زماننا انه اذا لم يدخل مسجدا ان يتبع الجماعة وان دخل مسجدا صلى فيه ام رص ۱۵۶ ج ۱

قلت وهذا يدل على كراهة الجماعة الثانية مطلقا ولو بدون اذان لانه حصر صلح فانت الجماعة في تتبعها في مسجد اخر ان كان يرد اذنا كراهية وفي صلوة في مسجد حيه منفردا وعلله بان في كل جانب مراعاة حرمة وترك اخرى فاذا تعذر الجمع بينهما مال الى ايهما شاء فلو كانت الجماعة الثانية بدون الاذان غير مكروهة لانتفى ذلك التحذير بان يجمع ثانيا في مسجد حيه كما لا يخفى فالظاهر ان المذهب عندنا وظاهر الرواية هو الكراهة مطلقا ولو بدون اذان فان صاحب البدائع والقدرى والشافعي اعرف الناس بالمذهب من غيرهم وتقييدها بالاذان لعلمها في النوازل قال الشافعي في رحمة الامة ومن دخل مسجد فوجد امامه قد فرغ من الصلوة فان كان المسجد في غير ممر الناس كراهة ان يستأنف فيه جماعة عند ابن حنيفة ومالك والشافعي وقال احمد لا يكره ام رص ۱۳۲ والدلائل ايضا تقتضي الكراهة مطلقا منها ما قد مر ذكره ومنها ما رواه سعد بن عبد الله عن ابن القاسم عن مالك عن عبد الرحمن بن المغيرة قال دخلت مع سالم بن عبد الله مسجد الجحفة وقد فرغوا من الصلوة فقالوا لا تجتمع الصلوة فقال سالم لا تجتمع صلوة واحدة في مسجد واحد مرتين رجاله كلهم ثقات قال ابن وهب اخبرني رجال من اهل العلم عن ابن شهاب ويحيى بن سعيد وربيعة والليث مثله ام من المدونة الكبرى لمالك رص ۸۹ ج ۱ فهو لاء اكابر التابعين كرهوا الجماعة الثانية

في مسجد واحد ولم يقيدها بالاذان وقال الشافعي وانا قد حفظنا ان قد فاتت رجالا معه صلى الله عليه وسلم الصلوة فصلوا بعلمه منفردين وقد كانوا قادرين على ان يجمعوا وان قد فاتت الصلوة في الجماعة قوما فجاء المسجد فصلى كل واحد منهم منفردا وقد كانوا قادرين على ان يجمعوا في المسجد من الام رص ۱۳۴ ج ۱ قلت فلو كانت الجماعة الثانية غير مكروهة بدون الاذان لما تركها الصحابة وهم سابقون الى الغايات راغبون الى افضل الطاعات قال الشافعي رحمه الله وانما كرهت راي تكرار الجماعة في المسجد ۱۳ منه ذلك لهم لانهم ليس مما فعل السلف قبلنا بل قد عاين بعضهم ام من الام رص ۱۳۶ ج ۱ قلت وكما لم يفعل السلف بالاذان ثانيا في المسجد كذا لم يفعلوه فيه بدون الاذان ايضا ومن ادعى غير ذلك فليأت ببرهان قال الشافعي رحمه الله واحب كراهية من كرهه ذلك منهم انما كان لتفرق الكلمة وان يرغب رجل عن الصلوة خلف امام جماعة فيتخلف هو ومن اراد عن المسجد في وقت الصلوة فاذا قضيت دخلوا فجمعوا فيكون في هذا اختلاف وتفرق كلمة وفيهما المكروه وانما كرهه هذا في كل مسجد له امام ومؤذن فاما مسجد بني على ظهر الطريق او ناحية لا يؤذن فيه مؤذن راتب ولا يكون له امام معلوم ويصلى فيه المارة ويستظلون فلا كراهة ذلك لانه ليس فيه معنى الذي وصفت من تفرق الكلمة ثم قال وانما كرهه هو ان يجمعوا في مسجد مرتين ولا باس بان يخرجوا الى موضع فيجمعوا فيه ام من الام رص ۱۳۶ و ۱۳۴ ج ۱ قلت وهذا كله موافق لما ذكره اصحابنا غير انهم عللوا الكراهة بتقاعد القوم من الجماعة الاولى ولا يخفى ان العلة التي ذكرها الشافعي اشد واحذر ووقوعا واحتمالا لاسيما في زمان الفساد وانقطاع الوداد ومقتضاها كراهة التكرار ولو بدون اذان هذا هو الحق المرجح عندي والمراد بالكراهة كراهة التحريم

هذا لا يريد ما ذكره صاحب البدائع عن الحسن الامام الشافعي رحمه الله مجتهدا في الفقه والحديث فتعليقه جرمنا

خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ مسجد محلہ میں جس میں امام اور مؤذن مقرر ہے دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ بدون اذان ثانی کے ہو یا مع اذان واقامت کے، دلائل کا مقتضی یہی ہے، اور ظہیر یہ اور بدائع وغیرہ سے بھی اطلاق کراہت ہی مستفاد ہوتا ہے، گو بعض فتاویٰ میں بدون اذان ثانی کے جماعت ثانیہ کو مباح لکھا ہے، مگر دلائل پر نظر کر کے یہ قید ضعیف معلوم ہوتی ہے، اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اباحت سے مراد کراہت تحریمیہ کی نفی ہوگی، کراہت تنزیہیہ کی نفی مراد نہیں، کذا قال بعض اکابرنا منہم قطب وقتہ مولانا شیخ رشید احمد قدس سرہ، دو سکر جن روایات میں اطلاق ہے ان کا مقتضی یہ ہے کہ بدون اذان کے بھی کراہت ہے، اور جن میں تقید ہے، یعنی جن میں بدون اذان کے اجماعاً مباح کہا ہے، اگر امام صاحب سے یہ روایت بھی صحیح ہو تو ان کا مقتضی اباحت بدون اذان ہے، اور جب کراہت و اباحت میں تعارض ہو تو کراہت کو ترجیح ہوگی، ۱۲، رمضان ۱۳۱۴ھ

حکم نماز امام بلا علمہ | سوال (۲۸) امام اگر بلا علمہ کے نماز پڑھاوے اور مقتدی علمہ باندھے ہوئے ہوں ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر پیش امام بلا علمہ کے نماز پڑھاوے تو جو مقتدی علمہ باندھے ہوئے ہوں ان کی نماز نہ ہوگی،

الجواب؛ اگر امام بلا علمہ کے نماز پڑھاوے اور مقتدی علمہ باندھے ہوئے ہوں تو سب کی نماز درست ہے، کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ امام مالک کے نزدیک امام مسجد کو بغیر چادرہ اوڑھے امامت کرنا مکروہ ہے، لیکن اس کے ترک سے کسی کی نماز فاسدان کے نزدیک بھی نہیں ہوتی، قال مالک واكرهه للامام ان يصلح بغير رد له الا ان يكون امام قوم في سفر او رجلا ام قوما في موضع اجتمعوا فيه او في داره فاما... مسجد جماعة او مساجد القبائل... فاكفر له ذلك واحب الي ان لو جعل عمامة على عاتقه اذا كان مسافرا او صلى في داره او رصه ۸ ج امدنہ، قلت والخروج من الخلاف مستحب عندنا ايضا والله اعلم ۲۳ محرم ۱۳۱۴ھ

ولد الزنا کی امامت | سوال (۲۹) ولد الزنا کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی یا نہیں؟

مکروہ تنزیہی ہے | الجواب، ولد الزنا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، فی الدرر ص ۵۸۴ (دیگر) تنزیہار امامت عین الی ان قال روولد الزنا، هذا ان وجد

غیرہم والا فلا کراہتہ بحر بحثا وقال الشامي تحت قول الدرر ونحوه الاعنی) لکن ما بحثہ فی البحر ص ۳ بہ فی الاختیار حیث قال ولو عدت ای علة الکراہت بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الماشدۃ والاعنی من البصیر فالحکم بالصدام ونحوه فی شرح الملتقی للبهنسی وشرح درر البحار ولعل وجه ان تنفیذ الجماعة بتقدیمہ یزول اذا کان افضل من غیرہ بل التنفیذ یكون فی تقدیم غیرہ ام (ص ۵۸۵) ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۳۱۴ھ

ستونوں کے درمیان میں | سوال (۳۰) ما تقولون ان مسجد الہ اعمدۃ هل يجوز بنا مکروہ ہے، ان يجعل الصفوف بينهما ام لا؟

الجواب؛ یکراہ الصف بین السواری ما لم یضطر الیہ لورود النہی عن ذلك ولعل فقہہ انتفاء رص الصفوف وهو ما مر بہ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم تراشوا اخرج ابن ماجہ وابن خزيمة والحاکم عن معاوية بن قمر عن ابيه قال كنا ننهی ان نصف بین السواری علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونظر د عنہا طردا رجالہ رجال الصحیح الہارون بن مسلم وهو حسن الحدیث وثقة ابن حبان وروى الترمذی عن عبد الحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا ننقی هذا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الترمذی حدیث حسن صحیح رص (ص ۳۰۳) قال العلامة العینی فی شرح البخاری اذا کان منفردا لا بأس فی الصلوٰۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعة وقید بغير جماعة لان ذلك یقطع الصفوف وتسویة الصفوف مطلوبة فی الجماعة ام رص (ص ۳۰۴) وفی فتح الباری قال المحب الطبری کراہ قوم الصف بین السواری للنہی الوارد عن ذلك ومحلها الکراہت عند عدم الضیق والحکمة فیہ اما لا یقطع الصف اولانہ موضع النعال ام رص (ص ۳۰۴) قلت وقواعدنا لا تباہ لا سیما والعینی من اثمتنا وقد منعه ایضا والله اعلم؛

مقتدی نابالغ ہوں تو سوال ۳۱، اگر امام کے پیچھے مقتدی نابالغ ہوں تو جماعت ہو سکتی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ نابالغ مقتدی اگر سمجھ رہے تو جماعت صحیح ہے، فی العالمگیرینہ (ص ۵۱) اذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعة فهو جماعة وان كان معه صبی عال کذا فی السناجید۔
بلعذر جماعت چھوڑنا گناہ، سوال ۳۲، جس مسجد میں پانچ وقت باقاعدہ جماعت ہوتی ہو اور اصرار فسق ہے، اسی مسجد میں ایک شخص اکثر پہلے نماز پڑھ لیتا ہے، اور بعض اوقات اذان مسجد میں سنکر نماز پڑھ کر چلا جاتا ہے، اس کی نماز جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب؛ جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ قریب واجب ہے، لہذا بلاعذر اس کا چھوڑنا گناہ ہے اور ترک جماعت کا عادی ہونا مسقط ہے ایسا شخص شرعاً فاسق ہے الاحقر عبدالکریم، ۳ صفر ۱۳۲۵
مخرب اور ذریعہ امام کا سوال ۳۳، امام کھڑا ہونا مکروہ ہے مسجد کے درمیں کھڑا ہو اور مقتدی فرش کے اوپر کھڑے ہوئے، ایک شخص نے منع کیا کہ مخرب میں امام کے کھڑے ہونے سے نماز نہ ہوگی، ایک دوسرے شخص نے کہا کہ مخرب نہیں ہے سب سے، مخرب اس کو کہتے ہیں جو مسجد کے اندر دیوار میں گہرا ہوتا ہے، اس میں اگر امام کھڑا ہو اور مقتدی سے غائب ہو اس میں نماز پڑھنے سے نماز نہ ہوگی، اب حضور جو تحریر فرمادیں وہ عمل کیا جائے،

الجواب؛ فی الدر المختار و قیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ، و قد ماہ خارجہ لان المعتبرۃ للقدم مطلقاً، وان لم یشتبه خال الامام ان علل بالتشبیہ الخ وقال الشامی تحت (قوله ان علل بالتشبیہ) قید لتکراہة وحاصلہ انہ صرح محمد فی الجامع الصغیر بالتکراہة ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببها فقیل کونه یصیر ممتازاً عنہم فی المكان لان المحراب فی معنی بیت الخرد ذلك صنیع اهل الكتاب واقتصر علیہ فی المہدایة واختارہ الامام السرخسی (ص ۶۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مختار وجہ کراہت کی تشبیہ و امتیاز ہے، اور اس میں اندر دینی مخرب اور دروازے برابر ہیں، لہذا مسجد کے درمیں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، واللہ اعلم
احقر عبدالکریم عفی عنہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ

امام نے سہواً بلا وضو نماز پڑھا دی سوال ۳۴، اگر کوئی..... پیش امام بھول کر بلا وضو تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ نماز پڑھا دیوے جب نماز کا وقت نکل جاوے تب یا دو آوے کہ بلا وضو نماز پڑھا دی ہے، اس حالت میں کیا کرنا چاہئے، ایسا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ کارڈ لکھا گیا ہے، اور سب مقتدی جواب کے انتظار میں ہیں، کہ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب؛ امام پر لازم ہے کہ جن اشخاص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس نماز میں شریک تھے، ان سب کو جس طرح ممکن ہو اطلاع کر دے، اور امام عادل ہو تو ان پر اس کی اطلاع سے اعادہ کرنا ضروری ہے، اور اگر امام عادل نہ ہو تو اعادہ مستحب ہے، کما فی الدر الشامی (ص ۶۱۸) و اذا ظهر حدث امامہ بطلت فیلزم اعادہ تکمیلہ الامام الاخبار بالقدرا لمسکن، بلسانہ او بکتاب اور رسولی علی الاصح، لومعینین والاکلایلنا مہ، بحر، قال الشامی و اذا ظهر ای بشهادة الشهود او باخبارہ عن نفسه وکان عدلاً والاندب کما فی النہر عن السراج،

عبدالکریم عفی عنہ ج ۶ ص ۲۲۳، الجواب صحیح، ظفر احمد

امرد کی امامت مکروہ ہے سوال ۳۵، بے ریش نابالغ کے پیچھے نماز درست ہے؟ جبکہ ایک ڈاڑھی والا آدمی ایک ہی لیاقت کا موجود ہے،

الجواب؛ فی الشامی (و کذا تکروہ خلف امرئ) الظاہر انہما تنزیہیۃ ایضا والظاہر ایضا کما قال الحرمی ان المراد بہ الصبیح الوجه لانه محل الفتنۃ الخ، اس سے معلوم ہوا کہ حسین امرئ کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، واللہ اعلم،

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۵ محرم ۱۳۲۵، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۶ محرم ۱۳۲۵
ایضاً ایضاً سوال ۳۶، ایک حافظ

جس کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی ہے، اور وجود ظاہری بھی بالغ نظر آتا ہے، لیکن ڈاڑھی ابھی تک نہیں آئی، اور تین چار سال تک رمضان شریف میں قرآن شریف نفلوں میں سناتا رہا، بوجہ نابالغی کے جب بالغ ہوا تب مخرب سنائی، اب اس کو ایک مسجد میں لوگ امام مقرر کرتے ہیں اور اردو دو چار جماعت تک پڑھا، موا ہے اور پڑھتا ہے، اور دینیات، مفتاح الجنۃ وغیرہ بھی پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اس امر و بالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا تو بلا کراہت جائز ہے، جبکہ اور

حافظ غیر مرتبہ ملے لیکن فرائض کی نماز میں بہتر یہ ہے کہ اس کو امام نہ بنایا جاوے، اگر وہ خوب صورت ہو اور اگر خوب صورت اور محلِ فتنہ نہ ہو تو فرائض میں بھی اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔ قال فی الدردکن اذکر خلف امرود وسفیه الخ قال الشامی الظاهر انها تنزیہ البنا والظاهر ایضا كما قال الرحمتی ان المراد به الصبیح الوجه لانه محل الفتنۃ امرود، ۵۸ ج ۱، قلت انما قلت بجواز امامته فی التراویح لاختلاف الفقهاء فی جواز امامة الصبی فیها فجوزها مشایخ بلخ والاصح عدم الجواز كما فی الشامیة عن الهدایة رص ۶۰۳ ج ۱، فلما اختلفوا فی الصبی الغیر البالغ فینبغی ان یتفقوا علی جواز امامة الامرود البالغ اذالم یوجد حافظ غیره ولان فیہ ابقاء لعفظ القرآن ولعل مشایخ بلخ جوزوا امامة الصبی فیها نظراً الی ذلك ولكن الصبی لیس باهل لبنا والامرود البالغ اهلها وانما الکراہة لعارض فتنذفی بالصنعة، والله اعلم، ۲۰ شعبان ۱۳۵۲ھ

ڈاڑھی کے سفید بال اکھڑنے | سوال (۳۷) زید پیش امام ہے اور اپنی ڈاڑھی کے بال والے کی اقتداء کا حکم، اکھڑواتا ہے، آیا اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور ڈاڑھی کے سفید بال اکھڑوانا ناجائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر یہ شخص قبل از وقت بوڑھا ہو گیا ہو تو تب تو نتف شیب جائز ہے بشرطیکہ محض زینت کی نیت نہ ہو، بلکہ ارضاء زوجہ مقصود ہو یا اور کوئی ضرورت ہو، اور اگر بوڑھا قبل از وقت نہیں بلکہ وقت پر ہوا ہے... تو نتف شیب مکروہ ہے اور کراہت تنزیہیہ ہے، قال فی البدیة ونتف الشیب مکروہ للتنزیہین لا لتوهیب العن وکذا نقل عن الامام کذا فی جواهر الاخلاطی (ص ۲۳) قلت واحفظ عن موضع لا یحضر فی الان لفظ لا اس به فی ذلك والبیح بینہما ما ذکرته ولعل جمع حسن، والله اعلم، ۲۱ شعبان ۱۳۵۲ھ

جو شخص تراویح میں ختم قرآن پر | سوال (۳۸) آجکل ایک فصلی حافظ صاحب تراویح پڑھتے اجرت لیتا ہو اس کی اقتداء کا حکم | ہیں اور میں بھی اس جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں، یہ یقینی بات ہے کہ بعد ختم کلام مجید حافظ صاحب کی خدمت کی جاوے گی، اور مجھ کو بھی

شامل ہونا پڑے گا، ایسی حالت میں میرے لئے تراویح کا پڑھنا ایسے امام کے پیچھے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب؛ اگر یہ حافظ قرآن ختم قرآن کی اجرت پہلے سے طے کر لیتا ہے اور یہ شخص اس مسجد میں جہاں تراویح پڑھاتا ہے امام بھی نہیں تو یہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہ جائز ہے، بلکہ الم ترکیف سے چند آدمیوں کے ساتھ جدا جماعت کر لی جاوے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو تہنا پڑھ لی جاوے، اور اگر یہ شخص پہلے سے اجرت طے نہیں کرتا بلکہ قرآن تراویح میں سنا دیتا ہے، اور بعد تراویح کے لوگ حسب ہمت خدمت کر دیتے ہیں، اور یہ کمی بیشی پر کچھ اعتراض و مطالبہ نہیں کرتا، تو گو اس صورت میں بھی یہ رقم تو اس کو لینا جائز نہیں لکن معاوضۃ الختم لان المعروف کامل شرط، مگر یہ شخص کبیرہ نہیں، اس کے پیچھے نماز جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۰ رمضان شریف ۱۳۵۲ھ

صحبت اقتداء کے لئے علم بانقلابات | سوال (۳۹) میرے سابق محلہ کی مسجد جناب نے دیکھی کہ امام شرط پر رویت نہیں، اس کی سطح مستوی ہے، اور جمعہ کے دن کثرت مصلیانہ

کی وجہ سے وہاں کچھ نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر مسجد کی چھت میں کوئی روشندان، جیسا کہ دو منزلہ مساجد میں اکثر معمول ہے نہیں ہے بکر کی آواز بلکہ خود امام کی قرأت و تکبیر کی بھی آواز جاتی ہے، مگر امام کے حرکات و سکنات کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا، ایسی صورت میں اوپر کھڑے ہونے والے نمازیوں کی نماز ہو جاوے گی یا نہیں، اور دوسرے مکانات کی پھنتوں پر بھی لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، جو محض تکبیر کی تکبیر پر رکوع و سجدہ میں جلتے ہیں، اس میں اور اس میں کیا فرق ہے، اور چونکہ یہ واقعہ ہے اس لئے اس کے جواب کے قبل از جمعہ... ضرورت ہے تاکہ نماز صحیح نہ ہو تو روک دیا جائے، روایات کی چنداں ضرورت نہیں، محققانہ قول فیصل مفتی بہ درکار ہے،

الجواب؛ صحبت اقتداء کے لئے علم بانقلابات امام شرط ہے، رویت ضروری نہیں پس سقف مسجد پر نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہے، گو امام کو دیکھتے نہ ہوں قال فی البدیة وعلیہ اذانتقالاۃ الخ قال الشامی ای بسمع اور دویۃ للامام اول بعض المقتدین رحمۃ وان لم یتعد المكان ط ام (ص ۵۷، ج ۱) ۱۸ رمضان ۱۳۵۲ھ

تحقیق تسویۃ صفوں والصابان القدم بالقدم | سوال (۴۰) جماعت میں صفوں کو سیدھا کر کے

تاکید ہے کہ کندھے سے کندھا ملا دیں، اور حضرات اہل حدیث فرماتے ہیں کہ سداً لخلل سے مراد پیر سے پیر بھی ملا کر صفت میں نمازی کھڑے ہوں، اور الصاق سے مراد حقیقتہً ملائبہ تو کیا ان کا ہمساخت ہے، اور احناف غلطی پر ہیں کہ جو پیروں کو نہیں ملاتے،
۲، کیا سداً لخلل کندھے کے ملانے سے ہوتا ہے کہ نہیں، اگر ہوتا ہے تو کیا پیروں کو فراخ کر کے ملانے سے سداً لخلل نہیں ہوگا، ان کو واضح کر کے جواب لکھیں، اس میں ہمارے یہاں کے احناف بھی مبتلا ہوتے ہیں،

الجواب: عن انس مرفوعاً قال رصوا صفوفكم وقابلوا بينها وحاذوا بالاعتناء رواه ابوداؤد والنسائي وصححه ابن حبان بلوغ المرام (ص ۱۳۷، ۱۳۸) قال في لجمع البحار تراصوا في الصفوف اي تلاصقوا حتى لا يكون بينكم فرج من رص لبشاء اذا المصق بعضها ببعض ام (ص ۲۳۰، ۲۳۱) وفي الباب عن النعمان بن بشير يقول اقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه فقال اقيموا صفوفكم ثلاثا والله لتقيم صفوفكم اذ يخالفن الله بين قلوبكم قال فقد رأيت الرجل منا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبته وكعبه بكعبه اخرجه ابوداؤد وصححه ابن حزيمة (فتح الباري، ص ۱۷۶، ۱۷۷) وعن انس مرفوعاً قال اقيموا صفوفكم فاني اريكم من وراء ظهري وكان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقد مره بقدمه رواه البخاري قال الحافظ في الفتح (ص مذکور) وخرجه الاسماعيل (في مستخرج الصحيح) من رواية معمر عن حميد بلفظ قال انس فلقد رأيت احدنا الى اخره وزاد معمر في رواية ولو فعلت ذلك باحدنا اليوم لنفرا كانه بغل شمس ام وذكورت في اعلاء السنن اخذت طائفة في زماننا بظاهر هذا الحديث فتراهم يلزقون اقدامهم باقدام من يليهم في الصف ولا يزالون يتكلمون ذلك الى اخر الصلوة ولا يخفى ان في الزايق الاقدام بالاقدام مع الزايق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لا سيما مع ابقائها كذلك الى اخر الصلوة كما هو مشاهد والخرج مدفع بالنص على ان الزايق تلك الاعضاء باجمعها حقيقة غير ممكن اذا كان المصلون مختلفي القامة فالمراد منه جعل بعضها في معاذات بعض قال

الحافظ في الفتح تحت قول البخاري باب الزايق الاقدام بالقدم في الصف المراد بذلك المباغلة في تعديل الصف وسدخله (ص مذکور) وفي عون المعبود قوله صلى الله عليه وسلم حاذوا بالمناكب اي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد موازياً لمنكب الاخر ومسامتاً له فتكون المناكب بالاعتناء والاقدام على سمت واحد ام (ص ۱۳۵، ۱۳۶) وقال الشيخ ولو حصل الالزاق على الحقيقة فالمراد منه احداثه وقت الاقامة لتسوية الصف فان احداث الالزاق في تلك الاعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولا دلالة في الحديث على ابقاءه في الصلوة بعد الشروع فيها ومن ادعى ذلك فليأت بحجة عليه ام قلت وقول انس كان احدنا وقوله ولقد رأيت احدنا يفيد ان الفعل المذكور كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يبق بعده كما صرح به في رواية معمر بقوله ولو فعلت ذلك باحدهم لنفرا كانه بغل شمس فلو كان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلوة لم يتركها الصحابة والتابعون ولم يتنفر منها احد فالصحيح ما قلنا ان ذلك كان للمباغلة في تسوية الصف حين الاقامة لا بعد هاتي داخل الصلوة ام (ص ۲۹۹، ۳۰۰)

ان عبارات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ سداً لخلل سے مراد یہ ہے کہ نمازی خوب مل کر کھڑے ہوں کہ درمیان میں فرج نہ رہے، اور یہ بات کندھا ملنے سے حاصل ہوتی ہے، قدم قدم ملانے سے فرج پیدا ہو جائے گا، اور قدم سے قدم ملانا نماز شروع کرنے سے پہلے اسی غرض سے ہے تاکہ صف سیدھی ہو جائے نماز کے اندر قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے، اس لئے احناف غلطی پر نہیں ہیں،

۲، پیروں کو فراخ کر کے ملانے سے سداً لخلل نہ ہوگا، بلکہ کندھے سے کندھا ملانے سے سداً لخلل ہوگا، کیونکہ ان اللہ سبحانہ والذین یصفون کما تصف الملائکة کا ہم بنیان مرصوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں کو بنیان مرصوں کی طرح مل کر کھڑا ہونا چاہئے، اور یہ تراویح الزايق مناكب ہی سے ہوتا ہے، واللہ اعلم، ۲۱ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

اس شخص کی اقتدار کا حکم جو خارج مسجد بڑی، اتصال صفوت سوال (۲۱) مقتدی اگر مسجد سے باہر ہو جائے تو اس کی آواز یا مسجد اندر موجود مقتدیوں کی حرکت دیکھ کر نماز ادا کرے یعنی جس جگہ وہ کھڑے ہیں وہ مسجد کی حد ہے

باہر ہے، اور وہاں تک صفیں بھی متصل نہیں ہے، تو اس صورت میں اگر مقتدی امام کی آواز سنتے ہوں یا مسجد کے اندر جو مقتدی ہیں ان کی حرکات کو دیکھتے ہیں تو باہر والے مقتدیوں کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں ایسے مقتدیوں کی نماز درست ہو جاوے گی، قال فی الدر بشر و طعش نية المؤمن الاقضاء واتحاد مكانهما وصلواتهما و صحة صلوة امامه وعدم معاذات امرأة وعدم تقدم عليه بعقبه و علمه بانتقاله و بحاله من اقامة و سفر و مشاركة في الاسكان و كونه مثله او دونه فيها،

قال الشامي تحت قوله بشر و طعش: هذه الشرط في الحقيقة شرط الاقضاء وقوله را اتحاد مكانهما، فلو اقتدى راجل براكب او بالعكس او راکب براكب دابة اخرى لم يصح لاختلاف المكان فلو كانا على دابة واحدة صح لا اتحاد كما في الامداد و سيأتي و اما اذا كان بينهما حائط فسيأتي ان المعتمد اعتبارا لا اشتباها لا اتحاد المكان فيخرج بقوله و علمه بانتقاله و سيأتي تحقيق هذه المسئلة بما لا مزيد عليه قال الشامي تحت ر قوله و علمه بانتقاله، اسی بسماع اور روية الامام او بعض المقتدين رحمته وان لم يتحد المكان، اس جواب کی بناء اس پر ہے کہ صحت اقتداء کے لئے اتحاد مکان امام و مقتدی شرط نہیں، اور یہ بنا صحیح نہیں کیونکہ شرط اتحاد مکان امام ابو حنیفہ کا مذہب مشہور ہے، تمام متون میں یہ شرط مذکور ہے، اور طحاوی نے جو وان لم يتحد المكان فرمایا ہے اس کا منشاء بعض فروع سے مغالطہ میں پڑنا ہے، جیسا کہ خود در مختار اور شامی میں صفحہ ۶۱۲ پر ان فروع کی تفصیل آتی ہے، ان فروع کو اور متون کے اشتراط مکان کو دیکھ کر قول فیصل یہ ہے کہ اتحاد مکان کا مشروط ہونا تو یقینی ہے، اور جس نے اس شرط کی نفی کی یہ اس کی غلطی ہے، کیونکہ جو شرط متون میں بالاتفاق مذکور ہے، اور امام کے مذہب میں اس شرط کا ہونا مشہور ہے اس سے قطع نظر نہیں کی جا سکتی، لیکن اتحاد مکان کا مدعا عرف پر ہے، اگر عرفاً مکان مقتدی مکان امام سے متحد ہو تو اقتداء صحیح ہے اور عرفاً متحد نہ ہو تو اقتداء صحیح نہیں، اس لئے بعض فروع میں بعض مشائخ نے اقتداء

۱۰

کو صحیح کہا، کیونکہ ان کے نزدیک اتحاد عرفی موجود تھا، اور بعض نے صحیح نہیں کہا، ان کے نزدیک اتحاد مکان عرفاً تھا، باقی اشتراط اتحاد مکان پر سب متفق ہیں، لہذا یقینی ان یفہم المقام و العلم عند اللہ الملك العلام، ۲۶ صفر ۱۲۸۵ھ

جو شخص قطرہ آنے کا مریض ہو | سوال (۴۲) ایک شخص بڑا ذی علم اور خاندان انصار میں اسکی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

ہے، اور شریعت کا بڑا پابند ہے اور عابد بھی ہے، یعنی نماز تہجد و اشراق و چاشت وغیرہ کا بڑا پابند ہے، ہر وقت ہی یاد آئی کرتا رہتا ہے، روزانہ قرآن شریف کی منزل سے بھی زیادہ تلاوت کرتا ہے، اب کچھ عرصہ سے قطرہ کی تکلیف ہو گئی ہے، یعنی پیشاب کے کچھ دیر بعد قطرہ آجاتا ہے، اور بعض دفعہ بالکل نہیں آتا، مگر اس شخص کے دل پر عشاء و تہجد کے وقت پر، کیونکہ ان دونوں وقتوں میں وضو سے پیشتر پیشاب کرنا پڑتا ہے، اسی کا خیال آتا ہے، اور پھر وہ دیکھ بھی لیتا ہے کہ اگر دوبارہ قطرہ آ گیا ہو تو دوبارہ وضو کر لے، اگر کپڑے کو لگ گیا تو کپڑا پاک کر لے، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے وہ کیسا ہے؟ بینوا تو حبر دا؟

الجواب: اگر یہ شخص پورا محتاط ہے کہ وقت شروع نماز سے اتنی دیر پہلے پیشاب کرنے کا اہتمام رکھتا ہے جس میں آمد قطرہ سے اطمینان کلی ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اتفاقاً کبھی قطرہ آ جا پھر جب دیکھ لیتا ہے اور نماز کا اعادہ کر لیتا ہے اور مقتدیوں کو بھی اعادہ کا امر کرتا ہے اس سے اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں رکاوٹ نہ ہونا چاہئے، اور اگر یہ پورا محتاط نہیں، یا باوجود احتیاط کے بھی قطرہ کا مریض ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ وہ روزاً یا ہمینہ میں اکثر اوقات اعادہ صلوة کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، بلکہ کوئی تندرست آدمی امام بنایا جائے، لان عدم الاهتمام بالاستبراء حرام و مرتکبہ فاسق لوجوب الاستبراء بحیث یطمئن قلبہ قبل الشروع فی الصلوة، صرح بہ فی مرانی الفلاح فی فصل الاستبراء وان کان مبتلی بظہور القطرة مع الاهتمام بالاستبراء ایضاً و کان ذلک منذ کثیراً فهو مریض، کا معذور و الصحیح اولیٰ منہ، واللہ اعلم، ۱۱ رجب ۱۲۸۵ھ

لو اظت سے تائب کی اقتداء صحیح | سوال (۴۳) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کہ جس سے فعل قوم لوط علی نبینا وعلیہ الصلوة والسلام سرزد ہوا ہو مگر اس فعل شنیع سے توبہ کر لی ہو، اور

آئندہ اسی عہد پر قائم رہنے کا عزم رکھتا ہو کیسا ہے، اور اگر مقتدی ایسے شخص کو امام بناویں تو ان پر کچھ وبال ہو گا یا نہیں؟ اور اس فعل بد کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے، بینوا بالتفصیل توجروا من اللہ الجلیل

الجواب؛ التائب من الذنب من لا ذنب له، اس فعل کا کفارہ توبہ صادقہ ہی ہے جو شخص توبہ کر لے اور قرآن سے اس کی توبہ صحیح معلوم ہو کہ اب اس فعل سے اور اس کے مقدمات سے کلی حیستاب کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے، لیکن اگر یہ شخص بدنام ہو چکا ہو اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے لوگ کنارہ کریں تو کسی ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے جو بدنام نہ ہو، بفضیلة الاورع من غیرہ وکون تفضیل الجماعة مکروہا، واللہ اعلم، سبحان جس لڑکے کی عمر پندرہ سال ہو سوال (۲۴۲) ایک لڑکا جس کا عمر پندرہ برس کی ہے کیا اس کی اقتدار میں تراویح بلا کراہت کی صورت میں کیا فرض نماز کی امامت کر سکتا ہے، اور فتاویٰ عالمگیریہ مطبوعہ نوکشتور جلد سوم صفحہ ۹۰۶ میں یہ عبارت ہے،

بلوغ الغلام بالاحتلام او الانزال والجارية بالاحتلام ادا الحيض او الحمل كذا في الدر المختار والسنن الذي يحكم ببلوغ الغلام الجارية اذا انتهيا اليه خمس عشرة سنة عند ابى يوسف ومحمد وهو رواية عن ابى حنيفة وعليه الفتوى وعن ابى حنيفة ثمانى عشرة سنة للغلام وسبع عشرة سنة للجارية كذا في الكافي، کیا اس عبارت پر قیاس کر کے تراویح وغیرہ میں اس لڑکے کی امامت کا حکم دے سکتے ہیں؟

الجواب؛ جس لڑکے کی عمر پندرہ سال کی پوری ہو وہ قول مفتی بہ میں بالغ ہی اس کے پیچھے تراویح کی سزا بلا کراہت درست ہے، البتہ فرض میں امام نہ بنایا جاوے، لکراهة المكتوبة خلف الامرد الذي يشتهي ولم يعتبر بهذا الكراهة في التراويح لتوسيع الفقهاء في امر النافلة حتى ان بعضهم جوز صلوة البالغ خلف الصبي الذي لم يبلغ في التراويح وان كان ذلك ضعيفا ولكنه مشعر بتوسيعهم في امر النافلة فافهم، ۲۰ شعبان ۱۳۴۲ھ

ستونوں کے درمیان صفت بندی بلاغ ذکر کردہ ہے | سوال (۲۴۵).....

..... مسجد کے دروازوں یا بیچ مسجد میں ستونوں کے درمیان مقتدی صفت بائیں ہاتھ سے اقتدار کر لے مثلاً اس کے دروازوں میں سے ہر ایک دروازہ میں تین چار مقتدی سما سکتے ہیں، پھر بیچ میں ستون آجاتا ہے تو آیا یہ ستون کا درمیان آجانا مانع اقتدار ہی یا مستلزم کراہت کا ہے، اور یہ کراہت کا لزوم عام ہے یا خاص، باوجود گنجائش و عدم تنگی کے وقت پر منحصر ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب؛ قال العینی فی شرح البخاری اذا كان منقرا الا باس بالصلوة بين الساريتين اذا لم يكن في جماعة وقيد بغير جماعة لان ذلك يقطع الصفوف وتساوية الصفوف في الجماعة مطلوبة ام ر ص ۲۴۸، ۲۴۹، وفي الدر في كراهة قيام الامام في المحراب وعلى مكان مرتفع مانصه وهذا كله عند عدم العذر كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والامام على الارض او في المحراب لفضح المكان لم يكره ام ر ص ۱۳۶، ۱۳۷، وذكر في الفتح عن المعجب الطبري كراهة قوم الصف بين السورى للنهي الوارد عن ذلك ومحل الكراهة عند عدم الضيق ام ر ص ۲۴۴، ۲۴۵، قلت وكلام علمائنا يوافقه في هذا التقيين والامام ستونوں کے درمیان صفت بندی کرنا بلاغ ذکر کردہ ہے، مگر مانع اقتدار نہیں ہے، اور یہ کراہت عام ہے اس صورت کو بھی جبکہ صفت ستونوں کے درمیان اس طرح بانڈی بنا کر فرجہ باقی نہ رہے، کیونکہ اس صورت میں بھی ستون قاطع صفت ہے، البتہ اگر جمعہ وعید کے موقع پر تنگی ہو تو ایسی حالت میں صفت بین السورى بلا کراہت جائز ہے، واللہ اعلم، سوال

سوال (۲۴۶)..... یہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ جماعت واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کن لوگوں پر واجب ہے، اسکی مختلف صورتوں کے متعلق استفتاء،

یہ جگہ سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے، یہ خاص مسجد محلہ میں محلہ والوں پر ہے یا عام ہے، مثلاً اہل محلہ نے گھر میں جماعت نماز پڑھ لی تو آیا ان پر سے حضور مسجد محلہ کی جماعت کا سقوط ہو جائے گا یا نہیں، ایسا ہی کوئی باہر جانے والا ہے اپنی مسجد محلہ میں قبل جماعت فقط تین چار آدمیوں سے جماعت کر کے باہر چلا جائے تو بھی جماعت ساقط ہو جائے گی یا نہ؟ (۲) سوائے مسجد محلہ کے کوئی سفر میں ہو، یا اگر شرعی مسافر نہ ہو لیکن اپنے وطن کے سوا اور کہیں ہو تو بھی اس پر حضور مسجد کی جماعت کا لازم ہے یا نہیں، دوسرے یہ ہے کہ جو

وعید تارک جماعت پر وار و مول ہے وہ مطلقاً جماعت کے تارک ہے یا مسجد محلہ کی جماعت کے تارک ہے! اکثر کتب میں اس کی تفصیل و تفریق نہیں کی گئی ہے، اس لئے بعض اس کے قائل ہونے لگے ہیں کہ جماعت مؤکد عام ہے، اس کی تحقیق و تفصیل سے آگاہی بخشنے کا؟

الجواب؛ حنفیہ کے نزدیک صلوات مکتوبہ کی جماعت مسجد محلہ میں سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے، گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب مل جاویگا، لیکن ترک سنت مؤکدہ اور ترک واجب کا گناہ ہوگا، قال فی التوسیر والجماعة سنة مؤكدة للرجل واقبلها اثنان وقيل واجبة وعليه العامة اه قال فی الدر عن البحر وهو اى الوجوب الراجح عند اهل المذاهب اه رص ۵۶، ۵۷ ج ۱، اس سے تو جماعت کا وجوب معلوم ہوا، رہی اس کی دلیل کہ مسجد میں جماعت کرنا واجب ہے، سو حنفیہ سب اس پر متفق ہیں کہ اجابت اذان واجب ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اجابت باللسان واجب ہے یا بالقدم، بشر بن لالی نے نور الايضاح و مرقا الفلاح میں دونوں کو واجب کہا ہے اور قاضی خاں و حلوانی وغیرہ نے صرف اجابت بالقدم کو واجب کہل ہے، اور اجابت باللسان کو مستحب کہا ہے، قال فی البحر قال قاضی خان اجابة المؤذن فضيلة وان تركها لا ياثم واما قوله عليه السلام من لم يجب الاذان فلا صلوة له فمعناه الاجابة بالقدم لا باللسان فقط اه وقال الحلواني الاجابة بالقدم لا باللسان حتى لو اجاب باللسان ولم يمش الى المسجد لا يكون مجيبا ولو كان في المسجد حين سمع الاذان ليس عليه الاجابة اه رص ۲۵۹ ج ۱، اور ظاہر ہے کہ اجابت بالقدم سے مراد یہی ہے کہ مسجد جا کر جماعت سے نماز پڑھے و فی رد المحتار فیہا اذا افتتہ الجماعة فی مسجد حية و ذکر القدر وری یجمع باھلہ و یصلی بہم یعنی و ینال ثواب الجماعة کذا فی الفتح و ذکر الشربنلا لی بان هذا ینافی وجوب الجماعة و اجاب بان الوجوب عند عدم الخروج و فی تتبعها فی الاماکن القاصية حرج مع مافی مجاوزة مسجد حية من مخالفة قوله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد اه رص ۵۸۰ ج ۱

اس سے صاف معلوم ہوا کہ گھر میں جماعت کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ مسجد محلہ میں جماعت نہ مل سکی ہو، اور اگر مسجد محلہ میں جماعت ابھی نہیں ہوئی تو گھر میں جماعت

کرنا جائز نہیں، بحر میں ہے و سئل الحلواني عن یجمع باھلہ احیاناً ناهل ینال ثواب الجماعة اولاً قال لا ویكون بدعة و مکروها اه رص ۳۶، ۳۷ ج ۱، اس میں میں صاف تصریح ہے کہ گھر میں جماعت کرنا بدعت و مکروہ ہے، یعنی جب کہ مسجد محلہ میں جماعت ملنے کی امید ہو، اور اگر وہاں جماعت ہو چکی تو پھر گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا، لیکن ترک جماعت فی المسجد کا گناہ بھی ہوگا، اگر اس نے قصد کسل وغیرہ کی وجہ سے دیر کی ہو، اور اگر عذر شرعی کی وجہ سے دیر ہو گئی تو گناہ نہ ہوگا، پس صاحب نے جو مطلقاً لکھا ہے اختلف العلماء فی اقامتها فی البیت والا صح انہا کاقامتہا فی المسجد الا فی الفضيلة وهو ظاهر مذهب الشافعی کذا فی حاشیة البحر یہ صحیح نہیں، کیونکہ اصحاب مذہب کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، اور صاحب قنیہ کی نقل ضعیف ہے، اور یہ قول احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من سره ان یلقى الله غدا مسلما فلیحافظ علی اخلاء الصلوات الخمس حیث ینادی بہن فان الله شرع لنبیہ صلی الله علیه وسلم سنن الہدی فاممن من سنن الہدی وانی لا احسب منکم احد الا لاله مسجد فی بیتہ یصلی فیہ فلو صلیتہم فی بیوتکم وترکتہم متاجدکم لتترکتہم سنة نبیکم ولو ترکتہم سنة نبیکم لضللتہم الحدیث اخرجه النسائی و اللفظ له و مسلم وابوداؤد و لفظ مسلم قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم عملنا سنن الہدی وان من سنن الہدی الصلوة فی المسجد الذی یؤذن فیہ ام، اس میں صاف مسجد میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنے کو سنت مؤکدہ اور گھر میں نماز پڑھنے کو ضلالت کہا ہے،

وعن ابن عباس مرفوعاً من سمع النداء ولم یجب فلا صلوة له الا من عذر صححه الحاكم و ابن حبان، وعن علی مرفوعاً لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد رواه ابن حبان وسنده حسن التفصیل فی اعلا السنن اور جو شخص سفر شرعی سے کم مسافت کا مسافر ہے وہ حکم مقیم ہے، اس پر بھی جماعت مسجد کا اہتمام واجب ہے، لا استثناء الفقہاء المسافر دون المقیم البتہ اگر اس حالت میں جماعت سے کوئی دوسرا عذر مانع ہو تو مختلف عن الجماعت کی گنجائش ہے، والا عذر مذکور فی الفقہ بالبسط والشدہ علم

بدعتی اور غیر مقلد کی اقتداء کا حکم | سوال (۳۷) ہم لوگ تھوڑی آدمی اہل سنت والجماعت اور انہیں کون اور کس کی اقتداء بہتر ہے؟
 حنفی المذہب ہیں، ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے کوئی اچھی بات نہیں چھوڑی، جو کچھ ان سے ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہئے اپنی طرف سے کوئی نیا کام ایجاد نہ کرنا چاہئے، اپنے امام کا پورا مقلد حقیقی طور پر ہونا چاہئے۔
 ۱۔ دوسری جماعت جو اپنے کو حنفی اور مقلد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں، مگر بہت کام جس کا امام صاحب سے ثبوت نہیں کرتے ہیں، مثلاً مولود، وقت ذکر پیدائش قیام، فاتحہ مرد و جہ، گیارہویں، رجبی شریف، عرس، اور زیارت مزار بزرگان کے واسطے پھولواری شریف، اجیر شریف، بہار شریف وغیرہ بھی جاتے ہیں، آذان میں اشہدان محمد رسول اللہ پر جب مؤذن پہنچتا ہے تو یہ انگوٹھوں کے ناخن کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں، ان میں سے کوئی کام جائز ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیے گا،
 ۲۔ تیسری جماعت ہے جو تقلید شخصی کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن حدیث کے مطابق عمل چاہئے، البتہ قرآن و حدیث میں جو مسئلہ نہ ملے تو اماموں کا قول قابل عمل ہے، آمین آواز سے کہتے ہیں، رفع یدین کرتے ہیں، رکوع سے اٹھ کر اللہم ربنا لک الحمد پورا پڑھتے ہیں، سجدہ سے اٹھ کر اللہم اغفر لی پورا پڑھتے ہیں، مولود، نیاز، گیارہویں، رجبی شریف عرس وغیرہ نہیں کرتے ہیں۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ دو مسجدیں یہاں ہیں، ایک مسجد میں جماعت نمبر ۲ حنفی مذہب کے امام ہیں، جماعت بھی ان کی کثیر ہے، ہم لوگ جماعت ۱ ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ہم لوگوں کے لڑکوں پر بڑا اثر... بڑا ہے، یعنی یہ لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی حنفی یہ بھی حنفی، تو اتنی بڑی جماعت جو کام کرتی ہے وہ ضرور جائز ہی ہوگا، ورنہ ان کے علماء تو منع کرتے، علماء تو خود مولود، نیاز، عرس وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں، اور اس کی تعریف کرتے ہیں، اور دوسری مسجد میں امام غیر مقلد ہیں، ان کی جماعت کثیر اس مسجد میں نماز پڑھتی ہے، یہاں ہم لوگ اگر نماز پڑھیں تو مقتدی بننا پڑتا ہے، ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں ہم لوگوں کے لڑکوں پر بڑا اثر پڑنے کا خوف نہیں، کیونکہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ یہ لوگ غیر مقلد ہیں، ان کا مذہب ہی دوسرا ہے، مگر آمین، رفع یدین یہ لوگ کرتے ہیں، ایسی حالت میں ہم لوگوں کا جماعت ۱ کے ساتھ نماز پڑھنا بہتر ہے یا جماعت ۲ غیر مقلدوں کے

ساتھ نماز پڑھنا اچھا ہے،

جوابات؛ را حنفی مقلدوں کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کتاب اللہ اور حدیث کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لئے جو کچھ انھوں نے مسائل شرعیہ بیان فرماتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہرگز نہیں، اور خطا، سے بجز انبیاء کے کوئی معصوم نہیں، ممکن ہے کہ امام صاحب سے کسی جگہ خطا بھی ہوئی ہو، مگر یہ احتمال جیسا امام صاحب کے متعلق ہر تمام ائمہ اور محدثین کے متعلق بھی ہے، پس جو شخص کسی مسئلہ میں امام صاحب کو خطا پر تبتلا کر اگر وہ مجتہد ہے تو ممکن ہے کہ خود اسی کا قول خطا ہو، اور اگر مجتہد نہیں تو اس کو امام صاحب جیسے مجتہد اعظم کی شان میں ایسی بات کہنا چھوڑنا منہ بڑی بات ہے، جو سخت بے ادبی ہے، پس حنفی یوں سمجھیں کہ ہم قرآن و حدیث ہی کا اتباع کرتے ہیں، اس تفسیر کے موافق جو امام ابو حنیفہ نے بیان فرمائی ہیں، اور جو لوگ مجتہد نہ ہوں ان پر واجب ہے کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں کسی مجتہد کا اتباع کریں، محض اپنی سمجھ سے مطلب نہ گھڑیں، کیونکہ ہر علم میں ماہرین کا اتباع لازم ہے، اور قرآن و حدیث کے ماہر مجتہدین ہی ہیں،

(۲) یہ لوگ بدعتی ہیں، ان سے احتراز کرنا چاہئے، یہ امام ابو حنیفہ کے پورے مقلد نہیں بلکہ بہت باتیں ان کے خلاف کرتے ہیں، چنانچہ جتنی باتوں کا اس نمبر میں ذکر ہے امام ابو حنیفہ نے ان کو جائز نہیں فرمایا، بلکہ ان کے مذہب کی رُو سے یہ سب بدعات ہیں،

(۳) یہ لوگ غیر مقلد ہیں، اور اسلام میں جس قدر فتنے پیدا ہوتے ہیں ترک تقلید ہی سے پیدا ہوتے ہیں، پس حنفی مقلدوں کو نمبر ۲ و ۳ دونوں جماعتوں سے الگ رہنا چاہئے، اور کسی کے ساتھ بھی نماز نہ پڑھیں، بلکہ اپنی جماعت الگ کریں اور بدرجہ مجبوری جماعت نمبر ۲ کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں، کیونکہ وہ لوگ نماز وضو پاکی ناپاکی کے مسائل میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کرتے ہیں تو حنفیوں کی نماز اپنے مذہب کے موافق صحیح ہو جائے گی، اور جماعت ۲ وضو اور غسل اور پاکی ناپاکی کے مسائل میں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی بہت امور میں مخالف ہیں، ان کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ متنی ان کے یہاں پاک ہے، غسل جنابت میں کھلی کرنا، ناک میں پانی دینا ان کے یہاں ضروری نہیں، خون، پیپ اتنے وغیرہ سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا، کنوس میں چوباد وغیرہ مرنے سے کنواں ان کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتا، ایسی حالت میں ان کے وضو اور پاکی کا کیا اعتبار رہا، اولاد کا بگڑنا سو اس کا اندیشہ غیر مقلدوں کے ساتھ

میل جول میں زیادہ ہی کیونکہ وہ خود نمازی ہی کے اندر بہت باتیں ہمارے خلاف کرتے ہیں، جس سے بچوں کو وحشت ہوگی کہ یہ نئی باتیں کیسی ہیں، پھر ممکن ہو کہ وہ بھی غیر مقلد ہو جائیں اور یہ سخت فتنہ ہے، جس کے بعد ایمان کی خیر بہت کم ہے، واللہ اعلم، ۱۸ سوال مسئلہ

اگلی صف پر ہونے کے بعد سوال (۲۸) اگر
اکیلا آدمی کیا کرے؟ کوئی شخص جماعت کھڑی ہونے کے بعد آئے اور تنہا ہو تو صف میں سے کسی نمازی کو اپنے تحت شامل کرنے کے واسطے پیچھے کو کھینچے تو نیت اول باندھے (یعنی تکبیر تحریمہ اول کہی) یا بدون نیت (د تکبیر تحریمہ) باندھے کھینچ لے، اور اس کو اپنے برابر کھڑا کر کے نیت باندھے، اگر بدون نیت باندھے کھینچے گا تو تعلیم خارج تو نہ ہوگی؟

الجواب؛ آجکل کسی کو نہ کھینچے، نہ بعد تکبیر تحریمہ نہ قبل تکبیر تحریمہ، بلکہ مسبقاً صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جائے، اور تفرّد خلف الصف میں جو کراہت ہو وہ جب ہی کہ صف میں فرج ہو، اور جب صف بھر گئی ہو پھر تفرّد میں کراہت نہیں، آجکل فتویٰ اسی پر ہے، اور اگر کوئی مسئلہ جذب ہی پر عمل کرنا چاہے تو جذب عالم بعد التکبیر اولیٰ ہے، اور قبل التکبیر بھی جائز ہے، فساد کسی صورت میں نہیں، اور جذب جاہل میں فساد کا خوف ہے، قال فی رد المحتار عن الفقہائے عن الجلابی ان المقتدی یتأخر عن الیمن الی خلف اذا جاء اخرام فی الفتح ولو اقتدی واحد باخر فجاو ثالث یجذب المقتدی بعد التکبیر ولو جذب به قبل التکبیر لا یضراً اه قلت ومسئله المتفرّد خلف الصف مثله واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ ربیع الثانی

حکم نزاع در امامت سوال (۲۹) جناب کو ماجرا سے ذیل میں ثالث ہم لوگوں نے مانگے، جیسا فرمان ہو، عمل میں لاویں گے، ایک محلہ کے قدیمی داعی امام قاری صاحب نے دوسرے ضلع میں بضرورت جانا چاہا، مصلیٰ لوگوں نے جواب دیا کہ منشی لطف الرحمن غیر ملکی کو جیسا کہ آگے اور ایک سال چند روز جمعہ (یعنی اٹکلین) دیکر گئے تھے اب بھی دیکھ جلیئے، امام قدیم نے موافق اجازت مصلیٰ نے خطیب سے جا کر کہہ کر دوسرے ضلع کو چلے گئے، نئے خطیب نے بعد دو جمعہ آکر مصلیوں سے کہا کہ میں کسی جمعہ کے لئے قبول نہیں کرتا اگر برابر برابر امامتی دو گے پڑھاؤں گا، مصلیوں نے مجبوراً کہا کہ آپ نئے امام ٹھیک ہیں اور قدیمی امام کو آئندہ نہیں رکھیں گے، اور قسم بھی اس پر کھائی، اب قدیمی امام آکر دعویٰ دیا ہوئے، اور فساد یہاں تک بڑھا کہ اب اب سب مصلیٰ اور قدیم و جدید دونوں امام جناب سے دست بستہ

عص گذار ہیں کہ اس درمیانی قول و استمرار و قسم کرنے سے نئے امام کا حق امامت گرنے سے یا قدیم امام کا، موافق حکم و اجازت مصلیٰ جو کہ نئے امام کو کہہ کر اور امامت کا حکم دے کر دوسرے ضلع گیا تھا، ابھی اسی کا دعویٰ اور حق امامت بحال رہے گا، کس کا خطیبی بحال رہے گا، الحاصل مصلیٰ لوگ اور دونوں امام قدیم محلہ و امام و خطیب غیر محلہ سب مل کر دستخط کر کے جناب سے مسئلہ طلب کرتے ہیں، اور ثالث مانتے ہیں کہ کون داعی خطیب موافق شرع محمدی کے ہے، موافق اس کے عمل کریں گے،

الجواب؛ صورت مسئلہ میں چونکہ امام قدیم رخصت لے کر گیا تھا مستعفی ہو کر نہیں گیا تھا، اور اہل محلہ یعنی مصلیوں نے امام جدید کو مقرر کرتے ہوئے امام قدیم کو اطلاع نہیں دی کہ تم کو معزول کر دیا گیا، اس لئے امام قدیم منصب امامت پر بدستور باقی ہے، فان الاجارة لا یصح فسخها الا بحضور المتعاقدين حقیقۃ او حکماً ولم یوجد، اور اس کا دعویٰ حق بجانب ہے، کیونکہ نہ اُس نے استعفیٰ دیا، نہ اس کو عزل کی اطلاع دی گئی، اور امام جدید کا دعویٰ بھی حق بجانب ہے، کیونکہ جس وقت اس نے امامت سے انکار کیا تو اہل محلہ نے اس کو ہمیشہ کے واسطے امام بنا لیا، اور اس سے عہد بھی کر لیا تھا، پس امام قدیم اور امام جدید دونوں امامت کے عہدے پر قائم ہیں، اور ان ایام کی تنخواہ دونوں کو دینی پڑے گی، اور اب اہل محلہ کو خستیا رہی کہ اگر دونوں کو امام نہ رکھ سکیں تو ان میں سے ایک کو جواب دید کر الگ کر دیں، خواہ قدیم کو خواہ جدید کو، اور وسعت ہو تو دونوں کو امام بنا لیں، یہ تو صورت مسئلہ کا جواب تھا، اب بطور نصیحت کے لکھا جاتا ہے کہ اہل محلہ نے اس معاملہ میں سخت کوتاہی کی کہ جس وقت امام جدید کو مستقل امام داعی بنا لیا تھا اس وقت امام قدیم کو اطلاع کیوں نہیں دی، کہ تم کو آج سے معزول کر دیا گیا، اور امام جدید سے یہ سخت بے مروتی کی کہ امام قدیم کے منصب کی طبع کی، اور اس کی جگہ پر قبضہ جمانا چاہا، اور امام قدیم نے یہ غلطی کی کہ جب اس کی جگہ اہل محلہ نے دوسرے کو رکھ لیا تھا تو اس میں آکر جھگڑا اور منازعت کی یہ امور علم و اسلام کی شان سے بہت بعید تھے، واللہ اعلم ۲۳ ربیع الثانی

سوال (۵۰) جماعت کی نماز میں صف اول سب صف اول میں امام کے پیچھے پھر داعی اور بہتر جگہ اس شخص کی ہے جو امام کے پیچھے ہوتا ہے اور پھر بائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت اس کے بعد جو داعی طرف اور بعد ازاں وہ شخص جو بائیں طرف ہے، اس ترتیب مراعات کے

بارے میں جو فقہاء کی عبارت ہو وہ مجسہ تحریر فرمانے کا ارشاد فرمادیں، یہ ترتیب غالب بحر الرائق میں مذکور ہے، کتاب یہاں میسر نہیں آتی۔

الجواب، قال الشامی روی فی الاخبیر ان اللہ تعالیٰ اذا انزل الرحمۃ علی الجماعۃ یفزلہا اولیٰ علی الامام ثم تتجاوز عنہ الی من بعد ائمہ فی الصف الاول ثم الی المیا من ثم الی المیا ثم الی الصف الثانی استامہ فی البحراہ ص ۵۹۳ قلت والحديث اخرجہ فی کنز العمال نحوه قریباً منہ والظاهر من جلالۃ السیوطی انہ لا یسکت عن الموضوع فلا بأس فی الفصائل، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ رمضان ۱۳۵۴ھ

ظلم وفسق کا مرتکب لائق امامت نہیں ہے | سوال (۵۱) |

..... ایک نابینا حافظ راجپوت مسلمان قاضی صاحب کی بہن کو قرآن شریف پڑھانے جایا کرتے تھے، حافظ صاحب کو لوگوں نے منع کیا، حافظ جی پڑھانے سے منع نہ ہوتے، حافظ جی صاحب نے قاضی کی بہن کا نکاح اس کے تالیازاد بھائی سے کر دیا، ایک دن گھر میں خوشدامن کے ساتھ لڑائی ہوئی، طعنہ و تشنیع ہونے لگی، غرض قاضی کی بہن کو نکال دیا، اور پھر طلاق نامہ لکھ کر اس کو دیدیا، پھر عدت طلاق ختم کے بعد حافظ صاحب نے اپنی شاگردوں سے نکاح پڑھوایا، قاضی صاحب کی بہن کی اولاد حافظ صاحب کے تخم سے ہوئی، حافظ صاحب کا انتقال ہو گیا، اب حافظ صاحب کے لڑکے مدرسہ اسلامیہ قرآنیم میں پڑھنے کے واسطے گئے تو قاضی صاحب نے اپنے بھانجوں کو نکلوا دیا، اور یہ کہا یہاں پڑھنے مت آنا، جو پڑھنے آئے تو مار دیں گے، ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اس قاضی امام کا ان بچوں کو یعنی بھانجوں کو مدرسہ نکالنا ظلم ہے، جو محض عصیت اور جاہلیت پر مبنی ہے، اور ظلم و فسق ہے، لہذا جب تک یہ امام اپنے بھانجوں سے اس ظلم کو رفع نہ کرے اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے، امامت سے الگ کر دیا جائے، فقط والشداعلم،

صحبت اقتداء کیلئے علم بحال و انتقالات امام | سوال (۵۲) | دو منزلہ مسجد میں اگر اوپر کے درجہ شرط ہے، سماع صوت ضروری نہیں، پر امام مع محققین ہو اور نیچے بھی مقتدین ہوں یا بالعکس ہو تو علی الاطلاق سب کی نماز درست ہے، یا اس کے متعلق کچھ شرائط ہیں؟

مثلاً امام کی آواز سب کو پہنچنا ضروری ہے یا نہیں، اگر امام کی آواز نہ پہنچے تو کبیر کی تکبیر کافی ہے یا نہیں؟

الجواب، علم بحال الامام و بانتقالاتہ شرط ہے، خواہ سماع صوت امام سے ہو یا سماع صوت کبیر سے، اور ایک شرط یہ ہے کہ امام سے تقدم نہ ہو، اگر کوئی مقدم ہو گیا اس کی نماز درست نہ ہوگی،

مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے | سوال (۵۳) | جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ محلہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، احقر عبدالکریم عفی عنہ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ

پیش امام تیمم سے جماعت | سوال (۵۴) | پیش امام تیمم سے جماعت کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر امام نے کسی عذر سے تیمم کیا ہے تو شیخین کے

نزدیک اس کی امامت صحیح ہے، اور امام محمد کے نزدیک صحیح نہیں، اس لئے بہتر ہے کہ

کسی اور شخص متوضی کو امام بنایا جاوے، البتہ اگر اور کوئی شخص امامت کے قابل موجود نہ ہو

تو خود ہی پڑھاوے، اور نماز جنازہ میں بالاتفاق امامت متیمم جائز ہے فی الدر المختار (صح

اقتداء متوضی) لا ماء معہ (بستیمم) وقال الشامی ای عندہما وقال محمد

لا یصح فی غیر صلوات الجنائز (ص ۱۶۱۵ ج ۱) احقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

مواضع وقف کے علاوہ وقف کر نوالے | سوال (۵۵) | اگر قاری نے حالت نماز میں اضطراباً

کی منازادہ اس کی اقتداء حکم ایسے موقع پر وقف کر کے اعادہ لفظ موقوف کا کیا جائے

اوقات معتبرہ میں سے کوئی وقف نہیں ہے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ فقہاء

نے تکرار کو مکروہ لکھا ہے، اور اس نے لفظ موقوف کا تکرار کیا، لہذا نماز مکروہ ہوئی، نیز ایسے

شخص کی امامت جائز نہیں، ثبوت میں فتاویٰ عالمگیری باب الامامۃ کی یہ عبارت پیش کرتا

ہے، ومن یقف فی غیر مواضعہ ولا یقف فی مواضعہ لا ینبغی لہ ان یؤتم

اب گزارش یہ ہے کہ تکرار کا اطلاق اعادہ لفظ موقوف پر بھی ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہو تو اقتداء

مابعد سے کرنی ہوگی، اور یہ صورت قراء کی تصریح کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ وہ لوگ وقف قیچ

پر اعادہ لازم کہتے ہیں، آیا یہ لزوم غیر نماز میں ہے یا نماز میں بھی، جواب تفصیل ارشاد فرمادیں، بینوا توجروا

الجواب: حالت اضطرار میں وقت اور تکرار کا مضائقہ نہیں اور ایک آدھ لفظ کے تکرار کو فقہاء نے مکروہ نہیں کہا، اور عالمگیری کی عبارت میں وہ شخص مراد ہے جو بلا ضرورت بکثرت ایسا کرتا ہو، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ رجب ۱۳۸۸ھ

جب صف میں جگہ نہ ہو تو بعد میں آنوالا | سوال (۵۶) | جماعت میں پوری صف ہونے کے بعد ہتھاکھڑا ہو یا کیت کرے ۱۱

اگر کوئی شخص آوے اور راستی میں صف میں جگہ باقی نہ ہو تو بائیں جانب سے کسی مقتدی کو کھینچے یا راستی جانب سے یا سج سے اندیشہ فساد کی جگہ تو ہتھاکھڑا ہونا چاہئے، مگر جہاں اہل علم ہوں وہاں کس طرف سے کھینچے،

الجواب: جب صف میں جگہ نہ ہو تو ہتھاکھڑا ہونا مکروہ تو ہے نہیں جیسا عالمگیری میں محیط سے بروایت محمد بن شجاع و حسن بن زیاد عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، اور صف سے کسی کو کھینچنے میں اندیشہ ہی اور کھینچنا ضروری ہے نہیں فقط اولیٰ ہے، اس واسطے فقہاء نے اب اس سے مطلقاً منع کر دیا ہے، اور ہتھاکھڑا ہونے کو اولیٰ قرار دیا، فی الطحاوی علی مرقی الفلاح الاصح انہ ینتظر الی الروع فان جاء رجل والاجذب الیہ رجلاً ودخل فی الصف والقیام وحده اولیٰ فی زماننا الغلبۃ الجہل فلعلہ اذا جرح تفسد صلاتہ، اور اس میں یہ تفصیل کہ اگر عالم بالا حکام ہو تو اس کو کھینچ لے ورنہ یہ قبیل کے ساتھ نقل کی ہے، اور ایسے موقع پر اندیشہ فساد کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عین اس وقت اس شخص سے فساد صلوٰۃ متوہم ہو جس کو کھینچنا چاہتا ہے، بلکہ اس مسئلہ کو شائع کرنے سے اور اس پر عمل کرنے سے اندیشہ ہے کہ عوام اپنی نمازیں توڑ لیں گے، غلبہ جہل سے اس طرف اشارہ ہے کہ گو قلیل مقدار میں عالم ہیں، مگر کثرت کے اعتبار کر کے سب جگہ یکساں عمل کریں گے واللہ اعلم، باقی رہی یہ بات کہ اگر کوئی بنا بر جواز کسی عالم بالا حکام کو کھینچنا چاہے تو کس جگہ سے کھینچے تو اس کا جسرتیہ تو بلا نہیں، لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع تک انتظار کرے کہ شاید کوئی نمازی آجاوے، اور اگر نہ آوے تو درمیان سے کھینچے، کیونکہ اس میں ایک ہی خرابی ہے، کہ صف مقدم میں جگہ خالی رہے گی، اور تیار سے کھینچنے میں اس کے علاوہ یہ بھی

عہ اس کے ساتھ ہی ایک قید مرقی الفلاح میں یہ بھی ہے لایتا ذی بہ ۱۲ منہ

خرابی ہے کہ صف آخر درمیان سے شروع نہ ہوگی، اور جب ہر کہ دونوں جگہ عالم بالا حکام موجود ہوں، ورنہ جہاں ہو وہیں سے گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اس میں یہی ہر کہ ہتھاکھڑا ہو جائے، اور قواعد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کھینچنے کے بعد اگر کوئی شخص آجاوے تو جدیداً آنوالے کو چاہئے کہ صف مقدم میں جو جگہ خالی ہو اس کو پُر کرے، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، رمضان ۱۳۸۸ھ

مسجد کی چھت پر بلا ضرورت | سوال (۵۷) | مسجد کی چھت پر بلا ضرورت جماعت کرنا مکروہ ہے، بوجہ گرمی امام والین مسجد اور صحن مسجد کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر جا کر جماعت کرے تو اس کا یہ طرز عمل از روئے شرع شریف صحیح ہوگا یا خلاف اور نماز ایسی صورت میں ہو جاوے گی، یا دوبارہ پڑھنی پڑے گی، اس کا جواب باصواب بالشریح مع حوالہ جات تحریر فرمائیں، بینوا تو حبروا؟

الجواب: نماز صحیح تو ہو جاوے گی، دوبارہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں، مگر بلا ضرورت مسجد کی چھت پر جانا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس واسطے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، کما قال العلامة الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول التئیر (والوطؤ فوقہ) ثم رأیت القہستانی نقل عن المفید کراہۃ الصعود علی المسجد اہ ویلزمہ کراہۃ الصلوٰۃ ایضاً فوقہ فلیتأمل، اور گرمی کی شدت بھی ضرورت اور عذر میں داخل ہے یا نہیں اس کی تصریح نہیں ملی، مگر بظاہر عذر نہیں معلوم ہوتا، اس لئے احقر کے نزدیک چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے، وہو الاحوط، واللہ اعلم علامہ و حکم کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

تورک واعتماد معذور اور | سوال (۵۸) | ایک شخص امام مسجد مقرر ہو اب اس امام کو کوئی ایسے شخص کی اقتداء کا حکم مرض لاحق ہو ہے، جس کی وجہ سے جلوس عورتوں کی طرح پیر ایک طرف نکال کر کرتا ہے، نیز بیچھک او ٹھک میں ہاتھ سے ٹیک لگاتا ہے، ایسے شخص کو امام مقرر رکھنا کیسا ہے، اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، اگر کراہت ہو تو کیسی؟

الجواب: اس کی امامت درست ہے، کچھ کراہت نہیں، تورک واعتماد غیر معذور کے لئے مکروہ ہے، معذور کے لئے مکروہ نہیں، فقد فعلہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حین بدن لکبرہ، ۲۰ محرم ۱۳۸۸ھ

عہ چونکہ یہ جزئیہ کہیں مصرح نہیں اس لئے دوسری جگہ بھی تحقیق کر لیا جائے ۱۲ منہ

فصل فی المسبوق من الملاحق

مسبوق کی نماز کا حکم جبکہ وہ سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے اور امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہو..... سوال (۱)..... میں نے ایک مرتبہ جناب سے

سجدہ سہو کے متعلق دریافت کیا تھا، اگر بلا ضرورت سجدہ سہو کر لیا جاوے تو کیا نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے؟ چنانچہ جناب نے حسب ذیل فتویٰ صادر فرمایا:-

(نقل فتویٰ) اگر مصلیٰ سجدہ سہو کی ضرورت سمجھ کر سجدہ سہو کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ سجدہ سہو کی ضرورت نہ تھی تو اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب نہیں، الامداد کی عبارت میں دیکھوں تو اس کو حل کر سکتا ہوں، قال فی حاشیة نور الايضاح ولو تابع المسبوق امامه فی سجود السهو فتبين انه لا سهو عليه فصلوة المسبوق جائزة عند المتأخرين وعليه الفتوى ام (ص ۱۹۷) قلت وهذا فرع لصحة صلوة الامام فان صلوة المسبوق تفسد بفساد صلوة امامه كما لا يخفى، الامداد کی عبارت حسب ذیل غور فرمائیے، الامداد بابت ماہ رجب ۱۳۲۳ھ ص ۱۹

(سوال) اگر آخرین میں کسی نے ضم سورۃ سہو کیا اور اس نے سجدہ سہو اس کو موجب سہو سمجھ کر لیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں، آیا سجدہ بے ضرورت کو زیادت فی الرکن و ترداد کی اعادہ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے یا نہیں؟

(جواب) فی الدر المختار واجبات الصلوة و لفظ السلام مرتین فالثانی واجب و فیہ قبیل باب الاستخلاف و لو ظن الامام السهو فتجد له فتاویٰ رای المسبوق، فبان ان لا سهو فالاشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد..... و فی رد المحتار و فی الفیض و قبیل لا تفسد و بہ یفتی و فی البحر عن الظہیریۃ قال الفقیہ ابواللیث فی زماننا لا تفسد لان الجهل فی القراءت غالب ام، و فی الخلاصۃ اذا ظن الامام ان علیہ سهوا فسجن للسهو و تابعه المسبوق فی ذلك ثم علم ان الامام لم یکن علیہ سهوا فیہ روایتان اختلف المشایخ لاختلاف الروایتین و اشهرهما ان صلوة المسبوق نفسه و قال الامام ابو حفص الكبير لا یفسد و الصدرا الشہید اخذ به فی واقعہ

ص ۱۶۳ ج ۱۶۳

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوتے، مگر نماز ہو جائے گی، نمبر ۲، اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چونکہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کر دیا لہذا واجب ہو گا، نمبر ۳، اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدہ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتداء کیا، اس مسبوق کی نماز درمختار کے قول پر اور وہی مقتضی قواعد کا بھی ہے فاسد ہو گئی، لیکن اگر اس مسبوق کو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ لگا، تو یہ محذور ہے، اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابواللیث کے حکم عدم فساد کا محل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو پتہ نہ لگے، پس دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاوے گی،

الجواب، مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، جناب کا والا نامہ موصول ہوا تھا میں سفر میں تھا، اس لئے دیر ہوئی، پھر حضرت مولانا سے دریافت کا موقع نہ ملا، کہ آج آپ کا دوسرا خط موصول ہوا تو میں نے اس کی بابت حضرت مولانا سے عرض کیا، حضرت کے ارشاد کے بعد جو رائے میری قائم ہوئی وہ یہ ہے کہ الامداد میں قواعد کے موافق جواب دیا گیا ہے، اور احقر نے متأخرین کے قول مفتی بہ کے موافق جواب دیا ہے، رہا سلام کا مسئلہ تو الامداد میں ایک سلام کے بعد نماز کو ختم مانا ہے، اور دوسرا سلام گویا فوت ہوا اور میرا یہ خیال ہے کہ ایک سلام کے بعد جب سجدہ سہو کیا گیا پھر دونوں طرف سلام پھیرا گیا تو اس سلام سے سلام ثانی کی قضا ہو گئی، گویا کہ سلام ثانی فوت نہیں ہوا، بلکہ مؤخر ہوا، رہا یہ کہ اس تاخیر سے سجدہ سہو دوبارہ لازم ہونا چاہئے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک بار سجدہ سہو تمام سہوات کے لئے کافی ہے، یہ حال اس صورت میں اعادہ صلوٰۃ واجب نہیں، ہذا ما علمتہ والہذا علم، دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیں اور جو محقق ہو اس سے مجھے بھی اطلاع دیں فقط ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

مسبوق نے غلطی سے سلام پھیر دیا | سوال (۲) امام نے سلام پھیرا اور مسبوق ناوانی یا ہو اور پھر کسی کے کہنے پر کھڑا ہو گیا | سے سلام پھیر دیا یا چپ بیٹھا رہا تب امام یا دوسرے مقتدی کے (جواب) حاج نماز میں ہی بتلانے سے وہ خیال کیا کہ نماز باقی رہا باقی پڑھی یہ درست ہو یا نہ؟ الجواب، اس حالت میں سلام پھیرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور مقتدی

تخرج صلوة یا امام فارغ عن الصلوة کے بتلانے سے اگر مسبوق کو یاد آ گیا اور اپنی یاد پر کھڑا ہوا تو نماز فاسد نہیں ہوتی بشرطیکہ کوئی عمل منافی صلوة نہ کیا ہو، پس اگر امام کے سلام کے بعد فوراً بتلانے سے کھڑا ہوا تب تو سجدہ سہو بھی نہیں، اور تین سبحان اللہ کی مقدار دیر ہوئی تو سجدہ سہو لازم ہے، ۲، جمادی الثانیہ ۱۲۳۴ھ

مسبوق اگر امام کے ساتھ سوال (۳) اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو میں یہ سمجھ کر سلام پھرنے کو کیا حکم ہے؟ سلام پھیرا کہ مجھ کو بھی دیگر مقتدیوں کی طرح سلام پھیرنا چاہئے تو اس کا کیا حکم ہے، اور سہو اسلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

الجواب؛ قال فی الدر ولوسلم المسبوق، ما هی ان بعد امامہ لزمہ السہو والا لا قال الشامی قوله ولوسلم ساھیا قید بہ لانه لوسلم مع الامام علی ظن ان علیہ السلام معہ فهو سلام عمد فتضبد کما فی البحر عن الظہیرۃ ام ص ۱۶۶ و فی الخلاصۃ المسبوق اذا سلم مع الامام علی ظن ان علیہ ان یسلم مع الامام فهو سلام عمد ایمن البند ام ص ۱۶۹ ج ۱، صورت اولیٰ میں جب کہ مسبوق نے سلام سہو میں امام کی متابعت عمداً کی ہے مسبوق کی نماز فاسد ہوگئی، اور صورت ثانیہ میں جبکہ سہو اسلام پھیر دیا تو حکم یہ ہے کہ اگر یہ سلام امام کے ساتھ پھیرا تب تو مسبوق پر کچھ نہیں، لکن مقتدیانی ہذا الحاله وسہو المقتدی لا یوجب شیئاً، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو مسبوق کے ذمہ سجدہ سہو لازم آئے گا، لکن منفردانی ہذا الحاله وسہو المنفرد یوجب سجود السہو، میں کہتا ہوں کہ مقتضی قیاس کا یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہ آئے، کیونکہ اگر اس نے امام کے بعد بھی سلام پھیرا، جب بھی وہ شرکت سجود سہو کی وجہ سے حالت اقتداء کی طرف لوٹ آیا تو یہ سہو بھی سہو منفرد نہیں بلکہ سہو مقتدی ہے وهو لا یوجب شیئاً قال الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح اما سلامہ بعد سلام الامام من سجود السہو فلا یلزم بہ سہو لانه لما سجد للسہو معہ عاد الی الاقتداء ولا سہو علی المقتدی قائل فیہ کلامہ ^{۲۱} ۲، شعبان ۱۲۳۴ھ امام کے ساتھ ایک رکعت پانچویں مسبوق پر سوال (۴) در مختار کی اس عبارت فمدرک رکعتہ ایک رکعت اور اگر نیکے بعد قعدہ لازم ہے یا نہیں؟ من غیر فخریاتی برکتین بفاتحہ رسورۃ و تشهد بینہما سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ثلاثی اور رباعی نماز کی ایک رکعت پانچویں والے مسبوق ایک رکعت تسلیم

امام کے بعد پڑھ کر وجوباً قعدہ کرے اور تشهد پڑھے، اور اگر نہ کیا تو سجدہ سہو کرنا چاہئے، ورنہ کراہت تحریمی ہوگی اور تشهد بینہما کے تحت میں علامہ شامی نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ قال فی شرح المنیۃ ولولم یقعد جازاً استحساناً لاقیاساً ولم یلزمہ سجود السہو لکن رکعتہ اولیٰ من وجہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ اور تشهد مذکورہ واجب و ضروری نہیں، ورنہ سجدہ سہو یا اعادہ واجب ہوتا، اگر حرکت کی صورت میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے یا سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، تو حضور کلیم فرما کر اثبات مدعی کے لئے کوئی عبارت علاوہ ان عبارات کے تحریر فرماویں تاکہ اطمینان ہو ورنہ متن و شرح کی عبارت کی توجیہ فرماویں کہ بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہیں،

الجواب؛ قال فی الدر فی احکام المسبوق ویقضى اول صلوة فی حق قرأة و آخرھا فی حق تشهد ام فی رد المحتار ہذا قول محمد کما فی مبسوط السخسی وعلیہ اقتصر فی الخلاصۃ وشرح الطحاوی والاسیبجانی والفتح والدر والبحر وغیرہم و ذکر الخلاف كذلك فی السراج لکن فی صلاة الجلابی ان ہذا قولہما وتمامہ فی شرح الشیخ الممعیل و فی الفیض عن المستصفی لو ادركہ فی رکعة الرباعی یقضى رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشهد ثم یاتی بالثانیة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة روقا رکعتہ بفاتحة وسورة وتشهد ثم رکعتین اولہا بفاتحة وسورة وثانیتهما بفاتحة خاصة وظاہر کلامہم اعتماد قول محمد ام ص ۲۲۲ و ۲۲۳، ۱۳۲۲، و فی کتاب الآثار لمحمد قال اخبرنا ابو حنیفة ر عن حماد عن ابراهیم ان مسروقاً وجندبا وخلافی صلوة الامام فی المغرب فادرکامعہ رکعة وسبقہما برکعتین وصلبامعہ رکعة ثم قاما یقضیان فاما مسروق فجلس فی الرکعة الاولیٰ التي قضی واما جندب فقام فی الاولیٰ وجلس فی الثانیة فلما انصرا فاقبل کل واحد علی صاحبه ثم انہما تساوفا الی عبد اللہ بن مسعود فقضاء علیہ القصة فقال کلا کما قد احسن وان اصلى کما صلی مسروق احب الی قال محمد ویقول ابن مسعود ناخذ مجلس فی الرکعتین جميعاً اللتین فاتاه وهو قول ابی حنیفة ر ام ص ۲۲،

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمختار میں جو قول نقل کیا ہے وہ افضل ہے، اور اگر ثلاثی و رباعی نماز کی ایک رکعت پانے والا مسبوق نسلیم امام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کرے بلکہ دو رکعت کے بعد قعدہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، اور سجدہ سہو لازم نہیں آئیگا واللہ اعلم، ۳۳ سوال مسئلہ ۳۳

۱۴) اگر چار رکعت کے بعد سہواً کھڑا ہو جائے | سوال (۵) چار رکعت والی نماز میں اگر امام قعدہ تو کیا مسبوق اس کی اقتدار کرے، | اخیرہ کر کے سہواً کھڑا ہو جائے اور دو رکعت اور منضم کر لے تو ان دو رکعت میں مسبوق اس امام کی اقتدار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور در صورت جواز یہ دو رکعت مسبوق کے حق میں کیا ہوگی؟

الجواب: قعدہ اخیرہ کے بعد اگر امام سہواً کھڑا ہو جائے تو مسبوق کو اس زائد نماز میں اقتدار جائز نہیں، اگر اقتدار کرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال فی الدرر لو قام امامہ لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا اھ قال الشامی قوله تفسد ای صلوٰۃ المسبوق لانه اقتداء فی موضع الا لفرادھ (ص ۶۲۶ ج ۱) واللہ اعلم، ۳۴ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

مسبوق کی نماز کا حکم جبکہ امام کے ساتھ | سوال (۶) فرض نماز میں اگر امام نے سجدہ سہو کیا، اور سجدہ سہو کرے، حالانکہ امام پر سجدہ سہو واجب تھا پھر معلوم ہوا کہ جس صورت میں سجدہ سہو کیا ہے، اس میں سجدہ سہو واجب نہیں تھا، یعنی کوئی واجب ترک نہیں ہوا تھا، تو اس صورت میں جو ایسے مقتدی ہیں جن کی کوئی رکعت جماعت سے جاتی رہی ہے، مثلاً ایک یا دو رکعت ہونے کے بعد شریک جماعت ہوئے ہیں، اور امام کے ساتھ انھوں نے بھی سجدہ سہو کیا ہے، تو ان کی نماز میں کچھ نقص تو نہ ہوگا؟

الجواب: اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں مسبوق کی نماز فاسد ہے، اور دوسری میں فاسد نہیں، کمافی الخلاصۃ (ص ۱۶۳ ج ۱) اور عموم بلوٹی کی وجہ سے میں دوسری صورت میں فتویٰ دیتا ہوں، ۳۲ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ

نماز مغرب میں امام نے سہواً چوتھی رکعت ملا کر سلام پھیر دیا | سوال (۷) امام نے مغرب کی نماز اور دوبارہ نماز پڑھائی تو جو لوگ پہلی جماعت کی دوسری یا بعد کی رکعتوں میں شریک ہو کر دوسری جماعت میں شریک ہو گئے ہیں یا نہیں کر کے چوتھی رکعت سہواً اور پڑھادی

بعد سلام کے مقتدیوں نے یاد دلایا کہ چار رکعت ہوئی ہیں، امام نے یہ سن کر دوبارہ پھر نماز پڑھا دی، سو یہ نماز یقیناً ادا ہو گئی ہوگی، اب اس میں دو بات اور قابل تحقیق ہیں، (۱) پہلی نماز میں جو لوگ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں آ کر شریک ہوئے تھے وہ بھی اس اعادہ میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں (۲) جو لوگ اس اعادہ میں والی نماز میں از سر نو شریک ہوئے ہیں ان کی نماز بھی ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: اس کے متعلق جزئیہ تو نہیں ملا، لیکن قواعد سے اختلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے ادا ہونے کی صورت میں اقتدار صحیح نہیں، اور صورت مذکورہ فی السؤال میں اعادہ کیا جاوے تو اس میں یہ اختلاف منہ ہے کہ دوسری نماز یا فرض واقع ہوگی یا نماز اول کے لئے جابر ہوتی ہے، اس لئے اعادہ مذکورہ کے وقت کسی نئے آدمی کی اقتدار میں اختلاف ہوگا، اور چونکہ مختار قول ثانی ہے، مکاصرح فی الدرر مع شرحہ ص ۶۷ ج ۱، اس لئے اقتدار نہ کرنا مختار ہوگا، اور جس شخص نے چوتھی رکعت میں اقتدار کی ہے چونکہ اس کی اقتدار صحیح نہیں ہوئی، کمافی الشامی ص ۸۲ ج ۱، تمہ، لواقتمی بہ مفترض فی قیام الخامسة بعد القعود قدر التشمیم یصح ولو اعاد الی القعدہ اس لئے وہ اس شخص کے مانند ہے جو پہلی نماز میں بالکل شامل نہیں ہوا، اور دوسری تیسری رکعت میں شامل ہونے والوں نے اگر اپنی وہ رکعت جس میں یہ مسبوق ہیں ادا کر لی ہے تب تو جماعت ثانیہ میں شریک ہو جاوے، اور اگر دوسری جماعت کی تیاری سن کر انھوں نے نماز توڑ دی ہے تو وہ بھی نئے اشخاص کے حکم میں ہوں گے، کمالاتی، واللہ اعلم،

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

حکم اقتدار مسبوق | سوال (۸) اگر مسبوق نمازی جماعت میں ایسے وقت آ کے ملے کہ وہ امام بوقت سلام امام کے سلام پھیرنے سے پہلے صرف نیت ہی باندھنے پایا یا قعدہ میں ملنے کے لئے کچھ ٹھوڑی ہی جھکا تھا، مگر قعدہ نہ مل سکا، اور امام نے سلام پھیر دیا، تو یہ فرمایا کہ وہ مسبوق نمازی جماعت میں شامل ہوا یا نہیں، اگر جماعت میں شامل ہوا نہیں تو نیت سے اپنی نماز فردا پوری کرے، یا پھر سے علیحدہ نماز کی نیت کرے؟

الجواب: قال فی الدرر لو کبر قاشا فرکح ولم یقف صح لان مالئ بہ الی ان یبلغ الركوع یکفیه قذیہ ص ۶۳ ج ۱ و فی الشربلالیۃ والثانی من شرط

صححة التحريمه الاتيان بالتحريمه قائما ومنحنيا قليلا قبل وجود اغتنامه
بما هو اقرب للركوع قال في البرهان لو ادرك الامام ركعا فحني ظهره ثم كبر ان
كان الى القيام اقرب صح الشروع ولو اراد به تكبير الركوع وتلغويته لان
مدرك الامام في الركوع لا يحتاج الى تكبير مرتين خلافا لبعضهم وان كان
الى الركوع اقرب لا يصح التحريمه ام من ۱۱۲، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر
تحریم کے لئے بقدر اللہ اکبر قیام کافی ہے، زیادہ کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ مصلیٰ پر
تحریم کے بعد قیام بھی فرض ہو، صرف صحت تحریم کے لئے ادراک رکوع وغیرہ میں قیام
زائد علی قدر اللہ اکبر لازم نہیں، پس اگر سلام امام سے پہلے نیت صلوة کے بعد اللہ اکبر کہے
تو اقتدار صحیح ہوگی، گو ٹھکے بھی نہ پایا ہو، بیٹھے بھی نہ پایا ہو، اور اللہ اکبر کے بعد وقفہ
بھی نہ ہو، واللہ اعلم، ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ

مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں تشہد درود سوال (۹) مسبوق قعدہ اخیرہ میں تشہد اور
دونوں پڑھے یا فقط تشہد پر اکتفاء کرے، درود شریف دونوں پڑھے یا فقط تشہد یا ساکت
رہے، اور دعاء مانورہ پڑھے یا نہیں؟

الجواب؛ غالباً قعدہ اخیرہ سے مراد وہ قعدہ ہے جو امام کا قعدہ اخیرہ ہے، سو
اس میں مسبوق کو صرف تشہد پڑھنا چاہئے، خواہ تشہد کو آہستہ آہستہ پکھڑا کر اس
طرح پڑھے کہ سلام امام تک ممتد ہو جائے یا تشہد کو مکرر پڑھتا رہے، اس پر درود
دعاء کا اضافہ نہ کرے، ۱۳ رجب ۱۳۲۳ھ

امام قعدہ اخیرہ کے بعد سہواً پانچویں رکعت سوال (۱۰) مسبوق کا امام قعدہ اخیرہ میں تشہد
کے لئے کھڑا ہو جائے اور مسبوق امام سے پڑھ کر سہو سے پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا، مسبوق
علیحدہ اپنی نماز پوری کر دے تو سجدہ سہو میں بعد کھڑے ہو جانے کے امام کے اپنی بقیہ نماز امام
امام کی تشہد شریک ہو یا نہیں، اور شریک سے علیحدہ ہو کر پڑھنی شروع کر دے، اور امام نے
ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا فاسد ہوگی؟ ابھی تک پانچویں رکعت کا سجدہ بھی نہ کیا تھا مگر
امام پانچویں رکعت کا رکوع کر چکا تھا اور اس مسبوق نے اپنی بقیہ نماز کی امام سے علیحدہ ہو کر
مع رکوع سجدہ کے ایک رکعت پوری کرنی اور امام کو پانچویں رکعت کا رکوع کرنے کے بعد
پانچویں رکعت میں ہونا یا آیا اور امام سجدہ سہو کی طرف لوٹا تو یہ مسبوق ایک رکعت

علیحدہ پڑھنے کے بعد سجدہ سہو میں امام کا شریک ہو دے یا نہیں، اور اگر شریک ہو گیا ہو تو
اس مسبوق کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں، اور اگر شریک نہ ہو تو یہ مسبوق اپنی بقیہ نماز پوری
کر کے قعدہ اخیرہ میں سجدہ سہو کرے یا نہیں، اور اگر شریک نہ ہو اور سجدہ سہو بھی نہ کیا تو
مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیے گا،

الجواب؛ قال في الخلاصة الامام اذا قام الى الخامسة وتابعه المسبوق
ان كان قعدا اماما على الرابعة تفسد صلوة المسبوق وان لم يكن قعدا
حتى يقيد الخامسة بالسجدة فان قعدت صلوة الكل ام، (ص ۱۶۳، ۱۶۴)
وفي الدرر لواقام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا
قال الشامي تفسد اي صلوة المسبوق لانه اقتدا به في موضع الانفرد وان
اقتداء المسبوق بخير مفسد كما مر وقوله والا لا لان ما قام اليه الامام
على شرف الرفض وعدم تمام الصلوة ام (ص ۱۶۶، ۱۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھ کر پانچویں رکعت کی طرف کھڑا
ہو جائے تو اب مسبوق کو اس کا اتباع نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس سے علیحدہ ہو کر اپنی نماز پوری
کر لینا چاہئے، اور اگر اس نے پانچویں رکعت میں امام کی موافقت کی تو اس کی نماز فاسد
ہو جائے گی، اور عدم موافقت کی صورت میں مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہ آئے گا، کیونکہ امام
پر یہ سہو ایسی حالت میں لازم آیا ہے، جبکہ مسبوق منفرد ہو چکا ہے، اور اگر امام خامسہ کے
سجدہ سے پہلے سجدہ سہو کی طرف لوٹ آئے جب بھی مسبوق اس کی موافقت نہ کرے
بلکہ اگر موافقت کر گیا نماز فاسد ہو جائے گی، ۵ سوال ۱۳۲۳ھ

مسبوق کے شامل جماعت ہوتے ہی امام سلام سوال (۱۱) مسبوق کے اقتدار کر کے بیٹھے
پھیرے تو وہ تشہد پڑھے یا نہیں؟ ہی امام سلام پھیر دیا، اب وہ مسبوق تشہد پڑھنے
کھڑا ہو گیا یا کیا کرے گا؟

الجواب؛ مسبوق کے شامل ہوتے ہی اگر امام سلام پھیرے تب بھی مسبوق
کو تشہد پوری کر کے کھڑا ہونا چاہئے، کافی الدرر بخلاف سلامہ، اوقیامہ الى
الثالثة (قبل اتمام التشهد) فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولو لم يتم
جاز وقال الشامي اي ولو خافت ان تغوته الركعة الثالثة مع الامام كما

کا لعطاس والجشاء اذا حصل بهما حروف ام رص (۱۸۹) ای ولم یمكنه دفعة
وفیه ایضا و ذکر المحقق ابن امیر حاج ما حاصله ان المشی لا یخلو اما ان
یکون بلا عذر او یکون بعذر فان کان بلا عذر فان کان کثیرا متوالیا یفسد
صلوٰتہ سواء استدبر القبلة مع ذلك او لا لانه حیثین عمل کثیر لیس
من اعمال الصلوٰۃ ولم تقع الرخصة فیہ وان کان کثیرا غیر متوال بل تفرقا
فی رکعات او تخلله مهلات فان استدبر مع القبلة فسد لوجود المنافی
قطعا من غیر ضرورة وان لم یستدبر مع القبلة لم تفسد ولكن یکره لما
عرفت ان ما افسد کثیرا کره قلیله عند عدم الضرورة وان کان بعذر کان
لاجل الموضوع من الحدیث فی الصلوٰۃ اولاً نصل فیہ الی وجه العذر واورجوه
من صلوٰۃ الخوف لا یفسد ولا یکره مطلقا سواء کان قلیلا او کثیرا استدبر
القبلة اولم یستدبر ام رص (۱۸۹) والله اعلم، اور یہ جواب اس وقت ہے جبکہ
یہ حرکات بالاضطرار صادر ہوتے ہوئے ان لوگوں کو ہوش باقی رہتا ہو، اور اگر ہوش بھی
نہیں رہتا اور اس درجہ بے خبری ہو جاتی ہے کہ اگر ریح صادر ہو جائے تب بھی ان کو خبر
نہ ہو تو اس حالت میں نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور وضو بھی، لانه کالغشی والنوم
الثقلین وبہما تفسد الصلوٰۃ لمنظرة خروج الناقض، لیکن جب ان لوگوں کی ان حرکات
نمازیوں کو وحش اور خوف لاحق ہوتا ہے تو ایسے غلبہ حال کی حالت میں ان لوگوں کو عجا
سے نماز نہ پڑھنا چاہئے، اپنے گھر میں پڑھنا چاہئے، لما قدر رد فی الحدیث من اهل النوم
فلا یقر بن مصلا نا وعلیٰ النہی ایذارہ المسلمین فی دخل تحتہ کل ما حصل بہ الا یذارہ،

رہا ان سے مرید ہونا تو اگر یہ لوگ متبع شریعت ہوں، اور کسی شیخ محقق نے ان میں
سے کسی کو مجاز و خلیفہ کر دیا ہو تو اس سے بیعت ہونا جائز ہے ورنہ نہیں، واللہ اعلم،
۵ اذ یقعہ ۳۲۱ھ

بغیر ضرورت کے صرف بنیان سوال (۲) یعنی (بنیان) جو آجکل نہایت کثرت سے لوگ پہننے میں مثل
میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیمہ کے کہنی کے اوپر ہوتا ہے اس کو پہن کر نماز بلا کراہت جائز
ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جس شخص کے پاس کراہت نہ ہو اس کی نماز گنجی رہنیاں، پہن کر بلا کراہت

درست ہے، اور جس کے پاس آستین والا کراہت ہو اس کی نماز گنجی پہن کر بکراہت درست ہے
کیونکہ نماز میں کہنیوں کا بلا عذر رکھنا مکروہ ہے، نیز عادتاً صرف بنیان پہن کر مجالس عامہ
میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے تو صاحب استطاعت کو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ
ہے، جس کو پہن کر مجالس عامہ میں وہ نہ جاسکے، واللہ اعلم، ۲۲ رذی الحج ۳۲ھ

ناہینا کو نماز میں قبلہ رخ | سوال (۳) ایک ناہینا آدمی نے نماز کی نیت باندھی اور اس کا رخ ٹھیک
کردینا درست ہے یا نہیں؟ قبلہ کی طرف نہیں ہے تو اس صورت میں دو سر آدمی کو زبان سے بتلانا یا ہاتھوں سے
پکڑ کر اس کو قبلہ رو کر دینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب؛ جائز ہے بشرطیکہ نماز شروع کرنے کے وقت کوئی بتلانے والا میسر
نہ ہو، اور اگر میسر تھا اور پھر بدون پرچھے اندھے نے نماز شروع کر دی، تو وہ نماز اول ہی
سے باطل ہے، بعد کا بتلانا اور قبلہ رو کرنا مفید نہ ہوگا، قال فی العالمگیریۃ ولو اشتبہت
القبلة فی المفازة فوق اجتماده الی جهة فاجبرہ عدلان اذا کان من اهل ذلك
الموضع لا یجوز لہ الا ان یاخذ بقولہما کذا فی الخلاصة ام رص (۱۳۰۹) وفیہما
الاعنی اذا صلی رکعة الی غیر القبلة فجاء رجل وحولہ الی القبلة واقتدی بہ
ان لم یجد الاعنی (حین افتتح الصلوٰۃ) من یسئل جازت صلوٰۃ الامام
رای الاعنی) وفسدت صلوٰۃ المقتدی ام رص (۱۳۰۴) مختصلا قلت ولكن
دل الجزئیستان علی جواز نفس الاخبار والتحویل، واللہ اعلم، ۱۲ رجب ۳۲۱ھ

منبر کی سیڑھی پر سجدہ کرنے کا حکم | سوال (۴) ایک مسجد میں امام کے خطبہ پڑھنے کا جو منبر ہے
اس کی ایک سیڑھی کچھ زیادہ آگے کو ہے، جس کی وجہ سے جو صف اول نمازیوں کی ہوتی ہے
اس میں دو نمازیوں کو سجدہ اسی سیڑھی کے اوپر کرنا پڑتا ہے، اور یہ سیڑھی فرش مسجد
پانچ گرہ اونچی ہے، اگر مجبوری ہے تو صرف اسی قدر کہ ایسی صورت میں اندر کے دریا
بجائے تین صف کے دو صف ہوتی ہیں اور اگر منبر کے سامنے جو سیڑھی ہے اسی قدر
جگہ کو چھوڑ دی جائے تو صف میں تو ضرورتاً ہو جاوے گی، لیکن درمیان میں دو نمازیوں
کی جگہ خالی رہتی ہے، اور سلسلہ صف شکستہ ہوتا ہے، اور یہ بات نہیں ہے کہ مسجد میں
گنجائش نہیں ہے، بلکہ ضرورت سے زیادہ گنجائش ہے، لہذا اندر سے صورت ان دو نمازیوں

کی نماز صحیح ہوتی ہے اور جائز ہے یا کیا صورت ہے؟

الجواب؛ ایک بالشت اونچی سیڑھی پر سجدہ جائز ہے، اور وہ سیڑھی پانچ گزہ ہی اس لئے نماز جائز نہیں ہوتی، فی العالمگیریہ (ص ۲۳ ج ۱) اذا كان موضع السجود ارفع من موضع القدمين بقدر لبنة او لبنتين منصوبتين جازوان زاد لم يجز كذا في الزاهدی واحد اللبنة ربع ذراع كذا في السراج الوهاج، اور بلا ضرورت صفت میں جگہ چھوڑنا بھی مکروہ ہے اس لئے اندر دو صفت باندھی جائیں،

کتاب الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۸ ربيع الثاني ۱۲۲۸ھ الجواب صحیح نظر احمد عفا اللہ عنہ قعدہ آخرتی تشہد پڑھنے کے بعد امام سہوا کھڑا ہوا اور تشہد پڑھنے لگا، اور تشہد پڑھنے کے بعد مقتدی کے قدمینے پر بیٹھ گیا اور تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کیا، اور پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا، تو نماز ہو گئی یا نہیں؟

بیٹھا اور پھر التعمیات پڑھ کر سجدہ سہو کیا، اور سجدہ ۳ کرنے کے بعد پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرا، ایسی حالت میں اس کی نماز کیسی ہوتی؟

الجواب؛ قال فی الدر وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد و سلم و سلم قائماً صح ام قال الشامی ای عاد للجلوس لمامرات ملأ الركعة محل للرفض وفيه إشارة الى انه لا يعيد التشهد وبه صح في البحر قال في الامداد والعود للتسليم جالساً سنة لان السنة التسليم جالساً والتسليم حال القيام غير مشروع في الصلوة المطلقة بلا عذر فيأتي به على الوجه المشروع فلو سلم قائماً لم تفسد صلاته وكان تاركاً للسنة ام (ص ۸۲ ج ۱) قلت ومثال العذر ما اذا انتقض وضوؤه وهو قائم فيسلم قائماً ولا ينتظر القعود فان المعنى في الصلوة بعد انتقاض الوضوء لا يجوز والله اعلم وذكر في هذه المسئلة استطراد الحاجة اليها والله تعالى اعلم اس صورت میں دوبارہ تشہد پڑھنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ بیٹھتے ہی سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لینا چاہئے تھا، لیکن اگر بیٹھنے کے بعد دوبارہ تشہد پڑھ لیا، پھر سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا، جب بھی نماز صحیح ہو گئی، اور سجدہ سہو اس تاخیر کا بھی جابر ہو گیا،

والله تعالى اعلم وعلمه واتم واحكم، يحرم المحرمات

عورتوں کیلئے نماز میں عقص | سوال (۵) زید دعویٰ می کند کہ در حالت عقص شعر نماز شعر مکروہ یا نہیں؟ | گذاردن مردان را مکروہ است نہ زنان را زیرا کہ برین کراہت بحدیثی کہ صاحب ہدایہ وغیرہا استدلال کرده اند، موردش مرد است نہ زن و نیز موتے سر زن حکم عضوے میدارد و برین تقدیر اگر برائے سجدہ موتے زن موتے خود را بگذارد تا بوجہ بردن شدن از پارچه سر نمازش فاسد گردد، اما عمرومی گوید کہ در کراہت آن عقص شعر حکم مردون یکسان است چرا کہ اگرچہ مورد حدیث مذکور خاص است لیکن حکمش عام لهذا فقہاء درجاء کہ حکم آن کراہت بمردان تخصیص نہ کرده اند،

الجواب؛ قال فی الدر فی باب المکروهات و عقص شعره ام قال الشامی ای ضفره و فتلہ والمراد به ان يجعله علی هامته ویشده بصمغ او یلف ذوائبه حول رأسه كما یفعله النساء فی بعض الاوقات او یجمع الشعر کله من قبل القفا ویشده بخیط او خرقة و جمیع ذلك مکروه لما روی الطبرانی انه علیه الصلوة والسلام نمی ان یصلی الرجل ورأسه معقوص ام (ص ۶۱ ج ۱) و فی نیل الاوطار عن العزاتی وهو مختص بالرجال دون النساء لان شعرهن عورة یجب ستراً فی الصلوة فاذا نقصته ربما استرسل وتعد رستراً فیتطل صلاحها ام (ص ۲۳۵ ج ۲) قلت وقول العزاتی لا تأبأه قواعد نابل هی تعویذ فان شعر النساء عورة عندنا ایضاً، پس درین مسئلہ ہم قول زید نزد ما صحیح است، نہ قول والہ اعلم،

(تنبیہ) دریک بار زاید از سہ سوال را جواب دادن اینجا قاعدہ نیست پس از بقیہ سوالات دوبارہ استفسار کنند اگر خواہند، ۸ محرم ۱۳۲۸ھ

سوال (۶) در مطلب این عبارت بہشتی زیور کی ایک عبارت کی وضاحت کہ اگر جنبت و دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا، اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی، بحث شدہ است، کہے گوید کہ اس آواز خاص است و کسی گوید عام، پس اگر خاص باشد حد اوچہ و آن آواز اختیاری است یا نہ و مراد از دل بھر آنا، چیست؟ و امامت آن کس اگر متبع شریعت باشد درست است یا نہ،

للشہ فرمودہ اجرش عند اللہ امانت و امانت و امانت

الجواب: مراد از این عبارت گریہ بختیاری است کہ بر ضبط آن قدرت نباشد الا بالخرج، پس این چنین گریہ اگر از ذکر جنبت و دوزخ یا از غلبہ نجات خداوندی در حالت نماز طاری شود نماز فاسد نگردد و اگر چه با از بلند و صیاح مزید باشد قال المحقق فی الفتح تحت قول الهدایة فان ان فیها اوتاه او بکنی فارفع بکاء فان کان من ذکر الجنة او النار لم یقطعها لانه یدل علی زیادة الخشوع اه، مانضه وان حصل به الحروف اه ص ۳۲۲ ج ۱ و فی موضع اخر و الصیاح ملحق بالکلام الذی بساطه ذلك الصیاح و سیاتی انه اذا ارتفع بکاء من ذکر الجنة و النار لا یفسد و ان کان یقال ان المراد اذا حصل به الحروف و لو صرح به رای بالجنة و النار بسوا الیها و العیاذ منها، لا یفسد اه ملخصا (ص ۳۲۲ ج ۱) پس گریہ را کہ بزرگ آخرت باشد حدیث نیست بجز آنکہ از قصد و اختیار نباشد، واللہ اعلم، غره جمادی الثانی ۱۲۶

سوال (۴) مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے، مکروہ ہے یا نہیں؟ پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر رمضان شریف میں ایک امام نیچے مسجد میں تراویح پڑھائے اور دوسرا امام مسجد کی چھت پر پڑھائے تو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اگر مسجد میں دو بزرگ یعنی دو منزلیں ہوں تو دو سکر درجہ کا چھت میں شمار ہوگا یا نہیں، فتاویٰ قاضیخان مطبوعہ نوکلشور جلد اول صفحہ ۱۱ میں یہ عبارت ہے و کذا یوصلی علی السطح فی شدۃ الحر لقولہ تعالیٰ قل نار جہنم اشد حرًا لو کانوا یفقیہون، کیا اس عبارت سے چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں،

الجواب: قال فی الدر و کرة تحریما الوطأ فوقہ و البول و التغوط لانه مسجد الی عنان السماء اه قال الشامی و بعد ایصح اقتداء من علی سطح المسجد من فیہ اذا لم یقدم علی الامام و لا یبطل الاعتکاف بالصعود الیہ و لا یحل الجنب و الحائض و النفساء الوقوف علیہ و لو حلفت لا یدخل هذه الدار وقت علی سطحہ یحنت اه (ص ۶۸۶ ج ۱) و ایضا فان الفقہاء لم ینکروا مکروہات الصلوٰۃ سوی ظہر بیت اللہ ام، مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ

دل علیہ قولہ فارفع بکاء لم یقل رفع بکاء و القواعد تدل ایضا،

نہیں کیونکہ وہ بھی مسجد ہی ہے، البتہ یہ جائز نہیں کہ جماعت سقف ہی پر ہو چھت کے درجہ میں نماز ہی نہ ہو، کیونکہ اصل مسجدیت میں داخلی حصہ ہی ہے، سقف کی مسجدیت تبعاً للتحتم و پس داخلی حصہ میں نماز نہ ہونا صرف سقف پر ہونا مکروہ ہوگا، الا للمحاجة الشدیدیة بان کان المسجد منزیلین و یحذر الصلوٰۃ فی الداخل للمحر و نحوہ فہو عذر و لان المنزلة الثانية لیس فی حکم السقف بالکلیة بل لہ حکم المسجد و السقف ما کان فوق المنزلة الثانية، اور یہ صورت بلا کراہت جائز ہے کہ امام تحت میں داخل مسجد ہو اور کچھ جماعت اس کے ساتھ ہو، اور کثرت جماعت کے وقت کچھ آدمی اوپر چھت پر اقتدار کر لیں بشرط التخلف عن الامام و فی شرح المنیة للعسلی و کذا لیکرہ، لوصلی علی سطح المسجد من شدۃ الحر لقولہ تعالیٰ قل نار جہنم اشد حرًا لو کانوا یفقیہون اه و فی الفتیة امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلفت فی کراہتہ و الاولی ان لا یصلی فیہ عند العذر کیف بغیرہ (ص ۳۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تحت مسجد کو چھوڑ کر سقف پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہ تو سقف کا حکم ہے، اور دو منزلہ کے بارے میں یہ کہنا کہ بالائی منزل سقف کے حکم میں ہے صحیح نہیں بلکہ سقف وہ ہے جو بالائی منزل کے اوپر ہے، پس دو منزلہ میں یہ جائز ہے کہ کسی وقت تحتانی منزل میں نماز نہ پڑھی جائے، صرف بالائی میں پڑھی جائے وہ اس کی نظر ہے کہ کسی وقت مسجد کے داخلی حصہ میں نماز نہ ہو، بلکہ صحن میں پڑھی جاوے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے، رہی یہ صورت کہ دو منزلہ مسجد میں ایک امام تحتانی منزل میں ہو اور ایک امام بالائی منزل میں ہو، اور دونوں الگ الگ تراویح پڑھاویں، سو یہ صورت مکروہ ہے، کیونکہ فقہاء نے ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں سے منع کیا ہے، و لو صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلی ثانیاً یصلی فرادی کذا فی المخلصة (ص ۶۲ ج ۱) و فی شرح المنیة (ص ۳۸۹) و لو ام فی التراویح مرتین فی مسجد واحد کرہ و کذا یوصلی ہا مرتین ما مونا فی مسجد واحد ان یصلی فی المسجدین اختلف المشایخ فیہ ام نیز تکرار جماعت ایک مسجد میں ایک وقت میں سلف سے ثابت نہیں، و الخیر کلہ فی اتباع السلف و لا یغتر احد بما یفعلہ اہل الحرم من تعدد الجماعات فی التراویح فان الحرم یجوز فیہ تکرار الجماعۃ فانه لا یصدق علیہ انہ مسجد محتل بل ہو مسجد شارع و قد تقررت لاکراہتہ فی تکرار الجماعۃ فیہا جماعاً (شامی ص ۵۸، ۵۹) و بالجملة فکل مسجد یجوز تکرار الجماعۃ فیہ لا بأس بتکرار التراویح فیہ اذا کان الامام و المومون فی کل علیہم و الا فلا، ۲۷ شعبان ۱۲۶

حکم نماز بلا عمامہ و بلا قفصہ

سوال (۸) لوگ آجکل مختلف ہیں

(۱) سر پر کلاہ اور کچھ کے اوپر عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں، (۲) صرف ٹوپی سے فریضہ ادا کرتے ہیں بمشکل ۱۵، فی صدی ہوں گے، (۳) سر پر صرف ننگی یا مملل وغیرہ کی..... پگڑی باندھے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، پگڑی وغیرہ کے نیچے ٹوپی نہیں ہوتی، ایسے ۵۰، ۳۰ فی صدی ہوں گے،

دیگر یہ کہ ایسا بھی دیکھا کہ نمبر ۲ سے اگر ضرورتاً امام بھی بن جائیں تو وہ ٹوپی اُتار کر صرف گز دو گز یا کم و بیش رد مال وغیرہ باندھ کر جماعت کرا دیتے ہیں، پورے طور پر تمام سر بھی نہیں ڈھکا جاتا، نمبر ۳ کے سر تو بالعموم درمیان سے کٹے رہتے ہیں، لہذا با آداب التماس ہی کہ ہر سہ اقسام مذکورہ کے درجات نماز، نیز از روئے شریعت دیگر حالات پر نظر ڈالتے ہوئے نماز امام اور دو سر اشخاص نمبر ۳ میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؛ اگر ہی تو آگاہ فرما دیجئے،

الجواب: قال فی شرح الثمائل ولا بأس بلبس القفص للاصتقہ بالرأس والمرتفعة المضربة وغيرها تحت العمامة وبلا عمامة لان کل ذلك جاء عن المصطفى و بذلك اید بعضهم ما اعتد فی بعض الاقطار من ترک العمامة من اصلها لکن الافضل العمامة اه و لابی داؤد والترمذی فرق ما بیننا و بین المشرکین العمامة علی القلائس قال الترمذی غریب و اسنادہ لیس بالقائم اه (ص ۱۶۶ ج ۱) و فیہ (ص ۱۶۸) وقال میرک و روی عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یلبس القلائس تحت العمامة و یلبس العمامة بغیر القلائس اه وقد رد دانتہ صلی الله علیه وسلم نہی عن الاعتجار فی الصلوة و فسره الفقهاء کما فی مرقی الفلاح بانہ شد الرأس بالمندیل او تکویر عمامتہ علی راسہ و ترک و سطھا مشکوفا (ص ۲۰۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ تینوں جائز ہیں، مگر افضل صورت نمبر ۱ ہے اور نمبر ۳ ایسی شرط سے جائز ہے کہ سر کا درمیانی حصہ بھی عمامہ سے مستور ہو، کاشوف ہو ورنہ نماز مکروہ ہوگی، واللہ اعلم،

۱۵ رجب الثانی ۱۳۴۴ھ

مجنونہ کی محاذات مفسد نماز نہیں

سوال (۹) مجنونہ عورت کی محاذات باعث فساد نماز

ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نہیں، کیونکہ فسادِ صلوة بالمحاذات کے لئے اشتراک فی الصلوة والتحریر شرط ہے اور مجنونہ کی نماز ہی صحیح نہیں، ص ۳۳ فی کتب الفقہہ کلمہا باشتراط اشتراکھا تحریمہ و اداء و هو فرع صحة الصلوة والمجنون لا تحب علیہ الفرائض ولا تصح منه وهذا ظاهر، واللہ اعلم و فی الثامیة عن الفہستلی قال و فیہ اشارۃ الی ان محاذات المجنونۃ لا تفسد لان صلاحاتھا لیت بصلوة فی الحقیقۃ (ص ۱۳۵۹۹ ج ۱) ۱۸ جمادی الثانیۃ ۱۳۴۴ھ

بلا ضرورت بنیان یا میل خوری میں جن کی اسوال (۱۰) بنیان یا میل خوری جن کی آستینیں مرفقین تک ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے مرفقین تک ہو یا اس سے کچھ اوپر فقط اس کو پین نماز ادا کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ ہے، جبکہ اس کے پاس اور کپڑے بھی ہوں، کیونکہ اس کو پین کر آدمی محافل و سوق میں نہیں جاسکتا، عادی، نیز مرفقین کا کھولنا خود مکروہ ہے، اور جب مجنون طوالت رکعت ثانی امام کو رکوع میں لچانے کیلئے اسوال (۱۱)..... سامع کا اللہ اکبر کہنا مفسد نماز ہے یا نہیں؟

..... ایک شخص تراویح میں قرآن عظیم سنا رہا ہے، دوسرا سماعت کرتا ہے، جبکہ سماعت کرنے والا یہ خیال کرے کہ پہلی رکعت سے دوسری بڑھی جاتی ہے، یا ایسا بھول گیا ہے کہ دونوں سے نہیں نکلتا، یا اس سامع کا منشا آگے بڑھنا نہیں ہے، ان صورتوں میں امام کو رکوع میں لانے کے واسطے سماعت کرنا اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں لے آئے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ اور سامع پر کوئی مواخذہ تو نہیں ہوگی

الجواب: اگر سامع کا اللہ اکبر کہتے ہی امام نے رکوع کر دیا، یعنی محض اس کے حکم کی تعمیل کی تو نماز فاسد ہو گئی، اور اگر امام نے اس کے اللہ اکبر سے متنبہ ہو کر اپنے اختیار سے اور اپنی رائے سے رکوع کیا، تو نماز صحیح ہو گئی، بہر حال سامع کا امام کو اللہ اکبر کہہ کر رکوع کی طرف لانا سخت خطرناک بات ہے، ایسا کبھی نہ کرنا چاہئے، واللہ اعلم، قال فی الدرر (حج) لو امتثل امر غیرہ فقیل لہ تقدّم او دخل فرجۃ الصف فوسع لہ

فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه قهستاني اه قال الشامي هذا امثال
بالفعل ومثله ما نوا امثال بالقول كما اذا امر رجل المؤذن ان يجهر بالتكبير فحمد

المؤذن ان قصد جوايه فسدت صلوته عام (ص ۱۳۶۵) ۱۹ رمضان ۱۲۴۴ھ

جس پر سجدہ سہولاً لازم آوردہ لازم سمجھ کر سہو کرے
تو نماز ادا ہو جائیگی یا ایسی نماز واجب الاعادہ ہے؟

تیسری رکعت میں الحمد کے بعد سہو سے قل ہو اللہ
کی سورۃ تمام یا اور کوئی سورۃ پڑھ لی اور لاعلی سے یہ سمجھا کہ تیسری رکعت فرض میں سورت

طلبنے سے سجدہ سہولاً لازم ہو گیا، اور قعدۃ اخیرہ میں تہنید پڑھ کر سجدہ سہو کر کے پھر تہنید اور
درود دعا، ماثورہ پڑھ کر نماز کو ختم کر دیا، چونکہ فرض نماز کی تیسری رکعت میں سورت ملائے

سے سجدہ سہولاً لازم نہیں ہوتا، اور اس نے بغیر سجدہ سہولاً لازم ہونے کے نماز میں سجدہ سہو کیا تو
اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں، اور اگر درست ہوئی تو کیسی ہوئی، مکروہ تحریمی یعنی یا تنزیہی ہوئی

اور اس نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں، یا اعادہ بہتر ہے؟ تحریر فرمائیے گا،

الجواب؛ قال في الخلاصة اذا ظن الامام ان عليه السهو فوجد للمسهو
تابعه المسبوق في ذلك ثم علم ان الامام لم يكن عليه سهو فيه روايتان

ان صلوٰۃ المسبوق تفسد وقال الامام ابو حفص الكبير لا تفسد والصدور والشهيد
اخذ به في واقعاته وان لم يعلم الامام ان ليس عليه سهو لم يفسد صلوٰۃ

المسبوق عندهم جميعاً (ص ۱۶۲ ج ۱) وفي رد المحتار عن الفيض قيل لا تفسد
به يفتي وعن البحر قال الفقيه ابواليث في زماننا لا تفسد لان الجهل في القلاء

غالب والله اعلم (ص ۱۳۶۶)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اگر یہ سمجھ کر سجدہ کرے کہ میرے اوپر سجدہ سہو ہے، پھر بعد میں
معلوم ہو کہ سجدہ سہو نہ تھا تو امام کی اور مدد رکین کی نماز تو صحیح ہو جائے گی، البتہ مسبوق کی نماز میں

اختلاف ہے کہ مسبوق کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ فاسد ہو جائے گی، اور
ایک روایت یہ ہے کہ اس کی بھی صحیح ہے، پس مسبوق کے لئے احوط اعادہ ہے، اور گنجائش اس

کی بھی ہے، کہ اعادہ نہ کرے، کیونکہ فتویٰ اس پر ہے کہ مسبوق کی نماز بھی صحیح ہے، ۵، رشوال ۱۲۴۴ھ
چار پائی پر نماز پڑھنے کا حکم | سوال (۱۳) چار پائی پر نماز کا جواز بکراہت ہے یا بلا کراہت،
اور کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ اس کے متعلق جو تفصیل ہو اس سے مطلع فرمائیں،

الجواب؛ چار پائی پر نماز پڑھنا خلاف اولیٰ ہے فان الافضل ان یصلی علی مایشابہ الارض
یہ اس وقت ہے جبکہ پلنگ خوب کسا ہوا ہو، ورنہ نماز کی صحت میں ہی شبہ رہے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰، ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ

کراہت عقص شعر نماز میں مرد و عورت کے لئے | سوال (۱۴) کراہت عقص شعر نماز پڑھنے
عام ہے یا صرف مردوں کے لئے خاص ہے؟ کے وقت مرد و عورت کے لئے عام ہے، یا فقط

مردوں کے لئے خاص ہے، اور عورتوں کو عقص شعر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ ہمارے ہاں عقص
عورتوں کے لئے نہایت ہی پردہ ہے،

الجواب؛ قال العراقي وهو ای الكراهة مختص بالرجال دون النساء
لان شعرهن عورة يجب ستره في الصلوٰۃ فاذا قضته ربما استرسل و

تعذر ستره فبطل صلوته وايضا فيه مشقة عليها في نقضه للصلاة و
قد رخص لمن التبي صلى الله عليه وسلم في ان لا ينقضن ضفائرهن

في الغسل مع الحاجة الى بل جميع الشعرا (ص ۲۳۵ ج ۲ نيل الاوطار) اس
سے معلوم ہوا کہ کراہت عقص شعر عورتوں کے لئے نہیں بلکہ مردوں سے مخصوص ہے

فان قواعدنا تؤيد ما قاله العراقي ولا تآباه، ۲۴، محرم ۱۲۴۴ھ
نیم آستین واسکت میں نماز پڑھنا | سوال (۱۵) آدھی بانہوں کی واسکت سے بھی نماز

ہو سکتی ہے یا مکروہ ہے،

الجواب؛ فقط نیم آستین پہن کر یعنی جب اس کے ساتھ کمرے وغیرہ نہ ہو تو نماز
مکروہ ہے، البتہ اگر کسی عذر سے ایسا کیا ہو تو پھر کچھ مضائقہ نہیں ہے، واللہ اعلم،

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۲، ج ۲، ۱۲، الجواب صحیح نظراً لحد عفا عنہ ۲، ج ۲، ۱۲، ۱۲
واجب الاعادہ نماز کی جماعت | سوال (۱۶) امام نے بجائے دو کے تین سجدے کئے، اتفاقاً سجدہ

ثانیہ میں شرکت کا حکم | سہو بھی ترک کر دیا، بعد میں نماز کا اعادہ کیا، اب کچھ مقتدی
ایسے شریک ہوتے جو پہلے نہ تھے، ایسی صورت میں نو وارد مقتدیوں کا فرض ادا ہوگا یا نہیں

جناب نے تتمہ امداد الفتاویٰ صفحہ ۲۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ "نو وارد کا فرض شریک ہونے میں
ادا ہو جائے گا" لیکن غایۃ الاوطار جلد اول ص ۲۱۱ میں مترجم نے وکن اکل صلوٰۃ اذیت

مع کراهة التحريم تجب اعادتها والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا يتكرر

کے تحت میں بکھا ہے کہ اس کلیہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نیا مقتدی دوسری بار میں شریک ہوگا تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ جب امام کی نماز فرض نہیں تو افتدائے فرض والے کا اس کے پیچھے درست نہ ہوگا، بظاہر دونوں متعارض معلوم ہوتے ہیں، دفع تعارض کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب؛ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ نو وارد جماعت میں شریک نہ ہو، حضرت مولانا صاحب مدنی وضمیمہ العالی نے بھی اب اسی کو راجح فرمایا ہے، واللہ اعلم بالصواب، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ تخفیف صلوٰۃ | سوال (۱۷۸)..... زید عمر کا

مزاج سٹناس ہے، اس کا ملازم ہے، اس کے حکم سے نماز پڑھتا ہے، اپنے اندر اہمیت مانتا نہیں پاتا، محض ہمتاں امر کرتا ہے، عمر کے ضعف کی بناء پر نماز میں تخفیف کرتا ہے، بلکہ صلوٰۃ فجر میں قرأت مسنونہ بھی نہیں پڑھتا ہے، باوجود اس اختصار اور رعایت کے عمر چاہتا ہے کہ اور تخفیف کی جائے، اول تو زید کی نمازوں میں اخلاص نہیں ہوتا، اگر قدرے قلیل برائے نام ہوا بھی تو اندیشہ ہے کہ عمر کی اس قدر رعایت اور خاطر داری سے نماز بھی عمر کی نذر نہ ہو جائے، کہ قیام و قعود ارکان میں اس کی گرانی کا خیال رہے، اب بحال ادب زید عرض کرتا ہے کہ تخفیف نماز کا انتہائی درجہ جس کی رعایت بروئے حدیث شریف امام کو ضروری ہے، کیا ہے، اطلاع فرمانے پر اس کی پابندی کرے گا،

الجواب؛ فی الدر المختار ویکماہ تحریمًا تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائدًا علی قدر السنۃ الخ، اس سے معلوم ہوا کہ تخفیف مامور بہ تو یہی ہے کہ مقدار مسنونہ سے زیادتی نہ کرے، البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت تخفیف کے جواز کی حد یہ ہے کہ مقدار جواز ادا ہو جائے، لکن ذکر فی البحر معزی الی المجتبیٰ ان الحسن روی عن الامام انہ اذا قرأ فی المکتوبۃ بعد الفاتحۃ ثلث آیات فقد حسن ولم یسئ الخ (شامی ص ۵۹۰ ج ۱)

پس نمازیوں کی رعایت سے اگر قدر مسنونہ سے بھی کمی کرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ امام کو ضعف قوم کی رعایت کا امر ہے، پس یہ رعایت خلوص کے منافی نہ ہوگی، جبکہ نیت اتباع سنت کی ہو، فقط واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ

لنگوٹھ پر تہ بند یا پاجامہ پہن کر نماز پڑھنا | سوال (۱۷۸) لنگوٹھ نیچے بندھا ہوا ہوا پر پاک

پاجامہ پہن کر یا تہ بند باندھ کر نماز پڑھیں ادا ہو جائے گی یا نہ، بصورت عذریا بلا عذر کے، الجواب؛ نماز ہو جائے گی، لعدم ما یبدل علی الحرمة وفساد الصلوٰۃ اور لوگوں میں جو اس کی ممانعت مشہور ہے وہ بے سند بات ہے، واللہ اعلم، عبدالکریم عفا عنہ ۳۰ رجب ۱۳۵۸ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ، ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ

معذرت کی نماز کی ایک صورت | سوال (۱۷۹)..... ایک شخص کے

ہاتھ پر چوٹ لگی، سال بھر اس نے سخت تکلیف پائی، علاج معالجہ بہت کچھ کیا، اب اس کا ہاتھ کھلائی کے جوڑے خشک ہو گیا ہے، دایاں ہاتھ ہے، یہ بھی تکلیف سے خالی نہیں، کسی نے بتایا ہے کہ گدھے کی لید پانی میں پکا کر اس جگہ باندھی جائے اور دس دن تک کھولی نہ جائے، بندھی ہی رہے، کیا اس صورت میں نماز پنجگانہ صحیح ہو جائے گی؟ اگر نہیں ہو تو بعد ازاں قضا کرے گا، لیکن اگر اس اثنا میں مر گیا تو وارثوں پر اس کی فوت شدہ نمازوں کا فدیہ واجب ہوگا؟ کتنا واجب ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسئلہ میں باوجود اس ناپاک چیز باندھنے کے بھی بصورت نماز صحیح ہو جائے گی، ونظیرہ ما فی الدر مر فی تحتہ ثیاب نجسہ وکھلا بسط شینا تجس من ساعتہ صلی علی حالہ وکذا ولم یجس الا انہ یلحقہ مشقۃ بحر یکہ الخ (شامی ص ۴۹۹ ج ۱) واللہ اعلم بالصواب، ۳ رجب ۱۳۵۸ھ، کتبہ عبدالکریم عفی عنہ

نماز میں پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا | سوال (۱۸۰).....

زید امامت کرتا ہے، اور اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا رہتا ہے، عمرو نے کہا ٹخنوں سے نیچا پاجامہ رکھنا غیر مشروع ہے اور سخت گناہ ہے، اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، تو زید نے یہ کہا کہ غیر مشروع اور سخت گناہ بھی ہے، مگر نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے اب سوال یہ ہے کہ نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے، یہ صحیح ہے یا غلط ہے، بیواؤ تو جرواؤ؟

الجواب؛ زید کا قول غلط ہے، عمرو کا صحیح ہے، یہ صورت سدل میں تو داخل نہیں مگر جس طرح سدل نماز میں مکروہ ہے، اسی طرح غیر مشروع لباس میں بھی نماز مکروہ ہے صرح بہ الفقہاء ومنہ کراہۃ الصلوٰۃ فی ثوب الحویر، قال العینی قال تابع الشیخۃ الاصح التفصیل لوصلی فی ثوب حویر او ثوب مخصوب لم تصح صلوٰۃ فی احدی الروایتین عن احمد بن حنبل و فی اخروی تصح مع التحویم وعندنا

تصح ويكبره كذا في مطالب المؤمنين اه من لفظ المفتي والسائل رص ۳۸ قلت
وكذا كل لباس غير مشروع فهو في حكم ثوب الحرير والثوب المنصوب لان
الكراهة بهما ليس للنجاسة ولا لقلعة الستور بل لتعلق النهي بلبسهما فكذا
كل لباس تعلق به النهي والله اعلم، ثم رأيت البيهقي قد عقد باب كراهة
اسباب الانزاري الصلوة واخرج فيه حديث ابى هريرة مرفوعا ان الله عزو
جل لا يقبل صلوة رجل مسبل اذارة اه رص ۲۳۱ ۲۳۲ وهذا يدل على نقصان
الصلوة بهذا الفعل صلحة واي نقصان اعظم من عدم القبول، ذليقة
ساڑی میں نماز پڑھنے کا حکم | سوال (۲۱) اس ملک میں عورتیں جو ایک کپڑا تمام بدن میں
دے کر نماز پڑھتی ہیں، جس کو ہمارے ملک میں ساڑھی بولتے ہیں، تھوڑی پہنتی ہیں، اور
تھوڑی بدن میں ڈالتی ہیں، یا دھوتی بولتے ہیں،

الجواب؛ ساڑھی میں نماز جائز ہے بشرطیکہ عورت کا تمام جسم مخفی رہے، مگر
بدون کرتے کے نماز مکروہ ہے، جس کے پاس کرتہ ہو، پس عورتوں کو ساڑھی کے نیچے کرتہ ضرور
پہننا چاہیے، کہ بغیر اس کے ستر کھلنے کا بھی اندیشہ ہے، ۲۸ رزی الحجہ ۱۴۲۵ھ

فصل في القراءة ومسائل زلة القاري

فاتحة خلف الامم | سوال ۱۰ حافظ صاحب نے یہ ایجاد کیا ہے کہ بلا سورة فاتحة کے نماز نہوگی
نماز سہری ہو یا جہری، سکل مصلی سخت پریشان ہیں، اس کے بارہ میں جو ثبوت ہو مدلل ارقام فرمادیں
اور جو کتاب دربارہ مسئلہ ہدایں ہو اطلاع فرمادیں؟

الجواب؛ حنفیہ کے مذہب میں بدون سورة فاتحة پڑھنے کے مقتدی کی نماز درست
ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورة فاتحة پڑھنا مکروہ ہے، خواہ نماز سہری
ہو یا جہری، اس شخص نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معتاد ہے،
مسلمانوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیے، ۴ رجب ۱۴۲۵ھ

ضاد صحیح ادا کرنے والے کی ضار غلط | سوال (۲) پیشتر جو کارڈ بندہ نے راولپنڈی سے خدمت
پڑھنے والے کے پیچھے اقتدار کا حکم | عالیہ میں روانہ کیا تھا، جس میں ضاد معجم کے متعلق استفتاء تھا
اس کا جواب ملا تسلی ہو گئی، اب بندہ بغرض تعلیم وارد امر ہے، اسی کے متعلق

تھوڑی سی بات دریافت طلب ہے، لہذا جوابی کارڈ تحریر ہے، اگرچہ یہاں بھی مفتی صاحب د
دیگر علماء موجود ہیں، لیکن وہ ایسی باتوں کو چنداں اہم نہیں سمجھتے، اور ان کے عمل درآمد سے
بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضاد معجم کو مشابہ دال مہملہ پڑھنے کو واضح قرار دیتے ہیں، اس لئے ذیل
کا سوال ان سے نہیں کیا گیا ہے، سوال صرف یہ ہے کہ جو شخص ضاد معجم کو اپنے مخرج سے
کما حقہ بلحاظ صفات ادا کر سکتا ہو یا کما حقہ نہ ادا کر سکتا ہو، لیکن متوسط درجہ کا یا ضعیف
جیسا اس کے اپنے مخرج ہی سے ادا کرتا ہو، تو اس کی نماز ایسے شخص کے پیچھے جو ضاد معجم کو
خالص دال مہملہ یا اطباق دے کر پڑھتا ہو صحیح ہے یا نہ؟ مثلاً امام ماہر تجوید نہ ہو عامی ہو یا ماہر
تجوید سند یافتہ ہو لیکن غیر پانی پتی ہو یعنی مشابہ دال پڑھنے والا ہو، پیچھے مقتدی جو ہو وہ
پانی پتی ہو سند یافتہ ہو، یا صرف مخارج کا جاننے والا ہو بے سند ہو، لیکن ضاد معجم کو اپنے مخرج
سے متوسط یا ضعیف جیسا پڑھ سکتا ہو، ان جملہ صورتوں کا کیا حکم ہے، ضاد معجم کو اپنے مخرج سے
ادا کرنے والا اگر معذور کے پیچھے اقتدار کرے تو اس کو نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہ، اگر اعادہ
ضروری ہے تو نماز جمعہ کا بھی اعادہ ہو سکتا ہے یا نہ، چونکہ اس کا اعادہ تو کرنا ہی ہوتا ہے تو
توجاعت سے قبل پڑھ کر پھر شامل جماعت ہو جایا کرے یا نہ، اگر باس خیال اکثر جماعت
چھوڑ دیا کرے کہ میری اقتدار کسی کے پیچھے صحیح نہیں تو کس حد تک گناہگار ہوتا ہے، درحقیقت
کہ وہ امام نہ بن سکتا ہو، جو اب مختصر ہو دلائل کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صرف قلم مبارک
صح نگھدینا ہی دلیل ہے، والسلام،

الجواب؛ قال في مراقي الفلاح والشمع بالثناء الثلثة والتعريف وهو
واللغة بضم اللام وسكون الاء تحرك اللسان من السين الى الاء ومن اللوا
الى العين ونحوه لا يكون اماما الخيرة واذا لم يجد في القران شيئا خاليا عن
لغته وعجز عن اصلاح لسانه اثناء الليل واطراف النهار فصلوة جائزة لفظ
واذا ترك التصحيح والاجهد فصلاته فاسدة اه قال الطحطاوي قوله لا يكون
اماما الخيرة للاثلة وفي الخانية ذكر الشيخ ابو بكر محمد الفضل انما تصح
امامته لخيرة لان ما يقوله صار لغته واختاره ابن امير حاج وحمل قوله اسم لا
يوم اعلى منه على الاولوية خروجاً من الخلاف وقوله اه قال في الخلاصة اذا
كان يجتهد اثناء الليل والنهار في تصحيحه ولا يهدر على ذلك فصلوة جائزة

وان ترك جهده فصلاته فاسدة الا ان يجعل العمر في تصحيحه ولا ان يتروك
جهده في باقي عمره ام قال صاحب الذخيرة وهذا الشق الثاني مشكل لان ما
كان خلقه لا يقدر العبد على تغييره ام وكذا اذ كان لعارض ليس مما يزدول
عادة واذا كان كذلك فلا يعول في الفتوى على مقتضى هذا الشرط ومن
ثم ذكر في خزنة الاكمل عن فتاوى ابى الليث لو قال الحمد لله بالماء
بدل الحاء او كل هو الله احد بالكان بدل القات جازا اذ الم يقدر على
غير ذلك على لسانه لا تقدر فلم يذم هذا الشرط ولسأله قال الفقيه وان لم يكن بلسانك ولكن
بجوفك على لسانك تقدر فلم يذم هذا الشرط الى ان قال قلت كلامه يفيد ان هذا الشرط فيه خلاف
والاكثره يذم كقولان في حرمات عظيمات انما اكرام في تصحيح حرمة في سعي كامل كي هو بغير تصحيح
نه كمال سكتا بوياس في اس في علة هو حكي وجب من سعي مخرج من سعي ادا كرنه من
بالكل عاجز هو اس كس بچھے بچھے پڑھنے والے کی نماز درست ہو جائے گی اور اگر باوجود
قدرت کے بھی تصحیح حرمت کی امام نے سعی نہ کی ہو تو اس کے پچھے ماہر ضاد کی نماز درست
نہ ہوگی، واللہ اعلم،

۲. جمعہ کی قضا ظہر ہے، (۳) جماعت میں شکر کت کر کے بعد میں اعادہ کر لیا جاوے، اور
یہ بات جو اب اول سے معلوم ہو جائے گی کہ اعادہ کب ضروری ہے، کتب نہیں واللہ اعلم
فرض نمازوں میں دو سورتیں کامل | سوال (۳) فرض نمازوں میں دو سورتیں کامل یا دو
یا ان کے کچھ حصے پڑھنے کا حکم | سورتوں کے کچھ حصے پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب، یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا، کیا یہ مطلب ہو کہ ایک رکعت میں دو سورتیں
کامل یا دو سورتیں کے کچھ حصے پڑھے، یا دو رکعتوں میں ایسا کرے، پہلی صورت میں
فرض نمازوں میں مکروہ ہے، اور دو رکعتوں میں دو سورتیں کامل پڑھتے ہیں شبہ ہی کیا
ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے کہ ہر رکعت میں ایک سورۃ کامل پڑھے، اور اگر ایک رکعت میں
ایک سورۃ کا کچھ حصہ اور دوسری میں دوسری سورۃ کا کچھ حصہ پڑھ دیا تو یہ بھی جائز ہے
مگر خلاف اولیٰ ہے، اس لئے گاہے تو مضائقہ نہیں مگر عادی نہ ہونا چاہئے، ۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ
تواند میں جبر کا حکم جبکہ انہیں | سوال (۴) جس شخص نے نماز نفل آہستہ پڑھنی شروع کی
بسرآشروع کیا ہو، پھر زور سے پڑھنے کو جی چاہتا ہے تو درمیان نماز سے زور سے

پڑھنا درست ہو گیا یا نہیں؟ والسلام

الجواب، اگر نفل دن میں پڑھ رہا ہے تو جہر نہ کرے، اور اگر رات میں پڑھ رہا
ہے تو جہر جائز ہے، خواہ ابتداء سے جہر کر رہا ہو یا وسط میں شروع کر دے، ہر طرح اجازت
ہے، قال فی مرقی الفلاح والمنفرد بقرض مخیر فیما یجھد الامام فیہ کمتنفل
باللیل فانہ مخیر ویکتفی بادی الجہر والمخیر فیما یجھد الامام فیہ کمتنفل
ومن ینظر فی العلم اور اس کا قیاس اس صورت پر صحیح نہیں کہ نفل کو قیام کے ساتھ
شروع کرنے سے پھر قعود جائز نہیں رہتا، کیونکہ وہاں قیام رکن صلوٰۃ ہے اور قعود سے
اقویٰ ہے، اور قعود قائم مقام قیام کے رخصت ہے نوافل میں، اور یہاں نوافل لیل میں
بہر یا جہر کوئی واجب نہیں، بلکہ دونوں محترفہ اور مساوی ہیں، اور نہ بہر اقویٰ ہے جہر
بلکہ بعض دلائل سے نوافل لیل میں جہر کی افضلیت معلوم ہوتی ہے، لہذا انتقال من الاقویٰ
الی الاویٰ نہ ہوگا، بلکہ انتقال مساوی مساوی کی طرف یا غیر افضل سے افضل کی طرف ہوگا، پس صحت
میں کیا شبہ ہے، اور ہدایہ وغیرہ میں جو یہ جہر تہم ہے لو ترک سورۃ اولی العشاء قرأها وجوباً
مع الفاتحة جہرانی الاخرین لان الحج بین جہر ومخافتة فی رکعة شنیع، یہ جزئیہ جماعت امام کیستہ
مخصوص ہے، کیونکہ جہر اسی پر واجب ہے نہ منفرد پر خصوصاً منفرد فی النوافل پر تو جہر واجب
ہے ہی نہیں، وصرح فی الہدایہ فی باب سجود السہوبان الجہر والمخافۃ من خصائص الجماعۃ
پس جماعت میں جمع بین الجہر والسر فی رکعة مکروہ ہے نہ افراد میں، واللہ اعلم، ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

فتاویٰ کو دو آد پڑھنا یا ظاہر پڑھنا اور صحیح خوان کا | سوال (۵)
غلط خوان کے پچھے نماز پڑھنے کا حکم، اس امر میں تو شک ہی نہیں معلوم ہوتا
کہ حرف صناد کو جو آجکل عوام دو آد پڑھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے، البتہ دریافت طلب یہ
امر ہے کہ اس حرف کو جبکہ اس کے مخرج اور جمیع صفات کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو اشتقاق
بالظاہر ہوتا ہے اور اس پر عوام شور مچاتے ہیں، پس ایسی حالت میں اس کو کسی کے کہنے سے
..... دو آد پڑھنا درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو جو اشخاص اس کو دو آد پڑھتے
ہیں ان کی اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں، بندہ کے جو دو چار رسائل اور فتاویٰ اس کے بارے
میں نظر سے گذرے ہیں یہ فہم ناقص میں آیا کہ نماز نہیں ہوتی، اور وہ یہ ہیں، مجموعۃ الفتاویٰ
مولانا عبدالحی لکھنوی یوسفی استفقا، نمبر ۱۵ جلد اول اور استفقا، نمبر ۱۴ جلد دوم میں

نہایت قوی سے دلائل سے ثابت کیا ہے اور قریب ۳۶ کتابوں کے حوالہ دیا ہے، اور رسالہ
مصادیق قرۃ الضاد میں تراشی کتابوں اور چھٹی سی فتاویٰ سے ثابت کیا ہے کہ نماز نہیں
ہوتی، جو مولفہ ہر مولوی محمد حسین تھنا مراد آبادی کی مطبوعہ نیز اعظم پریس مراد آباد اور
تفسیر کبیر اعظم جلد اول میں بعد ختم ہونے تفسیر سورۃ فاتحہ کے دلائل قویہ سے ثابت کیا
ہے، اور ان سب کا خلاصہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جن دو حرفوں میں فسق
بآسانی ممکن ہو وہاں تبدیل حرف بحرف سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور جن میں فسق
بمشقت ہو تو وہاں فاسد نہیں ہوتی، اور اسی قاعدہ کو مختار لکھا ہے، پس یہ تو جملہ کتب
فقہ و تجوید و صرف و تفسیر سے ثابت ہے کہ سن اور ظ میں فرق بمشقت ہے، اور دو آد کا
کہیں ذکر نہیں کیا، اور یہ ذکر نہ کرنا قرینہ ہے اس کا کہ ان دونوں میں تباہی ہے، پس
جب تباہی ہو تو بقاعدہ مذکورہ بالا فاسد ہونا چاہئے، اور اگر ضاد کی جگہ ظ نکل گیا، تو
وہاں فاسد نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ وہاں تشابہ ہے، اور اس کا بھی بندہ کو بجز یہ ہو گیا
ہے کہ جو علماء اس کو دو آد پڑھتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور محض ضد ہے، میں
چند علماء کے پاس استفتاء لیکر گیا، لیکن جواب دیا تو یہ دیا کہ اس کو قاری جانیں یہ بات
سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہ حضرات نہیں جانتے تو پھر مداخلت کیوں کرتے ہیں جب
زیادہ کہا گیا تو فرماتے لگے کہ ہم نے تو ایسا ہی پڑھا ہے، اور اپنے باپ بھائی سے ایسا ہی
سنا ہے (کتابی دلیل کوئی نہ دے سکے) نوبت بایجاد سید کہ فرمانے لگے کہ تم تمام جہان
سے فتویٰ منگالو، اگر میری طبیعت کے موافق ہوگا تو دستخط کروں گا ورنہ پھینک دوں گا
رگو یا دین کے خود تالیف نہیں بلکہ دین کو اپنا تابع بنا جاتے ہیں، تو اب دو وجہ ہو گئیں ایک
غلط خوانی، دوسری ضد خلاف وجہ شرعیہ،

اب جبکہ غور کرتا ہوں کہ رسائل مذکورہ کی طرف تو فسادِ صلوٰۃ لازم آتا ہے، پھر دل میں خیال
آتا ہے کہ ترک جماعت ہوتی ہے تو پھر اس کا بھی جواب فوراً دل میں یہ گذرتا ہے کہ جب
اول سے نماز ہی نہیں ہوتی تو جماعت کس کام کی، اور اگر کہا جائے کہ عموم بلونی کی وجہ
نماز فاسد نہ ہوگی تو حکیم حسین صاحب بجنوری نے رسالہ الاقتصار فی الضاد میں لکھا
ہے کہ یہاں پر عموم بلونی معتبر نہیں، اور تمام مشکوک جو اس حرف کے متعلق ہیں ان کا بھی
جواب دیا ہے، (جو دراصل قائلین دو آد کے نزدیک دلائل قویہ ہیں)،

امید کرتا ہوں کہ جملہ امور مذکورہ بالا کا جواب شافی مرحمت فرمائیں گے،

الجواب: آپ نے جو کچھ سمجھا ہے سب صحیح ہے، مگر ظ سے فاسد نہ ہونا علی الاطلاق
صحیح نہیں اور دو آد سے فاسد ہونا بھی محل تامل ہے،

ضاد کو دال یا مشابہ دال یا مشابہ ظاء، سوال (۶).....
پڑھنے والے کی اقتداء

آیا کوئی شخص سب حروف صحیح پڑھتا ہو یا قریب صحیح کے پڑھتا ہو، مگر صرف اس حرف
ضاد کو دال یا مشابہ دال کے پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے بھی ایسے شخص کو جو اس حرف ضاد
کو مشابہ بالظاء پڑھتا ہو اقتداء کر لینے سے اعادۃ صلوٰۃ تو واجب نہیں، اور اگر نہ لوٹاؤں
تو کوئی حرج تو نہیں متاخرین کے قول پر، اور اگر ایسا شخص نماز پڑھائے جو اور حروف میں
بھی تبدیلیاں کرتا ہے مثلاً قاف کو چھوٹا کاف بڑے شین کو سین، جیم کو زے اور حروف
بھی گھٹا بڑھا دیتا ہو، جس سے بالکل معنی بدل جاتے ہوں، ایسے ائمہ کے پیچھے اگر اعادۃ صلوٰۃ
کی دقت سے بچنے کی غرض سے تنہا خفیہ نماز پڑھ لیا کروں تو ترک جماعت کی معصیت تو
میرے اوپر نہ ہوگی، اس میں شرعی حکم حضور والا سے معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

الجواب: واللہ الموفق للصواب، قال فی الدرر لا غیر اللغۃ بہ ای باللغۃ
علی الاصح کہا فی البحر عن المجتبی وحررہ الحلبي وابن النخعي انه بعد بذل
جهدہ دائماً حتماً کالامی فلا یؤم الامثلہ الی ان قال ہذا هو الصحیح المختار
فی حکم اللغۃ وکن امن لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف ام رضاً و
مناً ج امع الشامی، و فی المختار تحت قوله علی الاصح ای خلافاً لما فی
الخلاصۃ عن الفضلی من انہا جائزۃ لان ما یقول صار لغۃ له ومثلہ فی
التارخانیہ و فی الظہیریۃ و امامۃ اللغۃ لغيرہ تجوز وقیل لا ونحوہ
فی الخانیۃ عن الفضلی وظاہر اعتمادہم الصحۃ وکن اعتمادہا صاحب
الحلیۃ قال لما اطلقہ غیر واحد من المشایخ من انہ ینبغی لہ ان لا یؤم
غیرہ ولما فی خزانۃ الاکمل وتکرر امامۃ الفافاؤ لکن الا حوط عدم الصحۃ
۱۸ ص ۶۰۸ ج ۱)

ان عبارات امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں: (۱) اللغۃ کی امامت کے جواز میں اختلاف ہے،

(۲) الشخ صرف وہی نہیں جس میں صحیح پڑھنے کی قابلیت ہی نہ ہو کیونکہ حلی دا بن شحنے نے اس پر بذل جہد واجب کیا ہے، اور وجوب جہد فرع ہے قدرت کی، پس الشخ سے مراد وہ الشخ ہے جو اس حالت موجودہ میں صحیح پڑھنے پر قادر نہیں (۳) جو شخص الشخ نہ ہو لیکن اس وقت کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو وہ بھی بحکم الشخ ہے، پس ہر چند کہ صحیح مختار قول یہ ہے کہ الشخ کی امامت غیر الشخ کی لئے درست نہیں، اور اس کا مقتضاء یہ ہے کہ صحیح خواں کی اقتداء ایسے شخص کے پیچھے جائز نہ ہو جو حرف کو صحیح ادا نہیں کرتا، مگر اس وقت ضرورت کی وجہ سے امام فضلی کے قول پر فتویٰ دینے کو جی چاہتا ہے، خصوصاً حرف ضاد کے مسئلہ میں کیونکہ عام طور پر تراویح اس کو غلط پڑھتے ہیں، لہذا قاری کی اقتداء کرنا غیر قاری کے پیچھے صحیح ہے، البتہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہیں، جو بحالت موجودہ صحیح حرف بر قادر ہے، مگر غفلت یا بے توجہی یا رعایت عوام کی وجہ سے کسی حرف کو مثلاً ضاد کو اصلی مخرج سے نہیں نکالتا، کیونکہ وہ بحکم الشخ نہیں بلکہ عمدتاً غلط پڑھنے والا ہے، واللہ اعلم، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۹ راج ۱۳۳۴ھ، صحیح الجواب، اشرف علی ۹ راج ۱۳۳۴ھ

ولا الضالین میں ضاد کے بجائے | سوال (۴) اگر نماز کے اندر ختم تمام الحمد شریف میں سجا ڈال پڑھ لیا تو نماز ہو جائے گی، ولا الضالین۔ کے آرڈال کے ساتھ تلفظ ادا کیا جائے تو درست ہے یا نہیں اور نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب؛ نماز درست ہوگئی، لکن من الذلۃ فلم یفسد المعنی، باقی جو شخص صحیح تلفظ پر قادر ہو اس کو ڈال پڑھنا عمدتاً جائز نہیں، ۸ ربيع الاول ۱۳۳۴ھ

تحقیق حرف ضاد | سوال (۸) یہ جو حرف ضاد متشابہ ظاہر کے پڑھتے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ ضاد کو متشابہ ڈال کے پڑھنا چاہئے، کیونکہ ڈال بہ نسبت ظاہر کے ضاد کے ساتھ قریب تر ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۳۳ سطر ۳ میں فرمایا ہے کہ ”اسی طرح ضاد و ڈال میں تقارب بلیغ ہے، اور سطر نمبر ۶ میں فرماتے ہیں ”بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو ڈال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظاہر کے،

الجواب؛ حضرت مرشدنا سلمہ نے جو فرمایا ہے حق و صواب ہی، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ضاد کو ڈال کے متشابہ پڑھنا چاہئے نہ ظاہر کے، دیکھو اس صفحہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے عسہ یعنی باعتبار قربیت مخرج کے نہ کہ صفات و صوت کے، لعلہ متشابہ

مع تبدیل مخرج ہے ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صورت لازم ہے ۱۲ امت

دیکھو حضرت سلمہ صوت کا تشابہ تو ظاہر کے ساتھ ثابت فرمایا باقی باعتبار قربت مخرج کے ڈال کو ضاد کے ساتھ زیادہ قریب لکھا بہ نسبت ظاہر کے، کیونکہ جب سائل نے حضرت سلمہ کی خدمت میں یہ سوال کیا کہ ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو وہ شخص حرف مذکور کو بصوت ظاہر منقوٹہ کہ دونوں حرف غمخ اور متشابہ الصوت ہیں پڑھے یا بصوت ڈال مہملہ جو کہ مرقق و غیر متشابہ الصوت ہی پڑھے، تو حضرت سلمہ نے سائل کو جواب میں فرمایا، کہ ضاد کو ظاہر یا ڈال پڑھنا ایسا ہے جیسے باء کو تاء، تاء کو جیم، حاء کو خاء، ہذا باطل بالاجماع، پس اگر ضاد کی جگہ ظاہر کو پڑھنا بسبب اتحاد صفات اور تشابہ صوت کے جائز ہے، تو ضاد کی جگہ ڈال پڑھنا بھی جائز ہو، کیونکہ بہ نسبت ظاہر کے ڈال قریب ہی باعتبار مخرج کے، اس لئے کہ حضرت سلمہ نے قربت مخرج ثابت فرمائی اور باعتبار ادا تعدد کے دونوں یعنی ظاہر اور ڈال کو ضاد کی جگہ جواز عدم جواز میں متساوی الاقدام فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ حضرت سلمہ کی اس تحریر سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ضاد متشابہ الصوت بدل ہے، بلکہ حضرت سلمہ نے الزام فرمایا کہ اگر عمدتاً ظاہر کو ضاد کی جگہ پڑھنا بسبب تشابہ صوت و اتحاد صفت استعلاء کے جائز ہو تو ضاد کی جگہ ڈال پڑھنا بھی بسبب اتحاد صفت جہر و قربت مخرج کے جائز ہونا چاہئے، حالانکہ دونوں نا جائز ہیں باقی یہ الگ بات ہے کہ ضاد کو اگر اپنے مخرج اور صفات کے صحیح طور سے ادا کیا جاوے تو اس کا صوت ڈال سے مشابہ ہو گا یا ظاہر کے، اس کے متعلق حضرت سلمہ کی تحریریں اسی جلد میں موجود ہیں، اور اسی تحریر کے حاشیہ پر بھی موجود ہے کہ ضاد کا صوت ظاہر سے متشابہ ہے نہ ڈال سے، اور یہ شبہ کرنا کہ جب ضاد اور ظاہر میں تشابہ صوت پایا جاتا ہے اور ضاد کی ادا پر قدرت نہیں ہے، تو پھر اس کی جگہ وہی حرف پڑھنا چاہئے، کہ جو اس کی صورت جیسی سانی دے یا جو باعتبار مخرج کے قریب ہو مثل ڈال کے، تو میں پوچھتا ہوں کہ ایسا توغ اور ع، اور ح اور ذ اور ص اور ث، اور ت اور ط، اور کات اور قاف میں بھی تشابہ صوت پایا جاتا ہے، اگرچہ ہر متشابہ الصوات حرف میں میز موجود ہے، پھر بھی اتنا امتیاز نہیں ہے کہ عوام فرق سمجھ سکیں تو چاہئے کہ بسبب عدم قدرت کے یہ ہر متشابہ الصوت حرف بھی ایک دوسرے کی جگہ پڑھے جاویں، یعنی عین کی جگہ ح اور ح کی جگہ ذ اور ذ کی جگہ ص و امثالہا بسبب

اور اصمات اور ان دونوں صفتوں میں متفق ہے، اور تاء دال سے صفت شدت اور استفال اور افتاح اور اصمات میں متفق ہے، چاہے تھاکہ تاء دال سے متشابه ہوتی، لیکن چونکہ اوپر بتایا گیا ہے کہ خاص دانتوں میں سے جس حرف میں صفت جہر و شدت و استعلاء یا طبا کے اجتماع سے جو صوت پیدا ہوگی اس کے ساتھ اس حرف کی صوت بھی متشابه ہوگی، جو کہ صفت ہمس اور شدت سے متصف ہو کر دانتوں سے ادا ہوگی، اب دیکھو کہ اگر صوت کو قربت میں دخل ہوتا تو طاء اور تاء قریب تر ہوتیں، بہ نسبت تاء اور دال کے اگرچہ یہ تینوں آپس میں متجانس ہیں، لیکن قربت صفائی کی وجہ سے دال تاء میں ادغام ہوتی ہے، نہ طاء میں، اس سے معلوم ہوا کہ دال اور تاء آپس میں زیادہ تر متقارب ہیں بہ نسبت تاء اور طاء کے، پھر بھی سابق کلمہ کی وجہ سے طاء اور تاء میں تشابہ صوت پایا گیا، اور باوجود قربت صفائی کے دال اور تاء میں بہ سبب نہ پائے جانے کلمہ سابقہ کے تشابہ نہ رہا، ورنہ یہ کہ اگر مخرج دانتوں میں سے جو حروف صفت ہمس اور رخوة سے موصوف ہو کر ادا ہوں گے وہ سب آپس میں متشابه الصوت ہوں گے، مثل ث، س، ص کے جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں، حالانکہ ث اور ذ متجانس ہیں، پھر بھی بہ سبب نہ پائے جانے کلمہ مذکورہ کے ان میں تشابہ صوتی نہ رہا،

ایسے ہی اگر صفت جہر سے اور رخوة سے جو حروف موصوف ہو کر دانتوں سے ادا ہوں گے وہ سب آپس میں متشابه الصوت ہوں گے جیسے زاء، ذال، ظا، ضاد، حالانکہ زاء بہ نسبت ذال کے سین سے قریب تر ہے، لیکن چونکہ سین میں جہر نہیں ہے اس لئے تشابہ نہ رہا، اسی طرح ضاد باعتبار مخرج کے دال کی تشابہ قریب ہی، بہ نسبت ظا کے، اسی لئے بعض قرآن نے ہر دو کو متقاربین قرار دے کر قد ضلوا میں ادغام کیا ہے، پھر بھی بسبب سابق کلمہ کے ضاد اور ظا اور ذال اور زاء میں تشابہ ہی، نہ ضاد اور دال میں، پس اگر محض تشابہ سے وحشت ہوتی ہے تو پھر طاء اور تاء سے بھی متوحش ہوں، اور اگر ضاد اور دال کے تشابہ کو پسند کرتے ہو بسبب قربت کے تو پھر تاء اور دال کو بھی متشابه پڑھو، بسبب قربت بلیغ کے،

میرے اس سارے معروض کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خاص مخارج میں اثر رکھا گیا ہے، کہ اگر فلاں صفت مفرہ یا بالحق فلاں صفت کے خاص فلاں مخرج سے ادا ہوگی تو

اس قسم کی صوت پیدا ہوگی، یہی وجہ ہے تشابہ صوتی کی، پس جب دانتوں سے صفت رخوة و جہر سے جو حروف ادا ہوں گے تو وہ آپس میں متشابه ہوں گے، اگرچہ سب میں تمیز بین موجود ہوتی ہے، گویا یہ سمجھو کہ ہر حرف پست کلام ہوگا بسبب صفت ہمس کے یا بلند کلام ہوگا بسبب صفت جہر کے، پھر اس کی پست کلامی اور بلند کلامی جاری ہوگی بسبب صفت رخوة کے یا بلند ہوگی بسبب صفت شدت کے پس خاص دانتوں کے مخرج میں یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ اگر اس سے جو حرف پست کلام بسبب ہمس کے اور اس کی ہمس جاری ہو کر نکلے گی بسبب رخوة کے تو ان کی صوت سا، سا، سا، کی طرح مسومع ہوگی، یہی وجہ ہے ث، س، ص کے متشابه الصوت ہونے کی، اور اگر دانتوں کے مخرج سے جو حروف بلند کلام بسبب صفت جہر کے اور اس کی جہر جاری ہو کر نکلے گی بسبب رخوة کے تو اس کی صوت زاء، زا، زا کی طرح سنائی دے گی، یہی وجہ ہے کہ جو حروف صفت جہر اور رخوة سے موصوف ہو کر دانتوں کے مخرج سے ادا ہوتے ہیں تو وہ آپس میں متشابه الصوت ہوتے ہیں جیسے زاء، ذال، ظا، ضاد، پس جس طرح اور حروف متشابه الصوت کا امتیاز مانتے ہو جیسے س، ص، ث کا ایسا ہی ضاد، اور ظا، ذال اور زاء کا تصور فرمائیے، واللہ اعلم،

کتبہ شیر محمد

حضرت مرشدی سلمہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے بھیجا گیا تو یہ الفاظ ارقام فرمائے خوب تحقیق اور نہایت مفید ہے، اشرف علی اور استادی قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تو یہ ارقام فرمایا: "مضمون متعلق تشابہ ضاد و ظا، دیکھ کر محظوظ ہوا ماشاء اللہ خوب لکھا ہے" محمد یامین

سوال (۹) نفل نماز میں سب رکعتوں میں سورت دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، پڑھنا فرض ہے اور فرض نماز میں فقط دو رکعت میں سورت پڑھنا فرض ہے، اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب؛ فرضیت قرأت آية فَأَقْرَأْ وَأَمَّا تيسر من القرآن سے ثابت ہے اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فرض فرض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ سے روایا عدم وجوب قرینہ ہیں کہ یہ امر رکعت ثالثہ رابعہ کی بابت وجوب کے لئے نہیں، کما فی بحر الرکعت (ص ۵۶ ج ۲) وانا لم تکن القرآن فی الاخریین واجبہ فی الفرض کما هو

الصحيح من المذهب مع وجود الامر المنقضي للوجوب موجود صارف له عنه وهو قول الصحابة على خلافه كما رواه ابن ابى شيبة عن علي وابن مسعود قال اقرأ في الاوليين وسبح في الاخرين لكن ذكر المحقق في فتح القدير انه لا يصلح صارفا الا اذا لم يرد عن غيرهما من الصحابة خلاف والا فخلوا في الوجوب لا يصرف دليل الوجوب عنه فالاحوط رواية الحسن رحمه الله بالوجوب في الاخرين انتهى وقد يقال ان مقتضاه لزوم قراءة ما تيسر في الاخرين وجوبا لا تعيين الفاتحة كما هو رواية الحسن فليس موافقا لكل من الروايتين ام قلت مقتضى الامر الوارد في الآية وجوب قراءة ما تيسر في الصلوة مطلقا ولا تعرض له بالركعة ولا الركعتين ولا الاوليين ولا الاخرين وانما قلنا بفرضية القراءة في الركعتين من الفرض لقيام الاجماع عليه ولا اجماع في الاخرين واما تعيين الاوليين للقراءة فواجب لا فرض بدليل قضاءها في الاخرين اذا تركها في الاوليين و دليل الوجوب في ذلك مواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على ذلك من غير ترك، والله تعالى اعلم، ۲۶، زيقعه ۳۳

حکم جہر منفرد در تکبیرات صلوة | سوال (۱۰) مسئلہ بہشتی گوہر (جدید) ص ۳۶، فجر مغرب، عشاء کے وقت پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ اور سمح اللہ لمن حمدہ اور سب تکبیریں امام بلند آواز سے کہے، اور منفرد کو قرأت میں تو اختیار ہے، مگر سمح اللہ لمن حمدہ اور تکبیریں آہستہ کہے، اور ظہر کے وقت امام صرف سمح اللہ لمن حمدہ اور سب تکبیریں بلند آواز سے کہے اور منفرد آہستہ اور مقتدری ہر وقت تکبیریں وغیرہ آہستہ کہے (ص ۳۹۵ ج شامی) اس مسئلہ میں منفرد کو قرأت میں سر اور جہر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، تین وقتوں میں (یعنی فجر، مغرب، عشاء) مگر سمح اللہ لمن حمدہ اور سب تکبیریں آہستہ کہنے کو لکھا ہے، شبہ یہ ہے کہ پڑانے بہشتی گوہر میں تکبیر وغیرہ کا اختیار مطلقاً لکھا ہے خواہ آہستہ کہو یا جہر آہستہ، اور چونکہ اس مسئلہ کے الفاظ تغیر و تبدل کیا گیا، مگر حاشیہ میں کچھ نہیں لکھا کہ فلاں عبارت بڑھائی گئی ہے جیسا کہ شروع میں ہدایت کی گئی ہے کہ جو عبارت جدید بڑھائی جاوے گی اس کو حاشیہ میں تحریر کر کے

بتلاو یا جاوے گا کہ فلاں عبارت بڑھائی ہے، اس لئے تحقیق طلب ہے، فقط الجواب؛ ہاں اس مسئلہ میں بہشتی گوہر سابق سے کچھ عبارت بدلی ہوئی ہے، اور اس کی اطلاع حاشیہ میں اس لئے نہیں دی گئی کہ اس اطلاع کا التزام صرف بہشتی زیور میں کیا گیا ہے، بہشتی گوہر میں اس کا التزام نہیں کیا گیا، ملاحظہ ہو دیباچہ جدید بہشتی گوہر صفحہ ۴، بہشتی گوہر قدیم میں صرف اتنی عبارت تھی کہ منفرد کو اختیار ہے جس سے جہر تکبیر و تسمیع و تحمید میں بھی اختیار کا ایہام ہوتا تھا، حالانکہ منفرد کو صرف جہر قرأت کا اختیار ہے، تکبیرات و تسمیع وغیرہ کا جہر اس کے لئے مشروع نہیں، اس لئے اس مرتبہ عبارت میں ترمیم کر دی گئی، اور دلیل اس ترمیم کی درمختار مع الشامی بیان سنن الصلوة صفحہ ۲۹۵ ج مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں مذکور ہے و نصہ و جہر الامام بالتکبیر یقیناً حاجتہ للاعلام بالدخول والانتقال و کذا بالتسمیع والسلام واما الموعظہ والمنفرد فیسمح نفسه اہ، اس میں صرف جہر و تکبیرات و تسمیع و سلام کو امام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اور منفرد کو اس بارے میں مقتدری کی طرح اخفاء کا حکم کیا گیا ہے، اور فصل قرأت جہر لکھا گیا ہے و بخیر المنفرد فی الجہر وهو افضل ان اذی الیہ وبال صرف جہر بالقرأت میں تخییر مراد ہے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے فافہم، یکم محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

قرآۃ خفی کی حالت میں سانس | سوال (۱۱) اثناء نماز قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قرآۃ جاری رکھنا لیتے ہوئے قرأت کا جاری رکھنا جبکہ کوئی فتور قرأت میں نہ پڑے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر قرأت میں فتور نہ آئے تو جائز ہے ورنہ مکروہ ہے، ۲۶ شعبان ۱۳۴۲ھ قرأت فاتحہ کے بعد نماز میں سچا کسی اور سورۃ | سوال (۱۲) نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرآۃ کے خود سورۃ فاتحہ کا قصد یا سہواً ضم کرنے کا حکم بعد بجائے کسی اور سورۃ کے ضم کرنے کے خود سورۃ فاتحہ ہی ضم کرنا عمدتاً یا سہواً کیسا ہے،

الجواب؛ قال فی شرح المنیۃ ولو کسر الفاتحۃ فی رکعۃ من اللزوم متوالیا و قرأ القرآن فی رکوعہ اوفی سجودہ اوفی موضع التشهد یجب علیہ سجود السہو للزوم تاخیر الواجب وهو السورۃ فی الصورۃ الاولی

والقراءة فيهما لم يشرع فيه فيما بعد والتحرز عن كل ذلك واجب ولو قرأ الفاتحة
ثم السورة ثم الفاتحة لا يلزمه السهو وقيل يلزمه اه (ص ۲۳۳) وفي الدرر
في واجبات الصلوة ويجب تقديم الفاتحة على كل السورة وكذا ترك تكريرها
قبل سورة (الركعتين) الاوليين اه (ص ۱۳۲۹) وفيه ايضا وحفظ فاتحة
الكتاب وسورة واجب على كل مسلم اه قال الشافعي اي اقصى سورة او ما يقوم مقامها
من ثلاث آيات قصار اه (ص ۱۳۵۶۳) قلت فلو كان اعادة الفاتحة بنية
الضم تنوب عن وجوب السورة لم يكن حفظ سورة ماعدا الفاتحة واجبا و
قال الطحاوي في حاشية على مراقب الفلاح ولو قرأ الفاتحة على قصد الدعاء
تنوب عن القراءة كما في الفتاوى الصغرى (ص ۱۳۳) وفيه اشعار بان
النية لا اثر لها، بل من شخص كوفاتحه كعلاوة سورة يا ادرنه هول اس كوفاتحه
كالبنت حكم پڑھنا مکروہ ہے، اس سے واجب ادا نہ ہوگا، کیونکہ ضم سورة علاوة فاتحه
کے واجب ہے، اور جب کو ادرنه ہووہ بعد فاتحه کے تسبیح پڑھے، مگر ارفاتحه سے سجدہ ہمو
لازم ہوگا، واللہ اعلم، ۱۳ سوال مشکہ

تراویح میں ختم قرآن کے موقع | سوال ۱۳ | تراویح میں ختم قرآن میں تین بار قل هو اللہ کا
پہرے کرنا کیسا ہے، پڑھنا کیسا ہے، پورے قرآن کو ایک مرتبہ اور قل هو اللہ
کو تین بار پڑھنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ قاری اس سورة کو دو سر قرآن پر فضیلت
دیتا ہے،

الجواب: قال في شرح المنية وقراءة قل هو الله احد ثلاث مرات
عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه ابوالليث هذا
شيء استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلا بأس به الا ان يكون
الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة اه (ص ۲۶۳) لیکن اگر تکرار کا التزام
ایسا ہو گیا ہے کہ اس کے ترک پر ملامت ہوتی ہے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہے
کما ہو مقتضى التزام المباح والمستحب، ۱۳ سوال مشکہ

دوسورتوں کے درمیان | سوال ۱۲ | پہلی رکعت میں ایک سورة پڑھی، جیسے
ترک سورة مکروہ ہے | لم یکن الذین اور دوسری رکعت میں درمیان میں سے ایک

سورة جیسے اذالزلت الارض چھوڑ کر اور ایک سورة جیسے العادیا پڑھی تو اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اور یہ
میں کتنی چھوٹی سورة چھوڑنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے، اور اس کی مقدار کیا ہوتی ہے، تحریر فرمائیے
الجواب: یہ صورت اگر قصدا کی جائے تو مکروہ ہے، سہوا ہو جائے تو کراہت
نہیں، درمیان میں ایک سورة کا چھوڑنا اس وقت جائز ہے جبکہ وہ اتنی بڑی سورة ہو
کہ اس کے پڑھنے سے رکعت ثانیہ رکعت اولی سے بہت لمبی ہو جائے، اور قدرے طول
کا مضائقہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولی میں سبح اسم ربک اور ثانیہ
میں سورة الفاشیہ پڑھی ہے، اور وہ سبح اسم ربک سے طویل ہے مگر اطول نہیں،
پس ایسی صورت میں ترک مکروہ ہے، پس سورة القدر پڑھ کر سورة الزلزال پڑھنا جائز
ہے، کیونکہ کلمات و حروف میں سورة لم یکن الذین کفرو ان دونوں کے برابر ہے، اس کے
عدم ترک سے رکعت ثانیہ بہت طویل ہو جائے گی، پس اس کا ترک مکروہ نہیں، اور سورة
لم یکن پڑھ کر والدیث پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ سورة الزلزال اتنی لمبی نہیں کہ رکعت
طویل ہو جائے، پس اس کا ترک مکروہ ہے، قال فی هل فی الفلاح مع الطحاوی
ویکسلا فصله بسورة بین سورتین قرأهما فی رکعتین لما فیہ من شبهة
اللقضیل والهجر وقال بعضهم لا یکره اذا كانت السورة طويلة لانها بمنزلة
سورتین قصیرتین، کما لوکان بینہما سورتان قصیرتان اه، وفي الشافعی
ص ۱۴۰ ویکسلا الفصل بسورة قصیرة اما بسورة طويلة جیت یلزم منه
اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلا یکره شرح المنية اه قلت وهذا
هو الذی قاله سیدی حکیم الامة بن ذوقه وحاصله ان الفاری معذوره
فی ترک مثل هذه السورة الطويلة شرعا وليس بمعذوره فی ترک القصیر
فانهم، واللہ تعالی اعلم، ۲۳ رجب سنہ ۱۳۸۵

سورة بنی اسرائیل کی آیت سنہ من قدر سلنا | سوال ۱۵ | ایک شخص نے سورة بنی اسرائیل
سے قرأت کی ابتداء کرنا خلافت اولی ہے، سے قرأت اس طرح کی کہ سہ سے من قدر سلنا
قبلک من رسلنا سے ابتداء کی، اور اس کے بعد ختم رکوع تک پڑھتا چلا گیا، نماز کے بعد
زید نے کہا کہ نماز فاسد ہو گئی، کیونکہ معنی متغیر ہو گئے، اگر دان کا دو الیستغفر و تک سے
ابتداء کی جاتی تو نماز درست ہو جاتی، عمرو نے کہا کہ نماز اب بھی درست ہو گئی ہے،

اعادہ واجب نہیں پس فیصلہ فرمایا جائے کہ ان دونوں میں صحیح قول کس کا ہے ؟

الجواب : اس طرح قرأت کرنا خلاف اولیٰ ضرورت تھا لکن الوصل بین الحال و ذی الحال احسن مگر نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں، لکن فوہل الاکافی انفسہا مقامم فاذا جاز الوقت علی قوله الاقلیلا جاز الابداع بقوله سنة من قد ارسلنا یصنا لجواز الفصل بین الحال و ذی الحال کقولہ تعالیٰ صبغة الله وهو حال من قوله بل ملة ابراهيم حنیفاً علی قول وهو کما تری مفصول، والله تعالیٰ اعلم، ۸ رجب سنہ ۱۳۲۵ھ

قرآءة من قصار و ساط اور طوال کی رعایت | سوال (۱۶) فجر و ظہر میں طوال عصر و عشاء میں ساط مسنون ہے یا مستحب اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ اور مغرب میں قصار کی قرأت مستحب یا مستنون ہے؟ مگر کہاں سے کہاں تک طوال اور کہاں سے کہاں تک و ساط اور کہاں سے کہاں تک قصار ہے ؟

الجواب : یہ رعایت مسنون ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو بذریعہ خطوط کے اس کی تاکید فرمائی ہے، اور احادیث مرفوعہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے؛

والطوال من قی الی البروج والواوسط منها الی لم یکن والقصار منها الی اخر القرآن ہذا ہوا المشہور بین الحنفیة وفيہ اقوال اخر ایضاً، ۲۰ شعبان نماز میں سورۃ الشقاق پڑھنے کا حکم | سوال (۱۷) فرضوں میں قرآء سورۃ الشقاق، یعنی

سجدہ والی سورۃ ارادہ پڑھنی کیسی ہیں، اور ان کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : اگر مقتدی زیادہ نہ ہوں تو سورۃ الشقاق پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں اور اگر زیادہ ہوں رجب کے اشتباہ میں پڑھنے کا اندیشہ ہو تو سورۃ الشقاق (اور اسی طرح وہ سورتیں جن میں آیتہ سجدہ کے بعد تین آیتیں ہوں ان کا) پڑھنا مکروہ ہے،

حکم قرآء بسمہ بین الفاتحة والسورة | سوال (۱۸) قرآء بسم اللہ بین الفاتحة والسورة کو علامہ شامی نے حسن کہا ہے، (وقوله ولا تکرہ اتفاقاً) ولہذا اصرح فی الذخیرة والمجتبی بانہ ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروعة سراً وجہراً کان حسناً عند ابی حنیفة ورجحہ المحقق ابن الہمام وقلمینذہ الحلبي بشمہ الاختلاف فی کونہا آیة من کل سورۃ، بحر شامی ص ۳۶۲، مصری)

لیکن اسی کے اوپر جو عبارت ہو وہ یہ ہے کہ (قولہ لا تسن) مقتضی کلام المتن ان یقال لا یسمی لکن عدل عنہ لایعابہ الکراہة بخلاف نفی السنیة ثم ان ہذا قولہما وصحہ فی البدن الخ قال محمد تسن ان خافت لان ہجر و نسب ابن الضیاء فی شرح الخزنویۃ الاول الی ابی یوسف فقط فقال و ہذا قول ابی یوسف و ذکر فی المصنف ان الفتوی علی قول ابی یوسف انہ یسمی فی اول کل رکعة و یخفیہا و ذکر فی المعیط المختار قول محمد و ہوان یسمی قبل الفاتحة و قبل کل سورۃ فی کل رکعة و فی روایة الحسن ابن زیاد انہ یسمی فی الركعة الاولی لا غیر وانما اختیار قول ابی یوسف لان لفظہ الفتوی اکد و ابلغ من لفظہ المختار و لان قول ابی یوسف وسط و خیر الامور و وسطہا کذا فی شرح عمدة المصلی ۱۵، شامی جلد ۱ ص ۳۶۲ مصری اور عالمگیریہ کتاب الصلوة باب چہارم صفت نماز کی فصل نماز کی سنتوں اور اس کے آداب کے بیان میں ہے "تعوذ کے بعد آہستہ بسم اللہ پڑھے اور بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے" سورتوں میں فصل کے واسطے اُتری ہے، یہ ظہیر یہ میں مکروہات صلوة کے بیان میں لکھا ہے؛ صرف بسم اللہ سے فرض قرأت ادا نہیں ہوتا، یہ جوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے؛ بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں پڑھے، یہ امام ابو یوسف کا قول ہے، یہ محیط میں ہے، اور حجتہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، یہ تاتارخانیہ میں ہے، فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے، یہ وقایہ میں اور نقایہ میں لکھا ہے، یہی صحیح ہے، یہ بدائع اور جوہرۃ نیرہ میں لکھا ہے، فتاویٰ ہندویہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ ۹۹ جلد ۱ مطبوعہ نوکثر سنہ ۱۳۲۵ھ،

افسوس ہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ اصل عربی میں یہاں موجود نہیں ہے، میں نے حوالہ میں کتاب الصلوة اور باب اور فصل درج کر دی، حضور اس عربی میں ملاحظہ فرمائیں؛ عبارت عالمگیریہ سے صاف واضح ہے کہ بین الفاتحة والسورة بسم اللہ نہ پڑھے، اور لفظ فتویٰ اور لفظ صحیح کافی و دافی طور پر اس کے دلائل ہیں، اور عبارت شامی میں وانما اختیار سے خط کشیدہ عبارت بین الفاتحة والسورة بسم اللہ نہ پڑھنے کے اوپر دلالت صریحہ کر رہی ہے؛

اس کے باوجود کہ لفظ لفظہ الفتوی اکد و ابلغ کے مقابلہ میں قول مختار امام محمدؓ کا بھی چھوڑ دیا گیا، اور امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا گیا، بہشتی زیور میں بسم اللہ پڑھنا لکھا ہے؛

”پھر بسم اللہ پڑھ کر الحمد پڑھے اور دلائل الضائعات کے بعد آمین کہے، پھر بسم اللہ پڑھ کے کوئی سورہ پڑھے، بہشتی زیور مدلل و مکمل حصہ دوم ص ۲۴) تو کیا فتویٰ کے مقابلہ پر حسن پر عمل کیا جائیگا۔ حالانکہ نہ پڑھنے کو صحیح کہا گیا ہے ”عالمگیری“ تو سوال یہ ہے کہ اول تو بہشتی زیور سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بسم اللہ کا پڑھنا بطور مباح کے ہے یا بطور سنت کے پڑھنے کو لکھا ہے، لیکن پھر بھی فتویٰ آگے و ابلیغ کے مقابلہ پر حسن کا اختیار کرنا سمجھ میں نہ آیا، حضور والا تسلی و تشفی فرما کر احسانِ عظیم فرمادیں، اب تک میرا عمل نہ پڑھنے پر ہے، اور یوں ہی دوسروں کو مسئلہ بتاتا ہوں، ہاں البتہ جب میں تراویح میں ختم کرتا ہوں تو بسم اللہ بین السورتین کر لیتا ہوں بسبب تصادم روایت عامہ کے کہ بروایت اُن کے ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ سنت ہے، و بسمل بین السورتین بسنتہ و درایتہ و تحملاً، تاکہ قرآن کے نقص کا احتمال نہ رہے، اور ایسا ہی آپ نے فتاویٰ امدادیہ میں جواب دیا ہے اسی قسم کے ایک سوال کا، لیکن یہ بات عام نمازوں میں تو نہیں، پھر بھی فتویٰ کو چھوڑ دینا کیسا، بیوا بالذلیل تو جوا بالافضال الجواب؛ قول ابی یوسف پر فتویٰ ہے، نے کا یہ مطلب ہے کہ تسمیہ قبل سورہ کو مسنون نہ کہا جاوے گا، لیکن بنا بر مزید حمت سیاط اس کو حسن سمجھ کر پڑھ لیا جاوے تو اس فتوے کے خلاف نہیں ہے، کمالاً یعنی،

اور بہشتی زیور میں جو ترکیب نماز کی بیان کی ہے اس میں دوسرے افعال کے مسنون وغیرہ ہونے سے بھی تعرض نہیں جو ان میں تصریح کی حاجت ہوتی، وفي الطحاوی علی المراقی الفلاح (ص ۱۵۱) عن الکمال وتلمیذہ ابن امیر حاج ان الخلاف فی السنیة فلا خلاف انه لوسی لکان حسناً لشبہة الخلاف فی کون آیتہ من کل سورۃ الخ، باقی رہا سوال تراویح میں ہر سورہ کے شروع پر بسم اللہ پڑھنے کا، سو اس کے متعلق یہ عرض کر کہ مولانا مدنیو ضمیمہ و نیز دیگر اکابر کا یہی معمول ہے کہ ہر سورہ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے، بلکہ تمام قرآن میں فقط ایک سورہ کے شروع میں پڑھتے ہیں، کیونکہ تسمیہ آیت من القرآن ہے، نہ کہ آیت من کل السورۃ، اور احکام نماز میں ائمۃ الفقہ کے قول پر عمل کرنا چاہئے، اور امام عاصم کا قول خارج صلوة قابل عمل ہے، و نیز امام عامم کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ کو بحیثیت جزء القرآن ہونے پڑھتے تھے، لہذا ختم قرآن میں مشبہ نہ کیا جائے، بیش برس نیست کہ ان کے نزدیک جو چیز مسنون تھی وہ ترک ہو گئی

سو اس کا مضائقہ نہیں، کیونکہ ہم فقہ میں اُن کے معتقد نہیں ہیں، اور نماز چہرے میں امام محمدؒ بھی تسمیہ کے قائل نہیں، اس لئے تسمیہ بین السورتین کو جو حسن کہتے ہیں اُن کے نزدیک بھی تراویح میں ہر سورہ پر بسم اللہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب، احقر عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۰ رمضان ۱۳۳۴ھ

ضاد کو دال پڑھنے والے | سوال (۱۹) اکثر لوگ ضاد کی جگہ دال پڑھتے ہیں، اور ضاد کی جگہ کی اقتدار کا حکم، اور ثناء کی جگہ سین اور ظاء کی جگہ ذال اور زاء پڑھ لیتے ہیں، اور فقہاء کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حرف مشتبہ الصوت ہیں اور ان میں فرق بلا مشقت کے حاصل نہیں ہوتا ہے تو متاخرین کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، تو کیا ضاد اور دال میں بھی فرق مشکل ہے، بلا مشقت اس میں امتیاز نہیں ہو سکتا ہے، جو اکثر لوگ ایسا ہی پڑھتے ہیں، اس میں فرق نہ کرنے سے نماز ہو جائے گی، احقر اس میں بہت متروک رہتا ہے، کہ غیر المغدوب اور دلائل الضائعات میں یعنی ض کو دال کے مخرج سے ادا کرتے ہیں تو اس صورت میں قاضی خان فرماتے ہیں و لو ترا الدالین بالذال تفسد صلوتہ، اور کبیری میں ہے لا تفسد صلوتہ، اور یہی تردد کا باعث ہے، تو کس کا قول معتبر مانا جائے البتہ شامی میں اس کی تصریح کر دی ہے، کہ متاخرین کا مذہب اوسع ہے اور متقدمین کا قول احوط ہے، اور اسی بنا پر جب مجھ کو تحقیق تمام ہو جاتی ہے کہ دال ہی پڑھا گیا ہے تو نماز کو لوٹا لیا کرتا ہوں، پس امید ہے کہ اس تردد سے احقر کی رہائی فرمادیں گے،

الجواب؛ اس مسئلہ میں احوط متقدمین کا قول ہے، مگر ابتداء عام کی وجہ سے فتویٰ اس پر دیا جاتا ہے کہ ضاد کو دال پڑھنے والے کے پیچھے نماز صحیح ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ اس وقت صحیح مخرج ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اور اگر قادر ہو اور محض سستی کی وجہ سے غلط پڑھتا ہے تو نماز فاسد ہے، یہ تو نماز کا حکم ہے، اور خود اس شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ اس پر تصحیح مخرج واجب ہے، اگر اس کی کوشش نہ کر گیا گنہگار ہوگا، واللہ اعلم، شوال ۱۳۳۴ھ

قرآت کی بعض غلطیوں کا حکم | سوال (۲۰) امام سے قرآت میں حسب ذیل غلطیاں ہوں تو فاسد ہوگی یا نہیں؟ بصورت اولیٰ نماز دہرا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) اگر ماوردی غلطی کو ماوردی غلطی پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

۱۲) مِنْ مِّنِي مَعْنَى فِي مَنْ مِّنْ تَابِي مَعْنَى بَرُّهُنَا مُوجِبٌ فَسَادٍ هَلْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ؟
 ۱۳) اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ فِي لَفْظِ "اللَّهُ" كَوَيْشٍ مِنْ مِّنْ بَرُّهُنَا مِنْ مِّنْ مِّنِي
 ۱۴) عَصَى فِرْعَوْنَ الرَّسُولَ فِي فِرْعَوْنَ كَوَيْشٍ مِنْ مِّنْ بَرُّهُنَا مِنْ مِّنْ مِّنِي
 ۱۵) وَلَا الضَّالِّينَ كَوَيْشٍ مِنْ مِّنْ بَرُّهُنَا مِنْ مِّنْ مِّنِي فِي بَرُّهُنَا مِنْ مِّنْ مِّنِي
 بَرُّهُنَا مُفْسِدٌ نَّمَازٍ هَلْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ؟

یہ آخری غلطی عام ہے، کیا اس صورت میں نماز دہرانا پڑے گی؟

الجواب: لا، ازال پر ضمنہ پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کما فی رد المحتار تحت
 قول الدرر فلو فی اعراب الی قولہ لم تفسد ککسر قواما مکان فتحا وفتح باء تعبدادہ، لیکن عین
 کے بعد الف کے اضافہ میں تغیر فاحش پیدا کرتا ہے، یعنی مفرد کو تشبیہ بنا دیتا ہے، اور تشبیہ
 کا استعمال حق تعالیٰ شانہ کے حق میں کسی طرح جائز نہیں، اور اشباع کا یہ موقع نہیں
 اور فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی حرف کے بڑھانے سے اگر معنی میں تغیر ہو جائے
 تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہذا یہ غلطی فسادِ صلوٰۃ کا موجب ہے، البتہ اگر بکثرت اس قسم کی غلطی
 واقع ہوتی ہو تو عمومِ بلوی کے سبب فساد کا حکم نہ دیا جاوے گا، اور صلوٰۃ فاسدہ کا اٹانہ
 ضروری ہونا محتاج بیان نہیں،

۱۲) یہ غلطی بھی فی نفسہ موجب فساد ہے، لتغیر المعنی، ولیکن عمومِ بلوی کے سبب عدم
 فساد کا فتویٰ دیا جاوے گا،

۱۳) اس غلطی کو شامی نے متقدمین کے نزدیک مفسدِ صلوٰۃ فرمایا ہے، جبکہ ہمزہ علماء
 کو مفتوح بھی پڑھا ہو اور اگر مفتوح نہ پڑھا ہو بلکہ مضموم یا موقوف پڑھا ہو تو مفسد
 نہیں، کیونکہ اس کا مفعول ہونا مشتبہ ہو گیا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
 تغیر کو فاحش کہنا یعنی الذی یكون اعتقادہ کفر (صحیح نہیں، کیونکہ خشیت صرف خوف
 کے معنی میں منحصر نہیں، بلکہ دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے، چنانچہ قول خداوندی
 فخشینا ان یرہقہما میں اصل معنی مراد نہیں، بعض نے علمنا سے اس کی تفسیر اور بعض نے
 کرہنا سے، اسی طرح بخشی اللہ میں زحشری وغیرہ نے رفع کی قرأت (شاذہ) نقل کی
 ہے، اور صاحب روح المعانی نے خشیت کو تعظیم پر محمول کیا ہے، و نیز ایک قول یہ نقل
 کیا ہے کہ خشیت کے معنی اختیار (یعنی اجتناب) کے بھی آتے ہیں، پس جب اس غلطی کے

ہوتے ہوئے ایک صحیح معنی ہو سکتے ہیں تو متقدمین کے قول پر بھی نماز فاسد نہ ہوگی واللہ اعلم
 اور متاخرین کے قول میں تو بہت گنجائش ہے، کہ باوجود تغیر فاحش کے بھی فسادِ صلوٰۃ کا حکم
 نہیں کرتے، حاصل یہ کہ اس غلطی سے نہ متقدمین کے قول پر نماز فاسد ہوگی نہ متاخرین کے
 قول پر، واللہ اعلم بالصواب،

۱۴) یہ غلطی متقدمین کے قول پر موجب فساد ہے، ولیکن متاخرین کے نزدیک موجب
 فساد نہیں، اور قول متاخرین پر فتویٰ ہونا خلاصہ میں نوازل سے منقول ہے، لہذا عوام کے
 واسطے اسی میں سہولت ہے، ولیکن اگر اس قسم کی غلطی بکثرت واقع نہ ہوتی ہو تو عادہ نماز
 کا کر لیا جاوے، لیکن قول متقدمین احوط و ارفق بالقیاس ہے،

۱۵) اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے معنی متغیر نہیں ہوتے،

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۱ محرم ۱۳۵۲ھ

حکم چہ بسم اللہ در سورۃ اقرأ | سوال (۲۱) |

..... زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورۃ
 اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمن پڑھی تو عمر نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا
 چاہئے، اور کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جا رہا تھا، بسم اللہ کو درمیان
 میں کیوں حائل کیا، زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے، اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ
 نہ پڑھتا تو ایک جزو قرآن شریف کا رہ جاتا، لیکن عمر زید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا
 اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حد تک صحیح ہے اور کس کی بات تسلیم کیجئے
 اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہِ شرع شریف جو حکم ہو اس سے آگاہی فرما کر طماننت
 بخشی جائے،

الجواب: زید کا قول صحیح ہے، تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورۃ پر بسم اللہ کا
 جہر لازم ہے تاکہ ختم پورا ہو جائے، اور سورۃ اقرأ پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے، کیونکہ
 یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے، اور عمر کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسلِ قرآن جاتا رہا بالکل
 غلط ہے، کیونکہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے، پس قرآن کی آیت سے تسلسلِ قرآن میں
 کیوں کمی آجائے گی، ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورۃ پڑھنا | سوال (۲۲) | زید نے نماز تراویح میں آیت الذی

میں دو رکعت اس طور پر کی کہ پہلی رکعت میں لفظ "مسکین" تک اور دوسری رکعت میں ختم تک آیا یہ دو رکعتیں ہوں یا نہیں، اگر نہیں ہوں تو اب اس کی مکافات کیا ہو سکتی ہے؟
الجواب: یہ دونوں رکعتیں صحیح ہو گئیں، مگر ایسا کرنا مناسب نہ تھا، ایسی چھوٹی سورتوں میں دو رکعتیں ایک سورہ کے اندر نہ کونا چاہئے، کہ اس صورت ہر رکعت میں تین آیات نہیں ہوں
حکم تکرار قیل ہو اللہ احد | سوال (۲۳) قیل ہو اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ تین مرتبہ پڑھنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص صرف ایک مرتبہ تلاوت کرتا ہے تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس بارہ میں جو شرع شریف کا حکم ہو اس سے آگاہی بخشی جاوے،

الجواب: تکرار قیل ہو اللہ فی نفسہ مباح ہے، مگر جہاں ترک تکرار کے اعتراض ہوتا ہو وہاں ترک لازم ہے، تاکہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں، واللہ اعلم، ۲۲ یقیناً ۲۵
مسئلہ قرآن | سوال (۲۴) زید نے
مغرب کی نماز میں امام بن کر دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورہ مزمل کی آخری آیتوں میں سے واقیہ الصلوة و آتوا الزکوة و اقرضوا اللہ قرضاً حسناً و ما تقدوا
لأنفسکم من خیر تجدوه عند اللہ ہو خیر او اعظم اجراء و استغفر اللہ، ان اللہ غفور الرحیم تک
جہاں تین جگہ ط اور اخیر میں ۵ علامت آیت موجود ہے، پڑھی، اور باقی رکعت کو حسب دستور ادا کیا، فاتحہ کے بعد اسی قدر آیت قرآنی پڑھنے سے اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں،
بینوا و تبرؤا،

هو المصوب؛ صورت مسئلہ عنہا میں زید کی نماز مع الکرہتہ صحیح ہوئی، کیونکہ اس کو پہلی دو رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک سورہ یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت پڑھنا واجب تھا، لیکن اس نے قصداً ایک آیت سے بھی کم پڑھ کر واجب کو ترک کیا، اس لئے اس پر نماز پھیر پڑھنی واجب ہے، اور نماز کو اعادہ نہ کرنے سے وہ فاسق اور گنہگار ہوا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کی عبارت اس پر شاہد ہے، عالمگیری میں ہے
و یجب قراءة الفاتحة و ضم السورة او ما يقوم مقامها من ثلاث ايات قصار او اية طويلة في الاوليين بعد الفاتحة كذا في النهر الفائق انتهى، اور در مختار میں ہے، ولها واجبات لا تقصد بتركها و تعاد وجوبها في العمد و السهوان لم یجد له وان لم یجد لها یكون فاسقا انما انتهى، اور شامی میں ہے تحت

قولہ و تعاد وجوبها ای بتوکل هذه الواجبات او واحد منهما انتهى، اور ہدایہ کے مرقبہ الصلوة میں ہے و الصلوة جائزۃ فی جمیع ذلك الاستجماع شل لظہا و تعاد علی وجہ غیر مکروہ و هو الحکم فی کل صلوة ادیت مع الکرہتہ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوة انتهى، اور جامع الرموز میں ہے و واجبها قراءة خصوص الفاتحة و ضم مقدار سورة من اية طويلة او ثلث قصار، و فی الکلام اشارۃ الی انه یجب تاخیر السورة عن الفاتحة و الی انه یجب ان یقرأ مرة کما فی المحيط، و الی انها واجبة و لذا کان تاركها یؤمر بالاعادة کما فی القنیة و الی ان نفس السورة واجبة ایضا کما قال القاضی فی الجامع راس کے بعد یجب نے اوقات قرآن کی بحث طرزا لکھی ہے ہم نے اختصاراً احذن کر دیا، اس لئے صورت مسئلہ عنہا میں امام ندوہ کی قراءت میں بعد فاتحہ کے ایک آیت بھی نہیں پائی گئی، کیونکہ وہاں تین جگہ ط اور اخیر میں ۵ علامت آیت موجود ہے، اسی سبب وہ تارک واجب ہوا، اور پھر نماز کو اعادہ نہ کرنے کی وجہ سے شرعاً فاسق اور گنہگار بھی ہوا، لہذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، حورہ الدراجی رحمۃ ربہ الی محمد مصغان علی لکوشاکا لوی
اقول و بالله التوفیق و بییدہ ازمتہ التحقیق، الجواب جواب لا یماثل جواب
و المنکر علی خلاف الصواب، لان البعض قد استشکلہ بعبارة الهندیہ و الشامی
حيث حررت فی مقامها انه لو قرأ ببعض اية الكرسي في ركعة والبعض في
ركعة اخرى لا یجوز عند الامام وعند العامة یجوز و یكتفی فلا تثبت من قول
الجواز و الكفاية الصحة الكاملة لترك الواجب و هو قراءة الآية التامة
في ركعة واحدة فعليه ان یعيد و وجوبها فی العمد و السهوان لم یجد له و
ان لم یجد لها یكون فاسقا انما کما فی الوقایہ فرض القراءة اية و
المكتفی بہا میسئ لترك الواجب و فی القدری یقرأ فاتحة الكتاب و سورة
او ثلاث ايات من ای سورة شاء، و فی الذخیرة قراءة ثلاث ايات قصارا
او اية طويلة من واجبات الصلوة بالاجماع فلو قرأ مع الفاتحة اية تصیر
سهوا فعليه السهو و فی الہندیة لو قرأ اقل من اية وان كان حرفا یكوه و فی
الدر المختار کل صلوة ادیت مع کرہتہ التجربہ تجلب عاداتہا و اللہ اعلم، محمد رکن

الجواب؛ حقیقت یہ ہے کہ جو مقدار قرأت کی فرض ہے وہی مقدار سورۃ فاتحہ کے بعد واجب ہے، کیونکہ فقہائے کرام جو الفاظ یعنی سورۃ اوما یقوم مقابہا وغیرہ فرض قرأت میں ذکر کرتے ہیں وہی الفاظ واجبات میں ذکر کرتے ہیں، کما لا یخفی، بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیت طویلہ کا حصہ جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو وہ تین آیتوں کے قائم مقام ہے یا نہیں، سو عالمگیری شامی وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے اذ قرأ آية طویلہ فی الركعتین نحو آية الكوسی و آية المدائنة البعض فی رکعة والبعض فی اخرى عامتهم علی انه يجوز کذا فی المحيط، اس سے ثابت ہوا کہ آیت طویلہ کا جزو مطلقاً کافی ہے، یعنی بدون فاتحہ کافی عن الفرض ہے، اور مع الفاتحہ کافی عن الواجب ہے، پس جواب مرسل کی تصدیق میں جو لکھا ہے فی الوقایة فرض القراءة آية والمکتفی بہا مستی لترك الواجب، اس میں اکتفاء علی الآیة بدون الفاتحہ کا ذکر ہے، اور ہندیہ سے جو لو قرأ اقل من آية وان كان حرفاً یکره نقل کیا ہے وہ عبارت اس وقت ملتی نہیں، اگر اس میں ہو تو مراد کراہتہ تنزیہیہ لی جاوے گی، للصحیح بین الروایات، اور عبارات فقہیہ جو واجبات صلوة میں ہیں کہ وضم السورۃ اوما یقوم مقابہا من ثلاث آیات قصار او آية طویلہ یہ بر سبیل تمثیل ہے آیت طویلہ کے حصہ کا اس میں ذکر نہیں نفیاً نہ اثباتاً، اور دوسری جگہ آیت کے جزو کا کافی ہونا مصرح ہے، تو اس محکم کو مقدم رکھنا ضروری ہے، اس تمثیل کی بنا پر اس محکم جزئیہ میں کلام نہیں ہو سکتا، لہذا صورت سوال میں نماز بالکل درست ہو گئی، ترک واجب نہیں ہوا، البتہ عالمگیریہ کی روایت جن کے متعلق گذر چکا ہے کہ ہمیں نہیں ملی اس کی بنا پر اختلاف اولی کا حکم ضرور کیا جاوے گا لترك السنة، کتبہ عبد الکریم

۲۳ رجب ۱۲۵۳ھ

فصل فی الوتر و دعاء القنوت

نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنے کا حکم | سوال (۱) موجودہ زمانہ میں نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب؛ جائز ہے، واللہ اعلم، بلکہ ایک قول پر مستحب ہے، فافہم، ۳ رمضان ۱۲۵۳ھ
نماز وتر کے لئے مطلق وتر کی نیت | سوال (۲)
چاہتے یا وتر واجب کہنا ضروری ہے؟ | سوال (۲) صلوة وتر میں مطلق وتر کی نیت کرنا

چاہتے یا واجب وتر کی، عالمگیریہ فتویٰ ہندیہ میں باب نیت میں مطلق وتر کی نیت کو لکھا ہے... وجوب کی بنا پر اختلاف روایت کے اور علامہ شامی نے خلاف اس کے درج کیا وتر والنوافل میں لکھا قولہ لا الوتر الواجب الذی ینبغی ان یفہم من قولہم انہ لاینبغی انہ واجب لایلزم تعیین الواجب... لا منعه من ذلك لانه ان کان حنفیاً ینبغی ان ینویہ لیطابق اعتقاده وان کان غیرہ فلا تضرہ تلک النیة (بحر) لکھا ہے کہ اب قول فیصل در باب نیت اور علامہ شامی کی اس عبارت کا مطلب بیان فرما کر ہدایت فرمادیں، کیونکہ یہاں کے علماء میں بہت اختلاف ہو رہا ہے،

الجواب؛ علامہ شامی کی یہ عبارت اقتداء وتر خلف الشافعی کے متعلق ہے، کیونکہ در مختار کی عبارت بھی اس کے متعلق ہے کہ اقتداء بالشافعی کے وقت وتر واجب کی نیت نہ کرے، بلکہ صرف وتر کی نیت کرے، تاکہ دونوں کی نیت یعنی امام اور مقتدی کی متحد رہے، اختلاف نہ ہو، علامہ شامی کہتے ہیں کہ اگر اس وقت بھی وتر واجب کی نیت کرے تو مضر نہیں، جائز ہے، باقی منفرد کے لئے ادارہ وتر کے واسطے مطلق نیت وتر بھی کافی ہے، اور نیت وتر واجب بھی کافی ہے، اس میں یہی قول فیصل ہے کہ ہر دو طرح نیت وتر درست ہے، اس میں اختلاف کرنا محض ایک لایعنی ولا طائل امر ہے، واللہ اعلم، ۲۲ ربیع ۱۲۵۳ھ
وتر کا قعدہ اولی فرض ہے یا واجب؟ | سوال (۳) وتر کا قعدہ اولی فرض ہے یا واجب، اس کے اور اس کے ترک نماز ہو سکتی ہو یا نہیں؟ | ترک سے نماز ہو سکتی ہے؟

الجواب؛ قعدہ اولی واجب ہے، اگر سہواً ترک ہو جائے تو سجدہ سہو سے نماز وتر درست ہو جائے گی، قال فی الدر وہو ثلاث رکعات بتسلیمۃ کا مغرب حتی لو نسی لقعود لا یعود ولو عاد ینبغی الفساد کما سیحی ام والواجب عدم الفساد و نقل عن البحر انه الحق ۱۲ شامی، فقط، ۲۷ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ

حکم اقتداء حنفی بالشافعی | سوال (۴) ماہ رمضان میں بعد تراویح کے وتر کی نماز باجماعت در وتر و شرائط آن، ادا کرتے ہیں، اس وتر میں دو جماعت ہوتی ہیں، ایک امام حنفی، دوسرے شافعی...، الگ الگ اپنے اپنے امام سے پڑھتے ہیں، دوسری صف میں ایک ہی ساتھ ہوتے ہیں، اور اسی وتر میں الگ پڑھنا میرے خیال میں نہیں آتا، غرض کہ ہمارے مرشد نے بھی تاکید کی کہ ایک ہی جماعت سے پڑھ لیا کریں، ہمارے پیر بھائی تو پڑھتے ہیں

آئندہ بھی پڑھیں گے، کتاب شہابیہ مذہب شافعی کی اور شرائط المذہب میں بھی پڑھیں
کا طریقہ لکھا ہوا ہے، ان کتابوں کو دکھانے سے بھی نہ حنفی نہ شافعی کوئی نہیں مانتا اس لئے
اس وتر کی نماز کو ایک ہی جماعت سے پڑھیں یا نہ پڑھیں، حکم شرعی صادر فرمادیں،

الجواب: حنفی کو وتر میں شافعی المذہب کی اقتداء قول اصح کی بناء پر جائز ہے
بشرطیکہ وہ تین رکعت بدو ن فصل بالسلام کے پڑھے، اور بشرطیکہ امام نیت مطلق
وتر کی کرے، وتر تطوع یا وتر مسنون کی نیت نہ کرے قال فی الدرر صم الاقتداء فیہ
بشافعی لم یفصلہ بسلام لان فصله علی الاصح فیہما للاتحاد وان اختلفت
الاعتقادات قال الشامی بخلاف ما فی الارشاد من انه لا یجوز اصلا باجماع
اصحابنا لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ام ثم قال تحت قوله للاتحاد و
واستحکام فی الفتح بانه اقتداء المفترض بالمتنفل وان لم یخطر بخاطره
عند النية صفة السنية او غيرها بل مجرد الوتر لتقرر التقلية فی اعتقاده
ردہ فی البحر بما صرح فی التجنیس ایضا من ان الامام ان نوى الوتر وهو يراه
سنة جازا لا اقتداء کم من صلی الظهر خلف من یری ان الركوع سنة وان
نواه بنية التطوع لا یصح الاقتداء لانه یصیر اقتداء المفترض بالمتنفل
ام (ص ۶۹۹ ج ۱) ہر چند کہ حنفی کی اقتداء شافعی کے ساتھ وتر میں قول اصح پر جائز ہے
مگر شافعی کا اس میں اختلاف ہے بعض مشائخ نے اجاز نہیں دی اور جو جا کر ہیں وہ بھی اس شرط سے جائز کرتے ہیں کہ
کہ شافعی امام وتر مطلق نیت کرے، وتر تطوع یا مسنون کی نیت نہ کرے، اور اس کی
رعایت کا علم قدرے دشوار ہے، اس لئے جو حنفی جماعت وتر حنفی امام کے ساتھ شافعی سے
الگ کرتے ہیں ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی، ۱۷ شعبان ۱۳۳۴ھ

حکم قنوت نازلہ بزبان عربی | سوال (۵) ما قولکم یرحمکم اللہ فی القنوت النوازل
کیف ہو هل قبل الركوع ام بعده وهل یرفع یدیه ویکبر له ام لا، وهل
یضع یدیه ام یرسلہما وهل یخافت به ام یجہر؟

الجواب: قال... الطحطاوی فی حاشیئہ علی هل فی الفلاح (رض)،
تحت قول الماتن ولسن وضع الرجل یدہ الیمنی علی الیسری ما نصہ ولا ید
فی ذلك القيام ان يكون فیہ ذکر مسنون وما لا فلا ما لا یطل فحینئذ عن

یضع كما فی الس ۳. وغیره وقال محمد لا یضع حتی یشرف فی القراءة فهو عندہما
(رای الشیخین ۱۲ منہ) سنة قیام فیہ ذکر مشرعی وعندہ سنة للقراءة فی رسل
عندہ حالة الشناء والقنوت و فی صلوة الجنازة وعندہما یعتمد فی الكل و
اجمعوا علی انه یرسل فی القومة بین الركوع والسجود و بین تکبیرات العیدین
بعدم الذکر والقراءة فی هذه المواضع فان قيل فی القومة من الركوع ذکر مشرعی
وهو التسبیح والتحمید فینبغی ان یضع فیہما علی قولہما اجیب بان المراد قیام
له قرار وهذا لا قرار له ام وهل یضع فیہما فی صلوة التسبیح لكون القيام
له قرار فیہ ذکر مشرعی و ۶ براجع ام وقال الشامی ومقتضاه ان یعتمد بیدیه
(فی القومة) فی النافلة ولم ار من صرح به تامل لکنہ مقتضی اطلاق الاصلین
المازین ومقتضاه ان یعتمد فی صلوة التسبیح ایضا ام (ص ۵۰۹ ج ۱) قلت وقد
مر تصریح الطحطاوی بالاعتماد فی القنوت عند الشیخین فینبغی ان
یعتمد بیدیه فی قنوت النازلہ سواء قبل الركوع او بعد واما ان قبل الركوع او بعد فقال لطحطاوی
فی حاشیة مراقی الفلاح واما القنوت فی الصلوات کلہا عند النوازل فلم
یقل به الا الشافعی ولسن من ہبنا قال الحموی وینبغی ان یكون القنوت
قبل الركوع فی الركعة الاخيرة ویکبر له ام (ص ۲۲۰) قلت اراد الحموی
قنوت النازلہ لذكرا ذلك تحت قول الاشباہ اذا نزل بالمسئین نازلہ
قنت الامام فی صلوة الفجر ام (ص ۳۹۹) وقال الشامی وهل القنوت هنا قبل
الركوع ام بعده لم ارہ والدی یظہر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جہر
فیؤمن وانه یقنت بعد الركوع لا قبلہ بدلیل ان ما یستدل بہ الشافعی علی
قنوت الفجر و فیہ التصریح بالقنوت بعد الركوع حملة علماء علی القنوت
للنازلہ ثم رأیت الشربنالی فی مراقی الفلاح صرح بانه بعدہ واستظهر
الحموی انه قبلہ والاظهر ما قلناہ واللہ اعلم زم (ص ۲۰۲ ج ۱) قلت وکن
الاثار تشهد لما قالہ الحموی ایضا فعن طارق بن شہاب قال صلیت
خلف عمر صلوة الصبح فلما فرغ من القراءة فی الركعة الثانية کبر ثم
قنت ثم کبر فركع رواه الطحاوی واسنادہ صحیح وعن ابی عبد الرحمن

ہیں سے آکر شافعی و حنفی میں بھوٹ ڈالنے کے قصہ کہا کہ نماز وتر بہ مذہب شافعی ایک سلام سے جائز نہیں، حنفی و شافعی جدا جدا دو جماعت سے ہی پڑھنا جائز ہوگا، اہل عجمت سے ایک دو صاحب ان کی بات کا اتباع کر کے وتر دو سلام سے پڑھنا چاہتے ہیں، مگر باقی اہل جماعت حسب عادت قدیم ایک ہی سلام سے پڑھنا چاہتے ہیں، کیونکہ دو سلام کے پڑھنے سے حنفیوں کی دوسری جماعت کرنی ہوگی، یہی افراق آئندہ دوسرے اوقات میں بھی دو جماعت کا باعث ہوگا، پس ایک ہی مسجد میں دو جماعت ہونے سے ضرور فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے، اسی لئے اتفاق کو بحال رکھنے کے لئے اکثروں کا ارادہ مصمم ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق شرائط المذہب اردو باب الوتر والنوافل میں ہے یعنی اور افضل ہے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے وتر فصل سے پڑھنا لیکن مقتدی حنفی ہوں تو وصل سے پڑھے نہیں تو اقتدار حنفی کی درست نہ ہوگی، انتہی و چونکہ یہ عبارت اردو ہے، اس کی اصل عبارت کس کتاب میں ہے، معلوم نہیں، اور کتاب الاوطار ترجمہ در مختار میں ہے و صح الاقتداء فیہ ففی غیرہ اولیٰ ان لم یتحقق منہ ما یفسد فی اعتقادہ فی الاصح کما بسط فی البحر شافعی مثلاً فی فصلہ بسلام لان فصلہ علی الاصح فیہ اللاتعداد وان اختلف الاعتقاد، اور درست ہے وتر میں اقتدار حنفی کا پیچھے شافعی کے مثلاً جو وتر کو سلام سے جدا نہ کرے، یعنی دو رکعت پر سلام نہ پھیرے تو وتر کے غیر میں اقتدار بطریق اولیٰ درست ہے، بشرطیکہ امام سے کوئی ایسا امر متحقق نہ ہو جو نماز کا مفسد ہو، انتہی، باقی کتاب میں دیکھ لیں،

اور عمدة الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم میں ہے قولہ خلافاً للشافعی ای فی احد اقلہ الثلثة احدھا کقولنا وثانہما یوتر ثلثاً بتسلیمتین بان یشہد علی راس الرکعتین ویسلم ثم یصلی رکعتہ واحده و ثالثھا انه معیر بین ان یوتر بثلاث بتسلیمتہ انتہی، اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بھڑھب امام شافعی وتر کے بارے میں تین روایت ہیں، جن میں ایک روایت موافق حنفیہ ایک ہی سلام سے تین رکعت، اور ایک روایت میں تخمیر ایک رکعت یا تین رکعت بیک سلام، ان روایت کی تفصیل سے اطلاع فرمادیں، اس مسئلہ کے متعلق مقام واقعہ یعنی کثمور۔ اولث، نون کے مذکورہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قول فصل

کیا ہو سکتا ہے بحوالہ کتب مع عبارت عربی تحریر فرما کر اہل جماعت کو ممنون فرمادیں، کیونکہ افراق کا سخت اندیشہ ہے، مذکور نماز وتر شافعی کے پیچھے حنفی کو حنفی کے پیچھے شافعی کو جائز نہ ہو تو کتنے سال کی نماز قضا کرنی چاہتے، صاف صاف مع حوالہ کتب و مزین مہر و دستخط سرفراز فرمادیں؟

الجواب، قال فی رحمة الامة و اقل الوتر رکعة و اکثرہ احدی عشر رکعة و ادنی الکمال ثلاث رکعات عند الشافعی و احمد و قال ابو حنیفہ الوتر ثلاث رکعات بتسلیمتہ و احده لا یزاد ولا ینقص و قال مالک الوتر رکعة قبلہا شفح منفصل عنہا ۵۱ (ص ۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک وتر کی ایک رکعت جائز ہے، مگر کامل نہیں، وتر کامل ان کے نزدیک بھی تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہیں، کما هو مفہوم قولہ و ادنی الکمال ثلاث رکعات الخ و لیس محملہ ثلاث بفضل بسلام بینہم لذن کرہ ذلک فیما بعد من ہب مالک و اللہ اعلم، اور زیادہ تحقیق مذہب شافعی کی علماء شافعیہ سے کی جاوے۔

رہا یہ کہ حنفی کو شافعی کی اقتدار وتر میں جائز ہے یا نہیں، تو اصح قول حنفیہ یہ ہے کہ چند شرائط سے جائز ہے (۱) یہ کہ وہ تین رکعات بدون فصل بسلام کے پڑھے اور درمیان دو رکعت پر قعدہ کرے (۲) یہ کہ وہ مطلق وتر کی نیت کرے، وتر کی نیت کرے وتر تطوع یا وتر مسنون کی نیت نہ کرے، صرح بہ فی الشامیہ (ص ۶۹۹ ج ۱) واللہ اعلم ۲۱ شعبان ۱۳۵۵ھ

رمضان میں وتر یا جماعت افضل | سوال (۴) ہے یا بغیر جماعت بعد تہجد؟ تہجد گزار کے لئے غیر رمضان میں افضل ہے کہ وتر بعد تہجد کے پڑھے، بشرطیکہ جاگنے پر اعتماد ہو، مگر رمضان میں وتر یا جماعت افضل ہے یا بعد تہجد، جواب مع نقل عبارات و حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر عن اللہ باجور و عند الناس مشکور ہوں،

الجواب من بعض العلماء؛ تہجد گزار کو رمضان میں بھی افضل ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھے، جبکہ جاگنے پر اعتماد ہو، و تراخیر شب میں پڑھنے کے متعلق حدیث میں فضیلت آئی ہے، عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایکم خاف ان لا یقوم

من آخر الليل فليوتر ثم ليرقد ومن ثقب بغيره من آخر الليل فليوتر من آخره فان قربة آخر الليل لمحتسب وولده
 افضل من غيره من غير رمضان او غير رمضان فونون كوشال هو اوريه عموميته ورج ذيل
 اقوال مستفاد من تأخره عن الجمله فيه واحسان يعنى آخر الليل فانه افضل كما قال عمرو بن دينار
 عنهما افضل وعلم من انه عليه السلام اجعلوا اخر صلواتكم بالليل وترا وشرة لذلك فلا يدل ذلك على ان الافضل فيه
 تروى الجماعين احسان يوترون الليل كما عطفه اطلاق جوابه لا استغنى (كبيرة شرح عليه ص ۱۳۳۰) والاضا جاء في شرح
 المنية انه بناء على استحباب تأخير مطلقا من اتم فواته واستحباب جملته اخر صلوة الليل الخ (ص ۱۳۳۵) وان من
 تأخر عن الجماعة فيه واحسان يعنى آخر الليل فانه افضل كما قال والتمى بيانها افضل علم من قوله عليه السلام
 اجعلوا اخر صلواتكم بالليل وترا فاحسبه لذلك والجماع اذا كان متعذرا فلا يدل ذلك على ان الافضل في ترك
 الجماعة احسان يوتر اول الليل كما يظهر من اطلاق اختيارهم من اطلاق لوقاية للعلاء العارى ص ۱۳۱۶
 البتة جو شخص تراول شب من ثمنا جازي اس كلسه رمضان المبارك من جماعت پڑھنا افضل هي اگر تہجد گزار رمضان میں
 وترتہ تہجد کے پڑھنا جازي تو اس کو جازي کہ از مقدم پڑھا جاوے اور ترکی جماعت کے چھپے الگ بٹھی رہنا نہ نوم ہو جوہ مشابہ ہو اعراض
 عن الجماعة کے واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ سید عبدالرحیم ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام :- جواب مذکور ایک روایت کے موافق صحیح ہے مگر دوسری روایت یہ ہے کہ رمضان
 میں ترجماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے تہما گھر میں پڑھنا افضل نہیں، خواہ اول لیل میں پڑھے یا آخر لیل میں، قال الشافعی
 رحمہ اللہ الجواب انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اوتر بہم ثم بین العذر فی تأخره مثل ما صنع فی التراويح فالوتر
 کالتراویح فکما ان الجماعة فیداسته فکذلک الوتر، وروی فی شرح المنية والصحيح ان الجماعة ہارای فی الود
 افضل الان سیتہما لیت کسیتہ جماع التراويح ام قال لخير الوصلی وهذا الذي عليه عمل آلاء الناس
 ام وقوله المحشى ايضا بانه مقتضى ما مر ان كل ما شرع بجماعته فالمسجد فيه افضل (ص ۲۲) واللہ اعلم
 اور دلیل سے بظاہر یہی دوسری روایت قوی ہے، اور اسی پر ائمت کا عمل ہے، فقط
 حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه از تحفہ بجون خالقاہ امداد یہ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

فضیلت تأخیر وتر آخر شب | سوال (۸) افضل وقت وتر تراویح است و آنکہ عادت گزاردن وتر را در آخر شب دارد اگر او قبل ادایش درخوا
 ببرد گناہ ترک واجب ہو ولازم آید یا نہ؟

الجواب : تأخير الوتر الى آخر الليل افضل لمن يشق بالانتباه ولمن لم يشق
 ان يوتر قبل ان ينام هكذا في العالم كغيره ولا يلزمه بشيء من الاثم ان ما
 قبل الصبح لان الوقت في حقه باق والمعتبر في الوقت والقضاء هو اخصر

الوقت فمن لم يدرك آخره لم يكن فائدا للواجب الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنه ۲ ذیقعدہ
 الجواب صحیح، اشرف علی، ۲ صفر سنہ ۱۳۲۲ھ

عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی | سوال (۹) تو وتر جماعت سے پڑھے یا تنہا؟
 ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہو گیا، امید ہے کہ جواب باسباب ارشاد فرما کر عند اللہ
 ماجور ہوں گے، وہ یہ ہے کہ بہشتی گوہر میں جو صفحہ ۲۴ مشئلہ ۱۱ اگر کوئی شخص مسجد میں اس
 وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکے تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں
 شریک ہو، اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جاویں تو ان کو بعد وتر پڑھنے
 کے پڑھے، اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (ص ۳۷، ۳۸ شامی)

اور غایۃ الاوطار میں ہے ولولم یصلها ای التراويح بالامام او صلها مع غیرہ
 لہ ان یصلی الوتر معہ، بعد ترجمہ کے تحریر فرماتے ہیں ۳ مراد اس سے یہ ہے کہ فرض
 کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا تو وتر جماعت کے
 پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے، اگذا فی الشا
 موجب اشکال یہ ہے کہ شامی اور غایۃ الاوطار کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
 جس شخص نے جماعت سے فرض نہ پڑھے ہوں وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، اور بہشتی گوہر
 سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھ سکتا ہے، اگر شامی میں کسی جگہ یہ مسئلہ ہو تو تحریر فرمائے
 بہت بڑا اشکال ہو رہا ہے، اور اکثر معمول بھی یہی ہے کہ اکثر نمازی دیر میں آتے ہیں،
 اور فرض جماعت سے نہیں پڑھتے ہیں، اور وتر پڑھ لیتے ہیں، لیکن شامی اور غایۃ الاوطار
 کی عبارت کچھ اور کہہ رہی ہے، ضرورتاً محض بغرض تحقیق تکلیف دی گئی ہے، امید
 کہ ازراہ کرم جواب جلد مرحمت ہوگا،

دیگر امر ضروری العرض یہ بھی ہے کہ احقر کو یہ مسئلہ اسی طرح معلوم تھا جو بہشتی گوہر
 میں ہے، اسی طرح لوگوں کو بتلا دیتا تھا، مگر مولوی حبیب اللہ صاحب مدرس مدرسہ قومیہ
 میرٹھ جو بریلوی خیال کے ہیں، انھوں نے آج میرے پاس شامی بھیجی ہے، اور کہلا کر بھیجا
 ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، لہذا مکر عرض ہے کہ بہشتی گوہر کے مطابق عبارت شامی
 کی ہو تو ضرور ارشاد فرمائی جائے،

الجواب: بہشتی گوہر کا مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد میں فرض نماز اور تراویح کی جماعت محلہ والوں نے کی ہو، مگر کسی ایک دو آدمی کو جماعت نہ ملی ہو تو ان بعد میں آنے والوں کے لئے وہی حکم ہے جو بہشتی گوہر میں ہے، اور علامہ کتب فقہ میں اس کے موافق ہی ذکر ہے، درمختار میں ہے وقت التراويح بعد صلوة العشاء الی الفجر قبل التراويح معہ ثم صلی ما فاتہ ام، قال الشامی بعد ذکرہ قولین مقابل الاصح الثالث، مشی علیہ المصنف تبعاً للکنز وغزاة فی الکافی الی الجہوں وصححہ فی المہدایۃ والخانیہ والمحیط والبحرام (ص ۳، ۴، ۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ بہشتی گوہر میں جس طرح مسئلہ مذکور وہ ہی جمہور کا قول ہے، اور وہی اصح ہے، اسی کو ہدایہ، خانیہ، محیط وغیرہ میں صحیح کہا ہے، اور غایۃ الاوطار کی جس عبارت سے سائل کو دھوکہ ہوا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد میں کسی نے بھی فرض نماز یا تراویح کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو تو اس صورت میں اگر وتر جماعت سے پڑھنا چاہیں تو بیشک ایک صورت میں مکروہ ہے (جبکہ فرض میں جماعت ترک کی گئی ہو) اور دوسری صورت میں محل تامل ہے (جبکہ فرض تو سبکی جماعت سے پڑھے ہوں مگر تراویح کی جماعت کسی نے مسجد میں نہ کی ہو) درمختار میں ہے ولو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراويح جماعۃ لانہا تبع فصلیہ وحدہ یصلیہا معہ ولو لم یصلہا ای التراويح مع الامام او صدھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ بقی لو ترکھا کلھل یصلون الوتر جماعۃ فلیروا اھ، اور گو شامی نے اس مقام پر دو سکر الفاظ بھی نقل کئے ہیں، مگر صاحب درمختار اور اکثر اہل متون کا مختار وہ ہی ہے جو مسئلہ جماعت و منفرد کے بارے میں درمختار میں مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ رمضان ۱۳۲۴ھ

صلوة وتر سے قبل آیت ربنا ما خلقت هذا سوال (۱) صلوة وتر سے قبل اکثر مصلیین آیت ربنا کا پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟ ما خلقت هذا باطلا الخ پڑھا کرتے ہیں،

الجواب: اس کی کوئی اصل ہماری نظر سے نہیں گذری، اور رمضان ۱۳۲۴ھ جس نے عشاء کی نماز تہنا ادا کی ہو سوال (۱) کل بعد عشاء و تراویح مسئلہ بیان کیا گیا و تر جماعت سے ادا کرے یا تہنا، کہ جس شخص نے فرض نماز عشاء جماعت سے نہ پڑھی ہو (یعنی منفرداً پڑھی ہو) وہ وتر بھی منفرداً پڑھے، اور جماعت کی شرکت سلام سے پہلے امام

سے مشارکت ہو جانے سے ثابت ہو جاوے گی، اس کے بعد بعض لوگوں نے بیان کیا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگرچہ جماعت سے فرض عشاء نہ پڑھے ہوں تب بھی جماعت وتر میں شامل ہو اور وتر جماعت سے ادا کرے، اس کے بعد بہشتی زیور دیکھا گیا تو اس میں اس کے حصہ بہشتی گوہر میں مسئلہ بعبارت ذیل درج ہے؛

تراویح کا بیان: مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو، اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جاوےں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے، اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (شامی، ص ۳، ج ۱) مکمل و مدلل بہشتی گوہر، ص ۱۴۰

اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ منفرداً فرض عشاء پڑھنے پر بھی وتر جماعت سے پڑھے، بہشتی زیور میں حوالہ مذکور شامی مطبوعہ سندھ ۱۳۲۳ھ سے ہے، مگر یہاں وہ شامی نہیں بلکہ مطبوعہ مصر ہے، اس میں جب (بحث صلوة التراويح) ص ۵۲۳ و ۵۲۴ میں دیکھا گیا تو مندرجہ ذیل عبارت ملی (ولو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراويح جماعتاً لانہا تبع فصلیہ وحدہ یصلیہا معہ درمختار بقولہ لانہا تبع) ای لان جماعتها تبع لجماعۃ الفرض فانہا لم تقم الا بجماعۃ الفرض فلو اقيمت بجماعۃ وحدہا كانت مخالفة للوارد فيها فلم تكن مشروعة اما لو صليت بجماعۃ الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحدہ فله ان یصلیہا مع ذلك الامام لان جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم انعزولة هذا ما ظہر لی فی وجہہ وبہ ظہر ان التعلیل المذكور لا یشمل المصلی وحدہ فظہر صحۃ التفریح بقولہ فصلیہ وحدہ الخ فافہم رشامی ص ۵۲۳ ج ۱ ص ۱

عبارت محررہ سے واضح ہوا کہ اگر فرض با جماعت نہ پڑھے ہوں تب بھی تراویح کی جماعت میں شرکت کرے، جیسا کہ خط شیدہ عبارت..... اس کو واضح کر رہی ہے، اب آگے یہ عبارت ہے (ولو لم یصلہا) ای التراويح رب الامام او صلا

مع غیرہ ولہ ان یصلی الوتر معہ) درمختار بقولہ ولو لم یصلہا الخ، ذکر هذا الفرع والذی قبلہ فی البحر عن القنیۃ وکذا فی متن الدرر لکن فی التنازع عن النقیۃ انه مثل علی بن احمد عن صلی الفرض والتراويح وحدہ

او التراويح فقط هل یصلی الوتر مع الامام فقال لا اہ ثم رأیت القریبۃ انی ذکر
تصحیح ما ذکرہ المسنف شد قال لکنہ اذا لم یصلی الفرض معہ لا یتبعہ
فی الوتر اہ فقوله ولولم یصلہا ای وقد صلی الفرض معہ لکن ینبغی ان ینزل
قول القریبۃ معہ احترازاً عن صلاتہا منفرداً اما لو صلاھا جماعة مع
غیرہ ثم صلی الوتر معہ لا کراہۃ کامل (ص ۵۲۲ ج ۱ شامی مصری)
اس عبارت مسطورہ سے صاف صاف واضح ہے کہ تراویح چاہے منفرداً پڑھی ہو
چاہے اس امام (جس کے پیچھے وتر پڑھنا ہے) کے سوا دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہو، وتر
اس امام کے پیچھے پڑھے، ہاں اگر فرض عشاء منفرداً پڑھے ہوں تو البتہ وتر امام کے ساتھ
نہ پڑھے، یعنی جماعت سے نہ پڑھے

باقی رہا یہ کہ "بقی وتر کہا کھل یصلون الوتر الخ" در مختار (قولہ یعنی الخ) الذی یظہر ان
جماعۃ الوتر الخ (شامی ص ۵۲۲ ج ۱ مطبوعہ مصر) اس کو اس جسزئیہ سے تعلق نہیں،
اب معروض یہ ہے کہ اگر اس وضاحت میں بھی حق سے غلبہ نہیں ہوتی ہے اور مسئلہ
اس طرح صحیح ہے جس طرح بہشتی گوہر (بجوالہ مذکور) میں ہے کہ اگر نماز عشاء منفرداً پڑھی
تب بھی وتر جماعت سے پڑھے تو نہایت ادب سے عرض ہے کہ اس کی تصریح اور وضاحت
فرمادی جاوے کہ احقر کے لئے شرح صدر کا باعث ہو اور اس سے رجوع کر کے مصلیوں کو
مسئلہ مسناد یا جاری، یہ جو کچھ عرض کیا گیا محض رفع اشتباہ اور تحقیق حق کے لئے ہے نہ
حضور دلالہ کے انتباہ کے لئے، پس سوال یہ ہے کہ اگر فرض عشاء اور تراویح دونوں گھر پڑھے
ہوں یا ایک سے کہیں اور پڑھے ہوں اور وہ شخص ایسی جگہ (مسجد یا اور کسی مقام پر) حاضر ہوا
کہ وہاں وتر جماعت سے شروع ہوئی، تو یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

الجواب: شامی ص ۳، ج ۱ مطبوعہ سندھ میں اس مسئلہ کا جزو اول یعنی
"ان کو بعد وتر پڑھے تک ہر اور جسزردوم یعنی یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے" اس جگہ
اس کا ذکر نہیں، بلکہ اس کا ذکر اسی عبارت میں ہے، جو سوال میں درج ہے، اور مطبوعہ
سندھ کے ص ۴۱، پر درج ہے، مگر شامی میں صفحہ مذکور پر جو عبارت مندرجہ فی سوال
ہے، اسی سے بہشتی گوہر کی تائید نہیں ہو سکتی، ولولم یصلہا الخ کا خلاصہ ہونا تو ظاہر ہے ہی
لیکن لانتیجہ فصلیۃ الخ سے بھی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے فاقد الفرض کے لئے جماعت

تراویح میں جواز شرکت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ جماعت وتر میں، کیا یظہر یا دنی التامل:
پس سائل کا استدلال صحیح ہے، مگر یہ ضرور نہیں کہ شامی اور در مختار میں عدم جواز شرکت
ہو تو مسئلہ بہشتی زیور یعنی جواز شرکت فی الوتر صحیح نہ ہو اب رہی یہ بات کہ جواز شرکت
کہاں سے ثابت ہے، سو اس کے متعلق عرض ہے کہ قتادہ بن عبدالحی میں بعد نقل روایات
عدم جواز لکھا ہی، لیکن کلام وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم میشود
واللہ اعلم، حررہ الراجی عنفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی بنجاوز اللہ عن ذنیہ الجلی والحفی،
بعد از ان مولوی محمد نعیم صاحب کی تصدیق اس طرح درج ہے، فی غنیۃ المستملی
فی شرح منیۃ المصلی واذالم یصل الفرض مع الامام فصن عین الاثمۃ اللکرالیسی
انہ لا یتبعہ فی الوتر ولا فی التراويح وکذا اذا لم یتابعہ فی التراويح لا یتابعہ
فی الوتر وقال ابو یوسف اذا صلی مع الامام شیئاً من التراويح یصلی معہ
الوتر وکن اذا لم یدرک شیئاً وکذا اذا صلی التراويح مع غیرہ لہ ان یصلی
الوتر معہ وهو الصحیح ذکرہ ابو الیثامہ فی مختصر (ای الصغیری)
واذا لم یصلی الفرض مع الامام قبل لا یتبعہ فی التراويح ولا فی الوتر
کن اذا لم یصل معہ التراويح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان
یتبعہ فی ذلک کلامہ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علماء الکتاب،

کتبہ ابو الاحیاء محمد نعیم، عفی عنہ ذنبہ العظیم،
اب ایک خلیجان اور باقی رہا وہ یہ کہ پھر بہشتی گوہر میں اس کو اس کو در مختار کی طرف
کیوں منسوب کیا گیا، جس میں بجائے موافقت کے مخالفت موجود ہے، سو اصل واقعہ بعد
کاوش بسیار یہ معلوم ہوا کہ علم الفقہ جو اصل ماخذ ہے گوہر کا اس میں جسزرد اول کا حوالہ
در مختار موجود ہے، اور گوہر میں جسزرد دوم کا اضافہ کر کے صغیری کا حوالہ بڑھا دیا گیا تھا،
جو مطبوعہ قریب میں موجود ہے، اور مکمل مدلل میں صغیری کا نام غلطی کا تب کے باعث
رہ گیا، واللہ اعلم، ۲۰ رمضان ۱۳۸۸ھ، کتبہ عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح، نظر احمد عفا اللہ عنہ
درودی شخص پڑھائے جس نے فرض عشاء | سوال (۱۲) اگر فرض نماز عشاء ایک شخص نے پڑھائی
پڑھائی ہو یا دوسرا شخص بھی پڑھا سکتا ہے؟ تو کیا وتر بھی وہی شخص ضرور پڑھائے، کیا دوسرے
شخص کے وتر کا امام بننے میں کچھ کراہت ہے یا خلافت اولی؟

الجواب؛ بظاہر قواعد سے اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا، لیکن کوئی جسزنیہ نظر سے نہیں گذرا، البتہ عالمگیریہ میں سراج و ہاج سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرض اور وتر خود پڑھتے تھے اور تراویح حضرت اُبیؓ سے پڑھواتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام فرض کو امام وتر بنانا بہتر ہے، ہاں اگر امام فرض وتر کی جماعت میں شریک ہی نہ ہو (خواہ کسی عذر کے باعث یا خود تراویح شریف دوسری جگہ پڑھنے وغیرہ کے سبب) تو پھر کسی دوسرے کو امام وتر بنانا خلاف اولیٰ بھی نہیں ہر ذی اللہ اعلم کتبہ عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح نظر احمد عفا اللہ عنہ نماز وتر میں شوافع کی اقتدار کا حکم | سوال (۱۹۱۳) شافعی مذہب کے امام رمضان میں وتر دو سلام سے ادا کرتے ہیں، پہلے دو رکعت کی نیت کر کے سلام پھیرتے ہیں، اس کے بعد ایک رکعت کی نیت کر کے سلام پھیرتے ہیں، اکثر مقتدی حنفی المذہب بھی شریک تراویح ہوتے ہیں، امام صاحب شافعی کا یہ کہنا ہے کہ تم لوگ بھی شریک وتر ہو جاؤ، جب ہم دو رکعت پر سلام پھیریں تم فوراً کھڑے ہو جاؤ، اور اپنی ایک رکعت پوری کر لو، حنفی الذم مقتدی ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنا دوسرا امام مقرر کر کے بہ جماعت وتر تین رکعت ادا کر لیتے ہیں،

الجواب؛ ایسی حالت میں اس کی اقتدار جائز نہیں ہے، اس طریقہ سے وتر صحیح نہیں ہو سکتے، کما فی الدر المختار (وصح الاقتداء فیہ بشافعی لم یفصلہ بسلام) لا ان فصلہ (علی الاصح) فیہما وقال الشامی قوله علی الاصح فیہما ای فی جواز اصل الاقتداء فیہ بشافعی وفی اشتراط عدم فصلہ الخ فقط واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۸ شوال ۱۳۵۸ھ، الجواب صحیح، نظر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰ شوال ۱۳۵۸ھ

فصل فی استن و التوافل

سنن مؤکدہ کا ثبوت | سوال (۱) ہر پنج وقتی نماز فرض کے بعد جو نفل یا سنت زوائد پڑھی جاتی ہیں خاص کر ظہر میں دو رکعت اور مغرب اور عشاء میں دو رکعت سنت کے بعد یہ سب کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہیں؟

الجواب؛ نماز فرائض کے قبل و بعد جو سنن زوائد ہیں، امام ابو حنیفہؒ نے ان کو سنت فرمایا ہے، اور سنت وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو، امام صاحب ہم سے زیادہ حدیث کو

جاتے تھے، انہوں نے کسی حدیث سے ان کا سنت ہونا معلوم کیا ہوگا، ہم کو حدیث ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم مقلد ہیں، لیکن اس وقت محض تبرعاً حدیث صحیح لکھے دیتا ہوں، آئندہ ایسے سوالات کا جواب دہی ہوگا جو اوپر لکھا گیا ہے، اخراج البخاری عن نافع عن ابن عمر قال حفظت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر رکعات رکعتین قبل الظهر و رکعتین بعدھا و رکعتین بعد المغرب فی بیتہ و رکعتین بعد العشاء فی بیتہ و رکعتین قبل صلوٰۃ الصبح و کانت ساعة لا یدخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہا حدیثی حفصہ انہ کان اذا اذن المؤذن و طلع الفجر صلی رکعتین و اخرج عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدع اربعاً قبل الظهر و رکعتین قبل العشاء، ان حدیثوں سے بارہ سنن مؤکدہ کا ثبوت کافی طور پر ہو رہا ہے، اور اگر سنن زوائد سے سنن مؤکدہ کے علاوہ مراد ہیں تو دو بارہ سوال کیا جاوے،

نماز تہجد سنت مؤکدہ ہر یا مستحب | سوال (۲) ایک لڑکا نام حبیب اللہ مالائمنہ اردو پڑھتا تھا، ایک جگہ لکھا ہے کہ نماز تہجد سنت مؤکدہ ہے، اسی درمیان میں ایک حافظ صاحب تشریف لائے، اور کہنے لگے کہ سنت مؤکدہ نہیں بلکہ نفل ہے، اور تم کو معلوم نہیں، لڑکے نے کہا کہ جناب حافظ صاحب ہم نے تثنیۃ الغافلین میں بھی یہی پڑھا ہے کہ نماز تہجد سنت مؤکدہ ہے، اور مالابدمنہ میں بھی موجود ہے، بس جناب حافظ صاحب بہت غصہ ہو کر بولے کہ تم کو کیا معلوم، اور کون شخص ہمارے میں اتنا مسئلہ جانتا ہے اس بستی میں، تو لڑکے نے کہا کہ ہم کو تو یہی کتاب بس ہے، تو فوراً حافظ صاحب نے کہا کہ ہم اس کتاب پیدوڑی کو نہیں مانتے،

الجواب؛ نماز تہجد کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، بدلیل مواظبت صلی اللہ علیہ وسلم علیہا من غیر افتراض علیہا قال فی رد المحتار و مفادۃ اعتماد السنیۃ فی حقنا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم و اظہر علیہ بعد نسیم فرضیتہ و کذا قال فی العلیۃ الاشبہ انہ سنۃ ام ص ۶۱۶ ج ۱، اور بعض کے نزدیک مستحب ہے، و حملوا مواظبتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی کو نہا فریضۃ مخصۃ بہ، اور اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ امت کے حق میں صلوٰۃ تہجد مستحب ہے،

سنت مؤکدہ نہیں قال فی مرآتی الفلاح: واکثر المتون علیہ وندب صلوة اللیل خصوصاً آخرہ کما ذکرناہ، اور اس عید ضعیف کا خیال یہ ہے کہ ابتداء تو صلوة تہجد مستحب ہی ہے، لیکن بعد شروع کر دینے کے اور عادی ہو جانے کے اس پر مواظبت کرنا سنت مؤکدہ ہے، ودرلیلہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن عمر یا عبد اللہ لا یکن مثل فلان کان یقوم اللیل ثم ترک رواہ البخاری فی کتاب صلوة التہجد، چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اس لئے قاضی ثناء اللہ صاحب نے جو بہت بڑے محقق و محدث و عالم ہیں سنت مؤکدہ ہونے کو اختیار فرمایا، لقوة ولسیلة عنہ اس بناء پر ان پر اعتراض کرنا ہرگز جائز نہیں، اور کتاب مالابدمنہ کو پڑھی کتاب کہنا نہایت سخت کلمہ ہے، جس سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے، جس نے یہ لفظ زبان سے نکالا ہو اسے فوراً توبہ و استغفار و تجدید ایمان کرنا چاہئے، اور احتیاطاً تجدید نکاح کر لینا بھی ضروری ہے، قال فی العالمگیریہ رجل عرض علیہ خصمہ فتوی الامتہ فردھا وقال چہ بارنامہ فتوی آوردہ قیل یکفر لانه رد حکم الشرع اھ ج ۳ ص ۱۶۴، ۴ رجب ۱۲۱۳ھ

سنن مؤکدہ کے تارک کا حکم [سوال (۳).....

..... اکثر لوگ جمعہ کو فرض نماز کے بعد بغیر سنت پڑھے..... چلے جاتے ہیں نہ اپنے مکانات میں جا کر پڑھتے ہیں، بازاروں میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں، کتنا بھی تاکید کر دی نہیں سنتے ہیں، نہ ہند و نصیحت قبول کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے کیا وعید آئی ہے، اور مذکورہ لوگوں کے لئے کیا عذاب ہے، شرعاً بالتفصیل بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

الجواب: یہ لوگ تارک سنت مؤکدہ ہیں، اور ترک سنت مؤکدہ گناہ ہے بلا عذر ہو جائے تو صغیرہ ہے اور اس پر مداومت کرنا کبیرہ ہے، جس سے علاوہ سخت گناہ کے حرمان شفاعت نبوی کا اندیشہ ہے، رجل ترک سنن الصلوة ان لم یر السنن حقاً فقد کفر لانه ترکھا استخفافاً وان راھا حقاً فالصیحح انه یاثم لانه جاء الوعد بالترک عالمگیریہ والله اعلم قلت ومخافة حرمان الشفاعة وأیته فی مقام لا احفظ الآن موضعه والله اعلم، ۲۵ شعبان ۱۲۲۲ھ

صلوة التیسع میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد [سوال (۴) مکمل ویدائل بہشتی زیور مطبوعہ قیام طویل میں ہاتھ باندھے یا کھلے رکھے] اشرف المطابع ۱۲۲۲ھ دوسرا حصہ صفحہ ۴۴ پر

عہ ذکرہ فی اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ۱۲ منہ

صلوة التیسع پڑھنے کا طریقہ درج ہے "رکوع سے اٹھنے اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے،" حضرت صاحب اس وقت ہاتھ باندھ کر تیسع پڑھنی چاہئے یا کہ کھلے ہی رکھے جائیں، مطلع فرمائیں،

الجواب: قال الطعطاوی فی حاشیة علی مرآتی الفلاح (ص ۱۵۰) تحت قول المصنف ویسن وضع الرجل یدہ الیمنی علی الیسری ما نصہ ولا بد فی ذلك القیام ان یکون فیہ ذکر مستون وما لافلاما لم یطیل فحینئذ یضع کما فی السراج وغیرہ فان قیل فی القومة من الرکوع ذکر مشرود ۶ وهو التیسع والتحمید فینبغی ان یضع فیہا علی قولہما اجیب بان المراد قیام له قرار وهذا الاقرار له اھ وهل یضع فیہا فی صلوة التیسع لکن القیام له قرار فیہ ذکر مشرود ۶ یراجع اھ قال الشاھی ومقتضاه ان یعتد بید یہ (فی القومة) فی النافلة ولما ر من صرح به تامل لکنہ مقتضی اطلاق الاصلین المارین ومقتضاه ان یعتد فی صلوة التیسع اھ (۵۰۹) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صلوة التیسع میں قومہ کے وقت ہاتھ باندھ کر تیسع پڑھی جائے، فقط واللہ اعلم، ۱۴ صفر ۱۲۲۲ھ

تخت الوضوء درختیہ المسجد سنت ہو یا مستحب [سوال (۵) تختیہ الوضوء تختیہ المسجد یہ سنت ہے اور اس کے متعلق چند سوال کے جوابات] یا مستحب، ایک روز میں ان نمازوں کو کتنی بار اور کس وقت پڑھنا چاہئے، مسجد کو نماز کے وقت جاتے ہیں، ظہر کے وقت ظہر کو، عصر کے وقت عصر کو، ایسا ہی سب نمازوں کو کبھی اذان کے قریب اور کبھی اذان کے بعد اور کبھی نماز کے قریب جیسا اتفاق ہوا، اب ان نمازوں کو کیسے ادا کرنا چاہئے، اور انہیں کونسی سورتیں پڑھنا مناسب ہے، ازراہ ہر بانی و بندہ پروری مفصل ترکیب اور اوقات سے مطلع فرما کر ممنون اور مشکور فرمادیں،

الجواب: تختیہ الوضوء مستحب ہے، اور تختیہ المسجد سنت ہے، مگر مؤکدہ نہیں، تختیہ الوضوء ہر وضو کے بعد مستحب ہے، دن میں جتنی بار بھی وضو کیا جاوے، اور تختیہ المسجد مسجد میں داخل ہونے کے وقت سنت ہے، جتنی بار بھی داخل ہو، لیکن جس کی آمد و رفت زیادہ رہتی ہو اس کو دن رات میں ایک بار تختیہ المسجد پڑھنا بھی کافی ہے، اور تختیہ المسجد

دخية الوضوء من مؤکده اور فرائض سے بھی ادا ہو جاتی ہے، جبکہ وضو کے بعد فوراً یا مسجد میں جانے کی سنت اور فرض میں معاً مشغول ہو جاوے اور بعد طلوع فجر کے طلوع آفتاب تک اور بعد عصر کے غروب تک مستقلاً اور عین طلوع شمس و غروب اور استوار شمس کے وقت مطلقاً تحیة الوضوء اور تحیة المسجد پڑھنا جائز نہیں، باقی اوقات میں جس طرح چاہے پڑھے خواہ مستقلاً خواہ سنت مؤکده وغیرہ کے ضمن میں، اور ان کے لئے کوئی سورت خاص نہیں جو سورۃ چاہے پڑھے، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

سوال (۶) بہشتی زیور دوسرا حصہ بیان نفل پڑھنے کے ایک مسئلہ پر شبہ کا جواب، میں لکھا ہے کہ نفل کھڑے ہو کر پڑھنا بیٹھ کر پڑھنے سے بہتر ہے، اور اس میں وتر کے بعد کی نفل بھی آگئی، مگر مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد سوم صفحہ ۵۵ میں ہے کہ وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہئے، ان دونوں مسائل کو کیسا سمجھنا چاہئے، جو آ باصواب سے مشرف فرماویں، دیگر جائے مجموعہ فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۵۴ میں بھی بیٹھ کر پڑھنا بتلایا ہے، فقط

الجواب؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے فاذا اوتوا احدکم فلیرکع رکعتین (رواہ الدارمی عن ثوبان) و نیز ارشاد فرمایا ہے من صلی قاعداً فله نصف اجر القائم (رواہ البخاری عن عمران بن حصین) جو اپنے عموم کی وجہ سے نوافل بعد الوتر کو بھی شامل ہے، اور ابن ماجہ اور امام احمد کان یصلیہا و ہو جالس جو روایت کی ہے ہمارے نزدیک یہ جلوس تعبدانہ تھا، بلکہ بوجہ مکان وغیرہ کے تھا، اور کان ہمیشہ استمرار کے لئے نہیں ہوتا جو دوام ثابت ہو، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۹ سوال ۱۳۵۴ھ

دوسو توں کے درمیان ترک سوال (۷) جب ہر رکعت میں بعد الحمد شریف کے دوسری سورۃ نوافل میں مکروہ نہیں، سورۃ ملانے کی ضرورت ہو تو کیا اس میں دو یا تین رکعت کے بعد بھی بیچ میں ایک سورۃ چھوڑنا منع ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو نمازیں اس وقت میں پڑھنا جائز ہیں ان کے ضمن میں یہ بھی درست ہے ۱۲ حضرت مولانا،

الجواب؛ نوافل میں امر مذکور مکرر نہیں ہے، کما فی ہر اقی الفلاح و فی الخلاصۃ لا یکرہ هذا فی النفل قال الطحطاوی یعنی القراءۃ متکوسا و الفصل، والجمع کما هو مفاد عبارة الخلاصۃ حيث قال بعد ذکر المسائل الثلاث و هذا کلمۃ فی لفائف امانی النوافل لا یکرہ لکن ام کتاب الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

سنن رواتب کے ترک کرنا اس کا حکم | سوال (۸) سوال اول این کہ شخص نے در اوقات خمر سنن رواتب علی سبیل التہاون والتکاسل نمی خواند فقط بر خواندن نماز ہائے فریضہ اکتفا می کنند در حق آن شخص شرعاً چه حکم است، و در آخرت بوجہ ترک سنن رواتب معذرت و ماخوذ خواهد شد یا نہ، و باین سبب در زمرہ بے نمازاں محسور شوریہ یا نہ؟

سوال دوم اینکه شخصی نماز ہائے پنجگانہ بجماعت میخواند بدین طور کہ ہر گاہ بجماعت شریک شود اقتدایت بہذا الامام الشہداء گفتہ با امام اقتدار کند و پسترد عار ثناء و تسبیحات رکوع و سجود و تکبیرات استقالات و تشہد وغیرہ بیچ نمی خواند و بعد تکبیر تحریمہ تا آخر نماز بالکل ساکت می ماند اما در افعال دیگر یعنی قیام و قعود و رکوع و سجود و قنوت و جلوسہ با امام متابعت کرد و چون نماز تمام شد با امام لفظات سلام علیکم و رحمة اللہ بہر دو جانب گفتہ از نماز بیرون شد، پس نماز این شخص کہ بطور مذکور فرائض بجماعت میگذارد صحیح شوریہ یا نہ و از فرائض برمی الذمہ گردویانہ،

الجواب؛ (۱) ترک سنن مؤکدہ بلا عذر بطریق اصرار و استمرار موجب عتاب و قدرے گناہ ہے، لیکن تارک سنن بے نمازی شمار نہ ہوگا، قال الشامی عن الکشف الکبیر معنی یا الی اصول ابی الیسر حکم السنۃ ان یندب الی تحصیلہا ویلام علی ترکہا مع لحوق الاثم یسیرا و عن هذا قال فی البحران النکاح من کلامہم ان الاثم منوط بتارک الواجب او السنۃ المؤکدۃ لتصریحہم بانہم باثم من ترک سنن الصلوات الخمس علی الصحیح و تصریحہم بانہم من ترک الجماعة مع انہما سنۃ علی الصحیح ولا شک ان الاثم و بعضہ اشد من بعض فالاثم لتارک السنۃ المؤکدۃ اخف منه لتارک الواجب و ظاہرہ حصول الاثم بالترک مرتہ و یخالفہ ما فی شرح التحریر ان المراد التارک بلا عذر علی سبیل الاصرار و قال محمد فی المصرین علی ترک السنۃ

بالقتال وابدیوسف بالتادیب ام فیتعین حمل الترتک فیما مر عن البحر
 علی الترتک علی سبیل الاصر او توفیقا بین کلاہم ام (ص ۱۳۰۴۹۳) اور اگر
 احیا ترک ہو جائے یا عذر سے ترک ہو مثلاً سفر یا مرض یا تعب شدید کی وجہ سے تو جو
 عتاب و سلامت و گناہ نہیں،

(۱۲) اس شخص کے ذمہ سے فرض تو ساقط ہو جائے گا، لیکن ترک واجبات و ترک
 سنن مؤکدہ کا گناہ ہو گا و ہونظر ہر، ۲۳ رد القعدہ سکتہ ۳

طالب علم، قاضی یا مفتی کو درس، فتویٰ اور
 قضاء میں مشغول رہنے کی وجہ سے ترک سنن
 رواتب جائز ہے یا نہیں؟

رواتب ترک سازد، اس چینی عمل کردن بعلمت مذکور در حق او شرعاً و با شد یا نہ؟

الجواب؛ طالب علم یا قاضی یا مفتی کو سنت فجر کے سوا دیگر سنن رواتب کا
 ترک وقت اشتغال بالعلم یا بالقضاء و الفتویٰ جائز ہے، لیکن اگر وقت صلوٰۃ میں درس
 فتویٰ و قضاء سے فارغ ہو جائے تو سنن کا بجا لانا ضروری ہے و لا يجوز ترکها ای سنتہ

الفجر لعلم صادر جہا فی الفتویٰ بخلاف باقی السنن فلو ترکها لی لحاجة الناس
 الی فتواہ ام قال الشامی معناه انه یتدک وقت اشتغاله بالافتاء لاجل
 حاجة الناس المجتمعین علیہ و ینبغی انه یصلیہا اذا فرغ فی الوقت و
 ظاہر التفرقة بین سنتہ الفجر و غیرہا انه لیس له ترک الجماعة

لانہا من الشائعہ فی اکد من سنتہ الفجر و لذا اجاز ترکہا لو خاف فوت
 الجماعة و افادہ انه ینبغی ان یکون القاضی و طالب العلم كذلك لاسیما المدرس اقول فی
 المدرس نظر بخلاف الطالب العلم اذا خاف فوت المدرس او بعضہ ام

(ص ۲۰۸ ج ۱) میں کہتا ہوں کہ شامی نے جو مدرس و طالب علم میں فرق کیا ہے اس کا
 مقتضایہ ہے کہ طالب علم کو خوف فوت درس کے وقت تو ترک سنن غیر سنت
 فجر و جماعت جائز ہو، لیکن معاملہ کی وجہ سے ان کا ترک جائز نہ ہو، کیونکہ مدرس
 کے فوت کا تو بدل نہیں اور وہ دوسرے کے قبضہ میں ہے، اور مطالعہ اپز قبضہ

عہ یعنی عند المدرس کما سیاتی، ۱۳۰

میں ہے، دوسرے وقت بھی کر سکتا ہے، لیکن اگر ان لوگوں کے ترک سنن سے عوام الناس
 کو دینی ضرر ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں، واللہ اعلم، ۲۴ ردی الحج سکتہ ۳

قبل عشاء چار رکعت کے قعدہ اولیٰ میں درود شریف | سوال (۱۰) عشاء کی چار رکعت سنت میں
 اور تیسری رکعت میں شہادہ و تعویذ پڑھنا جائز ہے، جب دو رکعت پڑھ کر قعدہ اولیٰ سے قیام میں
 کھڑا ہو تب شہادہ و تعویذ پڑھ کر قرأت شروع کرے، نیز قعدہ اولیٰ میں درود شریف و
 دعاء پڑھے آیا یہ درست ہے؟

الجواب؛ قبل عشاء چار رکعت کے قعدہ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری میں
 شہادہ و تعویذ پڑھنا جائز ہے، فی العالمگیریہ و فی الاربع قبل الظهر و الجمعة
 و بعد ہا لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ ولا یستفتی

اذا قام الی الثالثۃ بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل (ص ۲، ۱۳)
 و هكذا فی الدرر وقال ایضا و یتعوذ (ص ۷، ۱۰، ۱۱ مع الشامی) کہتے ہیں کہ اگر عشاء میں درود شریف
 نفل کی جماعت جیکہ مقتدی تین | سوال (۱۱) دو تین آدمیوں کی اقتدار بلا ملائے نفل نماز
 سے زائد ہوں مکروہ ہے، میں درست ہے مگر جماعت کا ثواب نہیں ملتا، اور جب
 جماعت کا ثواب نہیں ملتا تو دو تین آدمیوں کی جماعت بلا ملائے بے سود ہے؟

الجواب؛ نفل کی جماعت کرنا جبکہ چار مقتدی ہوں تو اتفاقاً مکروہ ہے اور
 تین مقتدی ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، اور جس صورت میں مکروہ نہیں اس میں
 ثواب نہ ملنے کی تصریح تو نہیں ہے، شامی نے قول بدائع ان الجماعة فی التطوع لیست بسنتہ
 سے استنباط کیا ہے، اور اس میں تامل بھی ظاہر کیا ہے (شامی ص ۲۱، ۱۳) بہر حال اس میں
 جماعت نفل میں نہ کرنا چاہئے،

عشاء و عصر کی چار سنت میں قعدہ اولیٰ پر | سوال (۱۲)
 درود شریف اور تیسری رکعت میں شہادہ و عشاء اور عصر کی چار سنت میں دو
 تعویذ پڑھنا جائز ہے، رکعت کے بعد التحیات کے ساتھ درود شریف

اور دعاء اور تیسری رکعت سبحانک اللہ سے شروع کرنی چاہئے؟
 الجواب؛ فی الدر المختار و رولایزین، فی الفرض علی التشریح فی القعدۃ
 الاولیٰ اجماعاً وقال الشامی (قوله فی الفرض) ای وما الحق بہ کالوتر

والسنن الرواتب وان نظر صاحب البحر فيهما رص (۱۳۵۲) اس سے معلوم ہوا کہ اس مکہ میں عشاء وعصر کی چار سنتیں نوافل مطلقہ میں داخل ہیں، عبد الکریم عفی عنہ ۵، محرم ۲۵، الجواب صحیح ظفر احمد عفی عنہ ۶، محرم ۲۵،

سوال (۱۳)..... ہجرت مسجد جو صرف ایک مکان پر مشتمل ہو جماعت فجر کھڑی ہونے کے بعد اس میں سنت فجر ادا کرے یا ترک کر دے؟

مکانیت پر مشتمل ہو اس میں نہ صحن نہ حجرہ نہ برآمدہ نہ ستون نہ جگہ صیغی نہ شتوی، تو قیام جماعت مکتوبہ کی حالت میں سنتوں کا خصوصاً فجر کی سنت کا ترک کرنا ضروری ہے اور جماعت میں ملنا چاہئے، اور ادنیٰ و افضل سنن کے لئے مکان ہی پر گھر سے سنت پڑھ کر آنا افضل ہے کیونکہ مسجد صلوة مکتوبہ کے لئے ہے نہ کہ سنت کے واسطے، اور انصیلت سنن و نوافل پڑھنے کی مکان میں مسجد سے حدیث سے ثابت ہے، خواہ سنت فجر ہو یا غیر، وعلیکم بالصلوة فی یومکم فان خیر صلوة المرء فی بیتہ الا المکتوبہ، اور ترک کرنا اس وجہ سے بھی چاہئے کہ جب جماعت مکتوبہ قائم ہو جاوے تو اس وقت دوسری نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، چونکہ یہ مسجد ایک ہی مکانیت پر مشتمل ہے، اس میں کوئی گوشہ یا دوسری جگہ نہیں ہے، لہذا برینا عبارات فقہیہ کے بھی ترک سنت فجر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے وکرہ خلف الصف بلا حائل، اور فتاویٰ امدادیہ جلد اول صفحہ ۲۵ کی اس عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، فی رد المحتار باب ادراك الفریضة الحاصل ان السنة فی سنة الفجر ان یاتی بہا فی بیتہ والا فان کان عند باب المسجد مکان صلاھا فیہ والاصلاھا فی الشتوی او الصیغی ان کان للمسجد موضعان والا فخلف الصف عند ساریة الخ، یہ قول زید کلہ ہے،

عمر کہتا ہے کہ سنت فجر کی قیام جماعت مکتوبہ کی حالت میں پڑھے، جبکہ تیقن ہو کہ رکعت ثانیہ قطعی فوت نہ ہوگی اور وقت میں بھی گنجائش ہو، البتہ صفوف سے ہٹ کر بعد اختیار کرے، جس قدر ممکن ہو والا فخلف الصف عند ساریة، عند ساریہ سے مسجد کی جگہوں میں خواہ گوشہ ہو، خواہ محاذی صفت یا خلف صفت ہو، بعد ہی مطلوب ہے، بحالت قیام جماعت فجر کی سنت کا ادا کرنا تعامل سے ہے، اور سنت فجر اشرف سنت مؤکدہ ہے، اور عبادت سنت مؤکدہ، سنن کا ادا کرنا مکان میں مخصوص خواص کو ہے، عوام کے واسطے مسجد ہی

افضل ہے، برینا فضل حدیث ثواب کے مکان سے مسجد میں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنت پڑھنا مسجد میں وارد و ثابت ہے، ترمذی شریف کی حدیثوں سے، اب حضرت والا ہم لوگوں کو کیا حکم فرماتے ہیں کہ کس کا قول صحیح اور کس پر عمل کیا جاوے، بالذلیل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صحیح ہے، میں نواب لکتاب و توجروا یوم الحساب،

الجواب؛ قال الشامی بعد العبارة المذكورة فی الفتاوی الامدادیة التي نقلها السائل مانصه لکن اذا کان للمسجد موضعان والامان فی احدهما ذکر فی المحيط انه قیل لا یکرہ لعدم مخالفة القوم وقیل یکرہ لانہما کماکان واحد قال فاذا اختلف المشایخ فیہ فالافضل ان لا یفعل قال فی النہر فیہ افادۃ انہما تنزیہیۃ اھ رص (۴۹، ۱۳) قلت هذا فیما اذا کان للمسجد موضعان واذا المرین سوی موضع واحد فالظاهر کراهة الاشتغال بالسنة هناك تحویرا الا اذا سلاھا بعیداً عن الصفوف منصرفاً لا عن القوم فی جانب منه والله اعلم صورت مذکورہ میں کہ مسجد میں بجز مکان واحد کے کچھ نہیں ہے، اقامت للمکتوبہ کے بعد مسجد کے اندر سنتیں فجر کی پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد سے باہر دروازہ کے متصل پڑھنا چاہئے، یا اگر مسجد بڑی ہو اور جماعت قائم ہونے کے بعد ایک جانب گوشے میں سنتیں پڑھیں ہوئے صفوف سے بعد کافی ہو جاتا ہو تو یہ بعد بھی قائم مقام حائل کے ہو جائے گا، کما یظہر من قول الطحاوی وغیرہ من مشایخ الحنفیة وقد ذکرہ فی اعلاء السنن بالبط من ذک والشیخ علم، اور نوافل و سنن مؤکدہ کا گھر میں پڑھنا فی نفسہ افضل ہے، مگر چونکہ عوام نے اس فضیلت کو ترک سنن کا وسیلہ بنا لیا ہے اب سنن مؤکدہ کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے، ورنہ ترک سنن کے ساتھ متہتم ہوگا، اور تہمت سے بچنا لازم ہے، لہذا فی الحدیث من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا مواضع التہم والامر للوجوب، واللہ تعالیٰ اعلم، ۸۰، رجب ۲۷،

سوال (۱۴) ہمارے یہاں مسجد میں تراویح کے قاری کے جو حافظ صاحب سامع ہیں وہ قبل تراویح دو رکعت نفل میں اپنا قرآن شریف قاری کو سنادتے ہیں، مگر ان کے مسئلے کے نفل میں شرکت کا حکم

وقت عشاء کا وقت بھی ہو جاتا ہے اور لوگ کچھ ایسی جگہیں شامل ہو جاتے ہیں کچھ علماء ادا سنن میں مشغول ہو جاتے ہیں

پھر یہ حافظ صاحب جو نفل میں قرآن شریف سناتے ہیں بالکل اسی جگہ کھڑے ہو کر سناتے ہیں جو تراویح و فرض کے امام کی جگہ ہے، بظاہر مجھے یہ صورت پسندیدہ نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اس میں مشغولین یا سنن سے تراجم ہوتا ہے، اور ایسے وقت یا تو حافظ صاحب کے نفل موقوف ہوں یا سنن متروک، کیونکہ اذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لایۃ کا عموم موجودہ صورت کو جائز نہیں سمجھتا، پھر مجھے یاد ہے کہ مدینہ طیبہ میں میرے سامنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی بلدر سے یہ فرمایا تھا کہ لوگ مسجد نبویؐ میں تلاوت کرتے رہتے ہیں جس سے مصلتین کو تشویش ہوتی ہے، اس لئے اس کی مانعت ہونی چاہئے تو قاضی صاحب نے وعدہ کیا تھا وہاں بھی تلاوت کرنے والے فرض نماز کی جماعت کے وقت نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس وقت تو وہ بھی جماعت میں شامل ہو جاتے تھے، البتہ قبل جماعت و بعد اذان تلاوت بلند آواز سے کرتے تھے جس سے آواز سنن و رواتب میں تراجم ہوتا تھا۔

الجواب: آپ کا خیال صحیح ہے، اس حافظ سامع کو ایسا جہر نہ کرنا چاہئے جس سے مصلتین کو تشویش ہو، بلکہ کسی الگ جگہ پڑھا کریں، اور اس کے ساتھ دو سر لوگوں کو اقتدار بھی نہ کرنا چاہئے، کیونکہ نوافل مطلقہ کی جماعت میں تین چار سے زیادہ آدمی ہونا مکروہ ہیں، ۱۶ رمضان ۱۳۸۵ھ

اضطجاع بعد قیام اللیل | سوال (۱۵) میرا معمول یہ ہے کہ اگر کبھی تہجد کو اٹھ بیٹھا تو پھر سنت ہے یا نہیں؟ بغیر نماز فجر پڑھے نہیں لیٹتا، ایک صاحب نے جنھیں میں معتبر نہیں سمجھتا یہ کہا کہ تہجد کے بعد سورہنا مسنون ہے اور فجر کے لئے پھر اٹھنا مسنون ہے

الجواب: اس قائل کا قول صحیح ہے مگر حنفیہ نے اضطجاع بعد قیام اللیل کی سنت عادت پر محمول کیا ہے، جس کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طول قیام لیل کے تعب رفع کرنے کے لئے اضطجاع فرماتے تھے، اور اگر یہ سنت مقصودہ بھی ہو تو اس پر عمل اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ قوت جماعت فجر کا اندیشہ نہ ہو ورنہ واجب فرض کا اہتمام ایسی سنت کے اہتمام سے مقدم ہے جس کا سنت متنبوہ ہوتا ہے..... مختلف فیہ ہے، ۶ رمضان ۱۳۸۵ھ

خطبہ جمعہ شروع ہونے کے بعد آنے والا | سوال (۱۶) مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص ایسے وقت پہلی چار سنتیں ادا کرے، اور کب؟ یا یہ | آکر کے ٹریک ہو کہ خطبہ جمعہ کا ہو رہا ہے تو فرض سنتیں مساقط ہو جاتی ہیں؟ | سے پہلی چار سنت ہیں ان کو کب ادا کرے یا نہ کرے، یہاں پر لوگ اصرار کرتے ہیں کہ وہ سنت خطبہ ہونے سے پہلے پڑھے تو پڑھ لے اور بعد جمعہ کے وہ نہیں پڑھی جاتی ہیں، وہ معاف ہو جاتی ہیں،

الجواب: جمعہ کے بعد والی سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد ان سنتوں کو پڑھو جو جمعہ سے قبل والی فوت ہو گئی ہیں کما فی الحدیث المختار (مخلافات سنۃ الظہر) وکن الجمعة (فانہ) ان خاف فوت رکعة ریتو کھا، ویقتدی رشم یأتی بہا، علی انہا سنۃ (فی وقتہ) ای الظہر (قبل شفیعہ) عند محمد وبہ یفتی وقال الشامی تحت (قولہ وبہ یفتی) اقول وعلیہ المتون لکن رجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد فی فتاوی العتابی انہ المختار و فی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ انہ علیہ السلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وهو قول ابی حنیفہ وکنانی جامع قاضی خان ام والحدیث قال المتروک حسن غریب فتمہ (شامی ص ۵۲، ۱۳۰)

اور بعض کتابوں میں ان سنتوں کا ساقط ہو جانا لکھا ہے، مگر شامی نے ان کے ایک استدلال کا جواب دیدیا ہے، اور دوسرا استدلال کے بعد فتاویٰ فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی پہلی سنتوں کا نظر کی پہلی سنتوں کے..... برابر ہونا راجح ہے، واللہ اعلم بالصواب، اور اگر بالفرض ان کے سقوط کو راجح کہا جاوے تب بھی قصنا سے اصرار کے ساتھ منع کرنا ٹھیک نہیں، کوئی شخص احتیاط کی بنا پر پڑھے تو اس کے روکنے کے کیا معنی، سنت نہ ہوں گی تو نفل کا ثواب مل جاوے گا، کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح | نظر احسن عنہ، ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ | سوال (۱۷) کسی خاص رسم کے معاملہ میں استخارہ کرنے کے لئے دو رکعت نماز پڑھ کر دعاء اللہ انی استخیرک الخ پڑھنا

اس کے بعد دل میں غور کرتا پھر جس طرف ارادہ پختہ ہو جاوے اسے حکم سمجھنا اور اس پر کاربند ہونا لکھا ہے، مگر مجھ گنہگار شخص کی یہ حالت ہے کہ غور کرنے میں دونوں جانب خیال کی حالت یکساں رہتی ہے،

الجواب؛ دونوں میں خیر ہے جس پر چاہے عمل کرے، بشرطیکہ وہ دونوں شقیں جائز ہوں، اور اگر ان میں سے ایک شق ناجائز ہو تو استخارہ جائز نہیں ہے، کیونکہ استخارہ اسی وقت مشروع ہو جیکہ دونوں سیرتیں جائز ہوں، کتبہ العبد لکریم عنی عنہ، الجواب صحیح نظراً لحدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، ۱۸ رمضان ۱۸۸۰ھ

سوال (۱۸) تہجد کی نماز کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، کبتنی رکعتیں پڑھنی چاہتے، اور دو دو رکعت کی نیت باندھنی چاہتے یا چار چار کی؟

الجواب؛ آٹھ رکعتیں مختار ہیں، اور دو رکعت پڑھنا افضل ہے،

الجواب صحیح، نظراً لحدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، ۱۸ رمضان ۱۸۸۰ھ

صلوة التہجد کی دوسری رکعت کی تسبیحات میں راجح قول کونسا ہے، اور اس سے متعلق ایک ضمنی سوال،

سوال (۱۹) صلوة التہجد کے بارے میں ترمذی شریف کے صفحہ ۶۳ پر ابو ذر ارفع کی حدیث اور مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۱۷ پر ابن عباسؓ کی روایت سے دوسری رکعت کے ختم کی تسبیحات بعد تشہد پڑھی جاسکتی ہیں، کیونکہ ان کی روایتوں پہلی کے ختم کی بھی جلسہ استراحت میں ہیں، مگر کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت مروج ہے، راجح عبد اللہ بن المبارک الی، جو ترمذی کے صفحہ ۶۲ پر ہے، اور اس میں جلسہ استراحت کی ضرورت نہیں، کیونکہ قیام ہی میں بچپیں ہو جاتی ہیں، تو اس راجح صورت عند الحنفیہ پر دوسری رکعت کی تسبیحات کی کیا صورت ہوگی، یا جو عبد اللہ بن المبارک نے مبداء الخ سے بیان فرمایا ہے یہی ہے، اور آنجناب کی معمول بہا کونسی صورت ہے؟

الجواب؛ ابن عباسؓ کی روایت میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں، کہ تسبیحات تشہد سے پیشتر پڑھی جاویں یا بعد تشہد اور سوال میں بعد تشہد ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس سے مدعی ثابت نہیں ہوتا، پہلی اور تیسری رکعت کے جلسہ استراحت

عہ سلم کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب رجحان ہو سکے بعد اس پر عمل کرنا بہتر ہے، لیکن اگر دوسری مروج شق پر بھی عمل کر لیا جاوے تو جائز ہے، ۱۲ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

میں تسبیحات ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں بعد تشہد ہو، البتہ اگر قرارت پر قیاس کیا جاوے تو ممکن ہے، یعنی یوں کہا جاوے کہ جس طرح قیام میں قرارت کے بعد تسبیحات ہیں اسی طرح قعود میں تشہد کے بعد پڑھی جاویں، لیکن ایک روایت میں قبل تشہد پڑھنے کی تصریح وارد ہوئی ہے، اس واسطے اس قیاس پر عمل نہ ہوگا، بلکہ روایت پر عمل کیا جاوے گا، والروایۃ قد اخرجها الدارقطنی عن ابن عباس ہر فوعاً و فیہا اتاک اذا جلس للتشہد قلت ذلک عشر ہرات قبل التشہد (اللاالی المصنوعۃ ص: ۲۰) وقال العلامة السیوطی رجالہ ثقات الا صدقۃ وهو والد مشقی کہا نسب فی روایۃ ابی نعیم وابن شاہین وهو ابن عبد اللہ و یعرف بالسمین ضعیف من قبل حفظہ و وثقہ جماعۃ (ص: ۲۲)۔

اور ابن المبارک کی روایت میں سجدہ ثانیہ کے بعد تسبیحات ہی نہیں جو ان کے محل کا سوال ہو، فافہم، اور عبد اللہ بن المبارک سے ترمذی نے جو روایت کی ہے وہ مرفوعاً بھی مروی ہے، رواہ البیہقی من حدیث ابی خباب الکلبی عن ابی الجوزاء عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص: ۲۷، ۵۲) والکلبی مختلف فیہ ضعیفہ کثیرون و ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ابن نمیر صدوق کان صاحب تدلیس قال الفلابی قال ابو نعیم لم یکن بابی خباب بأس الا انه کان یدلس و کذا قال احمد وابن معین و ابو داؤد عن ابی نعیم وقال احمد بن سلیمان الیروہاوی عن ابی نعیم مثل ذلک و زاد ما سمعت منہ شیئاً الا شیئاً قال فیہ حدیثنا (تہذیب التہذیب) اور اللآلی المصنوعۃ (ص: ۲۲) میں ہے قال الحاکم ولا یتہم بعبد اللہ انه یعلم ما لم یصح عنہ سندہ و ایضاً فیہ (ص: ۲۳) وقال البیہقی بعد تخریجہ کان عبد اللہ بن المبارک یصلیہا و تد اولہ الصالحون بعضهم بعضاً و فی ذلک تقویۃ للحدیث المرفوع، پس یہ روایت بھی ثابت ہے، اور جب دونوں طریق ثابت ہیں تو دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جس طریق سے چاہیں پڑھیں اور حنفیہ اگر طریق اول پر پڑھیں، یعنی جلسہ استراحت کریں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں

کیونکہ یہ ایک جداگانہ نماز ایک خاص طریق سے وارد ہوتی ہے، پس جس طرح اس میں تسبیح کا اضافہ ہے اسی طرح جلسہ استراحت کا اضافہ ہے، اس سے تمام نمازوں میں جلسہ استراحت ہونا لازم نہیں آتا، اور حنفیہ میں سے بعض نے دونوں طریق نقل کئے ہیں، اور بعض نے طریق اول پر اقتصار کیا، اور بعض نے طریق ثانی پر اور علامہ شامی نے کہا ہے: "الذی ینبغی فعل ہذہ مرة و ہذہ مرة" اور ملا علی قاری نے بھی مرقات میں فرمایا ہے "و ینبغی للمتعب ان یعمل بحدیث ابن عباس منسارۃ و یعمل بحدیث ابن المبارک اخری" و لیکن قلیبیہ میں روایت ابن المبارک کے متعلق ہے "اہنا المختار من الروایتین" (شامی ص ۱۹، ج ۱) و نیز علامہ نووی نے اذکار میں اس کی موافقت کی ہے (بذل المجود، ص ۲۷، ج ۲) اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے "ہذا ہوا الحسن و ہوا خلیا ابن المبارک (ص ۱۸۶، ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ راجح طریق ابن المبارک کا ہی، اور نووی و غزالی کی موافقت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ میں سے جن حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے، ان کا مطمح نظر موافقت حنفیہ فی عدم الجلسۃ للاستراحتہ نہیں ہے، بلکہ کوئی اور وجہ ہے، اور اگر کوئی حنفی یہ بھی کہے کہ جب دونوں طریق ثابت ہیں تو ہمارے لئے وہ طریق اختیار کرنا بہتر ہے، جو اقرب الی المذہب ہو تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں، ان پر اعتراض تو جب ہوتا... جب غیر ثابت کو صرف موافقت مذہب کی بنا پر ترجیح دیتے، واللہ اعلم،

۷ ارشوال الشہد کتبہ عبد اللہ کریم عفی عنہ

فصل فی التراويح

تراویح کی چار رکعت میں اگر | سوال (۱) امداد الفتاویٰ جلد اول صفحہ ۹۳ میں یہ مسئلہ
تعداؤنی مجہول کیا تو کیا حکم ہے، لکھا ہے کہ تراویح میں قعدۃ اولیٰ کو سہواً حرک پر سجدہ سہو
کے بعد چار ہی محسوب ہوں گی، اور قاضی خاں کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالانکہ
کبیری ہندوستانی مطبع ص ۳۹۰ میں ہے "ان صلی اربع رکعات بتسلیمۃ واحدا
ولم یقعد علی رکعتین تجزی عن تسلیمۃ واحدا" و ہوا المختار قال قاضی خاں و ہوا صحیح دفتال
ابواللیث تنوب عن تسلیمتین و یصح الاول انتہی مختصراً، اور طحاوی مرآۃ الفلاح ص ۲۵
میں ہے "و یسلم علی کل رکعتین فاذا وصلہا وجلس علی کل شفیع فالاصح انہ ان تعد ذلک

کرہ وصحت و اجزآء عن کلہما و اذا لم یجلس الا فی آخر اربع نابت عن تسلیمۃ" اس پر طحاوی نے ایک خلجان بھی کیا ہے، مگر کچھ دقیق نہیں، بالجملة اس کی تحقیق حضرت مولانا سے مراجعت کے بعد فرمادیں، انتظار ہے، اب تک کبیری وغیرہ ہی پر عامل تھا، مگر فتاویٰ کی عبارت سے تردد میں پڑ گیا، السائل محمد زکریا کاندھلوی،

الجواب؛ مکرمی المحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بچو اب مسئلہ عرض ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت میں نے دیکھی، اس میں بھی آگے چل کر دوسرے ہی قول کو صحیح لکھا ہے، جیسا کہ کبیری و طحاوی حاشیہ مرآۃ الفلاح میں ہے، قال قاضی خاں وقال الفقیہ ابو جعفر والشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل فی التراويح تنویح الاربع عن تسلیمۃ واحداً وهو الصحیح لان القعدۃ علی رأس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکہا کان ینبغی ان تفسد صلواتہ اصلاً کما هو وجہ القیاس وانما جاز استحساناً فاخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ و اذا بقیت التحریمۃ صح شروعہ فی الشفع الثانی وقد اتہما بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحداً وعن ابی بکر الاسکاف الخ فذکر نحوہ، ص ۱۱۵، میں نے یہ عبارت حضرت مولانا کو بھی دکھلائی فرمایا کہ میرا معمول تو عرصہ دو سکر ہی قول پر فتویٰ دینے کا ہے، کہ یہ چار قائم مقام دو کے ہوں گی، جیسا کہ کلام مشائخ سے اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، لیکن امداد الفتاویٰ کا جواب غالباً اس بنا پر ہے کہ آجکل طبائع میں کسل غالب ہے، اگر چار کو قائم مقام تسلیمۃ واحداً کے مان کر دو رکعت کا اعادہ کیا جائے گا تو وہ اعادہ مع اس مقدار قرآن کے ہوگا، جو ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے، اور بعض دفعہ ان دو رکعتوں میں بہت زیادہ مقدار تلاوت کی جا سکتی ہے، ان کا اعادہ مع مقدار تلاوت نمازیوں پر بہت گراں ہوتا ہے حتیٰ کہ فرماتے تھے کہ میں نے بعض جگہ اس پر لڑائی ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے تسہیل عوام کے لحاظ سے امداد الفتاویٰ میں فقیہ ابواللیث کے قول پر میں نے اکتفاء کیا، کہ جب مسئلہ میں دو قول موجود ہیں، اور ایک قول میں عوام کو سہولت ہے تو اس کو اس جہت سے ترجیح ہے، وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسر الی سیر ولا تعسر ولا تنفرا، گو قواعد کے لحاظ سے دوسرا ہی قول صحیح ہے، ہذا واللہ اعلم، پس جس جگہ دوسرے قول پر فتویٰ دینے سے لوگوں میں تو حش اور تنگی کا

اندیشہ ہو رہا ہے میرے نزدیک پہلے ہی قول پر فتویٰ دینا چاہیے، واللہ اعلم، ۲۲ رمضان ۱۴۲۸ھ
 حروف کاٹ کر نیز پڑھنے والے | سوال (۲) ایسا حافظ جو سال بھر قرآن مجید کی تلاوت نہ
 حافظ کے پیچھے نماز کر رہا ہے | کرتا ہو اور حافظ بھی پختہ نہیں ہے، دنیا دار ایسا کہ تین چار تم
 کار و گزار کئے ہوئے ہے، مگر اتنا چاہتا ہے کہ سال بھر میں بذریعہ تراویح قرآن سنائے اور انڈاز
 اس کے سنانے کا یہ ہے کہ صاف لفظ نہیں ادا کرتا، کسی لفظ کا کوئی جز پڑھا اور تیزی میں
 اس لفظ کا کوئی جز چھوڑ دیا، اور اسی تیزی میں کہی بلکہ آیت یا دو آیت یا کسی آیتیں چھوڑ گیا
 تو ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ ہے، سوال نمبر ۳

ایک حافظ کا ایک رمضان میں | سوال (۳) ایک حافظ ایک رمضان میں مثلاً تین عشر
 تین یا چھ قرآن ختم کرنا، | میں تین جگہ تراویح میں قرآن ختم کرتے ہیں اور ہر ایک جگہ مقتدی
 غیر ہوتے ہیں، اب سوال ہے کہ ایسے ختم و تراویح جائز ہے یا نہیں، اگر اس کے جواز کی
 ایک دلیل مرقوم ہو تو بہتر ہے؟

الجواب: جائز ہے قال فی نورالایضاح وشرحہ وسن ختم القرآن
 فیہا ای مرتۃ فی الشهر علی العصیح وھو قول الاکثر قال اللطحاوی ومرتین
 فضیلۃ وثلثانی کل عشر مرتۃ افضل ام ص ۲۲۱، قلت والاطلاق بیدل علی
 افضلیۃ الختم ثلاثا مطلقا سواء کان فی مسجد واحد او فی ثلاث مساجد
 فی کل مسجد مرتۃ، اور فتاویٰ قاضی خان میں جس صورت کو مکروہ لکھا ہے اس کا مطلب
 یہ ہے کہ روزانہ ایک مسجد میں پوری تراویح پڑھائے اور پھر وہی امام دوسری مسجد میں جا کر
 تراویح پڑھائے یہ مکروہ ہے، قال فی صفحہ ۱۱۲ اول وصلی امام واحد التراویح
 فی مسجدین کل مسجد علی وجہ الکمال اختلف المشایخ فیہ حکمی عن ابی بکر
 الاسکاف رحمہ اللہ لا یجوز وقال ابو بکر سمعت ابا نصرانہ قال یجوز لاهل المسجد
 جمیعاً کما واذن المؤذن واقام وصلی ثم اتی مسجداً اخر فاذا واقام وصلی
 معہم فانہ لا ینکرہ وانما ینکرہ اذا اذن واقام ولا یصلی معہم کذلک فی
 التراویح الی ان قال ہذا اذا تم لمناس مرتین فان لم ینکن اماما وصلی
 التراویح فی مسجد بجماعۃ ثم ادرك جماعۃ اخرى فی مسجد اخر

فصلی لا بأس بہ، اور وجہ کراہت یہ ہے کہ جب ایک بار یہ شخص تراویح پڑھ چکا ہے،
 تو دوبارہ اس کی نماز نفل ہوگی اور مقتدیوں کی تراویح ہوگی تو امام کی نماز مقتدی سے ضعف
 ہوگی، وذلایجوز بخلاف اس کے ایک مسجد میں ختم کر کے دوسری مسجدوں میں ختم کرے، اور
 ہر جگہ امام و مقتدی کی نماز تراویح کی ہو اس میں کوئی حرج نہیں، واللہ اعلم، ۳ شعبان
 روزہ اور تراویح لازم و ملزوم ہیں یا نہیں | سوال (۴) نماز تراویح اور روزہ لازم و ملزوم ہیں
 یا نہیں، بے روزہ نماز تراویح ہرگز نہ پڑھے یا پڑھے؟

الجواب: روزہ اور تراویح لازم و ملزوم نہیں ہیں، اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے
 روزہ نہ رکھ سکے لیکن وہ تراویح پڑھ سکتا ہے تو اس کو تراویح پڑھنا چاہئے، ۲۱ رمضان ۱۴۲۸ھ
 فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ افطار | سوال (۵) فصل کٹائی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت
 کرنے والے کی اقتدار کا حکم، | والے کام کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ
 نہ ہو تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت
 کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس لئے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے، اور کٹائی کی حالت میں
 روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز اور درست ہے، بعد رمضان کے ان
 ایام کی قضا کر کے، کفارہ نہ ہوگا، قال فی الفتاویٰ النکاملیۃ سئل عن سواد لم یقعد
 علی حصا ذرعه مع الصوم واذا اخره یملک هل یجوز له الافطار حیثن ذل الجواب
 نعم یجوز له ذلک حیثن ذلک نقل المحقق ابن عابدین رحمہ اللہ فی
 حواشیہ علی الدر من الخیر الرملی مانصہ وعلی ہذا الحصاد واذا المرقد
 علیہ مع الصوم ویملک الزرع بالآخر لکن شک فی جواز الفطر والقضاء ام واللہ
 اعلم، ص ۱۶۱، ۲۱ رمضان ۱۴۲۸ھ

نماز تراویح میں قرآن کی | سوال (۶) ایک شخص نماز تراویح کی چار رکعت کی نیت کر رہے
 سورتوں کی ترتیب کا حکم | اول رکعت میں سورۃ والعصر پڑھتا ہے، دوسری میں سورۃ اخلاص
 پڑھتا ہے، تیسری میں سورۃ البقرہ اور چوتھی میں پھر سورۃ اخلاص پڑھتا ہے، اس صورت
 میں نماز تراویح ہوگی کہ نہیں، اگر ہوگی تو حوالہ کتاب اور استدلال حدیث کی ضرورت ہے
 اور اگر نہیں ہوگی تو بھی دلائل کی ضرورت ہے، بہر حال ہر حالت میں ثبوت اور حوالہ

کتاب کی ضرورت ہے، ایسا کرنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اور اس کے لئے کیا حکم ہے، میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی، کیونکہ ترتیب قرآن ٹھیک نہیں، اور ہر نماز کے لئے ترتیب قرآن کا ہونا ضروری ہے، بہر حال اس مسئلہ کے لئے جو کچھ ضروری ہو تحریر فرمائیے،

(۲) ایک شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت کرتا ہے پہلی رکعت میں سورۃ والعصر پڑھتا ہے دوسری میں سورۃ الاخلاص اسی طرح وہ نماز تراویح کی بست رکعتیں ختم کرتا ہے یا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ دونوں صورتوں کے لئے دلائل کی ضرورت ہے،

الجواب؛ قال فی الخلاصہ رجل یصلی اربع رکعات بتسلیمة و تعد فی الثانية قدر التشہد اختلف المشایخ فی اکثرہم علی اربعین احص ۶۵ ج ۱، صورت مذکورہ میں نماز درست ہو جاوے گی، مگر تراویح میں چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلاف سنت ہے، قال فی الخلاصۃ وان قرأ فی رکعة سورۃ فی رکعة اخرى فوق تلك السورۃ او فعل ذلك فی رکعة مکروه وان وقع هن امن غیر قصدہ بان قرأ فی الركعة الاولى قل عوذ بسبب الناس یقرأ فی الركعة الثانية هذه السورۃ ایضا وهذه کلها فی الفرائض

اما فی النوافل لایکون احص ۹ ج ۱، اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کی ترتیب فرائض میں ضروری ہے، غیر ترتیب سے پڑھنے میں کراہت ہوگی، لیکن نوافل میں ہر طرح اختیار ہے گو..... نوافل میں بھی ترتیب کی رعایت افضل ہے، لیکن جو صورت سائل نے لکھی ہے اس میں تو کچھ بھی حرج نہیں، کیونکہ نوافل و تراویح کا ہر شفعہ صلوٰۃ مستقل ہے، اور ہر شفعہ کی قرأت میں الگ الگ رعایت ترتیب کی ہے، گو مجموعہ شفعتین میں ترتیب نہ رہی ہو اس کا مضائقہ نہیں، ۲۳ رمضان ۱۳۱۵ھ

سوال (۱۷) نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنے کا حکم..... یہاں کی مسجدوں میں دستور یہ تھا کہ رمضان المبارک

میں نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد امام مقتدی کچھ وظیفہ پڑھتے تھے، پھر وظیفہ کے بعد امام ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا تھا، اور جلد مقتدی آمین کہتے تھے، اس سال اتفاق سے مدینہ طیبہ زاد با اللہ شرفاً و تعظیماً سے خطیب مسجد نبویؐ ایک مسجد میں تشریف لائے، اور وہ اس مسجد موصوف کے امام مقرر ہوئے، یہ مدنی امام حافظ قرآن بھی تھے، لہذا اس سال رمضان المبارک میں آپ نے تراویح میں قرآن پاک پڑھا، لیکن ہمیشہ کے دستور کے خلاف ہر چار رکعت

تراویح کے بعد صرف ذکر و وظیفہ پر قناعت کی دعا نہیں مانگی، البتہ میں رکعت تراویح کے ختم پر ذکر کر کے دعا مانگی، دوسرے روز جب اس واقعہ کی اطلاع دوسری مسجدوں میں ہوئی تو ایک مسجد میں اُس پر سخت اعتراضات کئے گئے، جب امام صاحب مدنی سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مسجد نبویؐ میں جس طریقہ سے تراویح پڑھی جاتی ہیں میں نے اسی طریقہ پر پڑھیں، چونکہ مدینہ پاک میں ہر چار رکعت کے بعد دعا نہیں مانگی جاتی ہے، لہذا اسی کے مطابق میں نے بھی کیا، مجھے یہاں کا دستور نہ تو معلوم تھا اور نہ یہاں کے رواج کی تقلید میرے ذمہ ضروری تھی، اُس دوسری مسجد والوں نے نفسانیت کی بناء پر ایک صاحب سے اپنی مسجد میں وعظ کہلایا، واعظ صاحب نے کھلم کھلا ہر چار رکعت پر دعا نہ مانگنے پر بہت کچھ اعتراضات کئے، اور اپنے نزدیک یہاں کے اعتبار سے اس جدید فعل کی پوری تردید کر دی،

پس اب سوال یہ ہے کہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد صحابہ کرامؓ و ائمہ مجتہدینؒ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کا عمل در آمد دعا کے متعلق کیا تھا، اور اگر ان کا دستور العمل نہیں تھا، تو آیا یہ دعا مانگنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اور یہ کہ محض جائز ہی ہے یا مستحب یا اور امام کو اس دعا پر مجبور کرنا اور نہ کرنے پر شور و شر بھیلانا شرعاً درست ہے یا نہیں، در صورت ہوا جب عوام کا اس قدر اصرار ہو کہ تارک کو موجب ملامت قرار دیں تو عوام کے عقیدے کی درستی کے لئے اس کا ترک کر دینا بہتر ہے یا نہیں؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنا جائز بھی ہو تو بھی موجودہ حالات میں اس کا ترک کر دینا ضروری ہوگا، اس لئے کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب کسی غیر ضروری فعل پر عوامیت عقیدہ عوام کے فساد کا باعث ہو تو خواص پر درج ہے کہ عقیدہ عوام کی درستی کے لئے اس کو ترک کر دیں، پس سوال مذکور کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں،

الجواب واللہ الموفق للصواب؛ قال فی المدری جلس مند با بین کل اربعة بقدرها و کذا بین الغامۃ والوتر و یخیرون بین تسبیح و قراۃ و سکوت و صلوٰۃ فرادی النہ قال العلامة الشامی تحت قوله بین تسبیح قال القمستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملک و الملکوت سبحان ذی العزۃ و العزۃ

الی قوله لا اِلهَ الا اللهُ نستغفر الله نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فِي مَبْنَعِ الْعِبَادِ
 ۱۷، ۲۹، قلت وفي البدایع ومنها ان الامام كلما صلى ترویحة تعد بين الترویحتین
 قدر ترویحة یستم ویحیل ویکبر ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ویدعو ویستظر
 ایضاً بعد الخامسة قدر ترویحة لانه متواتر من السلف ۱۷، ۲۶، ولعل
 المراد بقوله یدعون یأتی بالادعیة الماثورة لا الدعاء برفع الیدین لان المتواتر
 من السلف فی هذا الموضع انما هو مطلق الانتظار سواء كان بالجلوس او بالقیام او
 بالسکوت او بالذکور نحوه قال فی شرح المنیة وليس المراد حقيقة الجلوس بل
 المراد الانتظار وهو مغیر فیہ ان شاء جلس ساکتاً وان شاء هلل او ستم او قرأ
 او صلی نافلة منفرداً وهذا الانتظار مستحب لعادة اهل الحرمین فان عادة اهل
 مكة ان یطوفوا بعد کل اربع اسبوعاً ویصلوا رکعتی الطواف وعادة اهل المدينة
 ان یصلوا اربع رکعات، وقد روی البیهقی باسناد صحیح انہم كانوا یقومون
 علی عمد عمر یعنی بین کل ترویحتین ۱۷ (ص ۲۰۶)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ہر ترویجہ کے بعد سبب مطلق انتظار ہے، جس میں امام و مقتدی
 کو اختیار ہے کہ خواہ خاموش بیٹھے رہیں یا اذکار وغیرہ میں مشغول رہیں، اور دعاء بہیتت
 متعارفہ خصوصیت کے ساتھ نہ درمیانی ترویجوں میں مسنون کر نہ آخری ترویجہ میں، لیکن
 اس میں شک نہیں کہ مطلق سکوت سے ذکر و ادعیہ میں مشغول ہونا بہتر ہے، پس اگر جائز و اگر
 اختیاری سمجھ کر تمام ترویجوں میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، اور اگر
 صرف ترویجہ خامسہ میں دعاء کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، اور اگر کسی ترویجہ میں بھی دعاء
 نہ کریں یہ بھی جائز ہے، یہ تو اصل حکم ہے، لیکن ایک عارض پر نظر کر کے اولیٰ یہ ہے کہ درمیانی ترویجہ
 میں دعاء نہ کی جائے، وہ یہ کہ ہر ترویجہ کے بعد بطریق متعارف دعاء کرنا موجب ثقل علی القوم ہوتا ہے
 اگر تسبیحات و تہلیلات کے بعد شروع کے ساتھ دعاء کی جائے گی تو اس میں ضرور کچھ دیر ہوگی،
 اور اگر بدون شروع و حضور قلب کے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر منہ کو منل لئے تو ایسی دعاء سے دعاء
 نہ کرنا بہتر ہے، ان اللہ لا یقبل الدعاء من قلب لاه، اور فقہاء نے امام تراویح کو تعلیم فرمائی ہے
 کہ صلوٰۃ تراویح میں بعد تشہد کے صرف اللہم صلی علی محمد کہہ کر سلام پھیر دیا کرے، ادعیہ ماثورہ نہ
 پڑھے، مخافتہ الثقل علی القوم، توجب دعاء مسنون کو فقہاء نے ترک کرنے کی تعلیم کی ہے تاکہ تو

پر ثقل نہ ہو تو دعاء ترویجہ جو کہ مسنون بھی نہیں بلکہ جائز اور غایت سے غایت مستحب ہو اس کو
 ترک کرنا ثقل سے بچنے کے لئے کیوں افضل و اولیٰ نہ ہوگا، ویاتی القوم والامام بالثناء
 فی کل شفیع ویزید الامام علی التشہد الا ان یعمل القوم فیاتی بالصلوات وکتفی
 باللہم صل محمد لانه الفرض عند الشافی ویثرب الدعوات ویجتنب
 المنکرات اہ کہ فی النور علی الشامیہ (ص ۲۰، ۱۷) اور ہر چند کہ اصل حکم تخییر
 پر نظر کرتے ہوئے ترویجہ خامسہ میں بھی دعاء بطریق متعارف کو کچھ ترجیح معلوم نہیں ہوتی
 مگر ایک علت پر نظر کر کے ترویجہ خامسہ میں دعاء کرنا مستحب و اولیٰ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ
 ترویجہ خامسہ میں حزب قرآن پورا ہو جاتا ہے، اور بعد تلاوت حزب قرآن کے دعاء کرنا مستحب
 ہے، اور وہ وقت اجابت دعاء کا ہے، قال فی الاحیاء فی بیان اداب التلاوة الثامن
 ان یقول فی مبتدأ قراءتہ اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم،
 الی ان قال ولیقل عند فراغہ من القراءۃ صدق الله تعالیٰ ویبلغ رسول
 الله صلی الله علیه وسلم اللهم انفعنا به وبارک لنا فیہ الحمد لله
 رب العالمین استغفر الله الی القیوم ۱۷ (ص ۲۳۹، ۲۴۰) وقال فی الحصن
 فی احوال اجابة الدعاء مانصہ وعقوب تلاوة القران ولا سيما الختم طموس
 خصوصاً من الفاری، ت ط ۱۷ (ص ۳۰ و ۳۱) وفي الاتقان للسيوطی ناقلاً
 عن الشعب من حدیث انس مرفوعاً من قرأ القرآن وحمد الرب وصلی
 علی النبی صلی الله علیه وسلم واستغفر ربه فقد طلب الخیر مکانہ ۱۷
 (ص ۱۱۶، ۱۱۷)، غرض تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر دعاء کرنا مستحب ہے، اور یہ وقت
 قبول دعاء کا ہے، اس لئے ترویجہ خامسہ میں دعاء کرنا مستحب و افضل و اولیٰ ہوگا،
 اور ہر ترویجہ میں دعاء کرنا ایسا ہوگا، جیسے کوئی شخص تلاوت قرآن کے وقت ہر رکوع
 یا ہر ربع پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کیا کرے، اور یقیناً یہ صورت مستحب ہے، علیہ صالحین صر
 فراغت عن الحرب کے وقت دعاء کیا کرتے تھے، اور یہی منصوص بھی ہے، وسط قرأت یا
 تلاوت میں دعاء کرنا ثابت نہیں، لہذا گاہے گاہے تو مضائقہ نہیں، مگر اس پر مواظبت
 بدعت ہے، اور اگر مواظبت سے گذر کر اس کے خلاف سے مزاحمت ہونے لگے تو یقیناً
 یہ فعل ممنوع ہوگا، کیونکہ اصول شرع میں یہ بات منع ہو چکی ہے کہ امر مباح و مستحب بلکہ

سنت کو بھی اگر اس کی حد سے بڑھا دیا جائے اور اس کے تارک پر ملامت ہونے لگے تو ایسے وقت میں اس مباح یا مستحب یا سنت کا ترک عوام و خواص سب پر ضروری ہو جائے گا۔

بنا والہ اللہ اعلم و علمہ اعلم و احکم ، ۸ / رزی قعدہ ۱۳۲۴ھ

سوال (۸) اس مسئلہ میں مدت سے شبہ ہے لہذا حضرت والا ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد سے استفقاء کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب سے تشفی خاطر فرماؤ گے۔
دوسری مسجد میں قرآن مجید سنانے کا حکم اور اس پر ایک شبہ کا جواب

ایک حافظ قرآن نے رمضان کے عشرہ اولیٰ میں ایک مسجد میں چند مقتدیوں کو ایک محترم وجہ اللہ سنایا، پھر عشرہ ثانیہ میں دوسری مسجد میں دوسرے مقتدیوں کو جنہوں نے ختم سنا نہیں ان کو دوسرا ختم سنایا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں بنا قوی علی الضعیف لازم آتا ہے، کیونکہ دو مسکرت مقتدیوں کو ایک ختم سنانا سنت مؤکدہ ہے، اور حافظ صاحب کو دوسرا ختم سنانا مستحب ہی یہ تو بندہ کا شبہ ہے، باقی جو حضرت کی مرضی ہو وہی صواب ہے؟

الجواب! بنا القوی علی الضعیف یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اصعب ہو اور یہاں ایسا نہیں، کیونکہ عشرہ ثانیہ میں تراویح کی نماز امام و مقتدی دونوں پر علی السواء سنت مؤکدہ ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہے، دوسرے یہ بھی مسلم نہیں ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت سے اس صورت میں اصعب ہے، کیونکہ گو نماز شروع کرنے سے پہلے تو امام پر قرأت واجب و سنت نہ تھی، بلکہ نفل تھی، لیکن نیت و افتتاح صلوٰۃ کے بعد اس پر قرأت بقدر صحت صلوٰۃ فرض ہو گئی، اور اب وہ جتنی بھی قرأت کرے گا، سب فرض میں داخل ہوگی، اگرچہ سارا قرآن ہی ایک نماز میں پڑھ جائے سب فرض ہی میں داخل ہوگی، و شعبان ۱۳۲۴ھ

فاسق امام کے پیچھے نماز تراویح سوال (۹) بعض بعض حفاظ قرآن مجید بعد گزر جانے ماہ

پڑھنے کا حکم اور اس کی تفصیل
رمضان المبارک کے تارک الصلوٰۃ ہو جاتے ہیں، اور بعض پنجوقتہ نماز میں سے ایک دو وقت کی نماز گاہے بگاہے ادا کرتے ہیں، یا ڈاڑھی بالکل منڈواتے ہیں، یا نہایت مبالغہ کے ساتھ کزواتے ہیں کہ ایک انگشت کے برابر بھی نہیں چھوڑتے، جب ماہ مبارک آتا ہے تو ایسے حافظ نماز تراویح میں امام بن کر کلام پاک سناتے ہیں تو ایسے حفاظ کے پیچھے نہلاؤ۔ یا تراویح پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں، اور اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی، اور مکروہ تحریمی کی

کسی آیت قرآنی یا حدیث صحیح سے تشریح فرما دیجئے، اور نیز مکرر یہ ہے کہ مکتب مکروہ تحریمی کا گنہگار ہوتا ہے یا نہیں، اور نماز بجا بہت تحریمی ادا کی ہوئی واجب الاعادہ ہوتی ہے یا نہیں؟ بیٹو! توجروا،

الجواب! اگر یہ لوگ رمضان میں گذشتہ گناہوں سے توبہ کر لیں اور نماز پنجوقتہ کی پابندی شروع کر دیں، اور ڈاڑھی منڈانا یا کتر وانا چھوڑ دیں تب تو ان کے پیچھے تراویح مکروہ نہیں، اور اگر رمضان میں بھی وہ اپنے افعال فسقیہ پر باقی ہوں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، شریعتی اور زلیعی نے کراہت تحریمیہ کو ترجیح دی ہے، اور طحاوی بھی اسی طرف مائل ہیں، باقی علماء نے تنزیہی کہا ہے، مگر یہ کراہت اُس وقت تک ہو جبکہ کوئی امام نیک دستیاب ہو سکے، اور اگر بجز فاسق کے کوئی حافظ نہیں ملتا، تو اہل محلہ کو چاہئے کہ اس صورت میں ختم قرآن کی طبع نہ کریں، کسی ناظرہ خواں نیک آدمی کو امام بنا کر الم ترکیف سے تراویح ادا کر لیں، اگر اہل محلہ ایسا نہ کریں اور حافظ فاسق ہی کو امام بناویں تو پھر جو کچھ گناہ ہوگا، اول امام بنانے والوں کو ہوں گا، دوسرے لوگوں کو بلا کراہت اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے، مگر اپنے افعال و اقوال سے اس امام کی عظمت و تعظیم نہ کریں، اور اگر محلہ میں کوئی دوسری مسجد ایسی ہو جہاں نیک امام تراویح پڑھاتا ہو تو وہاں جا کر تراویح پڑھنا چاہئے، فاسق کے پیچھے نہ پڑھنا چاہئے، اور اگر نیک امام کوئی نہیں ملتا، نہ حافظ نہ ناظرہ خواں تو پھر فاسق کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے، قال فی نور الابصار ذکرہ امامۃ العبد الی قولہ ذکرہ امامۃ الفاسق اھ قال الطحاوی افاد الحموی ان کراہۃ الاقتداء بالعبد وما عطف علیہ تنزیہیۃ ان وجد غیرہم والا فلا اھ و سیاتی ما یفید ان امامۃ الفاسق مکروہۃ تحریمیۃ اھ ص (۱۷۵) قال فی نور الابصار ذکرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اہتمامہ بالذین فتجب اہانتہ شرعاً فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ (قال الطحاوی قولہ فتجب الخ تبع فیہ الزلیعی ومفادہ کون الکراہۃ فی الفاسق تحریمیۃ اھ) واذا تعدر منعه ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعة وغیرہا وان لم یقدر

عہ قلت فامامۃ الفاسق الجاہل بالاولیٰ الوجود السبیین للبح فیہ ۱۳ منہ

الجمعة الاھوتصلی معہ ام قال الطحاوی فی السراج هل الافضل ان یصلی خلف هؤلاء ام الانفراد قبیل امامی الفاسق فالصلوۃ خلفہ اولی وھذا انما ینظر علی ان امامتہ مکروہۃ تنزیہا امام علی القول بکراہۃ التحریم فلا واما الاخرون فیمکن ان یقال الانفراد اولی لجهلہم بشروط الصلوٰۃ ویسکن اجراءہم علی قیاس الصلوٰۃ خلف الفاسق وجزم فی البحر بان الاقتداء بہم افضل من الانفراد (ص ۱۷۶) قلت بشرط ان لا یكون الامام لھنا ینفسد الصلوٰۃ بلحنہ والا فالانفراد اولی بل هو المتعین اذ المرید ان اماما غیرہ ، والله اعلم

تنبیہ: چونکہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں رد قول ہیں، ایک قول میں کراہت تزیہی ہے دوسرے تحریمی ہے، اس لئے اس میں شر و فساد نہ بڑھانا چاہئے، اگر سہولت کے ساتھ ایسے امام سے علیحدگی ممکن ہو تو خیر ورنہ اگر فتنہ یا عداوت کا اندیشہ ہو تو اسی کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، دوسرے امام کی طرف منتقل ہونے کی سعی نہ کریں، البتہ اگر امام فاسق ہونے کے ساتھ جاہل بھی ہو اور قرآن بھی غلط سلط پڑھتا ہو جس سے فساد نماز کا احتمال قوی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہئے، واللہ اعلم، ۱۶ رمضان ۱۳۲۴ھ

نابالغ بچے کے پیچھے تراویح کا حکم | سوال (۱۰) اور اس سلسلہ میں ایک بیش کا جواب

ایک لڑکا نابالغ حافظ قرآن تراویح میں قرآن سناوے، اور پیش امام مقرر شدہ الم ترکیف سے پڑھانے والا حاضر ہے تو آیا امام مقرر شدہ کی حاضری میں لڑکے نابالغ حافظ کے پیچھے اقتداء بالغ مقتدیوں کی جائز ہے یا نہیں، حالانکہ پیش امام مقرر شدہ کی ناراضگی بھی نہ ہو، اور نابالغ لڑکے کے پیچھے قرآن سنانے کی حالت میں تراویح بہتر ہے یا کہ پیش امام مقرر شدہ کے پیچھے الم ترکیف سے بہتر ہے، مفصل جواب آنا چاہئے؛ بالغ حافظ نہ ہونے کی وجہ سے ضرورہ بھی نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے اور حدیث شریف کا حوالہ دیا ہے، وہ پرچہ بھی ہمراہ اس سوال کے ہے، آیا یہ حدیث اس موقع پر ہے یا کہ اور موقع پر، اس کا خلاصہ فشر ما کر ارسال فرماویں،

(نقل فتویٰ) نابالغ لڑکے کے پیچھے تراویح ہوتی ہے، جیسے حدیث محمد بن مقاتل

سے واضح ہوتا ہے، حدیث ہذا ان امامتہ الصبی فی التراویح تجوز لان الحسن بن علی رضی اللہ عنہما کان یوم عاشتہ رضی اللہ عنہما وكان صبیاً حدیث کو ترجیح دینی ہے فقہ پر اگر نفل نابالغ کے پیچھے ضعیف ہوتی تو عاشتہ رضی اللہ عنہما حضرت حسن بن علی کے پیچھے کیوں تراویح پڑھتیں، باقی غایۃ الاوطار والے کو حدیث مذکور نہیں ملی، اگر ملتی تو احتمالاً بیان نہ کرتا، قاعدہ بناء قوی علی الضعیف یہاں پر معتبر نہیں، دیکھو تراویح میں اگر پیش امام باوجود قدرت کھڑے ہونے کے بیٹھا، موادر مقتدی کھڑے ہوں تو تو اب تراویح میں کچھ فرق نہیں آتا، حالانکہ بناء قوی علی الضعیف پائی جاتی ہے، قاعدہ کا تو اب نصف ہی قائم ہے،

الجواب: نابالغ کی اقتداء نہ فرض میں جائز ہے نہ نفل میں، نہ تراویح میں، پس مقتدیوں کو لازم ہے کہ جب بالغ حافظ نہ ہو تو الم ترکیف ہی سے تراویح کسی ناظرہ خواں بالغ کے پیچھے پڑھ لیں نابالغ حافظ کے پیچھے نہ پڑھیں، ہذا هو الصیح المفتی بہ وما جوزہ مشایخ بلخ ضعیف لا یلتفت الیہ واللہ اعلم، اور ایک جواب جو رد و سکر پرچہ پر لکھا ہوا ہے، جس میں حدیث محمد بن قائل سے نابالغ کی امامت کو جائز کیا گیا ہے تو اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ یہ حدیث محمد بن مقاتل کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیسی ہے، جب تک سند حدیث معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ قابل احتجاج نہیں، اور امامت نابالغ کی ممانعت نصوص صریحہ سے ثابت ہے، قال صلی اللہ علیہ وسلم الامام ضامن والمؤذن مؤتمن اخرجہ البزار ورجالہ موثقون واخرجہ الطبرانی الامام ضامن فما صنع فاصنعوا واسنادہ حسن (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۳۴) وظاہر ان الضامن لا بد ان یکون اقوی من المضمون وقال صلی اللہ علیہ وسلم ولیومکمما اکبرکما اخرجہ الشبخان وعن ابن مسعود قال لا یوم الغلام حتی تجب علیہ الحد ود عن ابن عباس قال لا یوم الغلام حتی یحتمل رواھا الاثرم فی سننہ کذا فی النیل (ص ۳۳۳) والاشران لیس بانزل من الحسن والامام سکت عنہما الشوکانی واللہ اعلم پس ان نصوص کے ہوتے ہوئے نابالغ کی امامت جائز نہیں ہو سکتی، ۱۹ رمضان ۱۳۲۴ھ

سوال (۱۱) تراویح میں ہر سورۃ پر بسم اللہ پڑھنے یا نہ پڑھنے میں امام عام کی تقلید کی جائے یا امام ابوحنیفہ کی؟ | شریف امام ابوحنیفہ کے نزدیک سر آ یا جہراً ہر سورۃ

کے شروع میں پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، یا تمام قرآن شریف میں امام موصوف کے نزدیک صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنا سزا جہراً کافی ہے، پھر ان میں کونسا عمل امام موصوف کے نزدیک اولیٰ ہے، اور نماز تراویح میں قاری کو کس امام یا راوی کی تقلید ضروری ہے، اور اگر نماز تراویح میں قرآن کے اندر قاری امام ابوحنیفہ صاحب کی تقلید کرے تو مشبہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن تو پڑھا جاتا، راوی حفص کی روایت میں پھر امام موصوف کی تقلید کس طرح کرے گا، اور کیونکہ امام صاحب کی تقلید کے موافق یعنی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ شریف نہ پڑھی جائے تو حفص کی روایت کے مطابق قرآن مجید پورا نہیں ہوتا، کیونکہ بسم اللہ شریف کو آپ نے ہر سورۃ کا جزو فرمایا ہے، لہذا نماز تراویح میں قاری کو ان میں سے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اور کس کی تقلید ضروری ہوگی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: امام عام یا حفص کی تقلید صرف قرآن کی تلاوت اور وجوہ قرأت میں کی جاتی ہے، باقی احکام صلوٰۃ میں ان کی تقلید نہ ہوگی، بلکہ اس میں فقہاء کی تقلید ہوگی، سو ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا ختم قرآن کے لئے ضروری ہے اگر ایک دفعہ کسی سورۃ پر بسم اللہ پڑھ دی گئی تو قرآن پورا ہو گیا، اور بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ تراویح میں اس آیت کو جہراً پڑھا جائے، جیسا کہ تراویح میں سارا قرآن چہرے سے پڑھا جاتا ہے، اگر امام کسی جگہ بھی بسم اللہ کو چہرے سے نہ پڑھے، بلکہ کسی ایک جگہ سے لے کر امام کا ختم تو پورا ہو جائے گا، لیکن سامعین کے ختم میں ایک آیت کی کمی رہے گی، باقی سب سورتوں کے اول میں بسم اللہ کو چہرے سے پڑھنا امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، اور ہر سورۃ کے اول میں سزا پڑھنا جائز ہے، بلکہ اگر مقتدیوں پر تطویل کا خوف نہ ہو تو مستحب ہے، واللہ اعلم، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ

تراویح کے تردیح میں تمام جماعت کو **سوال (۱۲)**
چٹا وغیرہ پلوانا خلاف سنت بدعت ہے

یہاں کے پیش امام نماز تراویح میں چار رکعت و دس رکعت کے بعد تمام جماعت کو مع امام مسجد کے برآمدے میں بلا کر چٹے پلواتے ہیں، اور جب ان کو کہا گیا کہ یہ فعل اچھا نہیں ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں ایسا ہی ہوتا ہے، اور کتاب شامی اور درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے، علماء کرام سے ہم مسلمانوں کی التجا ہے کہ اگر یہ فعل واقعی جائز ہے تو بھی اور اگر ناجائز

تو بھی صح سند و مر کے فی سبیل اللہ لکھ کر روانہ فرماؤں نماز تراویح سے چھوٹی چھوٹی سورۃ سے پڑھی جاتی تھی،

الجواب: قال فی الدرر مجلس ندباً بین کل اربعة (الاضم قول الکتب بعد کل اربعة ۱۲ ش) بعد رھا و کذا بین الخامسة والوتر والاضم قول الکتب بعد تسلیمات اختلف المشایخ فیہ واكثرهم علی انه لا یتحب وهو الصحیح ۱۵ من ادة بخمس تسلیمات خمس اشفاع ای علی الرکعة العاشرة كما فسره فی شرح المنیة ۱۲ ش) ویخبرون بین تسبیح و قراة و سکوت و صلوٰۃ فواوی (وفی النهی و اما الصلوٰۃ فقیل مکروهة و قیل سنتہ و هو ظاہر ما فی السراج و اهل مکة یطوفون و اهل المدینة یصلون اربعاً ۱۲ ش) ص ۳۸، ۳۹ و ۴۰

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد تراویح میں قدرے استراحت و انتظار مستحب ہے، جس میں تسبیح و قراہت و سکوت کا اختیار دیا گیا ہے، اور بعض نے منفرداً نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے، اور بعض نے اس سے منع کیا ہے، لیکن کھانے پینے کا اختیار کسی نے نہیں دیا، اس لئے اکل و شرب کو اس جلسہ میں معمول قرار دے لینا یقیناً بدعت ہے، ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کسی نمازی کو پیاس لگے تو وہ بوقت جلسہ پانی پی لے یا کوئی شخص کبھی ضرورت کی وجہ سے چائے پی لے، لیکن اس جلسہ کو چائہ نوشی کا جلسہ قرار دے لینا کہ سب نمازی مع امام کے چائہ نوشی میں مشغول ہو جائیں، خلاف سنت اور طریقہ بدعت ہے، اور اہل مکہ و مدینہ کا فعل زمانہ خیریت میں تو بوقت جلسہ ترویج طواف و صلوٰۃ تھا، اگر اس زمانہ بشر میں یہ معمول بدل گیا ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں، اور نہ ان کا یہ فعل حجت ہے، واللہ اعلم، ۲۲ شوال ۱۳۵۴ھ

نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد **سوال (۱۳)** تراویح میں جبکہ ہر چار رکعت کے بعد آرام امام کس ہیئت سے بیٹھے؟، کے لئے بیٹھے ہیں امام کو کس ہیئت سے بیٹھنا چاہئے، یعنی

امام کو قبلہ رخ بیٹھ کر آرام لینا چاہئے، یا کہ فجر عصر کی فرض نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتا ہے اس ہیئت سے بیٹھنا چاہئے، سنت کے مطابق بہتر طریقہ ارشاد فرماؤں،
الجواب: تراویح کے درمیان بیٹھنے کی کوئی خاص کیفیت منقول نہیں ہے، مگر فقہاء کے قول سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام کو تھوڑی دیر بیٹھنا ہو جتنی دیر بعد نماز کے دعاء کرنے میں عموماً ہوتی ہے تو اتنی دیر نمازیوں کی طرف پشت کر کے بیٹھنے کا مضائقہ نہیں،

اور اگر اس سے زیادہ در پڑھنا ہو تو دائیں یا بائیں اخراجات کر کے بیٹھنا چاہئے، واللہ اعلم
قال العافظ ويحتمل ان قصر زمان ذلك ان يستمر مستقبلا للقبلة من اجل
انما اليق بالدعاء ويحتمل الاول على ما لو طال الذكر والدعاء، والله اعلم
ر ص ۲۴۸ فتح الباری، قلت وقواعدنا لا تا باء فقط
الجواب صحح ظفر احمد عفا عنه ۵/ ذی القعدہ ۲۳ھ، عبد الکریم عفی عنہ ورفیقہ

سوال (۱۳) حضور نے بہشتی زیور کے دو سحر حصہ میں
افضل ہی یا چار چار رکعت، تحریر فرمایا ہے کہ تراویح کی نماز اگر دو دور رکعت یا چار چار
رکعت کی نیت باندھے دونوں طرح جائز ہے، لیکن کوئی عالم کہتا ہے کہ عربی عجم تک
کوئی دیار میں نہیں دیکھا جاتا ہے، لہذا چار رکعت کی نیت ترک کر کے دو دور رکعت کی
نیت کرنا افضل ہے اور چار رکعت کی نیت کرنا مکروہ کس کتاب میں اس کی دلیل ہے، اطلاع فرماویں؟

الجواب: فی البدائع ر ص ۲۸۹ ومنہا رای من السنن، یصلی کل
رکعتین تسلیمۃ علیٰ رسولی ترویجۃ بتسلیمۃ واحداً وقع الثانی قد را التشریح لا شک انه يجوز
على اصل اصحابنا ان صلوات كثيرة تتأدی بتحریمۃ واحده بناء علی ان الترویجۃ
مشروط وليست برکن عندنا خلافاً للشافعی لکن اختلف المشایخ انه هل
يجوز عن تسلیمتین اولاً يجوز الا عن تسلیمۃ واحده قال بعضهم لا يجوز
الا عن تسلیمۃ واحده لانه خالف سنته المتوارثۃ بترك التسلیمۃ
والتحریمۃ والثناء والتعود والتسمیۃ فلا يجوز الا عن تسلیمۃ واحده
وقال عامتهم انه يجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح اهـ،

وفي نور الايضاح وتوسیر الابصار وهي عشرون ركعة بعشر تسلیمات
فی السراجیۃ كل ترویجۃ اربع ركعات بتسلیمتین وفي الوقایۃ والقدری
لكل ترویجۃ تسلیمان وفي بحر الرائق ر ص ۶۷۷ ۲ مثل ما فی البدائع
وفي البحر الايضاح ۲۳۵۲، وفي المحيط وانما اختلفنا فی التراویح مشنی
مشنی لانها توڑی بالجماعۃ واذاؤها علی الناس مشنی مشنی اخف الیس
وفي فتح القدیر تحت قول الهدایۃ (ولهما الاعتبار بالتراویح)
فان الاجماع علی الفضل فیها وفي العنایۃ تحت قول الهدایۃ (والتراویح

توڑی بجماعۃ، جواب عن اعتبارهما بالتراویح فیداعی فیها جماعۃ التیسیر
بالقطع بالتسلیم عن رأس الركعتین لان ما كان اذوم تحریمۃ كان اشق
على الناس اه فتح القدیر ر ص ۳۹۲ ۱۱

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تراویح میں دو دور رکعت پڑھنا سنت ہے، لیکن
چار چار پڑھنا بھی بنا بر مذہب صحیح جائز ہے، گو خلاف متواتر ہونے کی وجہ سے
مکروہ تنزیہی ہو، البتہ بحر الرائق و ہدایہ کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم یعنی دو دور
کا افضل ہونا جماعت کے ساتھ خاص ہے، پس ممکن ہے کہ منفرد کے لئے اصل قاعدہ
یعنی امام صاحب کے نزدیک چار چار نوافل افضل ہونے کی بنا پر تراویح بھی چار چار
افضل یا کم از کم مساوی ہوں (دفعہ ان المحکم لاینتفی بانتقاء التعلیل فابقار الروایۃ علی
العموم اولی للتواتر و يمكن ان یجاب بان التواتر ثابت فی الجماعۃ واما اذا وصلی
منفرداً فلا دلیل علی توارثہ فافہم) اور بہشتی زیور کی مخاطب مستورات ہیں، جو نماز تہنا
پڑھتی ہیں، اس لئے بہشتی زیور پر شبہ نہ کیا جاوے، و نیز بہشتی زیور کی عبارت
یہ ہے (چاہے دو دور رکعت کی نیت باندھے چاہے چار چار رکعت کی) اور اس میں یہ
تصریح نہیں کہ دونوں فضل میں مساوی ہیں، بلکہ دونوں کے جواز پر بھی یہ عبارت
محمول ہو سکتی ہے، فلا اشکال علیہ باقی حال،

جماعت ثانیہ تراویح کی ایک صورت | سوال (۱۵) ہمارے یہاں رمضان المبارک کے
شروع سے یہ طریقہ ہو رہا ہے کہ ایک قرآن شریف بعد نماز عشاء، تراویح میں سنایا جا رہا
ہے، اور سامع جو کلام مجید سنتا ہے اپنی چار رکعت تراویح باقی رکھ لیتا ہے، یعنی امام کے
ساتھ سولہ رکعت تراویح پڑھتا ہے، بقیہ چار رکعت تراویح اسی مسجد میں امام ہو کر
جس میں ایک یا دو پارہ سناتا ہے پوری کرتے ہیں، مقتدی کل تراویح بعد نماز عشاء ختم
کر لیتے ہیں، جو مقتدی سننے کے شائق ہیں ان کو گھر جا کر جگنے کا اہتمام بھی ہوتا ہے، جو
قریب ۱۳، ۱۵ کے ہو جاتے ہیں، ان مقتدیوں میں بعض کی نیت نفل نماز کی اور بعض کی

عہ اشارۃ الی ان نقائل ان یقول ان اثبت امر ان ادار التراویح بالجماعۃ وادارہ مشنی مشنی ولا یستوی
سنتہ امدہما علی الآخر ۱۲ منہ

تہجد کی ہوتی ہے، ایسی صورت میں یہ جماعت بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اور کونسی صورت درست ہونے کی ہو سکتی ہے؟

الجواب؛ جیسا کہ وہ حافظ صاحب چار رکعت تراویح میں شامل نہیں ہوتے اسی طرح وہ مقتدی بھی چار رکعت میں شامل نہ ہو کر میں، اور پھر چار رکعت جماعت سے پڑھ لیں، کما ہوا الظاہر، لیکن احتیاطاً جگہ بدل دیں، یعنی جہاں پہلی جماعت ہوئی تھی اس جگہ سے الگ پڑھ لیں، کما سیاتی، اور پھر اس تراویح کی جماعت میں کچھ مقتدی نفل پڑھنے والے بھی شامل ہو جائیں، تو مضائقہ نہیں، لہذا اقتداء المتطوع بمن یصلی السنۃ وانہ جائز الخ، بدائع ص ۲۰۹، کیا ایک مسجد میں دو مرتبہ سوال (۱۶) ایک مسجد میں دو مرتبہ تراویح کی جماعت مکروہ ہے؟ تراویح کی جماعت مکروہ؟ **الجواب**؛ تراویح کے تکرار فی المسجد کے متعلق کوئی چیز تہیہ نہیں ہے،

دوسری جگہ تحقیق کر لیا جاوے، محض رکن الدین پر اعتماد نہ کیا جاوے، البتہ مزید احتیاط کی بنا پر جگہ بدل لیا کریں، تاکہ تکرار مکروہ ہونے کی صورت میں بھی کراہت مرتفع ہو جاوے، اور باوجود تبدیل ہیئت تکرار جماعت فرض تو مکروہ ہے، لیکن تراویح میں بنا بر قول ابو یوسف تبدیل ہیئت سے تکرار مکروہ نہ رہے گا، عن ابی یوسف انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی المیثۃ الاولی لا تکرہ والا تکرہ وهو الصحیح وبالعدل عن المحراب تختلف المیثۃ کذا فی البزازیۃ ۱۵ (شامی ص ۱۳۵، ۸) اور امام ابو یوسف کا قول مذکور گو عام ہے، لیکن فرائض میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، اور تراویح میں فرائض سے توسع ہی اس لئے تراویح میں اس پر عمل کی گنجائش ہے، اور یہ کلام اس تکرار میں ہے جو امام آخر اور مقتدین آخرین کے ساتھ ہو، اور اگر پہلا امام اور پہلے مقتدی ہی تکرار کریں تو وہ مطلقاً مکروہ ہے، خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں، موضح فی البدائع (۲۰۹) جلد کریم عنی عنہ، رمضان، البصیح نظر احمد عنی عنہ بہشتی گوہر کے ایک مسئلہ متعلق تقدیم **سوال** (۱۴) بہشتی گوہر ص ۳۹ میں تراویح کا بیان وتر علی التراویح پر شبہ کا جواب، مطالعہ کر رہا تھا، وقت تراویح کے متعلق یہ عبارت

دیکھی گئی کہ وتر کا بعد تراویح کے پڑھنا بہتر ہے، اگر پہلے پڑھ لے تب بھی درست ہے، مرقا الفلاح ص ۱۲۴، اس سے مجھے شبہ پیدا ہوا، اس لئے کہ میرے علم میں اس کے برعکس ہے، یعنی وتر کا پہلے تراویح سے پڑھنا بہتر ہے، اگر بعد کو پڑھے تب بھی درست ہے، لیکن چونکہ حوالہ موجود تھا، خیال ہوا کہ یہ کہ میری ہی معلومات غلط ہو، دفع شبہ کے لئے مرقا الفلاح

بحالی گئی اس میں یہ عبارت ملی ہے کہ (وقتہا) ما بعد صلوٰۃ العشاء، علی الصحیح الی طلوع الفجر (و) لتبیتھا للعشاء (یصح تقدیم الوتر علی التراویح وما خیرہ عنہا) وهو افضل الخ پھر حاشیہ مخطاوی میں لکھتے ہیں کہ (وقولہ ویصح تقدیم الوتر علی التراویح الخ) وقیل وقتہا بعد العشاء وقبل الوتر وہ قال عائشہ لما شیخ بخاری،

اس سے میری معلومات کی تائید ہوتی ہے، تاہم چونکہ میں ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں کہ ارجاع ضمیر میں غلطی ہو، بنا بریں آپ سے درخواست ہے کہ مرقا الفلاح کی عبارت کا وہی مطلب ہی جو بہشتی گوہر میں مندرج ہے، یا نہیں، اگر نہیں تو معلوم کر دیں گا کہ یہ کاتب ہی کی غلطی ہے، صحیح کر لیا جائے گا، انشاء اللہ، اور اگر بہشتی گوہر کی عبارت کی تائید کرتا ہو، تو میں اپنے کو اس شبہ سے بچا لوں گا،

الجواب؛ بہشتی گوہر کا مسئلہ درست ہے، مرقا الفلاح میں وہ افضل کا مرجح تاخیرہ عنہا ہے، اور مخطاوی میں قول مشائخ بخاری بعد العشاء، وقبل الوتر کو قیل سے تعبیر کرنا خود اس کے ضعف کی علامت ہے، فافہم، ۲۴ رجب ۱۳۲۵ھ

جماعت ثانیہ تراویح کی **سوال** (۱۴) یہاں پرتین چار سال سے متواتر رمضان شریف ایک صورت کا حکم میں بعد نصف شب کے اس طرت سے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے کہ امام جو بعد نصف شب کے قرآن شریف سناتا ہے، اول شب کی تراویح میں سبکامیں رکعت کے ۱۶ رکعت پڑھتا ہے، چار رکعت تراویح میں بعد نصف شب قرآن شریف سناتا ہے، لیکن کُل مقتدی تہجد کی نیت باندھتے ہیں، جن کی تعداد دس پندرہ کے قریب ہوتی ہے، اور ان میں سے بعض بعض کو بلانا اور جگانا بھی پڑتا ہے، کیونکہ اس جماعت میں جواز کی صورت تھی، اس لئے یہ عمل دوسرے قرآن شریف کا ثواب حاصل کرنے کے واسطے کیا جاتا تھا، کیونکہ تنہا پڑھا نہیں جاتا، اگر ایسا نہ کیا تو اس ثواب کے محروم رہیں گے، لیکن اس کے ساتھ حسب ذیل مفسدات بھی نظر آتے ہیں، یہ جماعت اس نام سے موسوم ہے کہ (تہجد میں قرآن شریف ہوتا ہے) دوسری مسجد والوں نے ہماری جماعت دیکھ کر تہجد کی نوافل میں جماعت شروع کر دی، جو مکروہ تحریمی ہے، یہ غلط فہمی جماعت مذکورہ بالا کی وجہ سے ہوئی، دوئم ایک ہی مسجد میں ایک پوری جماعت تراویح کی ہو کر دوسری جماعت تراویح کی ہوئی، اور مقتدیوں میں کوئی تراویح پڑھنے والا نہیں ہوتا جو امور مختلف فیہ میں سے ہو،

توسیم جو مقتدی اخیر شب کو قرآن شریف سنتے ہیں اور رات کو زیادہ جاگنے کے عادی نہیں ہیں ان کو حکم کیا جاتا ہے، بعض کی صبح کی نماز یا صرف جماعت جانی رہتی ہے، ممکن ہے اس جماعت کا، وجہ سے صبح کی نماز یا جماعت فوت ہوئی ہو، چہاں قصداً میں رکعت ایک ساتھ نہیں پڑھی بلکہ سولہ رکعت اور چار رکعت کے درمیان وقفہ دیا گیا، پنجم جہاں تک خیال ہے سلف میں بھی ایسا عمل نہ ہوا ہوگا، ایسی صورتوں کا خیال کرتے ہوئے کہ مفسدات بھی نظر آتے ہیں اور پابندی کے ساتھ کئی سال سے جماعت ہو رہی ہے، جناب والا سے گزارش ہے کہ جناب ایسی جماعت کے واسطے اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟

الجواب؛ قال الطحاوی فی حاشیته علی مرقی الفلاح وکرة ان یؤم فی التراويح مرتین فی لیلۃ واحدة وعلیہ الفتوی لان السنة لا تتكرر فی الوقت الواحد فتقع الثانية نفلاً مضمراً بخلاف ما لو صلاها ماوما مرتین حیث لا یکره كما لو ام فیها ثم اقتدی بأخر فی تلك الصلوة وما لو صلی العشاء اماماً او مقتدیاً ثم اقیمت ثانیاً فانه لا یکره له ان یدخل فیها ثانیاً بل یتحب له اه (ص ۲۳۹) یہ صورت عمل فی نفسہ تو جائز تھی، جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا، مگر ان مفسد کے انضمام سے جو سوال میں ہیں کہ عوام اس کو جماعت تراویح نہیں بلکہ جماعت ہتجد سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں نے اس کو دیکھ کر جماعت نواقف محضہ بھی شروع کر دی، یہ قابل ترک بلکہ واجب ترک ہے، فان المباح والمستحب اذا دی الی مفسدة یجب ترکہ صریح بہ الفقہاء قاطبہ، والشداعلم، غرہ رمضان ۱۳۵۴ھ

تراویح کی بین رکعت ہونے کے دلائل | سوال (۱۹) رمضان کی بین تراویح کی اصل حدیث سے تحریر فرمائیں اور ایک حدیث سے نہیں بلکہ کئی ایک حدیثیں تحریر فرمائیں، کیونکہ اس جگہ پر آٹھ تراویح پڑھی جاتی ہیں، ان کو بین تراویح کا ثبوت اور یقین دلانا بھی ضروری ہے اور اس کے اندر اور بات خیال نہ فرمائیں،

الجواب؛ عن یزید بن حنیفہ عن السائب بن یزید عن قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعة، رواہ البیہقی واسادہ صحیح، وعن یزید بن اومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة رواہ النسائی رواہ

مالک واسنادہ من سل قوی، وعن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرة عشرین رکعة ویوتر بثلاث اخرجہ ابو بکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ من سل قوی ام من اثار السنن للنیسوی ص ۲۳۵، ان سب احادیث سے تراویح کی بین رکعات کا ثبوت ظاہری اور آثار السنن میں ان کے علاوہ اور بھی بہت احادیث مذکور ہیں، اور اگر ان احادیث میں حضور کا عمل مذکور نہیں بلکہ صحابہ کا عمل مذکور ہے، مگر ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ اپنے عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متبع تھے، پس ان کا ایسا عمل جس پر بعد میں سب نے اتفاق کر لیا ہو یقیناً حجت ہے، اور اس کی دلیل ہے کہ ان کے پاس اس عمل کی کوئی دلیل ضرور موجود تھی، قال ابن

قدامة فی المغنی ولنا ان عمرو لما جمع الناس علی ابی ابن کعب کان یصلی لہم عشرین رکعة وعن علی انه امر رجلاً یصلی بہم فی رمضان عشرین رکعة وهذا کالاجماع الی ان قال ما فعل عمر و اجمع علیہ الصحابة فی عصرہ اولی بالاتباع ام (ص ۲۳۹) پس ان آثار موقوفہ سے اس حدیث مرفوعہ کی تقویت ہوگی جس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے، حدیثنا یزید بن ہارون قال انا ابراهیم بن عثمان عن الحكم عن مقسر عن ابن عباس عن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر ام من اثار السنن ص ۲۳۵) و ابراهیم بن عثمان جند الامام ابی بکر بن ابی شیبہ ضعیف، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ نفس نفیس بین رکعت پڑھنا معلوم ہوا، مگر اس میں صرف ایک راوی ضعیف ہے جس کا ضعف آثار قویہ مذکورہ سابقہ سے منجر ہو گیا، والشداعلم، ۲۲ رمضان شریف ۱۳۵۴ھ

المقائم لا بواب التراويح | سوال (۲۰) بعد الحمد والصلوة، غیر مقلدین کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے، جس میں تراویح کی گیارہ بجواب اشتہار

التحقیق فی اعداد التراويح | رکعت کے سنت ہونے پر زور دیا گیا ہے، اور بین رکعات کی سفینت سے انکار کیا گیا ہے، اور تمظیفی دیکھو کہ حاشیہ اشتہار میں حنفیہ کو ۱۵ اشتہار کا عنوان "التحقیق فی اعداد التراويح" تھا، اور اشتہار کا نام حافظ محمد عمر ٹھیکہ دار لوہانڈی اکبر لکھا ہوا تھا، یہ بوا بھی دیکھو کہ ٹھیکہ دار بھی مجتہد بنے کا دعویٰ کرتے ہیں، کیونکہ حدیث سے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا اور دوسرے مالموں کے مسئلہ کو ذکر کرنا مجتہد ہی کا تو کام ہے ۱۲ منہ

اعلا دیا ہے جو کوئی حدیث صحیح جو اپنے معنی میں صریح ہو پیش کر دے اس کو دس روپیہ انعام فی حدیث دیا جائے گا۔

اس کے جواب میں مجھے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے جماعت غیر مقلدین حدیث صحیح کی تعریف کسی حدیث ہی سے بیان کر دیں، اور حدیث رسول ہی سے یہ ثابت کریں کہ حدیث حسن اور ضعیف و مرسل و معطل و مشاذ و منکر و مدلس وغیرہ کی یہ تعریف ہے، اور ان میں سے فلاں قابل قبول ہے اور فلاں قابل قبول نہیں، بلکہ قابل رد ہے، تو ہم ان کو فی حدیث مرفوع بجائے دس کے وہ چند دینے کو تیار ہیں، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول صریح سے ان امور کو ثابت نہ کر سکیں تو پھر وہ ہم کو بتلائیں کہ حدیث صحیح کے معنی جو کچھ بھی ان کے نزدیک ہیں انہوں نے کہاں سے اخذ کئے، کتاب اللہ اور سنت رسول سے تو یقیناً ماخوذ نہیں، پھر کہیں قیاس و اجماع سے تو ماخوذ نہیں، جس سے غیر مقلدین کو سوں دوڑ بھاگتے ہیں، اگر قیاس و اجماع سے ماخوذ کر تو براہ کرم یہ بھی بتلا دیں کہ قیاس و اجماع صحیحہ کا سبب یا تابعین کا، اور تابعین میں سے فقہاء کا ہے یا محدثین کا یا دونوں کا، اور یہ کہ فقہاء یا محدثین کا قیاس و اجماع غیر مقلدوں کے نزدیک اس بارے میں بھت کیونکر ہو گیا، جن کے یہاں تقلید علماء بشرک ہے، کیا براہ عنایت وہ کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کریں گے کہ حدیث کی تعریف و تصحیح و تضعیف وغیرہ میں فقہاء یا محدثین کا قیاس و اجماع حجت ہے، اور اس کی تقلید حنفیہ اور غیر مقلدین سب پر فرض ہے، اور باقی مسائل میں تقلید حرام اور بشرک ہے، جب تک جماعت غیر مقلدین ان سب مسائل کو حدیث ہی سے ثابت نہ کر دیں اُس وقت تک ان کو کسی مسئلہ میں نہ خود حدیث صحیح پیش کرنے کا حق ہے نہ حنفیہ سے مطالبہ کا حق ہے، کیوں کہ جو حدیث وہ پیش کریں گے ہم کو ان سے اس سوال کا حق ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا... کتاب اللہ سے معلوم ہو یا سنت رسول سے یا قیاس سے یا اجماع سے، الی آخر

السوال التی ذکرناہا،

نیز ہم کو یہ بھی سوال کرنے کا حق ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ قبول حدیث در حدیث میں بخاری و مسلم و ترمذی و احمد وغیرہ کی تقلید تو حجت اور واجب یا جائز ہو، اور فہم معانی حدیث میں ابو حنیفہ و مالک و شافعی رحمہم اللہ کی تقلید ناجائز و حرام ہو، کہا ہو زعم الطائفۃ

الغیر المقلدین،

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ غیر مقلد مشہر نے جس قدر حدیثیں اپنے اشتہار میں گیارہ رکعت تراویح کے متعلق درج کی ہیں، اور ان کی صحت کا دعویٰ کیا ہے اس نے اپنے اس دعویٰ کی صحت پر کوئی دلیل کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے قائم نہیں کی، پھر وہ کیونکر ان کو صحیح کہتا اور ان کے تسلیم کو ہم پر لازم بتاتا ہے، اور اگر اقوال علماء ان کی صحت ثابت کرنے کا مدعی ہے، تو وہ ان علماء کا نام لے جنہوں نے ان کو صحیح کہا ہے، اور بتلائے کہ اس معاملہ میں وہ ان کی تقلید کیوں کرنے لگا، نیز ہم کو ان کی تقلید پر کس دلیل سے مجبور کر سکتا ہے آپ میں اس کی پیش کردہ اعادیت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں، اس نے سب سے پہلے بخاری و مسلم کے مرالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے ۱۵

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مقلد کو صلوٰۃ اللیل کی کیفیت و کمیت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام روایات کو دیکھنا چاہئے تھا، جو بخاری و مسلم و سنن اربعہ میں مذکور ہیں، اگر وہ سب روایتوں کو دیکھ لیتا تو ہرگز اس کو دلیل میں پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی روایت میں تو یہ منقول ہے کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، نہ رمضان میں نہ رمضان کے علاوہ، اور بعض روایات میں بخاری کی یہ ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اور بعض روایات مسلم میں یہ ہے کہ آپ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے بھی پڑھتے تھے، تو کل مقدار رکعات پندرہ ہوئیں، اور بعض روایات سے سترہ رکعتوں کا ثبوت ہوتا ہے، اسی لئے امام قرطبی شاح مسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہل علم کو اشکال و خلجان ہیں، حتیٰ کہ بعض علماء نے ان کی حدیث کو مضطرب کہا ہے، دیکھو فتح الباری (ص، ۱۳، ج ۳) قال القرطبی اشکلت روایات عائشہ علی کثیر من اهل العلم حتی نسب بعضهم حدیثها الی الاضطراب ۱۵ اور جس نے اصول حدیث پڑھا ہے، وہ جانتا ہے کہ حدیث مضطرب کے استدلال و احتجاج صحیح نہیں، جب تک اضطراب رفع نہ ہو، پس اول غیر مقلد مشہر اس حدیث کے اضطراب کو رفع کرے، اس کے بعد اس سے احتجاج کرے اور اضطراب کو رفع کرتے ہوئے یہ بھی سوچ لے کہ حنفیہ پر اس کی بیان کردہ تاویل و تقریر حجت نہ ہوگی، ممکن ہے

کہ وہ کسی دوسری تقریر سے اضطراب کو رفع کریں، نیز یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور دنوں سے زیادہ عبادت کرتے تھے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ ہی رکعتیں پڑھتے ہوں، اور یہ احادیث ہم آئندہ بیان کریں گے،

اس کے بعد اس نے صحیح ابن خزیمہ وابن حبان کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھانی اور اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے غیر مقلد کو شرمنا چاہئے، کیونکہ ابکت لوگ تراویح کی جماعت کو سنت نبویہ نہ کہتے تھے، بلکہ الگ الگ تراویح پڑھنے کو سنت نبویہ اور جماعت تراویح کو سنت عمریہ کہتے تھے، اب وہ وقت آ گیا کہ غیر مقلدین بھی جماعت تراویح کو سنت نبویہ ماننے لگے، صرف عدد میں اختلاف رہ گیا، سوانشاہ اللہ کچھ دنوں میں یہ اختلاف بھی رفع ہو جائے گا،

اب سنئے کہ اس حدیث سے غیر مقلد نے بیس رکعت تراویح کی نفی پر استدلال کیا ہے، حالانکہ اس سے بیس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوتی، کیونکہ ایک عدد کا ثبوت دوسرے کی نفی کو مستلزم نہیں، البتہ اگر غیر مقلد اس بات کو ثابت کر دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی ہر رات میں تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے تھے، اور صحابہ کو عام طور پر اس کی اطلاع تھی، اور حضرت جابرؓ تراویح کی جماعت میں شروع سے آخر تک شریک تھے، تو بیشک اس سے بیس رکعت کی نفی ہو جائے گی، ورنہ یہ احتمال باقی رہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوگی، اور صحابہ کو بوجہ خوف فرضیت کے جمع نہیں کیا، اور اس لئے عام طور پر سب کو اطلاع نہیں کی، پھر کیفیما اتفق جس کو جس وقت خبر ملی اگر شریک ہو گیا، منجملہ ان کے حضرت جابرؓ بھی تھے جن کو آٹھ رکعت ملی، اور اس احتمال کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری (صفحہ ۱۵۲ ج ۱) میں مذکور ہے، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی ذات لیلۃ فی المسجد فصلى بصلوته ناس ثم صلى القابلة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة فلم يخرج اليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال لم يمنعني من الخروج اليكم الا اني خشيت ان يفرض عليكم الحدیث

اس کے بعد غیر مقلد مشہر نے امام محمد مروزی کے قیام اللیل سے حضرت جابرؓ کی یہ حدیث بلا سند نقل کی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابی رمضان میں آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! آج رات مجھ سے کچھ ہو گیا ہے، فرمایا بیان کر دو، کہا میرے محلہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے ہیں، ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے، تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی، اور وتر پڑھا ہے، آپ مسکرا کر خاموش ہو گئے، الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ غیر مقلد نے اس حدیث کی سند نقل نہیں کی، اور نہ کسی امام کے قول سے اس کی تصحیح بیان کی، اور بدون اس کے اس کو استدلال کا کیا حق ہے، افسوس! غیر مقلد ہم سے تو حدیث صحیحہ و نص صریح کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود مطلق العنان ہو کر احادیث نقل کرتے ہیں، گویا حدیث کے صحیح کرنے کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو چاہیں گے صحیح کر دیں گے، پس اول غیر مقلد اس حدیث کی صحت ثابت کرے، اور اس کے بعد یہ بتلائے کہ اس سے بیس کی نفی کیونکر ہوئی، کیا یہ احتمال نہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے بارہ رکعت تراویح حضورؐ کے پیچھے مسجد میں یا تہنہ پڑھ لی ہوں، اس کے بعد گھر پہنچے اور عورتوں کے اصرار پر آٹھ رکعت ان کو پڑھا دی ہوں؟

اس کے بعد مشہر نے موطا امام مالکؓ و مصنف ابن ابی شیبہؓ و سنن سعید بن منصورؓ سے سائب بن یزید کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعبؓ و تیم داری رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں الخ مشہر کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اثر صحیح نہیں ہے، گورادی سب ثقہ ہیں، مگر یہ مصنوب المتن ہے، محمد بن یوسفؓ راوی پر اس میں اختلاف ہوا ہے، مالک اور یحییٰ قطان اور عبدالعزیز بن محمد نے محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت روایت کی ہیں، اور قیام اللیل مروزی میں محمد بن اسحاق نے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہیں، اور مصنف عبدالرزاق میں داؤد بن قیس وغیرہ نے انہی محمد بن یوسف کے واسطے سے سائب بن یزید سے اکیس رکعت بیان کی ہیں، دیکھو فتح الباری (ص ۲۱۹ ج ۲) و (عمدة القاری ص ۳۵ ج ۵) اور حافظ ابن عبد البرؓ نے گیارہ رکعت کی روایت کو راوی کا وہم بتلایا ہے، دیکھو زرقانی شرح موطا (ص ۲۱۵ ج ۱) اور سائب بن یزید سے محفوظ اور صحیح روایت وہ ہے جس کو مالک اور یحییٰ نے یزید بن خصیفہ کے واسطے سے

سائب بن یزید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر کے ساتھ قیام رمضان ہوتا تھا، دیکھو (التعلیق الحسن ص ۵ ج ۱۲) اور رفع الباری ص ۲۱۹ ج ۲) اور اس کے محفیظ اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف نہیں کیا، دوسرے اس کے مؤیدات بہت زیادہ ہیں، منہج ان کے وہ ہے جو مالک نے مؤطا میں یزید بن رومان سے روایت کیا ہے، کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے، (مراد تراویح) اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بھی بن سعید سے روایت کیا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے، اور ابن ابی شیبہ نے عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کیا ہے کہ ابی ابن کعب نے رمضان میں مدینے کے لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے، اور ان تینوں کی سند صحیح ہے، (دیکھو مؤطا اور تعلق حسن) البتہ یہ مؤیدات مرسل ہیں، مگر مرسل کے سب راوی ثقہ ہوں تو وہ ہمارے نزدیک مثل موصول کے ہے، اگر غیر معتدل اس کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کریں تو کتاب و سنت سے دلیل لائیں، کسی عالم کا قول بیان نہ کریں، کیونکہ کسی عالم کا قول جب خود ان کے اور حجت نہیں تو دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنے کا ان کو کیا حق ہے، دوسرے اگر وہ دو عالموں کا قول اپنی تائید میں لائیں گے تو ہم دش کا قول اس کے خلاف دکھلا سکتے ہیں،

مشہر نے حافظ ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ پہلا عدد گیارہ رکعت کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، اس کے متعلق صرف ہم یہ چاہتے ہیں کہ اڈل مشہر یہ بتلائے کہ گیارہ حافظ ابن حجرؒ کا مقلد ہے، یا ان کی تقلید کو دوسروں پر واجب سمجھتا ہے، دوسرے فتح الباری کی عبارت بعینہ مع حوالہ صفحہ و سطر کے شائع کرے، کیونکہ ہم کو مشہر کی فہم کا چند مواقع کے مطالعہ سے انداز ہو گیا ہے کہ وہ کچھ کچھ سمجھ جاتا ہے، یا مخلوق کو دھوکہ دینا چاہتا ہے ہم اس کو متنبہ کرتے ہیں کہ یہ قول حافظ ابن حجرؒ کا نہیں، بلکہ ابن اسحاق صاحب منازحہ کا ہے، اور گیارہ کے متعلق نہیں بلکہ تیرہ کے متعلق ہے، اس کے بعد اس نے علامہ جلال الدین سیوطی کے رسائل تسعہ کے حوالہ سے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے گیارہ رکعت کو زیادہ محبوب بتلایا ہے، اور یہ کہ یہی معتد ر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تھی، اور فرمایا کہ میں اسکی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے اور کیوں پیدا ہو گئیں اہم ملخصاً،

اس کے متعلق بھی ہم سوالات مذکورہ کا اعادہ کر کے یہ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ قول امام مالک سے کسی نے نقل بھی کیا ہو تو اس کی سند دیکھنا ضروری ہے، اور نہ امام مالک کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں ہو سکتی، کیونکہ مدونہ مالک میں جو بخون مالکی ثقہ کی روایت ابن القاسم مالکی ثقہ سے ہے، اور ابن قاسم بلا واسطہ امام مالک کے شاگرد ہیں اس کے خلاف یہ قوم ہے، قال مالک بعث الی الامیر وادان ینقص من قیام رمضان الذی کان یقومہ الناس بالمدینة قال ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون رکعة مت وثلاثون رکعة ولو ثلاث قال مالک فہیتہ ان ینقص من ذلك شیئا وقلت لہ هذا ما ادرکت الناس علیہ وھذا الاموال قدیم الذی لم تنزل الناس علیہ (ص ۱۹۳) جس میں صاف تصریح ہے کہ امام مالک کے نزدیک تراویح چھتیس رکعت ہی، اور وہ اس سے کم کرنے کو منع کرتے ہیں اور اس کو عمل قدیم سمجھتے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ امام مالک گیارہ رکعت سے زیادہ پر تعجب ظاہر کرتے ہوں، اور یوں کہیں کہ میں اس کی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے پیدا ہو گئیں،

اس کے بعد مدونہ میں نافع اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے چھتیس رکعت کی روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے پاس عمل اہل مدینہ کے علاوہ روایت بھی گیارہ رکعت سے زیادہ کے ثبوت میں موجود ہے،

اس کے بعد مشہر نے علامہ عینی حنفی کی شرح بخاری سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض ائمہ کا مذہب گیارہ رکعت تراویح کا ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا، الخ آس کے متعلق ہم کو مشہر کے انصاف کی داد دینا ضروری ہے، کہ علامہ عینی حنفی نے جس عدد کو جمہور صحابہ اور جمہور علماء سے نقل کیا تھا، اور جس کی تائید میں بہت آثار نقل کئے تھے اس کو تو چھوڑ دیا اور جس قول کو سب انیر میں تضعیف کے صیغہ سے نقل کیا تھا اس پر زور دینے لگا، دوسرے ہم اس کے متعلق بھی تصحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ امام مالک کا قول مدونہ میں اس کے خلاف مذکور ہے، اور مدونہ فقہ مالکی کا فتاویٰ معتبر ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی روایت امام مالک کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی، اگر امام مالک کے نزدیک گیارہ رکعت مختار ہو میں تو مدونہ میں ضرور اس کا ذکر ہوتا، قاضی ابن رشد نے بھی بدایۃ المجتہد میں امام مالک سے ایک روایت تو بیس رکعت کی جمہور کے موافق نقل کی ہے، اور دوسری روایت چھتیس رکعت

کی نقل کی ہے، گیارہ کا کوئی ذکر نہیں، پس گیارہ کی روایت مالک سے یقیناً ضعیف ہے،
اور شیخ ابوبکر بن اعرابی ائمہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں، بلکہ خود مقلد ہیں، ان کا قول مقلدین
پر حجت ہے، اور غیر مقلدین سے حیرت ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد کی تقلید سے تو
عار کرتے ہیں اور ان کے مقلدوں کی تقلید کو تیار ہیں، کہیں حافظ ابن حجر کا نام لیتے ہیں کہیں
حافظ ابوبکر بن عربی کا،

اس کے بعد مشہور نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ماہیت بالسنة اور شرح مشکوٰۃ وغیرہ
کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جسکو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
روایت کیا ہے کہ آپ نے گیارہ رکعتیں پڑھیں، جیسا کہ آپ کی قیام اللیل میں عادت تھی
اور نقل کیا گیا ہے کہ بعض سلف امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں گیارہ رکعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے ہیں، اہم،

اس عبارت کے نقل کرنے میں مشہور نے بڑی چالاکی سے کام لیا ہے، کیونکہ اس نے اس
قول کو جو شیخ عبدالحق نے محدثین سے نقل کیا تھا خود شیخ کا قول بتا کر حنفیہ کو دھوکا دیا
ہے کہ دیکھو شیخ عبدالحق حنفی بھی گیارہ رکعت کے قائل ہیں، حالانکہ شیخ کی عبارت اس
طرح ہے فعندنا ہی عشر و ن رکعة لہما وی البیہقی باسناد صحیح الی ان قال
و روی بن عباس انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان و اوتربعد ما
بثلث لکن المحن ثین قالوا ان هذا الحدیث ضعیف و الصحیح ما ورتہ عائشہ
انہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعة الخ جس کو ذرا بھی عربی سے مس ہوگا وہ سمجھ جائے گا کہ گیارہ
رکعت کے عدد کو ترجیح شیخ عبدالحق خود نہیں دے رہے، بلکہ محدثین کا قول نقل کر رہے ہیں،
اور خود شیخ کے نزدیک تو راجح بیس ہی کا عدد ہے، جسکو سب اول بیہقی کی سند صحیح کے حوالے
سے لکھا ہے، اور خلافت عمر بن عبدالعزیز میں جن بعض سلف کا فعل بیان کیا جاتا ہے اس کی
کوئی سند نہیں، نہ یہ معلوم کہ یہ بعض سلف کون ہیں، کہیں محمد بن اسحاق صفا مغازی اور واقدی
تو نہیں؟ اور ایسی بے سند بات سے استدلال کرنا غیر مقلد کی اتباع حدیث صحیح کی کافی دلیل
ہے، اس کے بعد مشہور نے حضرت عبدالقاسم ثانی کا قول مبدأ و محاد سے نقل کیا ہے، کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ مشابہت کرنا چاہیے، اگرچہ بحسب ظاہر
کیوں نہ ہو، الخ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ہر حنفی کا ایمان ہے، اور تمام مقلدین خواہ حنفی ہوں

یا شافعی تراویح کی بیس رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کا اتباع کر کے
پڑھتے ہیں، اور ہم اور محدثین ہی کے قول سے بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ کی وہ روایت
جس میں گیارہ کا ذکر ہے مضطرب ہے، اور جب تک اضطراب رفع نہ ہو اس وقت تک وہ
حدیث حجت نہیں،

اس کے بعد مشہور نے علامہ ابن ہمام کا قول فتح القدر سے نقل کیا ہے کہ حاصل
احادیث و آثار صحابہ سے از روئے دلیل یہ ہے کہ تراویح سنت گیارہ رکعت مع وتر عجم
ہیں الخ مشہور نے علامہ ابن ہمام کی عبارت میں ایسی کانت چھانٹ کی ہے، جس نے اس
کی دیانت کی قلعی کھول دی، علامہ ابن ہمام کی عبارت سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا،
کہ تراویح بیس رکعت سنت نبویہ نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح
اور وتر میں سے گیارہ رکعت تو سنت نبویہ ہے، اور باقی بارہ رکعتیں سنت خلفاء راشدین
ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنت خلفاء کے اتباع کی بھی دعوت دی ہے،
اپنے ارشاد علیکم بسنتی و سنتہ الخ خلفاء الراشدین راخرجہ الترمذی قال
حسن صحیح، اہ میں،

بتلائیے اس سے یہ مطلب کیونکر نکلا کہ تراویح بیس نہ پڑھنا چاہیے بلکہ گیارہ پڑھنا چاہیے
یا یہ کہ بیس رکعت سنت نہیں، بلکہ علامہ تو بیس کو سنت مان کر یہ تفصیل کرتے ہیں، کہ
ان میں سے گیارہ رکعت سنت نبویہ ہے، اور باقی سنت خلفاء ہے، جس کا حاصل یہ ہوا
کہ ان بیس سنتوں میں سے گیارہ بہت زیادہ مؤکد ہیں، اور باقی ان کے برابر مؤکد نہیں
اور سنن مؤکدہ میں باہم فرق مراتب ہو سکتا ہے، جیسا کہ سنت فجر تمام سنن مؤکدہ آکر
اگر کسی کے نزدیک علامہ ابن ہمام کی عبارت کا یہ مطلب نہیں تو ہمارے اور غیر مقلدین کی
فہم حجت نہیں، کیونکہ علماء حنفیہ کے اقوال کا مطلب وہ ہم سب زیادہ نہیں سمجھ سکے،
اور بعد تسلیم کے ہم کو یہ بھی کہنے کا حق ہے کہ امام ابن ہمام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے
زیادہ سنت نبویہ کو نہیں سمجھ سکتے تو جب امام ابوحنیفہ نے بیس رکعات کو سنت مؤکدہ فرمایا
ہے، ان کے مقابلہ میں ابن ہمام کا قول کوئی چیز نہیں، حنفیہ نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین
کی تقلید کا التزام کیا ہے، ابن ہمام کی تقلید کا التزام نہیں کیا، پس اگر غیر مقلد کو اقول علماء
بیان کرنے سے حنفیہ پر التزام قائم کرنا مقصود ہے تو وہ امام ابوحنیفہ یا صاحبین کا کوئی

قول پیش کریں، جن میں انھوں نے صرف گیارہ رکعت کو سنت فرمایا ہو اور بیس کو خلاف سنت کہا ہو، کیونکہ اصلی اکابر حنفیہ ہی حضرات ہیں، ان کے مقابلہ میں سب اکابر مشائخ اصاغر ہیں اور ہم عنقریب احادیث و آثار صحابہ ہی سے بیس رکعات تراویح کی مسنونیت کا ثبوت دینے والے ہیں، ناظرین منتظر رہیں،

اس کے بعد مشہر نے بحر الرائق و طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ تحقیق ثابت ہوتی ہے تعداد گیارہ رکعات مع وتر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے اصول پر از روئے دلیل آٹھ ہی رکعت ہیں، ۱۵

یہاں بھی مشہر نے دھوکا دیا ہے، کیونکہ بحر الرائق و طحاوی وغیرہ نے علامہ ابن ہمام ہی کا قول فتح القدر سے نقل کیا ہے، خود صاحب بحر و طحاوی نے اپنی ذاتی رائے بیان نہیں کی، پس اس کو صاحب بحر و طحاوی کا قول بتا کر نقل کرنا عجیب حرکت ہے، نیز مشہر نے بحر و طحاوی کی عبارت کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے اس کو لازم ہے کہ اصل عبارت پیش کرے، اور علامہ ابن ہمام کا مطلب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اسی جواب کا یہاں بھی اعادہ کر لیا جائے،

اس کے مشہر نے فتح المعین شرح کنز کی ایک عبارت نقل کی ہے، چونکہ فتح المعین میرے پاس نہیں ہے، اس کے متعلق میں تفصیل کے ساتھ مشہر کی دیانت کو ظاہر نہیں کر سکتا ہاں اجمالاً اتنا کہتا ہوں کہ یہ قول شایع کنز کا نہیں ہے، بلکہ غالباً اس نے محدثین کا قول نقل کیا ہے، اور مشہر کی عادت ہے کہ وہ ہر منقول کو ناقلاً کا قول بنا دیتا ہے، جیسا کہ شیخ عبدالحق کی عبارت میں وہ ایسا کر چکا ہے،

اس کے بعد مشہر نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ حق الصریح کے حوالہ سے علامہ قدوری حنفی کا قول نقل کیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعت مؤکدہ، اس کے بعد خود مولانا گنگوہی کا قول نقل کیا ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکد تر ہے، الخ،

سو ہم نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا رسالہ حق الصریح اب تک نہیں سنا، شاید اس نام کا کوئی رسالہ مشہر کے گھر بیٹھ کر مولانا نے تصنیف کیا ہو، ہاں الراجی الخبیج فی عدد رکعات التراویح مولانا کا رسالہ ہم نے ضرور دیکھا ہے، اس میں تو ان باتوں میں سے

ایک کا بھی پتہ نہیں جو مشہر نے نقل کی ہیں، نہ اس میں علامہ قدوری کا قول مذکور ہے، نہ خود مولانا گنگوہی کا یہ قول ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکد تر ہیں، بلکہ اس میں تو مشہر کے خلاف مولانا نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان وغیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے، الخ تراویح کے متعلق نہیں بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے، یعنی آپ تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہ پڑھتے تھے، کیونکہ تہجد میں بھی یہ حدیث کلی نہیں بلکہ اکثری ہے، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوہری روایات سے گیارہ پر زیادہ اور عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات سے اس سے زیادہ رکعات تہجد میں ثابت ہیں، ملاحظہ ہو (ص ۸ و ۹)

اس کے بعد مشہر نے سیدی مرشدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہا جہا مدنی کا یہ قول براہین قاطعہ سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو بالاتفاق ہے، انتہی،

واقعی مشہر کو عبارت کی قطع و برید اور مبتدا، گوئبر سے جدا کر دینا خوب آتا ہے، کیوں نہ ہو، دھوکا دہی کا فن اسی طرح سیکھا جاتا ہے، اب سنئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر انوار ساطعہ کے اس قول کو رد کر رہے ہیں کہ وہ تراویح کو جبراً ہی سے بدعت کہہ پا تھا، اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول نعم البدعۃ ہذہ سے استدلال کیا تھا اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں کہ فخر عالم خود فرما چکے ہیں، سنت لکھو قیامہ الحدیث من قام رمضان ایماناً واحتساباً، اور اس کا فعل ابتدائی کر دکھایا تو اب فعل اور مطلق قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے متعلق ہیں، سب ثابت ہو گئے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اور سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو بالاتفاق ہے، اگر خلاف ہے تو بیس میں ہے الخ یعنی پھر تمہارا اصل تراویح کو بدعت کہنا خلاف اجماع ہے، کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، نہ مقلدہ غیر مقلد، نہ سنی نہ وہابی، یہ تم نے تیسری شاخ کہاں نکالی، کہ تراویح اصل ہی سے بدعت ہے، یہ مطلب تھا مولانا کا جس پر نہ معلوم..... غیر مقلد کیوں اچھل رہا ہے، مولانا نے اس میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ بیس رکعت کے سنت ہونے میں حنفیہ کو بھی اختلاف ہے، بلکہ صرف مؤلف انوار ساطعہ کی حماقت ظاہر

کرنا مقصود ہے کہ اگر کسی فرقہ مبتدعہ کو تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے تو وہ گیارہ سے زیادہ میں ہے اور نہ اصل تراویح کو سب کے سب بالاتفاق سنت مانتے ہیں، اگر کوئی بدعت ہمیں کہتا،

یہ تو مشہور کے دلائل کا جواب تھا، جس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مشہور اور اس کی جماعت غیر مقلدین کے پاس کوئی دلیل صحیح اور صریح ایسی نہیں جس سے بیس رکعت تراویح کی نفی ہوتی ہو، بلکہ جو حدیث مرفوع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور جو اثر سائب بن یزید کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعت تراویح کے متعلق وہ پیش کرتے ہیں وہ دونوں مضطرب ہیں، اور دلالت معنویہ بھی ان کی صریح نہیں،

اس کے بعد میں جمہور علماء مجتہدین و فقہاء حنفیہ وغیرہ کے دلائل بیان کرتا ہوں جن سے بیس رکعت تراویح کا سنت ہونا معلوم ہوگا،

حدیث اول: اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدیثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا ابراہیم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرین رکعتہ والوتر واخرجه الكشي في مسنده والبغوي في معجمه والطبرانی في الكبير والبيهقي في سننه ۱۱ التعلیق الحسن (ص ۲۰۵۶)

(ترجمہ) عبد اللہ بن عباس (صحابی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، اس کو ابن ابی شیبہ و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں تمام راوی ثقید ہیں، مگر شاید کوئی غیر مقلد ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سند پر کچھ کلام کرے تو اس کو تہذیب الہتذیب میں حافظ ابن عدی کا یہ قول دیکھ لینا چاہئے، لہ احادیث صالحہ و هو خیر من ابراہیم بن ابی حنیہ اہ، اس کی یعنی ابراہیم بن عثمان کی احادیث عمدہ ہیں، اور وہ ابراہیم بن حنیہ سے بہتر ہے اب ذرا ابراہیم بن ابی حنیہ کو بھی لسان میزان میں دیکھ لو تو اس کے متعلق یحییٰ بن معین امام جرح و تعدیل کا یہ قول ہے، نقل عثمان الدارمی عن یحییٰ بن معین انه قال شیخ ثقہ کبیر، یعنی عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابراہیم بن ابی حنیہ کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ شیخ ثقہ ہے بزرگ ہے، اب بتلاؤ جو شخص ایسے ثقہ

شیخ کبیر سے بھی بہتر ہو وہ کیا کچھ ہوگا، پھر ابراہیم بن عثمان کی عدالت وغیرہ کی تعریف امام یزید بن ہارون، محدث حنفی نے کی ہے جو ابراہیم مذکور کے کاتب و منشی زمانہ قضائے میں رہ چکے ہیں، اس لئے ہم اس کو ضعیف ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ اس کی تعریف ایک حنفی محدث اور حافظ ابن عدی نے کی ہے، ہمارے لئے تو ایک محدث حنفی کی تعریف ہی راوی کے معتبر ہونے کو کافی تھی، خواہ سارے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہوں، چہ جائیکہ اس کے ساتھ ابن عدی جیسا امام جرح و تعدیل مسلم فریقین بھی اس کی احادیث کو عمدہ کہتا ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ ہم ابراہیم بن عثمان کی حدیث کو ضعیف مانیں، اور اگر غیر مقلد اس حدیث کو ضعیف ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ اول حدیث کے رد و قبول کے اصول کتاب و سنت سے بیان کرے، پھر اس حدیث کو ضعیف ثابت کرے، اور جو چاہے انعام ہم سے لیتے بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ کی تقلید نہ کرے، کیونکہ تقلید اسکے نزدیک جائز نہیں، اور اگر وہ بخاری و مسلم وغیرہ کی تقلید کرے ایک حدیث کو ضعیف کہے گا تو یاد رکھے کہ حدیث کے رد و قبول کے اصول و قواعد فقہاء حنفیہ نے بھی بیان کئے ہیں ہم ان کے مقابلہ میں یہ اصول پیش کر کے غیر مقلد سے سوال کریں گے کہ تم کتاب و سنت سے اس کا ثبوت دو کہ حدیث کے رد و قبول میں بخاری و مسلم کی تقلید واجب ہے اور ابو حنیفہ کی جائز نہیں،

یزید غیر مقلد کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی راوی میں کسی محدث کے طعن و جرح سے اگر وہ راوی ضعیف یا اس کی احادیث ضعیف ہو جائیں تو خود امام بخاری بھی ضعیف اور انکی احادیث بھی ضعیف ہو جائیں گی، کیونکہ امام بخاری پر بھی امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے جرح کی ہے، دیکھو مقدمہ فتح الباری، نیز بخاری کے بہت سے راویوں پر بعض محدثین نے جرح و طعن کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ فتح الباری کے مطالعہ سے واضح ہوگا، پس اگر بعض محدثین کا طعن بوجہ دوسرے محدثین کی توثیق و تعدیل کے امام بخاری میں اور انکی احادیث میں موثر نہیں ہو سکتا تو ابراہیم بن عثمان میں بھی کسی کا طعن حافظ ابن عدی کی تعدیل اور یزید بن ہارون کی تعریف کے بعد مؤثر نہ ہونا چاہئے، لہذا کسی کا منہ نہیں جو اس حدیث کو ضعیف کہہ سکے، اور اگر علماء حنفیہ میں سے بھی کسی نے بعض محدثین کی تقلید کر کے اس کو ضعیف کہہ دیا ہو تو ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کیونکہ اس وقت اصولی گفتگو ہو رہی ہے، تقلیدی گفتگو نہیں ہے،

دوسری حدیث قالت عائشة رضی اللہ عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہ رواہ مسلم فی صحیحہ ،
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں (عبادت کے لئے)
 زیادہ مشقت کرتے تھے کہ غیر رمضان میں اس قدر مشقت نہ کرتے تھے، اس کو مسلم نے اپنی
 صحیح میں روایت کیا ہے،
 وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرَ (الْآخِرَ) فَتَمَّ
 شِدَّ مَثْرُورًا وَاحْيَى لَيْلَهُ وَاقْتَضَى أَهْلَهُ، (أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ)
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے اور رات بھر جاگتے اور گھروالوں کو جگاتے تھے، اس کو بخاری نے
 روایت کیا ہے،

وَعَنْهَا هُرَ فَوْعًا كَانَ إِذَا دَخَلَ شَهْرَ رَمَضَانَ شَدَّ مَثْرُورًا ثُمَّ لَمْ يَأْتْ فَرَاشَةَ
 حَتَّى يَنْسَلِخَ وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ قَالَهُ الْعَزِيزِيُّ فِي
 شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِلْسَيُوطِيِّ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جب
 رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور بستر پر نہ لیٹتے تھے یہاں تک کہ رمضان
 ختم ہو جاتا، اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے (عزیزی)،
 وَعَنْهَا مَرْفُوعًا قَالَتْ كَانَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغْيِرُ لَوْنَهُ وَكَثُرَتْ صَلَواتُهُ وَ
 ابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَاشْفَقَ لَوْنَهُ أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشُّعْبِ (عَزِيزِيُّ)، حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رمضان داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ
 بدل جاتا اور آپ کی نماز (پہلے سے) زیادہ ہو جاتی اور دعائے میں زیادہ عاجزی کرنے لگتے، اور پکا
 رنگ سُرخ ہو جاتا، اس کو بھی بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے،

یہ چار احادیث صاف طور سے اس بات کو بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 رمضان کی راتوں میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کرتے اور زیادہ نماز پڑھتے تھے، گواہیں
 بیسٹ رکعات تراویح کا صاف ذکر نہیں، مگر یقیناً ان سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بواسطہ ابوسلمہ کے شیخین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اہم اس کا وہ

مطلب نہیں جو غیر مقلدوں نے سمجھا ہے کہ حضور رمضان کی راتوں میں بھی تہجد وغیرہ ملا کر
 صرف گیارہ ہی رکعت پڑھتے تھے، کیونکہ یہ مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات کے
 بالکل خلاف ہے، بلکہ تمام روایات کو ملا کر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہجد میں آپ کا
 معمول غالب گیارہ رکعت ہی کا تھا، رمضان میں بھی تہجد کی مفترا اکثر یہی تھی، باقی یہ کہ تہجد
 کے علاوہ بھی آپ رمضان کی راتوں میں کچھ نماز نہ پڑھتے تھے، اس سے یہ گیارہ والی روایت
 ساکت ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات بتلاتی ہیں کہ آپ تہجد کے علاوہ رمضان
 میں اور نماز بھی پڑھتے تھے جس کو ابن عباس کی روایت نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ
 کہ آپ رمضان میں بیسٹ رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، پس یہ چار احادیث بالاجمال
 حدیث ابن عباس کی مؤید ہیں،

اور اگر غیر مقلد ہماری اس تقریر کو تسلیم نہ کرے تو ہم کہیں گے کہ اچھا تم کسی دوسری
 تقریر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا اختلاف رفع کر دو، مگر اختلاف رفع کرنے سے پہلے
 تم کو گیارہ رکعت والی حدیث سے استدلال کا کیا حق تھا؟

عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ الصَّهْبَانِيِّ قَالَ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
 بِعَشْرِينَ وَعَلَى عَهْدِ عُمَانَ وَعَلَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا مَثَلَهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِاسْنَادٍ
 صَحِيحٍ (عَيْنِي شَرْحُ ۳ بَخَارِي، ص ۵۹۸، ۳۳) سائب بن یزید صحابی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے
 ہیں کہ صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں
 بیسٹ رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے،

قال الحافظ ابن عبد البر وروى الحارث بن عبد الرحمن بن ابى ذباب
 عن السائب بن يزيد قال كان القيا على عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة
 قال ابن عبد البر والثلاث للوتر ۵ (عيني شرح ۳ بخاري، ص ۵۶، ۲۵)
 حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حارث ابن عبد الرحمن نے سائب بن یزید سے روایت
 کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام رمضان (تراویح) بیسٹ رکعت تھا، حافظ
 ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تین رکعت وتر کی ہیں،

وكيف عن حسن بن صالح عن عمرو بن قيس عن ابى الحسنات عن علي رضي الله
 عنه انه امر رجلا يصلي بمم رمضان عشرين ركعة اخبره في مسند (عيني شرح ۲۵)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت (تراویح) پڑھا دیا کریں، اس کو وکیع نے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ اسکی سند حسن ہے، اخبارنا یحییٰ بن یحییٰ اخبارنا حقیص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وہب قال کان عبد اللہ بن مسعود یصلیٰ لنا فی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلیٰ عشرین رکعة ویوتر بثلاث، رواہ محمد بن نصر المرزوقی (یعنی صفحہ مذکور) زید بن وہب کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رمضان کے مہینہ میں ہم کو نماز پڑھاتے اور ایسے وقت فارغ ہوتے کہ کچھ رات باقی رہتی، اعمش راوی کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود بیس رکعت اور وتر کی تین رکعت پڑھایا کرتے تھے اس کو محمد بن نصر مرزوقی نے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ سند صحیح ہے، اور تین منزل آثار ہم اور بیان کر چکے ہیں جن میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھے جانے کا ثبوت ہے،

اب ان سب احادیث کو ملاؤ تو معلوم ہوگا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھنا ثابت ہے، اور حضورؐ کے بعد حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں عام طور پر صحابہ بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے، اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے، اور عبد اللہ بن مسعودؓ بھی بیس رکعت اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں، اور جو روایت موطا کی گیارہ رکعت کی مشہور ہے بیان کی تھی ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ مضطرب ہے، اس سے استدلال ہرگز صحیح نہیں،

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے، اور کوفہ والے اور امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں، اور ابی بن کعب سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے، اور اس کا خلاف صحابہ سے ثابت نہیں، دیکھو (یعنی، ص ۲۵ ج ۵)

اور حافظ ابن قدامہ مغنی میں فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کے نزدیک (جو محدثین کے امام ہیں) تراویح میں بیس رکعت ہی مختار ہیں، اور سفیان ثوریؒ و ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ہمارے دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب سب آدمیوں کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا ہے، تو وہ ان کو بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے،

اور سائب بن یزید نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے، جو متعدد طرق سے ان سے مروی ہے، اور امام مالکؒ نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہ رمضان میں تیس رکعت سے قیام کرتے (یعنی تراویح پڑھتے تھے، اور حضرت علیؓ نے بھی ایک شخص کو رمضان میں بیس رکعت پڑھانے کا حکم کیا، اور یہ اجماع کے مثل ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضرت عمرؓ نے کیا جس پر ان کے زمانہ میں حضرات صحابہ نے اجماع کر لیا ہے وہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، ام (ص ۸۰۳ ج ۱)

اب غیر مقلد بتلائیں کہ وہ اس اجماع کی مخالفت کر کے کہاں رہیں گے، اخیر میں ہم اتنا اور بتلائے دیتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے یہ تمام آثار اور ان کا بیس رکعات تراویح پر اجماع و اتفاق کرنا یہ سب حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کی تائید کر رہا ہے جو ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً ان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے،

اب اس حدیث کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں، کیونکہ حدیث کی صحت کی یہ بھی دلیل ہے کہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہو، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں منقحی کی پہلی ہی حدیث کی شرح میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے (ص ۱۵ ج ۱) اور اس سے بڑھ کر تلقی کیا ہوگی کہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں صحابہ نے بیس رکعت تراویح پر اجماع و اتفاق کیا، اور ان کے بعد سے اب تک تمام امت کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے، اگر کسی نے بیس پر زیادتی کی ہو تو وہی ہو جس سے کسی نے نہیں کی، سوائے غیر مقلدوں کے اور ہم ان کے تمام دلائل کا ضعیف ہونا اور ظاہر کر چکے ہیں حدیث مرفوع صحیح بالتلقی و حسن باسناد اور آثار کثیرہ و اجماع صحابہ کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو جس کے دل میں خدا کا خوف ہو یہ حق نہیں کہ وہ بیس رکعات تراویح کا انکار کرے، یا اس کو خلاف سنت کہے، اور گیارہ رکعت کا رواج دے، خدا ایسی سستی اور کاہلی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے، آمین، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علیؓ اکہما و صحابہ اجمعین، ۱۹ رمضان ۱۳۳۴ھ

سوال (۲۱) کیا کسی سورۃ کے اول میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم باواز بلند تراویح میں پڑھنا مستون کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا باواز بلند علاوہ سورۃ نمل مستون ہی یا واجب؟ یا واجب ہی؟ یعنی علاوہ سورۃ نمل کے روانہ بسم اللہ

الحقیقہ کا قول نقل فرمایا ہے، الاصح انه لا یصح وهو مکروہ، اور نصاب الفقہ سے نقل کیا ہے لا یجوز له ان یفعل لان التراويح سنۃ والسنن لا یتکسر فی الوقت الواحد فاذا فعل ذلك لا یكون سنۃ والفتویٰ علی ذلك ام، اور یہ الفاظ وہ ہیں جو لفظ فتویٰ اور اصح سے مؤید ہیں، ان کے خلاف جو قول ہو گا وہ ضعیف ہے، جیسا کہ لفظ قیل، وقال بعضهم وینبغی ان یقول کے عنوانات اس کے ضعف پر دال ہیں اور ضعیف روایت پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، مگر سخت ضرورت کے وقت مثلاً صورت مسئلہ میں کوئی حاکم مسلم اس حافظ کو یہ حکم کرتا کہ دو تین مسجدوں میں علی اکمال تراویح پڑھاؤ، اور مقتدیوں کو سننے کا امر کرتا، اور تخلف میں خطرہ ہوتا تو ہم اس وقت ضعیف روایت کو اخذ کر کے فتویٰ جواز کا دیدیتے، کیونکہ جب تک شریعت میں کچھ بھی وسعت ہو تو مسلمانوں کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں، ہاں وسعت نہ ہو تو گنجائش نہ دی جائے گی، بلکہ اس وقت حاکم کو دبا یا جائے گا، ونحو ذلك من الضرورات التي یعرفها العلماء، اور ایسی ہی ضرورت کے وقت اس مخلص سے کام لیا جائے گا، جو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اکتوا المخلص فی ہذا ان ینذر الامام میں بیان کیا ہے، اور گو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اکتوا ضرورت سے مقید نہیں کیا، مگر ہم نے ان کے کلام کو صحیح کرنے کے لئے یہ محمل بیان کر دیا، ورنہ بظاہر ان کا قول صحیح نہیں، کیونکہ وہ خود اوپر عالمگیریہ سے نقل کر چکے ہیں، کہ تراویح مفترض کے پیچھے صحیح نہیں، بوجہ مخالفت سلف کے (حالانکہ نافلہ مطلقہ خلف المفترض صحیح ہے) پھر وہ نادر کے پیچھے کس دلیل سے تراویح کو جائز کرتے ہیں، کیا اس میں سلف کی مخالفت نہیں ہے، کیا سلف نے کبھی نذر کر کے ایسا کیا ہے، اور اگر ناذ کے پیچھے تراویح بلا کراہت جائز ہے تو مفترض کے پیچھے بھی جائز ہونا چاہئے، غرض مخلص مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی رائے سے بیان فرمایا ہے، جو عالمگیریہ کے جزئیہ کے مصادم ہے، لہذا اگر اس کو کوئی رد کرے تو اس کو حق ہے مگر ہم نے ادباً یہ لکھ دیا تھا کہ وہ ضرورت کے وقت پر معمول ہے، اور صورت مسئلہ میں کوئی ضرورت نہیں، اس لئے حافظ صاحب موصوف کو اپنے طریقہ عمل کو اس طرح بدل دینا چاہئے، کہ ایک مسجد میں آٹھ رکعتوں میں یا دس میں سیپارہ سنادیں، بقیہ کو وہ لوگ الم ترکیف سے پورا کر لیں، اور دوسری مسجد میں ان کے جلنے تک دس یا آٹھ رکعتیں الم ترکیف سے

پڑھی جائیں، بقیہ کو مع وتر کے سیپارہ کے ساتھ حافظ صاحب پڑھاویں، بلکہ اس طرح حافظ صاحب چاہیں تو پانچ مسجدوں میں ایک ساتھ ختم سنا سکتے ہیں، کہ ایک ایک مسجد میں چار چار رکعتوں میں سیپارہ سنایا کریں، اور بقیہ رکعتیں دوسرا شخص چھوٹی چھوٹی سورتوں سے پڑھاوے، اور اگر مولانا عبدالحی صاحبؒ کے مخلص کو ضرورت کے ساتھ مقید نہ کیا گیا بلکہ مطلق رکھا گیا تو اس سے وہ حفاظ بہت زیادہ کام لیں گے جو مبعوضہ ختم سناتے پھرتے ہیں کہ وہ چالیس رکعتوں میں دنل جگہ دنل قرآن شروع کر کے معقول رقم جمع کر لیا کریں گے، اس کو مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی کبھی جائز نہیں کہہ سکتے تھے معلوم ہوا کہ یہ مخلص عام نہیں،

اور اس کے بعد جو حافظ صاحب نے دوسرا ثبوت قاضی خاں سے دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی خاں ہی میں اس سے پہلے ابو بکر اسکان کا قول لایجوز مذکور ہے، اس کے بعد ابو بکر کے واسطے سے ابو نصر کا قول نقل کیا گیا ہے، بجوز لابل المسجدین جمیعا اور قاعدة اصولیہ یہ ہے کہ جس روایت کی مخالفت خود راوی کرے وہ روایت قابل احتجاج نہیں رہتی، پس ابو نصر کا قول قابل اخذ نہ رہا، کیونکہ اس کے راوی ابو بکر نے خود اس کی مخالفت کی ہے، (وہذا فیما اذا کان ثبوت قول المروری عنہ موقفاً علی رایتہ الواوی بخلا ما اذا اشتہر عنہ ولم یکن موقفاً علی رایتہ الراوی کذہا بخیفۃ فانه معرفتاً بوقفاً الموافقہ) المخالفت فی اکثر المسائل فلا یقدح فیہ مخالفة الروایۃ عنہ فی بعض المسائل (۱۲) اور اگر ابو نصر سے اس قول کی روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو خود اس روایت کو بوجہ ضعف دلیل کے ضعیف کہا جائے گا، کیونکہ اس کے خلاف جو اقوال ہیں وہ لفظ فتویٰ وغیرہ سے مؤکد و مؤید ہیں، جو ان کی قوت دلیل پر دال ہے،

اور حدیث معاذ کو جو ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، یہ نہایت ہی عجیب ہے، کیونکہ حدیث معاذ تکرار و تراویح کے متعلق نہیں، بلکہ اگر اس کا مطلب وہی مان لیا جائے، جو حافظ موصوف سمجھے ہیں تو اس سے تکرار فرض لازم آئے گا، کہ ایک شخص فرض نماز پڑھ کر وہ ہی فرض دوسری جگہ جا کر مقتدیوں کو پڑھاوے، اور اس کو حنفیہ میں سے کسی نے بھی جائز نہیں کیا، نہ متقدمین میں سے نہ متاخرین میں سے، نہ مولانا عبدالحی صاحب نے، پس اس حنفیہ کے نزدیک وہ مطلب نہیں جو ظاہر مفہوم ہوتا ہے، بلکہ اس کا

مطلب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نفل کی نیت کرتے اور اپنی مسجد میں فرض کی نیت کرتے تھے اور دوسری روایت جو بھی لہ ناخذہ آیا ہے اس میں تصریح نہیں کہ یہ قول کس کا ہے، حضرت جابرؓ کا ہے یا ان کے نیچے کے راوی کا، اگر نیچے کا راوی کا ہے تو حجت نہیں، اور حضرت جابرؓ کا ہے تو اس حالت میں حجت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذؓ سے مستکر ایسا فرمایا ہو محض ظن اور تخمین سے نہ فرمایا ہو، اور اس میں اس قدر احتمالات ہیں تو احتمالات کے ساتھ استدلال ساقط ہے، اور بعد تسلیم کے یہ اُس وقت پر محمول ہے جبکہ تکرار فرض و وتر جائز تھا، بعد میں جب حضورؐ نے لا تصلوا بعد صلوة مثلھا ولا وتوا فی لیلة فرما کر اس سے منع فرمایا تو اب یہ صورت ممنوع ہو گئی،

یہ تو دلائل خصم کا جواب ہے، اور حنفیہ کی اصل دلیل جس کی بناء پر وہ بنا رہے قوی علی الضعیف کو جائز نہیں کہتے حدیث الامام ضامن ہے، جو صحیح حدیث ہے، جس کے معلوم ہوا کہ امام مقتدی سے کم نہ ہونا چاہئے، کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کا ضامن نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم، ظہر احمد عفا عنہ ۴ رمضان ۱۳۸۶ھ، الجواب صحیح، اشرف علی

تتمہ سوال و جواب مندرجہ بالا؛ (۱) آپ نے فتویٰ نمبر ۶ میں جس کے سائل احمد مکرم صاحب ہیں اور جس کی نقل ارسال خدمت ہو فرمایا ہے کہ اگر جواز سے مراد صحت صلوة ہے تو مسلم اور اگر صحت بلا کراہت ہے تو مسلم نہیں، لہذا لعل التی قد ذکرناہا اولاً، اور اسی فتویٰ کے سوال نمبر ۴ میں لکھتے ہیں کہ صحت صلوة میں کلام نہیں، بلکہ اس میں کلام ہے کہ صحت مع الکراہت ہے بلا کراہت، تو اس سے صحت صلوة تراویح متنازعہ فیہ مراد ہے یا نفل، اگر تراویح مراد ہے تو کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی اور اس مکروہ صورت پر عمل کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں..... ہر جزو کا جواب صاف اور صریح قابل عمل دیا جاوے،

(۲) اور اسی فتویٰ کے سوال نمبر ۶ کے جواب میں آپ نے قاسم بن قطلوبغا کی عبارت کا جو مطلب بیان کیا ہے اسے مدلل ارشاد فرماتے، مجوزین فریق کا خیال ہے کہ یہ جواب بغیر دلیل قابل وقعت نہیں، اس لئے اسے جواز ہی پر محمول کیا جاتا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ آپ با دلیل اور بالتشریح صحیح مطلب بیان فرمائیں، اور جائز مع الکراہت کی صورت میں افضلیت ختم قرآن فی التراویح متنازعہ پر ہے

یا صلوة تراویح کو، اسے بھی ضرور ارقام فرماتے، اور اس میں قابل عمل طریقہ کو نسا ہے، یا بالکل اس پر عمل کی اجازت ہی نہیں، ہو سکتی،

(۳) اور آپ نے فتویٰ نمبر ۶ پر سائل محمد ایوب اسروی کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک دوسری مسجد میں مقتدیوں کی تراویح درست نہیں ہوتی، اور دوسرا فتویٰ نمبر ۵ (جس کا سائل بھی محمد ایوب اسروی ہی ہے) اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اور مولانا عبدالحی صاحب نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے وہ صحیح ہے" فتویٰ نمبر ۶ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تراویح درست ہی نہیں، اور فتویٰ نمبر ۵ سے ظاہر ہے کہ جائز مع الکراہت ہے، لہذا اس تعارض کو رفع فرما کر صحیح اور قابل عمل جواب ارقام فرمائیے؛

الجواب؛ (۱) صحت سے مراد صحت صلوة بطور نفل محض ہے، اور تراویح اس صورت سے ادا نہ ہوگی،

(۲) دلیل اس کی یہ ہے کہ قاضی خاں کا اس صورت (تکرار تراویح) کے متعلق قول یہ ہے، "الاصح انہ لا یجوز" اور صدر شہید کا قول ہے "امام یصلی التراویح فی مسجدین علی الکمال لا یجوز" اور نصاب الفقہ میں ہے "لا یجوز لہ ان یفعل لان التراویح سنتہ و سنن لایتکرر فی الوقت الواحد فاذا فعل ذلک لایکون سنتہ و الفتویٰ علی ذلک ام" اور عالمگیری میں ہے "یوصلی التراویح مقتدیاً بمن یصلی مکتوبہ او تراوفاً لافلہ الاصح انہ لا یصلح الاقتداء بہ لانه مکروہ و مخالف لعل السلف ذکر العبارات کلہا مولانا عبدالحی فی فتاویٰ صفحہ ۱۱۱ ج ۱۱۱ مع الخلاصہ،

ان عبارات میں تکرار تراویح بمسجدین کا عدم جواز عدم صحت مصرح ہے، اور علامہ قاسم بن قطلوبغا نے بھی اختلاف نقل کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے "والاصح انہ لا یصلح مکروہ" پس اس میں لایصح کے معنی وہی ہیں جو عالمگیری اور نصاب الفقہ اور قاضی خاں وغیرہ کی عبارات میں لایجوز کے معنی ہیں، یعنی کہ تراویح مسنونہ کے طور پر یہ نماز درست اور صحیح نہ ہوگی، ہاں نفلاً صحیح ہے، اور نفل جماعت سے مکروہ ہے، اس لئے یہ نماز نفلاً مکروہ بھی ہے، قال فی جامع المضممرات قوم صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها بعد ذلک یصلون فرادی لانه تطوع و صلوة التطوع بجماعة لیست مستحبہ

فتاویٰ عبدالحی قلیت وهو لعم الامام والمفتیٰ جملہ فان الجماعة فی التطوع
بکروہ مطلقاً للامام والمفتیٰ فافہم،

(۳) میں نے مولانا عبدالحی صاحب کے قول کو غیر مقلدوں کے قول کے مقابلہ میں صحیح
کہا ہے، اور اس کے اول و آخر میں تصریح کر دی ہے کہ مولانا کا قول بھی سلف کے خلاف
ہے، سلف نے اس صورت کو غیر جائز اور غیر صحیح سمجھے تھے مگر وہ فرمایا ہے جس کے معنی
وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، کہ تراویح تو درست و صحیح نہیں، ہاں نفل بکراہت صحیح ہے،
میرے سب اقوال کو جمع کرنے پر غور کرنے کے بعد یہ مراد واضح ہے محض نہیں، اور اس
باب میں نصاب الفقہ کا یہ قول **لَنْ يَتَرَدَّ سُنَّةٌ وَالسُّنَنُ لَا يَتَكْرَرُ فِي الْوَقْتِ الْوَاحِدِ** فاذا
فعل ذلك لا يكون سنة "سب سے اقویٰ ہے، تمام فقہاء اس پر متفق ہیں، کہ اگر کوئی شخص
سنت فجر کو دوبارہ پڑھے یا سنت ظہر و مغرب و عشاء کو مکرر پڑھے تو سنت صرف
اول ہے ثانی سنت نہیں، بلکہ نفل محض ہے، اور سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے
تو جب امام تراویح کا تکرار کر رہا ہے اور ثانی سنت مؤکدہ نہیں تو اس کے پیچھے قوم کی
تراویح ادا نہ ہوگی، ہمارے نزدیک یہی راجح اور صحیح ہے، گو مسئلہ مختلف فیہ ہے، مگر
فتویٰ اسی پر ہے اور اسی پر ہے، اور جن فقہاء نے اسی صورت میں تراویح کو صحیح الکرہ
جائز کہا ہے، ان کی مراد کراہت تحریمیہ ہے، کیونکہ اطلاق کراہتہ بلا قید اسی کو مقتضی ہے
واللہ اعلم، ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ

تراویح میں ختم قرآن کا ثبوت | سوال (۲۶) ختم قرآن تراویح رمضان میں یا غیر اس کے
نبی آخر الزمان یا زمان شیخان علیہم الصلوٰۃ والرضوان میں ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہر
تو ترتیب عثمانی پر یا کسی اور طرح پر؟

الجواب، تراویح میں ختم قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتہ ثابت
نہیں، اور نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے صراحتہ ثابت ہے، ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے،
کہ انھوں نے حضرت ابی بن کعب کو بلایا کہ سب لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے، میں چاہتا
ہوں کہ تم سب کو رمضان کی راتوں میں نماز پڑھا دیا کرو، اور ظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی شخص
بھی قدر قلیل قرآن سے عاری نہ تھا، پس اس کے معنی سوا اس کے کچھ نہیں کہ حضرت عمر
کی مراد یہ تھی کہ لوگ پورا قرآن نہیں پڑھ سکتے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

زمانہ میں تراویح اتنی دیر میں ختم ہوتی تھی کہ بعض لوگ لائچی پر سہارا لیتے اور سحری کے وقت
ہو جانے کا اندیشہ کرتے تھے، اور بجاوت غالبہ اتنی دیر جب ہی ہو سکتی ہے کہ امام قرآن ختم
کرنا چاہتا ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام رمضان کی راتوں میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتا
تھا، (یعنی نماز سے پہلے یا نماز کے بعد قرآن دیکھ لیا کرتا تاکہ نماز میں بھول نہ ہو) اور یہ
بھی جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ختم قرآن کا اہتمام ہو، ورنہ وہی سورتیں پڑھتا جو خوب
یاد تھیں، یہ تمام دلائل اس امر کے ہیں کہ صحابہ کو تراویح رمضان میں ختم قرآن کا اہتمام تھا
صحابہ کے اس اہتمام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں
قرآن ختم کرتے ہوں گے، گو صراحتہ تحدیثوں میں اس کا ذکر نہیں، بہر حال مسئلہ ظنیہ میں دلائل
ظنیہ بھی کافی ہے، گو معارضہ پر محبت نہ ہو، خصوصاً جبکہ اس کے پاس بھی دلائل ہوں، پھر
امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ختم کو سنت فرمایا ہے، اور وہ تابعی ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا
ہے کہ انھوں نے سلف کو اس کا اہتمام کرتے دیکھا اور سنا ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،
والبسط فی رسالتنا اعلا السنن، ۵ شوال ۱۳۸۴ھ

تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت | سوال (۲۷) تراویح میں حضور کا ایک دو دفعہ مسجد میں
آنا معلوم ہے، اور آٹھ تراویح پڑھانا، آیا باقی تمام رمضان گھر میں گزارا تھا؟ اور بیس
کا ثبوت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے یا نہیں؟

الجواب، ہاں حضور نے جماعت کے ساتھ صلوٰۃ تراویح بجز محدودے چند
راتوں کے نہیں پڑھیں، اور اس کی وجہ بھی بتلا دی کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہی
مجھے اس کا التزام کرنے میں اندیشہ ہے کہ یہ فرض نہ ہو جائے، پس ہر شخص اپنے گھر میں پڑھ لیا
کرے، اس سے ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر میں ضرور پڑھتے ہوں گے، اور
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صاف طور سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں
بیس رکعت پڑھتے تھے، رواہ ابن ابی شیبہ و سندہ حسن کما ذکرہ فی الاعلاء واللہ تعالیٰ اعلم
۵ شوال ۱۳۸۴ھ

نماز تراویح میں ایک غلطی کا حکم | سوال (۲۸) اگر کوئی شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت
باندھے اور بھول کر تین رکعت پڑھ گیا تو اس کو نماز ڈھرائی چاہئے؟ ایسی حالت میں کہ سجدہ
ہو بھی نہ کیا ہو اور تین رکعت پڑھ کر سلام بھیج دیا، اور اول ارادہ کیا تھا کہ دو پڑھوں گا،

(۲) اگر تین پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ پڑھنی تھی دو اور تین پڑھ چکا اور پھر وہ چار پوری کرے تو اس کی چار رکعتیں ہوتیں یا نہیں مفصل طریق سے آگاہی بخشیں۔۔۔۔۔

الجواب؛ (۱) جو شخص تراویح میں بھول کر تین رکعت پڑھ جاوے، اور سجدہ ہو نہ کرے اس کو دوبارہ دو رکعت تراویح کا اعادہ کر لینا چاہئے؟

(۲) اگر دوسری رکعت پر قعدہ کیا تھا تب تو یہ چاروں رکعت تراویح شمار ہوں گی، اور اگر دو رکعت پر قعدہ نہیں تو یہ چاروں رکعت فقط دو رکعت کے قائم مقام ہوں گی، کما فی العالمگیریہ (ص ۵، ج ۱) فان اضاف الیہا رکعة اخرى کانت هذه الاربعة عن تسلیمة واحدة وان قعد فی الثانية قدر التشهد اختلفوا فیہ فعلى قول العامة يجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح هکذا فی فتاویٰ قاضی خان، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

بشرط ختم قرآن ماہ رمضان میں نماز پنجگانہ | سوال (۱۲۹) ایک صاحب نے ایک مستند عالم سے پڑھانے کے لئے امام کے مفسر کا حکم، بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ تراویح ماہ رمضان میں قرآن باجرت پڑھوانا اور سماعت کرنا ایسے قرآن کے متعلق علماء کا کیا حکم ہے، عالم موصوف نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اجرت پر تراویح میں قرآن پڑھوانا اور سماعت کرنا ناجائز ہے، مگر امام مسجد اجرت پر مفسر کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اب ان صاحب نے جنھوں نے یہ فتویٰ حاصل کیا تھا بمشورہ دو تین اصحاب کے جن میں سے کوئی شخص عالم نہیں ہے، اپنی رائے سے حسب فتویٰ آخر الذکر یعنی تقرامام کے ایک حافظ کو پچیس روپے اجرت پر صرف ماہ مبارک کے واسطے یعنی رویت ہلال ماہ رمضان سے رویت ہلال ماہ شوال تک بہ حیثیت امام مقرر کیا کہ وہ پانچوں وقت کی نماز بہ حیثیت امام مسجد پڑھایا کریں، لیکن نماز تراویح میں ایک یا سوا پارہ پڑھا کر یا حافظ نے اس شرط کو منظور کر لیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جب تراویح میں قرآن شریف پڑھانا مشروط ہے تو جواز کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے، اگر یہ شرط نہ ہوتی بلکہ فقط امام مسجد مفسر کرتے اور قرآن شریف اپنی خوشی سے بلا کسی معاوضہ کے پڑھا تو جائز ہو سکتا تھا، احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ؛ یہ جواب اس وقت ہو کہ یہ شرط صلب عقدا جارہ میں ہو، اور اگر خراج عقد محض وعدہ ہے تو مضائقہ نہیں، فقط الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۵ رمضان ۱۳۳۳ھ تراویح میں تکرار قل ہو اللہ الخ | سوال (۳۰) تراویح میں ایک رکعت میں تین مرتبہ سورہ قل ہو اللہ احد مع بسم اللہ ختم قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ تکرار قل ہو اللہ ختم کے وقت فی نفسہ تو مباح ہے، مگر جہاں اس کو لازم سمجھتے ہوں کہ اس کے بغیر ختم کو ناقص سمجھتے ہوں وہاں نہ کرنا چاہئے، ۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ

فصل فی ادراک الفریضۃ

ادراک فریضہ کے متعلق بہشتی گوہر | سوال (۱) بہشتی گوہر میں جماعت میں شامل ہونے کے ایک مسئلہ پر شبہ کا جواب کے مسائل ہیں، اس میں مغرب کے وقت دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو دو رکعت پہ سلام پھیر دے، مگر عالمگیریہ و در مختار میں لکھلے کہ نماز کو پوری کر لے؟

الجواب؛ صحیح یہی ہے کہ اگر مغرب کی دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو سلام نہ پھیرے، بلکہ نماز تنہا ہی پوری کرے، اور جماعت میں شامل نہ ہو کما فی الشامی ص ۴۵، بخ وان فی غیر رباعی قطع واقندی مالم یسجد للثانیۃ فان سجد اتم ولم یقتد بہ و هکذا فی العالمگیریۃ، اور بہشتی گوہر میں جو اس کے خلاف ہے وہ دراصل اس کے ماخذ یعنی علم الفقہ کی غلطی ہے، اور سوال میں جو عبارت بہشتی گوہر کی طرف منسوب کی ہے وہ عبارت اس کی نہیں ہے، نقل میں احتیاط لازم ہے، فقط احقر عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۹ شوال ۱۳۳۳ھ

فصل فی قضاء الفوائت

ایک دن رات اگر بیہوش رہے | سوال (۱) زید اگر اچھا خاصا کسی وجہ سے ایک دن رات تو نمازوں کی قضا واجب نہیں سے زیادہ بیہوش ہو جاوے تو نماز قضا پڑھنا واجب ہے یا نہیں، اور اس بیہوشی کی حالت میں کوئی کام خلاف شریعت ہو جاوے تو زید کو ایسی حالت میں گناہ ہوا یا نہیں؟

الجواب؛ اگر ایک دن رات سے زیادہ بیہوش رہے تو ان نمازوں کی قضا واجب ہوگی اور بیہوشی کی حالت میں اگر کوئی کام خلاف شرع ہو جاوے گناہ بھی نہ ہوگا، واللہ اعلم، ۲۱۔ جب حکم قضا نماز صد سالہ بطریقہ خاص | سوال (۲) ایک رسالہ میں لکھا ہے جس کی تئیس سال کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو پانچ رکعت پڑھے، بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ اخلاص سات بار پڑھے تو نماز اس کی تئیس سال کی ادا ہو جائے گی، یہ صحیح ہے یا کہ نہیں؟

الجواب؛ بالکل غلط ہے، ۲۲۔ سوال ۲۳

بغیر وصیت کے کوئی وارث اپنے مال سے قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرے تو وصیت کے ذمہ سے نماز یا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟ سوال (۳) میت کے بغیر وصیت اگر کوئی وارث اپنے مال سے اس کے روزے اور نمازوں کا فدیہ ادا کرے تو کیا میت کے ذمہ سے وہ ساقط ہو جائے گا؟

الجواب؛ ہاں اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ معاف فرمادیں گے، ۲۳۔ ج ۲۳۔ استفتاء متعلق فدیہ نماز | سوال (۴) زید کا لڑکا عمر و انتقال کر گیا، جس کے ذمہ کچھ نمازیں قضا تھیں، اب زید پچیس روپے ان نمازوں کے فدیہ میں دینا چاہتا ہے فدیہ ادا ہو جائے گا یا نہیں، اور اس فدیہ کے دینے کا کیا طریقہ ہوگا، یعنی ایک محتاج کو اگر کُل پچیس روپے دیدے تو وہ سب کو سبقت حاجت ہے، تو فدیہ ادا ہو جاوے گا یا نہیں، یا ضروری ہے کہ ایک صاع گہوں کی قیمت روزانہ ایک فقیر کو یا پچیس روپے میں جتنے صاع بن سکیں، اتنے فقروں کو ایک ہی روز میں دیا جاوے، غرض کہ ادائیگی کی کیا صورتیں ہوں گی، اور کونسی بہترین صورت ہوگی، بینہ التوحیر وا؟

الجواب؛ اگر پچیس روپے کی رقم کفارہ کی صلوات کے لئے کافی ہے تو اس رقم کو فقراء میں تقسیم کر دیا جاوے، جس میں روایات مختلف ہیں، ایک یہ کہ ایک مسکین کو سب دیدینا بھی جائز اور ایک یہ کہ ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دینا جائز نہیں، اسی لایحزبہ الا عن صوم او صلوة وحدہما، اسی طرح ایک مسکین کو نصف صاع سے کم دے تو جائز ہے یا نہیں اس میں بھی اختلاف ہے، پس احوط تفریق ہے اور تفریق میں بھی احوط یہ ہے کہ ایک مسکین کو نصف صاع سے کم نہ دے نہ زائد دے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسکین کو روزانہ ایک صلوة یا ایک صوم کا فدیہ دیتا رہے، اس طرح وہ مسکین واحد حکم متعدد ہو جاوے گا، قال ابن عابدین فی رسالہ قولہ وبلا تعدد فقیرای بخلاف نحو کفارة الیمن

للمنص فیہا علی التحدی فلوا عطی ہنا مسکینا صاعاً عن یومین جاز لکن فی البحر عن القذیة ان عن ابی یوسف فیہ روایتین وعند ابی حنیفۃ لا یجزیہ کما فی کفارة الیمن وعن ابی یوسف لواء عطی نصف صاع من یوم واحد مسکین یجوز قال الحسن ویہ ناخذ اھ ومثلہ فی الفہستائی (ص ۲۱۰)

اور اگر پچیس روپے کفارہ کو کافی نہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مسکین سے کہا جائے کہ اس رقم میں سے کچھ تم کو بھی دیا جائے گا بشرطیکہ تم اس کل روپے کو فدیہ میں لے کر پھر ہم کو مہربان کر دو، اور اسی طرح بار بار فدیہ میں لیتے رہو، اور مہربان کرتے رہو، مگر اس کے لئے فہم شخص کی ضرورت ہے، جو فدیہ میں لے کر اپنے کو مالک صحیح سمجھ لے، پھر خوشی سے مہربان کر دے اسی طرح جب وہ مہربان کرے اور آپ فدیہ میں دیتے رہیں تو شمار کثیر کے بعد دیکھ لیا جائے کہ مسکین کے پاس بقدر کفارہ رقم پہنچ گئی یا نہیں، جب پہنچ جائے تو پھر اخیر میں اس بطور مہربان کے یہ رقم لے کر بطریق مذکور تقسیم کر دی جائے، فعلنا بالضرورة علی اھل الروایتین علی الثانیۃ فیما لا ضرورة فیہ الی اعطاء الواحد کلہ، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲۔ فدیہ قعدہ ۲۳۔

سوال (۵) اگر کسی نماز بجا یا زیادہ فوت تو اس پر ترتیب واجب نہیں، شود، ترتیب در فوائت ساقط شود یا نہ، یعنی اس وقت در وقت معین نیست، بجز اوقات مکروہہ ہر گاہ خواہ در یک روز یا چند روز از ذمہ خود فوائت را قضا کند بلا رعایت تقدیم و تاخیر در فوائت، چنانچہ نوشتہ لیس للمقضا، وقت معین بل جمیع اوقات العروقت لہ، وبعض گویند از فوائت مذکورہ اولاً فجر یکماہ پس ظہر پس عصر پس مغرب پس عشاء، و اگر نہ ادا نہ خواہد شد و بعض گویند ہر یکے را از فوائت بوقت ادا کردہ باشد تا دشاوار نگرود، حکمش چیست؟

الجواب؛ صحیح یہی ہے کہ جس کے ذمہ کچھ نمازیں یا اس سے زائد قضا ہوں اس کو ان کی قضا میں تقدیم و تاخیر وغیرہ کا اختیار حاصل ہے، ہاں بہتر یہ ہے کہ ترتیب ادا کرے باقی یہ ضرور نہیں کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ہی نماز پڑھے، بلکہ اگر سب ایک ہی وقت یا ایک ہی دن میں پڑھ سکے، تو جتنی جلدی فارغ ہو جائے وہی اچھا ہے، ۲۳۔ رمضان ۲۳۔

سوال (۶) میت نے وصیت کی ہے کہ روزہ اور نمازوں کی تعیین کا حکم جبکہ صحیح تعداد معلوم ہو نماز کا کفارہ دیدیا جاوے، مگر تعداد روزہ تو معلوم

ہے، قضا نمازوں کی تعداد یا دنہیں، میت کا بیٹوں پر تبرعاً کفارہ دینا چاہئے اور اپنے پاس سے نہ کہ ترکہ متوفی سے کہ ضرورت اجازت و رثاء ہو، عمر میت ۵ سال تھی، اب یہ دریافت ہے کہ کس قدر غلہ یا نقد کفارہ میں مساکین کو دیا جاوے، واضح بلکہ متاثر نماز نہیں تھی مگر کبھی قضا ہو جاتی تھی الجواب؛ میت نے وصیت کی ہے تو میت کے مال میں سے کفارہ ادا کیا جاوے ترکہ کی ہتائی تک تو کفارہ میں بدون کسی وارث کی اجازت کے دے سکتے ہیں، اور ہتائی ترکہ میں ادا نہ ہو سکے، تو اس سے زائد بالغ و رضع کی اجازت سے ان کے مال میں سے دیوں، نابالغ وارث کے مال میں سے ہرگز نہ دیں، اور مقدار کفارہ کی ہر روزہ کے عوض صدقہ فطر کے برابر ہے، اور اسی طرح ہر نماز کے لئے صدقہ فطر کے برابر غلہ وغیرہ دیا جاوے، اور ہر روز کی چھ نمازیں شمار کی جاویں، پانچ فرض اور ایک وتر، اور نمازوں کی تعداد میں ظن غالب کا اعتبار نہیں ہے، احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ ۱۲ صفر ۱۳۵۴ھ

میت کی طرف سے قضا نمازیں ادا کرنے کا حکم | سوال (۷) ایک شخص نے ایک بیٹا چھوڑ کر انتقال کیا، اور دس وقت نماز قضا کیں، اب یہ بیٹا نماز پڑھ کر ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ الجواب؛ نمازیں قضا کر دینے سے فرض نمازیں میت کے سر سے نہ آئیں گی البتہ فدیہ دیدیا جاوے یعنی ہر روز کی پانچ نمازوں اور ایک وتر کی بابت تین صاع فدیہ دیدیا تو امید ہے کہ قبول ہو جاوے گا، اور اگر فدیہ کی میت نے وصیت کی ہو تو ثلث ترکہ میں سے جس قدر فدیہ نکل سکے اس کا نکالنا واجب ہے، والسلام کتبا الاحقر عبدالکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفی عنہ ۱۵ رجب ۲۵۵۴ھ

قضا نماز جماعت سے ہو سکتی ہے یا نہیں | سوال (۸) اگر چند شخصوں کی کوئی نماز قضا ہو جائے تو جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب؛ قضا میں بھی جماعت ہو سکتی ہے، اور یہ قضا نماز جہریہ کی ہے تو جہر کرنا ضروری ہے، اور ستر یہ کی ہے تو قرأت ستر پڑھنا لازم ہے، مثلاً عشاء کی نماز اگر دن کو قضا پڑھے تب بھی امام کو جہر کرنا چاہئے، کمافی العالمگیریہ (ص ۱۲۵ ج ۱) اذا ترک صلوة اللیل ناسیا فقصاھا فی النہار وام فیھا وخافت کان علیہ السہو وان ام لیلانی صلوة النہار یخافت ولا یجھس فان جھرساھیئا کان علیہ السہو کذا فی فتاویٰ قاضی خاں فی سجود السہو، اگر قصداً اس کے خلاف کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے، اور

سہواً کیا تو سجدہ سہو واجب ہے، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۳ شعبان ۱۳۵۴ھ

فصل فی سجود السہو

سوال (۱) ایک شخص کی نماز میں سہو واقع ہوا، اور اسے یاد آیا تو کیا کرے؟ پھر اس کا خیال نہ رہا اور سلام پھیر دیا، سلام کے بعد ہی پھر اسے خیال آیا تو اس نے سجدہ سہو کا اعادہ کیا، اس صورت میں اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں، اور نیز اس کا سجدہ سہو؟

الجواب؛ اگر سلام کے بعد بات چیت کرنے اور مسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کر لیا تو نماز درست ہو گئی، اور اگر مسجد سے نکل کر یا کلام کر کے سجدہ سہو کیا، تو نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے، قال فی الخلاصة وان سلم وهو لا یسجد ان یسجد لسہو لم یکن تسلیمہ ذلك قطعاً حتی لو بدأ..... لہ ان یسجد وهو فی مجلسہ ذلك قبل ان یقوم وقبل ان یتکلم فانہ یسجد سجدتے السہو فان تکلم او خرج من المسجد لایاتی بہما (ص ۳، ۱۱ ج ۱) واللہ اعلم، ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ

القول المحری فی مسئلۃ السجود التحری | سوال (۲) ان حکمکم بعدم وجوب سجود رہشی زیور کے ایک مسئلہ پر اشکال کا جواب | السہو علی من تحری عند کثرة شک فی تعدد

الترکعات فعلم بما یوافقہ التحری من الصواب قد اشتبه علینا امرہ فان ہذا الحکم مخالف للکتب الموجودة عند فقیر کا معتصر الضروری حاشیة القدوری وکنوز الحقائق شرح کنز الدقائق وشرح منیة المصلی المسمی بآئیکبیری وکتاب الآثار وعبارتہ ہذا محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم فیمن نسی الفریضۃ فلا یدری اربعاً صلی ام ثلاثاً قال ان کان اول نسیانہ اعاد الصلوة وان کان یکتثر النسیان یتحری الصلوة وان کان اکبر رايہ انہ اتم الصلوة سجد سجدتے السہو وان کان اکبر رايہ انہ صلی ثلاثاً اضاف الیہا واحدۃ ثم سجد سجدتے السہو قال محمد وبہ ناخذ وهو قول ابی حنیفۃ وھذا عبارۃ بئذ المجهود فی حل الجاؤد وناطقة بوجوب السجود علی من یعمل بالظن ولما نقل عبارۃ لضعیف

المقام ومعنى ان العمل بالظن عند عروض الشك انقص من العمل باليقين عند عدم عروضه والنقصان في الفرائض والواجبات موجب لسجود السهو فان الواجب علينا ان نخرج عن عمدة الفرض والواجب على سبيل التيقن حتى الامكان والا مصيرنا الى جابر يمكن فما وجه قولكم بعدم وجوب السجود على من يعمل بالظن في بهشتي زيور و عبارته هكذا "اگر شك کرنے کی عادت ہو اور اکثر ایسا شبہ پڑ جاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھئے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے، اگر زیادہ گمان تین رکعات پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو واجب نہیں، الی آخر فالمرجو من المحضرة العالیة ان تمن بالجواب الثاني والوجه الكافي،

الجواب المجمل؛ بهشتی زیور میں جو عمل بالتحری کی حالت میں عدم وجوب سجدہ سہو مذکور ہے، اس کی دلیل شامی (ص ۹۰، ج ۱) باب سجود السہو کے اخیر میں اور بدائع (ص ۱۶۳ و ۱۶۵ ج ۱) و در بحر (ص ۱۱۱ ج ۲) اور عالمگیری مصطفائی (ص ۸۳ ج ۱) میں مسطور ہے، اس صورت میں اس کو حکم سے تعبیر کرنا جو محض ہے جس سے احتیاط لازم ہے، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل بالتحری مطلقاً موجب سجود سہو نہیں بلکہ جب بقدر اداء رکن تاخیر کو مستلزم ہو جائے، اس وقت موجب سہو ہے اور اس قدر تاخیر کی صورت میں سجدہ سہو کا واجب ہونا بحالت تحری بہشتی زیور میں بھی باب سجدہ سہو مسئلہ عائشہ میں مذکور ہے، اور بذل الجہود میں بھی (ص ۲۹ ج ۲) کے اندر بدائع سے یہی نقل کیا ہے، گو اولاً نووی غیرہ اطلاق نقل کیا ہے، اور کبیری و کتاب الآثار میں جو عمل بالتحری کو مطلقاً موجب سہو لکھا ہے، اس کا مبنی یہ ہے کہ عروض شک کے بعد تحری کرنا عادتاً تاخیر قدر رکن کو موجب ہو ہی جاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اگر تاخیر نہ موجب بھی سجدہ سہو واجب ہی کیونکہ فکر قلیل سے احتراز غیر ممکن ہے، تو دفع حرج کے لئے فکر قلیل کا عفو ہونا لازم ہے، ۲۹ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ

الجواب المفصل؛ (اقول وباللہ التوفیق) قال فی الدر و اعلم انه اذا شغل ذلك الشك فتفكر قد راد ركن ولم يشغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح وجب عليه سجود السهو في جميع صور الشك سواء عمل بالتحري

او بنی علی الاقل فتح لکن فی السراج انه يسجد للسهو في اخذ الاقل مطلقاً رای سواء تفكر قد ركن او لا (شامی) و فی غلبه الظن ان تفكر قد ركن ام، قال الشامی قوله لکن فی السراج الخ استدراك علی ما فی الفتح من لزوم السجود فی الصورتین وهذا التفصیل هو الظاهر لان غلبه الظن بمنزلة اليقين فاذا تحرى وغلب علی ظنه شیء لزمه الاخذ ولا يظهر وجه لا يجب السجود عليه الا اذا طال تفكره علی التفصیل المار بخلاف ما اذا بنی علی الاقل لان فيه احتمال الزيادة كما افاده في البحر اهـ (ص ۱۱۳) و تعقب عليه فی التحریر المختار بان كلام الفتح فی وجوب سجود السهو للتفكر قد راد ركن ولا شك انه فی جميع صور الشك، وان كان يجب السجود اذا بنی علی الاقل مطلقاً لخصوص الشغل بل له ان وجد ولاحتمال الزيادة ام (ص ۱۰۳ ج ۱) قلت كون كلام الفتح مقيد بقيد التفكر قد راد ركن انما يظهر من كلام الدر و اما كلامه فی فتح القدير فمطلق عنه ونصه قالوا اذا شك فی الفجران التي هو فيها ولى أو ثانیة تحرى فان وقع تحریه علی شیء اتم الصلوة علیه وسجد للسهو و كذا فی جميع صور الشك اذا عمل بالتحری او بنی علی الاقل يسجد ام (ص ۲۵۳ ج ۱) ولذا اقال فی البحر ولم يذكر المصنف سجود السهو فی مسائل الشك تبعاً لما فی الهدایة وهو مما لا ينبغي اغفاله فانه يجب السجود فی جميع صور الشك سواء عمل بالتحری او بنی علی الاقل كذا فی فتح القدير وترك المحقق قيدا لا بد منه مما لا ينبغي اغفاله وهو ان يشغله الشك قد راد ركن ولم يشغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح كما قد مناه اول الباب لکن ذكر فی السراج ان فی فصل البناء علی الاقل يسجد للسهو مطلقاً، وكانه فی فصل البناء علی الاقل حصل النقص مطلقاً باحتمال الزيادة فلا بد من جابرونی الفصل الثالث نقصان بطول التفكر لا بمطلقه ام ملخصاً (ص ۱۱۱ ج ۲) والعجب من مؤلف العالم كبرية انه كيف نقل عن البحر كلام الفتح وترك القيد الذي نبه عليه مؤلف البحر و زيادة علی كلام الفتح مع انه نقل عن

المحيط بعد ذلك ما يفيد اعتبار هذا القيد ونصه واذا شك في صلواته فلم يد
 اثلاثا صلى ام اربعا وتفكر في ذلك كثيرا ثم استيقن انه صلى ثلاث ركعات
 فان لم يكن تفكوره شغل عن اداء ركن بان يصلي ويتفكر فليس عليه سجود السهو
 وان طال تفكوره حتى شغله عن ركعة او سجدة او يكون في ركوع وسجود فيطول تفكوره
 في ذلك وتغير عن حاله بالتفكر فعليه سجود السهو استحسانا هكذا في المحيط ام
 (ص ۱۳۸۲) وهذا كله يدل على ان التحري لا يوجب السجود ما لم يطل التفكير
 فان التحري اى غلبة الظن له حكم اليقين في العمليات وعليه بناء وجوب
 العمل بخبر الواحد المفيد للظن وبالقياص فيما لا نص فيه وهذا ظاهر المنظر
 في الاصول فانه حرض به قول السائل ان العمل بالظن عند عروض الشك
 انقص من العمل باليقين عند عدم عروضة والنقصان في الفرائض والواجبات
 موجب لسجود السهو فانما لا نسلم ان مطلق النقصان موجب لسجود السهو
 والا فلا شك ان الصلوة الخالية عن الوسواس والخطرات اكمل مما
 اشتمل عليها فهل يجب سجود السهو من عروض الوسوسة والخطرة في الصلوة
 لكونها انقص مما لا تشتمل عليها كلاً بل النقصان الموجب له ما كان من جنس
 ترك الواجب او تاخيره عن محله وليس في العمل بالظن ترك الواجب ولا
 تاخيره ولا يجب علينا ان نخرج عن عهدة الفرض والواجب على سبيل اليقين
 فانه لا سبيل الى ذلك اصلاً بل غلبة الظن به كاف فان التيقن بطهارة
 الماء الذي يتوضأ به والمكان الذي يصلي فيه والثوب الذي يستر به
 البدن متعذر عسير جداً وكذا التيقن بصحة صلوة اديناها قبل الصلوة
 التي نحن فيها الا يتيسر اصلاً وصحة البعدية متوقفة على صحة القبليّة
 فلو كان الخروج عن عهدة الفرض على سبيل اليقين واجباً لم نقد ر على
 اداء صلوة اصلاً فالواجب انما هو الخروج عن العهدة على سبيل الظن
 المرجح لا غير

وبعد ذلك فنقول ان مسألة بهشتي زيور متايدة بقول الدر والشامى
 (ص ۱۷۰، ۹۰) وبقول البحر (ص ۲۳۱) وبما ذكر في العالم الكبرى عن المحيط

(ص ۱۳۸۲) ففي هذه الاقوال كلها تصریح بعدم ايجاب التحري السجود الا اذا
 طال التفكير فيه وقد صرح بذلك اى وجوب السجود في التحري اذا طال لتفكر
 في بهشتي زيور الصناني المسئلة العاشرة من باب سجود السهو ونصه،
 اگر بالکل اخیر رکعت میں التحیات اور درود پڑھنے کے بعد شبہ ہو کہ میں نے تین رکعتیں
 پڑھی یا چار اسی سوچ میں خاموش بیٹھی رہی اور سلام پھیرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ اتنی
 دیر میں تین دفعہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے پھر یاد آ گیا کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں،
 تو اس صورت میں بھی سجدہ سہو کرنا واجب ہے (ص ۲۷۵ طحطاوی علی مراقی الفلاح)
 ومعنى قول بهشتي زيور في مسألة الحادية والعشرين، اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو
 تو ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدة سہو واجب نہیں ہے، اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ
 میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدة سہو بھی نہ کرے، اھ
 یعنی جبکہ اس سوچے میں بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کے دیر نہ ہو، جس کی دلیل مسئلہ عاشر ہے کہ کہاں
 اتنی مقدار تفکر کو موجب سجدة سہو صراحتہ کہہ دیا گیا ہے، تو مسئلہ نمبر ۲۱ میں سجدة سہو کا جواب
 نہ ہونا اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ تفکر میں بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کے دیر نہ ہو، اور اس صورت
 میں تحری کا موجب سجود نہ ہونا، در مختار و شامی و تحریر مختار و بحر و عالمگیری کی تصریح سے
 ثابت ہو چکا، کما مر و هذا القدر کاف لصحة المسئلة المذكورة فيه لان المؤلف
 انما التزم فيه كون المسئلة منقولة عن كتاب معتبر من كتب الفقه لا غير، واما
 ان ذلك معارض بما في المعاصر الضرورية حاشية القدوري وكنوز الحقائق
 شرح كنز الدقائق وبنل المجهود فالجواب عنه ان هذه ليست من كتب
 الفتاوى المعول عليها في الافتاء كما لا يخفى مع ان بنل المجهود فيه تصریح
 بعدم ايجاب التحري سجود السهو الا اذا طال التفكير فيه ونقل عن البدائع
 (ص ۲۳۱) ونص البدائع واما بيان سبب الوجوب فسبب وجوب ترك
 الواجب الاصلی في الصلوة او تغييره او تغيير فرض منها عن محل الاصلی ساهياً
 لان كل ذلك يوجب نقصاناً في الصلوة فيجب جبراً بالسجود ويخرج على
 هذا الاصل مسائل الى ان قال وعلى هذا اذا شك في تسي من صلواته فتفكر
 في ذلك حتى استيقن وهو على وجهين اما ان طال تفكوره بان كان مقنناً

نہ فتویٰ ہی، فتویٰ وجوب پر ہے، اور قعدہ ثانیہ کے باب میں اختلاف منقول نہیں اور اگر وہاں بھی تو اس پر اعتماد نہیں، احقر نے اور برادر مولوی عبدالغفار صاحب نے بھی تحقیق کی ہے سئلہ عدم سہو صحیح تھا، احقر کو بھی اطمینان ہو گیا، محض اطلافاً گزارش کیا گیا، حضور نے تو پہلے ہی اطمینان فرمایا، اور جلوس بمقدار جلسہ استراحت فی الركعة الاولى والثالثة کے باب میں حضور نے تحریر فرمایا میں بجز جلوس سجدہ سہو کرتا ہوں، لالانہ ترک السنہ بل لان فیہ التاخر من القيام، اس میں غور کیجئے، غور کرنے سے قلب میں یہ بات آئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ قعدہ اولیٰ میں درود شریف بمقدار اللہم صل علی محمد کو موجب سہو فرماتے ہیں، اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے، یعنی لالان الصلوة علی النبی یوجب السہو بل لان فیہ التاخر من القيام واقعی فرق تو معلوم ہوتا ہے، لیکن غالباً صاحب ردالمحتار نے تاخیر کے دو درجہ قائم کئے، ایک بمقدار جلسہ استراحت اتنی تاخیر عنہا مخفیہ خلاف سنہ ہے، نہ خلاف واجب، اور دوسرا درجہ بمقدار اللہم صل علی محمد اتنی تاخیر خلاف واجب اور موجب سہو ہی، یا یوں کہا جاوے کہ نہوض علی القدرین عنہا مخفیہ سنت ہے، نہ واجب فمن جلس مقدار جلسة الاستراحة ولم ينهض على قدميه خالفت السنة عندنا ولا سهو على من ترك السنة، اب کی مرتبہ انشاء اللہ متوجہ کر فتح القدر اور بحر الرائق وغیرہ دیکھو گا جو کجاگا انشاء اللہ عرض خدمت عالی کر دوں گا، پھر جو حضور فرمادیں گے اس پر عمل کر دوں گا، یوں تو تقلیداً اب بھی عمل کر سکتا ہوں، لیکن تحقیق کے بعد اور اچھا ہو گا غالباً،

الجواب؛ اقول وباللہ التوفیق، رکعت اول و ثالثة میں شامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجز جلوس بمقدار جلسہ خفیفہ سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا، بلکہ جلسہ طویلہ سے واجب ہوتا ہے، ونصہ۔ وکذا القعدۃ فی الخرالکعة الاولى والثالثة فیجب تہ کہا ویلزم من فعلها ایضاً تاخیر القيام الی الثانية والرابعة عن محلہ وهذا اذا كانت القعدة طویلة اما الجلسة الخفیفة التي استحبها الشافعی فترکها غیر واجب عندنا بل هو الافضل كما سیأتی ام (ص ۲۸۹ ج ۱) وقال فی الدرر ویکیرو للہموض علی صدور قد میہ بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا یاس بہ ام قال الشامی قال فی الکفایة اشار بہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احدہما یعمد بید یہ علی رکبتیہ عندنا وعندہ علی الارض والثانی للجلسة

الخفیفة قال شمس الاثمة الحلوانی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل كما هو مذہبنا لا یاس بہ عندنا شافعی ولو فعل كما هو مذہبہ لا یاس بہ عندنا کذا فی المحيط قال فی الحلیہ والاشبہ انه سنة او مستحب عندنا العذر فیکره فعلہ تنزیہاً لمن لیس بہ عذراہ وتبعہ فی البحر والیہ یشیر قولہم لا یاس فانہ یغلب فیما ترکہ اولیٰ اقول ولا ینافی ہذا ما قدمہ الشافعی فی الواجبات حیث ذکر منہا ترک قعود قبل ثانیة ورابعة لان ذاک محمول علی القعود الطویل ولذا قیدت الجلسة هنا بالخفیفة تا مل ۵ (ص ۵۳۸) هذا والله تعالیٰ اعلم، ۲۳ شعبان ۱۲۳۳ھ

واما مسألة تکرار التشهد فتحقیق المسائل فیہ صحیح انه یجب سجدة السهو لو کرر فی القعدة الاولى ولا تجب لو فی الاخيرة قال فی شرح المنیة لوقرأ التشهد مرتین فی القعدة الاخيرة او تشهد قاضی ارای فی الاخیون اونی الاول قبل الفاتحة (۱۲) اور اکثراً وساجداً لا سهو علیہ کذا فی المختار ولو زاد فی التشهد فی القعدة الاولى علی التشهد شیئاً یجب علیہ سجود السهو وان المعتبر مقلد ما یؤدی فیہ رکن ۵ ملخصاً ص ۲۳۲) والله اعلم ۲۸ شعبان ۱۲۳۳ھ

سوال (۵) امام نے مغرب کی تیئیل چوتھی رکعت کے لئے قیام کرنا، مغرب کی نماز میں امام کا بھول کر رکعتیں پڑھیں، اور قعدہ اخیرہ بھی کر لیا، مگر بھول کر کے امام نے یہ سمجھا کہ دو رکعتیں ہوئی ہیں، اب امام پھر چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا، اور نہ کسی مقتدی نے بتلایا، اور سب مقتدی بھی امام کے ہمراہ کھڑے ہو گئے، مگر ایک مقتدی امام کے ساتھ نہیں کھڑا ہوا بلکہ قعدہ ہی میں بیٹھا رہا، جب امام نے چوتھی پڑھ لی اور سجدہ سہو بھی کر لیا، اب امام کے ساتھ اس آدمی نے بھی سلام پھیرا، جو چوتھی رکعت کے واسطے نہیں کھڑا ہوا تھا، اب اس صورت میں اس آدمی کی نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ کیونکہ اس نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں اتباع نہیں کی ہے، فقط بیٹھا تو جروا؟

الجواب، فی الدر المختار (وان قعد فی الرابعة) مثلاً قدر التشهد

رشم قام عاد و سلم) ولو سلم قائما صح ثم الاصح ان القوم ينتظرونه فان عاد تبعوه وان سجد للخامسة سجدوا لانه ثم فرضه اذ لم يبق عليه الا السلام وقال الشامي (قوله مثلا) اي تعد في ثلاثة الثلاثي اذ في الثانية الثاني (قوله ثم الاصح الخ) لانه لا اتباع في البدعة وقيل يتبعونه مطلقا عاد اول (قوله فان عاد) اي قبل ان يقيد الخامسة بسجدة يتبعوها اي في السلام (ص ۸۲، ۱۳) وهكذا في مراقب الفلاح مع الطحطاوي (ص ۲۷۲)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حالت مذکورہ فی السؤال میں صحیح یہی ہے کہ امام کی اتباع چوتھی رکعت میں نہ کی جاوے، بلکہ منتظر بیٹھا رہے، اگر امام چوتھی رکعت کا سجدہ کرنے سے پیشتر بیٹھ کر سلام پھیرے تو مقتدی اس کے ہمراہ سلام پھیرے ورنہ جب امام چوتھی رکعت کا سجدہ کرے اس وقت مقتدی خود سلام پھیرے، پس اس بیٹھنے والے شخص نے یہ تو ٹھیک کیا کہ چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا، لیکن چوتھی رکعت میں سجدہ کرنے کے بعد امام کے سلام کا انتظار نہ کرنا چاہئے تھا، لیکن اس تاخیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی، غایت مافی الباب قول اصح پر تاخیر سے سجدہ ہو آتا، مگر چونکہ اس نے بعد میں سلام میں امام کا اتباع کیا ہے اس لئے اس کا وہی حکم ہے جو وجوب سجدہ ہو بر مقتدی کا حکم ہے، اور جن لوگوں نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت پڑھی ان کی نماز قول ثانی پر جواصح کا مقابلہ ہے صحیح ہو گئی بشرطیکہ امام نے سجدہ ہو کر لیا ہو، اور گویہ روایت اصح نہیں مگر اس وقت عموم جبل و بلوی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دینا مناسب ہی اور نہ بہت لوگوں کی نمازیں باطل ہوں گی، واللہ اعلم، ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ

امام نے بدون وجوب کے سجدہ ہو کیا | سوال (۶) جن حالت میں سجدہ ہو لازم نہ آوے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں، اور سجدہ ہو کر لیا گیا تو پھر نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا | الجواب: نماز ہو جاتی ہے، لیکن اگر امام ایسا کیا کہ وجوب سجدہ ہو کے گمان پر سجدہ ہو کر لیا اور بعد میں معلوم ہو گیا کہ سجدہ ہو واجب نہ تھا، تو اس صورت میں مسبوق کی نماز میں اختلاف ہی، بعض کے نزدیک مسبوق پر اعادہ ہے، جبکہ اس نے سجدہ ہو میں متابعت کی ہو، اور بعض کے نزدیک اعادہ نہیں، اور اعادہ واجب نہ ہونے پر فتویٰ ہے، اذا ظن الامام ان عليه سهوا فسجد للمهوت و تابعه المسبوق في ذلك

تم علمان الامام لم يكن عليه - هو فيه روايتان واختلفت المشايخ لاختلاف الروايتين واتمهراهما ان صلوة السوق يفسد وقال الامام ابو حفص الكبير لا يفسد والصد والشهيد اخذ به في واقعاته وان لم يعلم ان ليس عليه لم يفسد صلوة المسبوق عندهم جميعا خلاصة الفتاوى (ص ۱۲۳، ۱۳۱) الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنه ۱۲ رذی القعد ۱۳۲۷ھ کتب الاحقر عبد الکریم عفی عنہ تشهد میں ہوا بسم اللہ پڑھ لی | سوال (۷) مغرب کی دوسری رکعت میں التحیات سے توجیہ ہو واجب نہ ہو گا | پہلے بسم اللہ شریف ہوا پڑھ جانے سے سجدہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: تشهد ابن مسعود واجب نہیں بلکہ اولی ہے، پس اگر تشهد دوسرے طرق مرویہ کے موافق پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے، اور بعض طرق میں بسم اللہ کی زیادت بھی ہے، لہذا سجدہ ہو تو ہو گا، مگر ایسا کرنا اچھا نہیں، اب اگر محض بسم اللہ زیادہ کیا تو یہ تو جائز ہے، لکن وارداً اور اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم زیادہ کیا تو اس میں کراہت تزیہی ہو گی، لکن غیر وارد اور سجدہ ہو نہ ہو گا، لکن زیادہ فی التشهد لا علی التشهد واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۵ رذی الحج ۱۳۲۷ھ تکرار اکثر فاتحہ اور اعادہ تشهد | سوال (۸) نماز میں اول یا ثانی رکعت میں سورۃ فاتحہ سے سجدہ ہو کا واجب ہونا | میں کوئی کلمہ غلطی سے پڑھا گیا یا شک ہو اس کلمہ میں غلطی پڑھنے کے بعد قرأت کثیر سورۃ فاتحہ کا اعادہ کیا، قرأت کے ماقبل کلمہ مذکورہ واسطے تصحیح کلمہ مذکورہ کے جس سے تکرار کثیر سورۃ فاتحہ کا لازم آیا، کیا یہ تکرار جو واسطے تصحیح کلمہ مذکورہ کے ہے عذر واسطے رفع کراہت تکرار کثیر سورۃ فاتحہ کے ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں ہو سکتا تو ہر نماز کا اعادہ واجب ہو گا یا سجدہ ہو گا؟

اسی طرح قعدۃ اولی میں تشهد کا کوئی کلمہ غیر صحیح پڑھا گیا یا شک ہو کہ غیر صحیح پڑھا گیا، پھر چند کلمات کے ساتھ اس کلمہ کو تصحیح کے لئے اعادہ کیا، ماقبل اس کلمہ کے، کیا یہ اعادہ زیادتی فی التشهد کے حکم میں ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر اعادہ نماز ہو گا یا سجدہ ہو گا | الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۸۰، ۱۳۱) ولو کورہا فی الاولین يجب عليه سجودا سهوا بخلاف ما لو اعادها بعد السورة او کورہا فی الاخرین

کذا فی التبیان، ولو قرأ الفاتحة الاحرفاً او قرأ أكثرها ثم اعادها ساها یا فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتين کذا فی الظهيرية (۲) وفي الطحطاوی علی المراتی ص ۵، ۲، ولو شک فی تکبیرة الافتتاح فاعاد... التکبیر والشاء ثم تذکر کان علیه السهو ولا یكون الثانية استقبالا لقطع الاولی، (۳) وفي العالمگیرية (ص ۸۱ ج ۱) ولو کسر التشهد فی القعدة الاولی فعليه السهو،

روایت اولی سے معلوم ہوا کہ اگر سورۃ سے قبل فاتحہ کا تکرار کیا جاوے تو موجب سہو ہے، اور بعد سورۃ کے اعادہ فاتحہ کا موجب سہو نہیں، و نیز یہ معلوم ہوا کہ اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اور اگر اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو اعادہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا، باقی رہی یہ بات کہ سورۃ فاتحہ کل یا اکثر پڑھنے کے بعد کتنی فاتحہ کے اعادہ سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، سو اس کی تصریح نہیں ملی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بعض اقل فاتحہ پڑھ کر اس کا اعادہ موجب سہو نہیں، اسی طرح اکثر یا کل پڑھ کر بھی اقل کا اعادہ موجب سہو نہ ہوگا، لیکن جسزنیہ نہیں ملا، لیکن طحطاوی علی، مرقی الفلاح کی اس عبارت سے متبادر یہ ہے کہ مطلقاً بعض فاتحہ کا تکرار بھی مثل کل فاتحہ کے تکرار کے موجب سہو ہے، لیکن اس بعض مطلق کو آیت واحدہ کے ساتھ مقید کیا جاوے گا، کیونکہ اس سے قبل تو غیر معتبر ہے قال ولو کسر الفاتحة او بعضها فی احدی مال اولیین قبل السورة مجن للسهو ام (ص ۲۶، ۱۷) وفي الدر فی بیان واجبات الصلوة وهي قراءة فاتحة الكتاب فيسجد للسهو بترك اكثرها لا اقلها لكن في المجتبى يسجد بترك آية منها وهو اولی قلت وعليه فكل آية واجبة سجد تكبيرة عيد واتيان كل وترك تكبير كل ام (ص ۲۷، ۱۷) قلت فلما كان كل آية منها واجبا فتكرار آية منها يوجب سجود السهو لكونه تاخيرا في الواجب الثاني ام تاخيرا للآية الثانية عن علمها والله اعلم وفي شرح المنية وكذا لو قرأ الفاتحة الاحرفاً ثم اعادها لا سهو عليه كذا فی الخلاصة ص ۳۳۳ قال الشيخ وهذا راجح عندي ويمكن ارجاع كلام الطحطاوی اليه قلت ولكن لم ينشرح به صدری بعد وللعلی الله يحدث بعد ذلك ام، والله اعلم ۱۲ ظ

اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شک کی وجہ سے اعادہ کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یاد آجاوے کہ پہلے صحیح پڑھا تھا تو وہ تکرار موجب سہو ہے ورنہ نہیں، اور روایت ثالثہ سے تشهد کے اعادہ کا بھی موجب سہو ہونا معلوم ہوا، اور فاتحہ پر قیاس کر کے یہاں تفصیل مذکور ہوئی، ہر حال میں اعادہ موجب سہو نہ ہوگا، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ جب مقدار رکن کا اعادہ ہو جائے تو سجدہ سہو ہوگا، واللہ اعلم، عبد الکریم عفی عنہ
الجواب صحیح نظراً احمد، عفا عنه ۱۲ رمضان ۱۲۸۳ھ

منفرد سجدہ سہو کے لئے ایک طرف سوال (۹).....
سلام پھیرے یا دونوں طرف؟..... منفرد کو سجدہ سہو لازم ہوا تو ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے یا دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے، اس میں صحیح قول کونسا ہے، معلوم کراوین، کیونکہ در مختار کی عبارت سے دو سکر سلام کے بعد سجدہ سہو نہ کرنے معلوم ہوتا ہے کہ دو سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے، نماز پھر..... پڑھنے کو کہا جاتا ہے، اس واسطے آپکو تکلیف دی جا رہی ہے، برائے کرم ہر بانی فرما کر جواب جلد عنایت فرمائیے گا،

الجواب؛ در مختار میں ایک قول کی بناء پر یہ کہا ہے، کہ سجدہ سہو کے لئے اگر دونوں طرف سلام پھیرے تو پھر سجدہ سہو ساقط ہے، مگر فتویٰ اس پر نہیں، بلکہ فتویٰ اس پر ہے کہ سجدہ سہو کے لئے سلام تو ایک ہی طرف پھیرے، لیکن اگر دونوں طرف سلام پھیرے تب بھی سجدہ سہو ساقط نہیں ہوا بلکہ وہ سجدہ سہو دونوں طرف

وحاشیہ صفحہ گذشتہ) مع دو وجه عدم الانشراح کون مافی النظرية مخالفا لصریح کامر ذکرہ فانما واجب السهو فی اعادة الفاتحة بغیر قرأة اکثرها وشارح المنية لا یوجبہ ولو قرأ کلبا الا حرفا ولا شک ان الاحتیاط فی ایجاب السهو والذی ینظرلی ان مافی النظرية ایضا لا یوافق قول الامام بل ہو مبنی علی قولہما فان اولی عندہما اکثر الفاتحة وعند الامام کل آية منها واجبة كما ذكره فی الدر فیفتی ایجاب السهو بتکرار آية منها كما يدل علیه كلام الطحطاوی المار قد جعلت الشافعية ترتيب آیات الفاتحة والموالة بينهما شرطاً وعدوا كل آية منها ركناً فالاحوط ما قاله فی الدر ان كل آية منها واجبة واذا كان كذلك فتكرار آية منها يوجب التاخير فی الثانية وهي واجبة فيجب السهو لتاخير الواجب ۱۲ ظ

سلام کے بعد بھی کر سکتا ہے اور اعادہ واجب نہیں، وجہہ مافی رد المحتار
وقیل یأتی بتسلیمتین وهو اختیار شمس الائمہ وصدور الاسلام اخی
فخر الاسلام وصححه فی الہدایة والظہیریة والمفید والینابیع
وکذا فی شرح المنیة قال فی البحر وعزاه ای الثانی فی البدائع ای
عامتهم فقد تعارض النقل عن الجبہور ام (ص ۲۷۷ ج ۱) فاذا کان
مختاراً وهو لاء الاعلام ان یأتی بسجود السہول بعد تسلیمتین لزم عدم سقوط
السجود، ہما ولكن الاحوط الاحتراز عن التسلیمتین خروجاً من الخلاف
فقد قال بعض من قال بتسلیمة واحدة فقط بسقوطہ ہما قال الشامی
قلت وعلیہ فیجب ترک التسلیمة الثانية اه (ص مذکور) قلت و
جوازاً لتسلیمتین اطلاق قولہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدتا السہول بعد
السلام وهو حسن واطلاق مافی الصحیح انه صلی اللہ علیہ وسلم سجدتا
فلما قضی صلواتہ سلم ثم سجد والمطلق ینصرف الی المعہود
منہ والبسط فی الاعلاء، واللہ اعلم، ۳ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

سوال (۱۰) نماز میں ترک واجب پر سجدہ ہو
واجب ہے یا نہیں؟

سجدہ ہو کر لینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ ایسے شہادت اکثر ہوتے ہوں؟

الجواب: جب ظن غالب عدم ترک واجب کا ہے تو سجدہ سہول کی ضرورت
نہیں، لیکن اگر احتیاطاً کر لے تو منفرد کے لئے تو حرج نہیں، لیکن امام کو بلا ضرورت
احتیاطی سجدہ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مسبوق کی نماز پر فساد لازم آئے گا، علی
قول البعض والخروج من الخلاف سلم، ۲۶ شعبان ۱۳۶۷ھ

سوال (۱۱) الامداد بابت ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ
کے صفحہ ۴ میں بعنوان تصحیح مسئلہ حاشیہ پر
یوں درج ہے، "الامداد بابت ذیقعدہ
صفحہ ۱۸، س ۱۱ تا ۱۸ میں جو ایک سوال کے
جواب میں لکھا ہوا ہے کہ التحیات کے مکرر پڑھنے سے سجدہ سہول لازم ہوگا، لخطاوی

شرح مراقی الفلاح سے یہ جواب فطرتاً ثابت ہوا ہے، اس جواب سے رجوع کرتا ہوں، صحیح
جواب یہ ہے کہ قعدہ اولیٰ میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدہ سہول لازم ہے، اور قعدہ اخیرہ
میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدہ سہول لازم نہیں، تمام ہوتی یہ عبارت، بہشتی زیور جدید
حصہ دوم صفحہ ۵۴ میں آخری مسئلہ ہے، نفل نماز میں دو رکعت نماز پڑھ کر التحیات کے
ساتھ دو رو دستر لیت بھی پڑھنا جائز ہے، اس لئے کہ نفل ہے، اور دستر لیت کے پڑھنے
سے سجدہ سہول نہیں ہوتا، البتہ اگر دو دفعہ التحیات پڑھ جاوے تو نفل میں بھی سجدہ سہول
ہے، تمام ہوتی عبارت بہشتی زیور کی،

وجہ تطبیق دونوں مسئلوں کی کس طرح ہے، وجہ اشتباہ یوں ہے کہ بہشتی زیور کی
عبارت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعت کے بعد التحیات کو مکرر پڑھ جانے سے سجدہ
سہول لازم ہوتا ہے، اور نفل کی ہر دو رکعت کا قعدہ حکم میں مثل آخری قعدہ کے ہے اور
الامداد کی عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ اخیرہ میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدہ
سہول لازم نہیں، حالانکہ تاخیر سلام سے بھی سہول کا سجدہ واجب ہے،

اس لئے دونوں کی وجہ تکریر فرمائی جاوے، تاکہ مسئلہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔

الجواب: قعدہ اخیرہ میں تکرار تشهد سے سجدہ سہول واجب نہ ہونا، جیسا کہ حاشیہ
الامداد میں لخطاوی سے لکھا ہے، عالمگیریہ اور منیہ میں بھی موجود ہے، بلکہ لخطاوی نے منیہ
ہی سے نقل کیا ہے، باقی رہا یہ شبہ کہ تاخیر سلام سے سجدہ سہول واجب کیوں نہیں ہوا
اس کا جواب بھی لخطاوی سے معلوم ہوتا ہے، ونصہ ہکن وان قرأ بعد التشہد
فان کان فی الاول فعلیہ السہول تاخیراً واجب وهو وصل القیام بالفراغ
من التشہد وان کان فی الاخیر فلا سہول علیہ لعدم ترک واجب لانہ موسع
لہ فی الدعاء والثناء بعدہ فیہ والقراءة تشتمل علیہما ولو قرأ التشہد مرتین
فی القعدۃ الاخیر او تشهد قائماً اور اکعاً اور ساجداً لا سہول علیہ، منیہ اصل
طخطاوی (ص ۲۶)، اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تشهد کے بعد قرأت سے سجدہ
سہول واجب نہ ہونے کی وجہ قرأت کا شمار و دعاء پر مشتمل ہونا ہے، اور تشهد ثانیہ دعاء
پر مشتمل ہے، اس لئے اس سے بھی سجدہ سہول واجب نہ ہوگا، چنانچہ منیہ کی عبارت مکرر

قرار التشهد الخ کے تحت میں شارح منیہ کبیری میں لکھتے ہیں واما التشهد فلانہ تناء والقیام والركوع والسجود محل التناء، پس تاخیر سلام موجب سہو وہ ہے جو بغیر الدعاء والتناء ہوا سوال کے ایک جزو کا جواب تو ہو چکا، اب دوسرے جزو کا جواب معروض ہے، وہ یہ کہ بہشتی زیور میں جو نفل کے قعدہ اولیٰ میں تکرار تشہد سے وجوب سجدہ سہو لکھا ہے، اس کو خاکسار نے بہت تلاش کیا، مطبوعہ جدید میں جو حوالہ لکھا گیا ہے اس کو بھی دیکھا، اس ججز کے متعلق اس مقام پر کچھ نہیں ملا، غالباً فرض پر قیاس کر کے اس کو لکھ دیا گیا، اور اس پر جو آپ نے محذور بیان فرمایا ہے، وہ تو متوجہ نہیں ہوتا، کیونکہ نفل میں قعدہ فرض ہے، جس پر نماز ختم کی جاوے، جیسا کہ در مختار میں ہے (اور صلیٰ اربعاً فاکترو ولم یقعد بینہما) استحساناً لانه بقیامہ جعلہا صلوة واحدة ففتی واجبة والخاتمة ہی الفریضة (شامی، ص ۲۸، ۱۱۷) لیکن یہ شبہ ہو کہ نفل کے قعدہ اولیٰ میں جب درود شریف کی اجازت ہے، تو تکرار تشہد کو فرض پر قیاس کر کے وجوب سجدہ کس طرح ہوگا، اس لئے جب تک کوئی صریح جزئیہ نہ مل جاوے تکرار تشہد سے نوافل کے قعدہ اولیٰ میں سجدہ سہو کو ذائقہ کہا جاوے گا واللہ اعلم، کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۶ صفر ۱۳۲۵

احقر ظفر احمد عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو حوالہ جات میں نے لکھے ہیں اپنے مسودہ کو اس مقام پر میں نے دیکھا تو وہاں تصریح موجود ہے، کہ نفل کے قعدہ اولیٰ میں تکرار تشہد سے وجوب سجدہ سہو کا جزئیہ ہماری نظر سے نہیں گذرا، اور بظاہر یہ قواعد کے بھی خلاف ہے، کیونکہ نوافل میں ہر شفعہ مستقل نماز ہے، اور اس کا قعدہ اولیٰ بحکم قعدہ اخیرہ ہے، البتہ سنن مؤکدہ اور ترکا حکم مثل قرآن کے ہلے معلوم کیا غلطی ہوئی کہ میری اس تحریر کے بعد بھی بہشتی زیور کے مسئلہ میں ترمیم نہ ہوئی تھی میری عبارت لکھی گئی، صرف حوالہ جات ہی لکھ دیے گئے، انور میں اس غلطی کی اطلاع کر دی جاوے گی، اور آئندہ طبع میں انشاء اللہ اصلاح بھی ہو جاوے گی، تق

۱۹ صفر ۱۳۲۵ م از تصانہ بھون،

مسبوٰق نے نماز مغرب میں درمیانی قعدہ | سوال (۱۲) مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ ترک کر دیا تو اس پر سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ | ملی، دو رکعت پوری کرنے میں درمیان کا قعدہ رو گیا، تو سجدہ سہو کرے یا نہیں، اگر قصداً قعدہ چھوڑ دے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ قعدہ قول محمد پر واجب ہے، اس کو قصداً ترک نہ کیا جاوے، البتہ اگر سہوارہ گیا تو سجدہ سہو واجب نہیں، فی الشامی (ص ۶۲۳، ۱۱۷) قال فی شرح المنیة ولو لم یقعد جازاً استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السہو لكون الركعة اولى من وجه ۱۵۱ رمضان ۱۳۲۵

ام دعاء قنوت چھوڑ کر رکوع | سوال (۱۳) اگر دو ترکی جماعت میں امام بجائے تکبیر کے رکوع کو جگہ تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ | میں چلا جائے یعنی دعاء قنوت سے قبل والی تکبیر اور دعاء قنوت دونوں بھول گیا، رکوع میں چلا گیا، تو امام کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب، اس وقت رکوع کو پورا کرے، اور پھر سجدہ وغیرہ کر کے بعد سجدہ سہو کرے، رکوع سے کھڑا ہو کر قنوت نہ پڑھے، احقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵ شوال ۱۳۲۵

دتر میں سہو کی ایک صورت کا حکم | سوال (۱۴) نماز وتر میں ایک دفعہ اس طرح سہو ہوا کہ دو رکعت کے بعد قعدہ میں خیال ہوا کہ شاید تیسری رکعت کے قیام میں دعاء قنوت نہیں پڑھی تھی، اس لئے سجدہ سہو کر لیا، مگر پھر یاد آ گیا کہ ابھی تک ایک رکعت باقی ہے، پھر سلام پھرنے سے پہلے تیسری رکعت پوری کر لی، اور دو سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا، کیا اس طرح یہ نماز درست ہوگئی، کیا سجدہ سہو کے بعد پھر سہو ہو جاوے تو اس کے لئے دوسرا سجدہ سہو کر لینا درست ہے،

الجواب، ہاں نماز درست ہوگئی، اور اس حالت میں سجدہ سہو دوبارہ کرنا ضروری ہے، پہلا سجدہ جو کیا تھا وہ بے موقع تھا، فی الدر المختار روادا صلی رکعتین وسما فیہما فسجن لہ بعد السلام ثم اراد بناء شفیع علیہ لم یکن لہ ذلك البناء ای لہ تحریماً لئلا یبطل سجودہ بلا ضرر (بخلاف المسافر) اذ انوی الاقامة لانه لو لم یبئن بطلت (ولو فعل ما لیس لہ) من البناء (صح) بناء لبقاء التحریمة (و یحید) هو والمسافر سجود السہو علی المختار لبطلا بوقوعہ فی خلال الصلوة وفی الشامی (قوله بخلاف المسافر الخ) ای لو کان مسافراً فسجن للسہو ثم نوى الإقامة فله ذلك لانه لو لم یبئن وقد لزم الاتما بنية الاقامة لصلواته فی البناء نفعاً لادواته فی عملہ فاعمالہ (بحر، ص ۱۱۷) قلت والصورة

المسئولة نظير صلاة المسك لا يخفى وفي الشامية الصارم من التارخانية السهوان وقع في اصل الصلوة
 اوجب فادها وان في وصفها فلا فالاول كما اذا سلم على الركعتين على ظن
 انه في الفجر والجمعة او السفر والثاني اذا سلم عليهما على ظن انها رابعة
 اه، والله اعلم، احقر عبد الكريم عفي عنه **السؤال** ۳ الجواب صحح نظرا احمد عفا عنه
 قعدة اولى يا ثانياه من قبل تشهد يا اس کے بعد قعدہ اولی یا ثانیہ میں
 وغیرہ پڑھنے سے سجدہ سہولازم آئے گا یا نہیں؟ **سوال** (۱۵) اگر قعدة اولی یا ثانیہ میں
 یا دو آیت پڑھ جائے تو سجدہ سہولازم ہے یا نہیں؟

الجواب؛ قعدة اولی میں بہر حال لازم ہے، اور ثانیہ میں تشهد سے پہلے پڑھے
 تو واجب ہے ورنہ نہیں، قال الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح ولو قرأ
 آية فی الركوع او السجود او القومة فعليه السهو (وفي البحر عن البدائع
 لا يسجد عليه قال صاحب البحر ولكن ما في الظهيرية ان عليه السهو اولی)
 ولو قرأ فی القعود ان قرأ قبل التشهد فعليه السهو لترك انا واجب وهو
 الابتداء بالتشهد اول الجلوس وان قرأ بعد التشهد فان كان فی الاول
 فعليه السهو لئاخيرا واجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وان
 كان فی الاخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لانه موسم له فی الدعاء
 والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما اه ص ۲۶، والله اعلم **السؤال** ۳

فصل فی سجود التلاوة

نماز میں سجدہ تلاوت کے بجائے رکوع کا **سوال** (۱) سجدہ تلاوت کی بجائے نماز میں رکوع
 کافی ہو جانا اور اس کی شرائط، کافی ہے؟ اور سجدہ تلاوت کرنے کے بعد بلا کچھ آگے قرأت
 کئے ہوئے رکوع جائز ہے؟

الجواب؛ نماز میں سجدہ تلاوت کے بجائے رکوع کافی ہے بشرطیکہ رکوع میں
 سجدہ تلاوت کی نیت بھی کرے، اور سجدہ نماز میں بدن نیت کے بھی کافی ہے، مگر رکوع و
 سجود صلوٰۃ اسی وقت سجدہ تلاوت کے بجائے کافی ہیں جبکہ آیت سجدہ کے بعد فوراً یا ایک
 دو آیت پڑھ کر رکوع کرے، اگر سجدہ کی آیت کے بعد تین آیتیں پڑھ کر رکوع کیا تو سجدہ

تلاوت ادا نہ ہوگا، اور سجدہ تلاوت کرنے کے بعد بدن کچھ آگے قرأت کئے رکوع کر دینا
 مکروہ ہے، اور ظاہر کراہت تحریمیہ ہے، قال فی مراقی الفلاح ویجوز عنها ای عن
 سجدة التلاوة رکوع الصلوة ان نواها ای نوى اداءها فيه نص عليه محمد
 رای علی اشتراط النية ظ) ویجوز عنها ایضا سجودها ای سجود الصلوة وان
 لم یبنوها ای التلاوة اذ لم یقطع فوراً بتلاوة (مرتبطة فی الركوع والسجود
 جميعا ظ) وانقطاعه بان یقرأ اکثر من ایتین بعد آية سجدة التلاوة
 بالاجماع وقال تميم الائمة الحلواني لا یقطع الفوراً لم یقرأ اکثر
 من ثلاث آیات قال الكمال ان قول شمس الائمة هو الرواية (وقال ط
 والاول اصح من جهة الدراية لانه احوط كما ذكره المؤلف ۱۲) اه
 وفيه ایضا وان كانت (آية السجدة) اخر تلاوته ینبغي ان یقرأ اول
 آیتین، من سورۃ اخرى بعد قیامہ منها حتی لا یصدیر بانیا الركوع علی
 السجود ولورکع به مجرد قیامہ منها کراهه اه قال ط اطلق فی الکراهة وظاهر
 التحريم ویجوز اه (ص ۲۸۲ مع الطحطاوی) ۲۳ شعبان ۱۲۸۳
تحقیق محل سجدہ **سوال** (۲) سورۃ ص میں سجدہ آنا پر ہے یا نمانا پر؟
سورۃ ص **الجواب**؛ سورۃ ص میں سجدہ ٹھن مآپر ہے، کذا فی مراقی لفظاً
 وقال هو الاولی ما قاله انزیلیعی يجب عند قوله تعالى وَخَرَرَّا كَعَبَادًا
 آتَاب، الخ (ص ۲۴۹ مع الطحطاوی)

نماز میں سجدہ تلاوت کو **سوال** (۳) اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے، بلکہ
 مقام سے مؤخر کر لیا حکم ایک دو آیت بعد کرے تو نماز میں نقصان آئے گا یا نہیں؟

الجواب؛ نماز میں سجدہ تلاوت کو مقام تلاوت سے مؤخر کرنے میں اقوال مختلف
 ہیں، بعض نے مکروہ لکھا ہے، اور بعض نے بلا کراہت جائز کہا ہے، بشرطیکہ نماز میں
 سجدہ ادا کرے، اور شہبہ بالصواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی تاخیر سے فوریت منقطع
 نہ ہو (وہو قدر آیتین او ثلاث کما سیاتی) اتنی تاخیر کا مضائقہ نہیں، اور جس تاخیر سے
 فوریت منقطع ہو جائے وہ مکروہ ہے، قال فی نور الایضاح وشرحہ وهو واجب
 علی التواخي ان لم تكن وجبت بتلاوته فی الصلاة لانها صارت جزءاً من

الصلوة لا يقضى خارجها فتجب فورية فيها وفي غيرها تجب موسعا اه (ص ۲۸۸)
قال الطحاوي حتى لو اطال التلاوة تصير قضاء وياشم فيكرة تحريمها
تاخير الصلوة عن وقت القراءة افادة في الشرح وهذا ينافي ما ابداه
في حاشية الدر من قوله ويجوز ان يقال تجب الصلوة موسعا بالنسبة
لمعلمها كما لو تلاها في اول صلوة وسجدها في اخرها اه،

وفي نور الايضاح الصامع الشرح ويجزى عنها اي عن سجدة
التلاوة ركوع الصلوة ان فواها وسجودها وان لم ينوها اذا لم ينقطع فور التلاوة
وانقطاعه بان يقرأ اكثر من ايتين بعد آية السجدة بالاجماع وقال
شمس الائمة الحلواني لا ينقطع الفور ما لم يقرأ اكثر من ثلاث ايات وقال
الكمال قول شمس الائمة الحلواني هو الرواية اه قال الطحاوي والحاصل
ان الفور لا ينقطع باية وايتين اتفاقا وينقطع بارج اتفاقا واختلف في التلاوة
فقيل ينقطع واختاره خواهر زاده وقيل لا واختاره الحلواني وهو اصح من
جملة الرواية كما في الحلبي والاول اصح من جملة الدراية لانه احوط
اه (ص ۲۸۲) قلت وانما كان التأخير مكروها لوجوب السجدة فورية
فيها فاذا لم ينقطع الفور باية وايتين اتفاقا وبثلت اختلافا لم يوجد
علتا لكرهه والله اعلم ثم رأيت الشامي صرح بما فهمته نقلا عن الحلبي
بما لفظه فان كانت صلوة فعلی الفور، ثم تفسير الفور عدم طول المتكلمين
التلاوة والسجدة بقراءة اكثر من ايتين او ثلاث كما سيأتي حليلة اه (ص
۱۳۸۰۶) پس سجدة تلاوت کو قیام سجده سے بقدر ایک دو آیت کے مؤخر کرنے سے نماز میں
نقصان نہ آئے گا، اور بقدر تین آیت کے مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے گو خلاف احتیاط
ہے، اور بقدر چار آیت یا زائد کے مؤخر کر دیا، تو اگر عمداً کیا تو اس سے توبہ کرے اور نماز
میں نقصان رہا اور نماز کا اعادہ اس لئے واجب نہیں، کہ اس واجب فوت شرہ
کی تلافی نہیں ہو سکتی، اور اگر سہواً اتنی تاخیر ہوئی تو اخیر میں سجدة سہولازم ہے، صرح
بوجوبہا الشامی فی (ص ۴۴، ج ۱، باب سجود السہو، نقلاً عن الخلاصة قال وصح فی
الو الجہۃ ایضاً، ۱۸ رمضان ۱۲۸۵ھ،

اقترب للناس کے دو سجدے سجدة سوال (۴) نماز تراویح میں اقترب للناس کے دو سجدے
تلاوت پر سجده کرنے کا حکم سجدة تلاوت پر جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک واجب
ہے سجده کیا تو نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا،

الجواب؛ کچھ نقص نہیں آیا، اگر یہ سجده کرنے والا عالم ہو اور اس کو دلیل سے
امام شافعی کے قول کی قوت معلوم ہو گئی ہو، اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر اس سجده سے
اس شخص پر سجده سہولازم آوے گا، کیونکہ اس کے امام کے نزدیک اس جگہ سجده نہیں
تو اس نے نماز میں بلا ضرورت ایک سجده بڑھا دیا، جس سے تاخیر رکن لازم آئی، جو
موجب سجده سہو ہے، ۱۸ ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ

حکم سجدة تلاوت بغیر تلاوت سوال (۵) نماز تراویح میں سورۃ الشقاق شروع کی
آیت سجده اور فہم لایؤمنون پر ختم کر کے سجده کر لیا، پھر سجدے سے
اٹھ کر سجده کی آیت چھوڑ کر بقیہ سورۃ ختم کر کے رکعت پوری کر لی، یعنی سجدة تلاوت
ہو اور سجده کی آیت تلاوت نہیں ہوئی، ایسی حالت میں نماز صحیح رہی یا نہیں،
یہ غلطی سہواً ہوئی ہے؟

الجواب؛ اس صورت میں سجده سہولازم تھا، سجدة تلاوت جو بدون آیت
سجدة کے کیا گیا ہے، عمل زائد ہوا جس سے واجب میں تاخیر ہوئی، ۱۸ ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ
نماز عیدین میں دوسری رکعت میں
قرأت آیت سجده پر ختم ہو گئی، تو رکوع
یا سجده میں سجدة تلاوت ادا ہو جا گا
یا تکبیرات رکعت ثانیہ کا فصل مانع ہو؟

سوال (۶) سجدة تلاوت صلواتیہ کا مسئلہ
ہدایہ میں تو ہے نہیں، مگر مجھے یہ یاد ہے کہ ختم
آیت سجده پر اگر نیت کرے تو رکوع میں داخل
ہو جاتا ہے، اور بلا نیت کے سجدة صلوة میں داخل
ہو جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ آیت
سجده کے متصل ہی رکوع کر لے، اگر آیت سجده کے بعد کچھ اور پڑھ گیا، تو داخل
درست نہ ہوگا، بلکہ سجدة تلاوت علیحدہ ادا کرنا ہوگا، اس میں یہ دریافت طلب ہے
کہ صلوة عیدین میں اگر رکعت ثانیہ میں آیت سجده پر قرأت ختم کر لے تو سجده کا داخل
(بنیت) رکوع میں اور (بلا نیت) سجدة صلوة میں ہو جائے گا یا نہیں؟ وجہ شبہ
یہ ہے کہ آیت سجده اور رکوع میں تکبیرات زوائد نے فاصلہ کر دیا ہے،

الجواب؛ قال في مرقا الفلاح ويجزئ عنها ركوع الصلوة ان نواها و
ينبغي ذلك للامام حال كثرة القوم ويجزئ عنها سجودها ايضا وان لم ينزها
اذا لم ينقطع فور التلاوة وانقطاعه بان يقرأ أكثر من آيتين وقال الحلواني
ما لم يقرأ أكثر من ثلاث آيات قال الكمال وهو الرواية اه (ص ۲۸۲ ملخصا)
اس سے معلوم ہوا کہ بقدر آیتیں یا ثلاث آیات کے ... فصل سے فور منقطع نہیں ہوتا،
اور بحیرات ثلاث عید آیتیں کے برابر اور تین آیات سے کم ہیں، اس لئے صلوة عید کی رکعت
ثانیہ میں بھی آیت سجدہ پر قرأت ختم کر کے رکوع یا سجدہ میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائیگا، ۲۲ شعبان ۱۳۲۸ھ
احکام سجدہ تلاوت برتالی سامع | سوال (۲) ایک طالب علم بغرض حفظ آیت سجدہ کو
ایک ہی جلسہ میں بار بار تلاوت کرتا ہے، اس کا استاد جو اسی مجلس میں بیٹھا سنتا ہے
اس پر ایک ہی سجدہ ہو گا یا متعدد؟

(۲) قرأت سکھانے میں ایک مرتبہ قاری آیت سجدہ پڑھتا ہے اور دوبارہ متعلم
بغرض مشق اس کا اعادہ کرتا ہے، جلسہ ایک ہی رہتا ہے تو ایک سجدہ کرنا ہو گا یا دو؟
(۳) تالی بغرض حفظ ایک ہی مجلس میں بار بار ایک ہی آیت سجدہ پڑھتا ہے،
اور سامع اسے دور سے دوسری مجلس میں سن رہا ہے تو اس سامع پر کتنے سجدے واجب ہوں گے؟
(۴) تالی تو ایک ہی مجلس میں اعادہ و تکرار آیت سجدہ کر رہا ہے، مگر سامع کی مجلس
بدلتی رہی تو اسے کتنے سجدے کرنے ہوں گے؟

(۵) دو یا چند طالب علم ہم سبق ایک ہی آیت سجدہ کو پڑھتے ہیں تو سامع کو ایک
سجدہ کرنا ہو گا یا دو، مجلس ایک ہی رہی؟

الجواب (۲) ان صورتوں میں طالب علم اور استاد دونوں پر ایک ہی
سجدہ واجب ہے،

(۳) سامع کی مجلس اگرچہ مجلس تالی سے متحدہ ہو مگر جب کہ سامع کا سماع متحد ہی،
بوجہ اتحاد آیت و اتحاد مکان سماع کے تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہو گا،

(۴) اس صورت میں قول مفتی بہ پر سامع کے ذمہ سجدات متعدد ہوں گے،

(۵) اس صورت میں سامع پر ایک ہی سجدہ ہو گا،

الدلائل؛ قال في الدر ولو كررها في مجلسين تكفي في مجلس واحد لا في كل واحد

والاصل ان مبناها على التماس اخل دفعا للخرج بشرط اتحاد المكان والايته
قال الشامي اي بان يكون المكية اية واحدا في مجلس واحد فله تلا آيتين
في مجلس واحد او اية واحدة في مجلسين فلا تداخل، ولم يشترط اتحاد
السماع لانه انما يكون باتحاد المسموع فيغني عنه اشتراط اتحاد الآية
واشار الى انه متى اتحدت الآية والمجلس لا يتكسر بالوجوب وان اجتمع
التلاوة والسماع ولو من جماعة ففي البدائع لا يتكرر ولو اجتمع سببا
للوجوب وهما التلاوة والسماع بان تلاها ثم سمعها او بالعكس او تكرر
احدهما اه وفي البرازية سمعها من اخر ومن اخر ايضا وقرأها ايضا
كفت سجدة واحدة في الاصح لاتحاد الآية والمكان اه وفيه ايضا
قبله لو تلا سجدات القرآن كلها او سمعها في مجلس او مجالس وجبت
كلها اه (ص ۸۱ و ۸۱۲ و ۱۳۰) اي لاختلاف التلاوة والسماع باختلاف
المتلو والمسموع، قال في الدر كما تتكرر لو تبدل مجلس سامع دون تال
كما لو كررها راكباً يصلي و غلامه يمشي تتكرر على الغلام لا الراكب ولا
تتكرر اي على السامع ۱۲ شامی فی عکسہ وهو تبدل مجلس التالی دون السامع
على المفتي به اه (ص ۸۱۳)

تنبيه، يختلف المكان حقيقةً بالانتقال منه الى اخر باكثر
من خطوتين كما في كثير من الكتب او باكثر من ثلاث كما في المحيط ما
لم يكن للمكانين حكم الواحد كالمسجد والبيت والسفينة ولو جارية
والصحراء بالنسبة للتالي في الصلوة راكباً فان الصلاة تجمع المتفرق
فكان الصحراء كل مكاناً واحداً للمصلي راكباً، وحكما وذلك بمباشرة عمل
يعني في العرف قطعاً لما قبله والمسجد ولو كبيراً مكان واحد وكن البيت
الا اذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان اه حلية وظاهرة ان الدار
التي دونها لها حكم البيت وان اشتملت على بيوت ثم قال في الحلية
ثم الاصل على ما في الخانية والخلامة ان كل موضع يصح الاقتداء
فيه بمن يصلي في طرف منه يجعل كمكان واحد ولا يتكرر الوجوب

فيه وما لا فلا هم شامی رص ۸۱۳) قلت فليست السائل في الجواب الرابع هل
اختلف مجلسه بمثل هذا الاختلاف الذي لا يصح فيه الاقتصاء بمن يصل في طرف
منه ام لا والله اعلم، ۲۶ ر محرم ۱۳۸۵

آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے واجب ہو جائے گا، بشرطیکہ آیت یا ترجمہ کو زبان سے پڑھیں اور صرف
دیکھ لینے سے سجدہ واجب نہ ہوگا ۱۲ مدیر (سوال) آیت سجدہ کا ترجمہ زبان سے پڑھنے سے
سجدہ واجب ہوگا یا نہیں، محقق قول کونسا ہے؟

الجواب: جو التور میں لکھا ہے کہ آیت ترجمہ کو زبان سے پڑھیں تو سجدہ تلاوت
واجب ہے، یہ صحیح ہے کما فی العالمگیر (ص ۸۵) و اذا قرأ آية السجدة بالفارسية
فعلیه وعلى من سمعها السجدة فبسم السامع اول اذا اخبر السامع انه قرأ آية السجدة
وعندهما ان كان السامع يعلم انه يقرأ القرآن يلزمه والا فلا كذا في الخلاصة
وقيل يجب بالاجماع وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي، كتبه الاحقر عبد الكريم عفی
۸ صفر ۱۳۸۵، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنه ۹ صفر ۱۳۸۵

سوال (۹) فرضوں میں سورۃ اقرآن سورۃ الشقاق یعنی سجدہ
تو سجدہ تلاوت ضروری ہے یا نہیں؟ والی سورۃ ارادہ پڑھنی کسی ہو اور انکے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں،

الجواب: سورۃ الشقاق میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کیا جاوے اور بعد
سجدہ کے سورۃ پوری کر کے رکوع کریں، البتہ اگر آیت سجدہ پر قرآن ختم کر دی جاوے تو تلاوت
کا سجدہ مستقلاً کرنا ضروری نہیں، بلکہ نماز کا سجدہ ہی اس کی طرف سے کافی ہو جاوے گا، مگر
ایسا کرنا بہتر نہیں ہے، کیونکہ سورۃ کو درمیان میں چھوڑ دینا خلاف اولیٰ سے، ماں اگر سورۃ
علق وغیرہ (جن کے بالکل اخیر میں آیت سجدہ ہے یا آیت سجدہ کے بعد ایک یا دو ہی آیت ہو)
پڑھ کر اگر سجدہ تلاوت نہ کیا جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں نماز کا
سجدہ کرنے سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جاوے گا،

تعلیم: اس صورتِ اخیر میں اگر رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرے کہ اس سجدہ تلاوت
کی طرف بھی یہ رکوع کرتا ہوں، تب بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، لیکن امام کو ایسا نہ کرنا

کیونکہ اگر اس نے رکوع میں نیت کر لی اور مقتدیوں کو پتہ نہ لگا، اس واسطے انھوں نے نیت نہ کی
تو ان کے ذمہ سجدہ تلاوت باقی رہ جاوے گا، واللہ اعلم، احقر عبد الکرم، ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۸۵
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنه

فصل فی صلوة المريض والمسافر

زوجہ کے وطن میں قصر کرے یا نہیں؟ سوال (۱) زید مع اہل و عیال
مسیرال میں آیا جو مقدار مسافت قصر پر ہے، زید اور اس کی بیوی قصر کرے یا نہیں؟
دیگر زید نے وطن اصلی چھوڑ کر دوسرا وطن اصلی بنا لیا ہے، جہاں پر اس کی زمینات ہیں
اور اس کی نگرانی دوسرے قرابت داروں کے ماتحت کیا ہے، کیا قدیم وطن اصلی کو جہاں زمینات
اور دیگر قرابت دار ہیں جیسے ہمیشہ داخل و بہنوئی آوے تو قصر پڑھے یا نہیں؟
الجواب: جس شہر میں انسان اپنا نکاح کرے وہ بھی مثل وطن کے ہو جاتا ہے، لہذا
شوہر کو مسیرال میں قصر نہ کرنا چاہئے، نماز پوری پڑھے، اسی طرح عورت بھی، قال فی
الدر الوطن الاصلی هو موطن ولادته او تاهله او توطنه ام ص ۸۲۹ قلت و هذا
لا یصح مطلقاً بل فیہ تفصیل کما سیأتی،

(۲) دوسری صورت میں دونوں وطن اصلی ہیں، قدیم وطن میں جب جاوے نماز
پوری پڑھے، قال فی العالمگیویۃ ولو انتقل باهله و متاعه الی بلد و لقی له دور و عفا
فی الاول قبل بقی الاول و طناله والیہ اشار محمد فی کتاب کذا فی الزاهدی
ص ۱۳۹۱، واللہ اعلم، ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۵

سوال (۳) کبیری شرح منیہ میں ہے، لو تزوج
وطن اصلی کے متعدد ہونے اور وطن زوجہ کا، المسافر ببلد ولیدینو الاقامتہ بے قیاس لا یصیر مقیماً

وقیل یصیر مقیماً وهو الاوجه لما مر من حدیث عثمان ر روی الامام احمد وابو یوسف
بن ابی شیبہ وابو عمر بن عبد البر والطحاوی ان عثمان مصلی بمبئی اربع رکعات
فانکر الناس علیہ فقال ایما الناس انی تاهلت بمکة منذ قدمت وانی سمعت
رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تاهل فی بلد فلیصل صلوة المقیم ولو
کان له اهل ببلد ین فایتھما دخلها صار مقیماً وان ماتت زوجته فی احدیھما

و بقی له فیہا دور و عقار قبیل لا تبقی و طناله اذا المعتمد الاہل دون الدار کما لو
 تاهل ببلدہ و استقرت مسکنی له و لیس له فیہا دور و قبیل تبقی ام،
 حافظ عبد اللطیف صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر زوج مستقل قیام (جیسا کہ نکاح سے پیشتر
 تھا) اپنے والدین کے وطن میں رکھے، جب تو خاوند کے لئے مسسرا ل وطن بن جاوے گا اور اگر
 رہا سے دیار کی طرح مستقل قیام خاوند کے وطن میں کر لیوے، اور والدین کے ہاں محض
 ملاقات کو آیا کرے تو خاوند مسسرا ل میں مسافر رہے گا، بلکہ عورت بھی اس حالت میں قصر
 کرے گی، لکن مصرح فی ہستی زیور) احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ عورت کا جس جگہ
 مستقل قیام ہو وہ خاوند کا وطن اصلی قرار دیا جاوے گا، اور اذا المعتمد الاہل دون الدار الخ
 سے یہی مفہوم ہوتا ہے، اور اس توجیہ پر خاوند کا تاج للزوجہ ہونے کا اشکال بھی نہیں ہوتا،
 البتہ یہ سوال ہوگا کہ وطن قدیم وطن رہے گا یا نہیں، اگر نہیں جب تو کچھ اشکال نہیں، اور
 اگر وہ بھی وطن رہے گا تو دور وطن ہو جائیں گے، حالانکہ الوطن الاصلی بطل بمثلہ کے موافق وطن
 اصلی متعدد نہیں ہو سکتے، اور متعدد والیہ ہونے کی صورت میں بھی یہی اشکال ہے مسئلہ کی
 تحقیق فرما کر حدیث کا محل بھی بیان فرما دیجئے، یعنی اگر قصر در مسسرا ل علی الاطلاق نہیں تو
 حضرت عثمان غ کا استدلال کس طرح صحیح ہوگا؟ عبد الکریم گمٹھلوی

الجواب؛ قال فی البحر والوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدتہ
 او بلدہ اخرى اتخذها داراً ووطن بہا مع اہلہ وولدہ و لیس من قصد الارتحال
 عنہا بل التعیش بہا و ہذا الوطن یبطل بمثلہ لا غیر و ہوان یتوطن فی بلدہ اخرى
 وینقل الہل الیہا فیخرج الاول من ان یکون وطناً اصلیاً حتی لو دخلہ مسافراً
 لا یتیم قیداً بكونہ انتقل عن الاول باہلہ لانہ لو لم ینتقل بہم و لکنہ
 استحدث اہلاً فی بلدہ اخرى فان الاول لم یبطل و یتیم فیہما، و فی المحيط
 ولو کان لہ اہل بالکوفۃ و اہل بالبصرۃ فمات اہلہ بالبصرۃ و بقی لہ دور و
 عقار بالبصرۃ قبیل البصرۃ لا تبقی و طناله لانہا انما کانت وطناً بالاہل لا بالعقار
 الا تری انہ لو تاهل ببلدہ لم یرکن لہ فیہا عقار صارت و طناله و قبیل تبقی و طناً
 لہ لانہا کانت و طناله بالاہل و الدار جمیعاً فبزوال احدہما لا یرتفع الوطن
 کوطن الاقامۃ یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع اخر ام (ص ۱۶۳ ج ۱) ۱۲

و فی المجتبى نقل القولین فیما اذا نقل اہلہ و متاعہ و بقی لہ دور و عقار ثم قال
 و ہذا جواب واقعة ابتلینا بہما و کثیر من المسلمین المتوطنین فی البلاد ولہم دور
 و عقار فی القرى البعیثۃ منہما یصیفون بہا باہلہم و متاعہم فلا بد من حفظہا
 انہما و طنان لہ لا یبطل احدہما بالآخر ام بحرص ۲ ج ۱ ص ۱۳۶ و فی البدائع ثم
 الوطن الاصلی یجوز ان یکون واحد او اکثر من ذلك بان کان لہ اہل و دار فی
 بلدتین او اکثر ولم یرکن من نیتہ اہلہ الخروج منہا وان کان ہو ینتقل من
 اہل الی اہل فی السنۃ حتی انہ لو خرج مسافراً من بلدۃ فیہا اہلہ و دخل فی
 ای بلدۃ من البلاد الی فیہا اہل فیصیر مقيماً من غیر نیتہ الاقامۃ ام، ص ۱۰۳ ج ۱

و فی مراقی الفلاح و اذا لم ینقل اہلہ بل استحدث اہلاً ایضاً ببلدہ اخرى
 فلا یبطل وطنہ الاول و کل منہما وطن اصلی لہ ام قال الطحطاوی و کن الو
 استحدث اہلاً فی ثلاث مواضع فالحکم واحد فیما یظہر ام، ص ۲۳۹ و فی
 فتح القدر و وطن اصلی و هو مولد الانسان او موضع تاهل بہ و من قصدہ
 التعیش بہ لا الی سواہ و لو تزوج المسافر فی بلد لم ینو الاقامۃ فیہ قبیل
 یصیر مقيماً و قبیل لا ام، ص ۱۶ ج ۲ و فی الکفاۃ و لو کان لہ اہل ببلد و استحدث
 فی بلدہ اخرى اہلاً اخر کان کل واحد منہما وطناً اصلیاً لہ و یرى انہ کان لغتہا
 اہل بملکۃ و اہل بالمدينة و کان یتیم الصلوٰۃ بہما جمیعاً ام، ص ۲ ج ۲

و فی الخلاصۃ المسافر اذا جاوز عبران مصرۃ فلما سار بعض الطریق
 تذکر شیئاً فی وطنہ فغزم الرجوع الی الوطن لذلک ان کان ذلک و طناً اصلیاً
 بان کان مولدہ فیہ اولم یرکن مولدہ لکن تاهل فیہ و جعل داراً یصیر مقيماً
 بمجرد العزم الی الوطن ام، ص ۱۹۸ ج ۱ و فیہ ایضاً ص ۱۹۹ ج ۱ ما نصہ و انما یصیر
 المسافر مقيماً اما بدخولہ مصر الہ فیہ اہل او بان بدالہ لعود الیہ الخ و فی
 الفتاوی السراجیۃ اذا دخل المسافر بلدہ لہ فیہا اہل صار مقيماً نوى الاقامۃ
 اولاً ام، ص ۶۲ ج ۱

ان نصوص فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوئے :- (۱) وطن اصلی وہ ہے جس میں تعیش
 مع الاہل ہو، اور وہاں سے ارتحال و نقل اہل کا قصد نہ ہو (۲) جب کسی کو سفر مقام سے

توطن کا ارادہ ہو تو بدون نقل اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا، (۳) وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں بن کرے اور ہر بیوی کو اسی کے شہر میں رکھے تو اس شخص کے چار وطن اصلی ہو جائیں گے، (۴) جز شہر میں کسی شخص کے اہل و عیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا جیسا کہ بعض ملازمان سرکاری اپنے اہل و عیال کو جائے ملازمت میں مستقل طور پر رکھتے ہیں، پھر وہاں سے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہیں، یہ لوگ جب اپنے اہل و عیال کی قیام گاہ پر پہنچیں گے مقیم ہو جائیں گے، بدل علیہ جزئیۃ السراجیۃ والجبتی، (۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطن اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا، اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے، چنانچہ عبارت بخر میں دوطن بہامع اہلہ ولیس مقصد الارتحال عنہا بل العیش بہا، اور عبارت فتح میں او موضع تابل بہ ومن قصده العیش بہ لا الارتحال، اور عبارت خلاصہ میں اولم یکن مولدہ ولكن تابل فیہ وجعلہ دارا، تابل کے ساتھ قصد عیش وجعل دار کی قید صاف مذکور ہے، اور حضرت عثمان کے قصہ میں بھی اُن کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا، بلکہ تزوج کے بعد اہل کا مکہ میں رکھنا اس کا سبب تھا، چنانچہ کفایہ کی عبارت میں اس کی تصریح ہے روى انه كان لعثمان اهل بالمدينة واهل بكة وكان يتم بهما جميعا، اور حدیث من تابل ببلدة فليصل فيها صلوة المقيم کا بھی یہی محل ہے، یعنی من تابل ببلدة وانسكن اہلہ فیہا ولم یقلہا عنہا، کیونکہ اگر مطلق تزوج ببلدة موجب قصر ہو جاوے خواہ زوجہ کو وہاں رکھے یا نہ رکھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قصر نہ کرنا چاہئے تھا، کیونکہ آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے مکہ میں نکاح کیا تھا، اور حضرت سودہ کے باپ کا گھر وہاں موجود تھا، اُن کے بھائی وغیرہ بھی وہاں موجود تھے، نیز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے مکہ ہی میں نکاح کیا تھا، اور ان کا خاندان مکہ میں تھا، مگر صحیحین ثابت ہے کہ آپ نے مکہ میں قصر کیا ہے، اور بعد نماز کے فرماتے تھے یا اهل مکة اتموا صلواتکم فانا قوم سفر، و فی الفتح ص ۲۰ ج ۲ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسافر بزوجة قصر، اور یہ بھی صحاح میں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں تمام ازواج کو ساتھ لائے تھے، جن میں بعض کا پہلا وطن مکہ میں تھا، لیکن بالہنمہ حضور نے قصر کیا ہے، پس صورت مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شہر میں نکاح کر کے زوجہ کو وہاں

نہ رکھے بلکہ اپنے شہر میں لے آئے تو زوجہ کا وطن شوہر کا وطن اصلی نہ ہوگا، شوہر جب وہاں مسافر ہو کر گزے تو قصر کرے گا، اور اگر زوجہ کو اسی کے وطن میں رکھے تو اس کا وطن زوجہ کا وطن ہو جائے گا، خواہ زوجہ کا مستقل قیام اپنے وطن میں رہتا ہو یا دونوں جگہ رہتا ہو، اس پر غالباً سائل کو کبیری کے اس جزئیہ سے اشکال پیش آئے گا، تو تزوج المسافر ببلد ولم یثوالاقامة فقیل لایصیر مقیما دقیل یصیر مقیما، اور اللہ جل جلالہ عنہ حدیث عثمان اس پر یہی جزئیہ فتح القدر میں بھی ہے کما مر، مگر موجب اشکال کچھ نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسافر نے ایک شہر میں نکاح کیا، اور اس کا ارادہ بنفسہ وہاں قیام کرنے کا نہیں (لیکن زوجہ کو وہاں رکھنے کا ارادہ ہے) تو اوجہ یہ ہے کہ وہ مقیم ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث عثمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عثمان باوجودیکہ مکہ میں مقیم نہ تھے، اور نہ اُن کو مکہ میں اقامت جائز تھی، قال فی الفتح ان الاقامة بکة علی المهاجرین حرام کما سیأتی، اور ص ۲۰ ج ۲، لیکن پھر بھی انھوں نے قصر نہ کیا، کیونکہ ان کی ایک اہل مستقل طور پر مکہ میں مقیم تھی، اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کا مستقل قیام گواہ اپنے وطن میں ہو لیکن جب اس کی بیوی کا مستقل قیام دوسری جگہ ہوگا تو شوہر وہاں جا کر مقیم ہو جائے گا، کما مر عن السراجیۃ اذا دخل المسافر بلدا لہ فیہا اهل (اسی مقیمہ) صار مقیما نوبی الاقامة ادلا، اور جن قائلین نے اس صورت میں شوہر کو مقیم نہیں مانا، جیسا کہ کبیری میں دوسرا قول مذکور ہے، انھوں نے اس پر نظر کی ہے، کہ جب شوہر کا قیام زوجہ کے بلد میں نہیں رہتا اور نہ وہ اقامت کا وہاں قصد کرتا ہے تو پھر اس کو مقیم نہ کہنا چاہئے مسافر ہی ماننا چاہئے، اور حدیث عثمان کو نیت اقامت پر حمل کرتے ہیں، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ مرد کا زوجہ کو مستقلاً کسی مقام پر رکھنا یہ عملاً اقامت ہے، لانه لا یخلو عن نوع تعیش بہ وتابل، لہذا اس صورت میں نیت عدم اقامت کا اعتبار نہ ہوگا، لایسما وقد تأید بحدیث عثمان وانہ اتم بکة مستدلا بہ مع انہ لم یقیم بہا البتہ فافہم، فاعدا، حدیث عثمان جس سے کبیری میں احتجاج کیا ہے محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، قال الحافظ فی الفتح والاول دان کان نقل واخرجه احمد والبیہقی من حدیث عثمان انه لما صلی بمبئی اربع رکعات انکر الناس علیہ فقال انی تاہلت بکة لما قدمت وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاہل ببلدة فانه یصلی صلوة مقيم فہذا الحدیث لا یدفع لانه منقطع

وفي رواية من لا يجتنب به اه من ۲ ج ۲۰۰ وفي عمدة القاري قلت هذا منقطع اخر
 البيهقي من حديث عكرمة بن ابراهيم وهو ضعيف عن ابن ابي ذباب عن ابيه اه
 ص ۲ ج ۵۳۳ قلت لم ينسبه احد الى الكذب قال النسائي ضعيف وقال العقبلي
 في حديثه اضطر اب وقال النسائي في التمييز ليس بثقة وقال يعقوب بن سفيان
 منكر الحديث وقال البزارين الحديث وقال ابو حامد الحاكم ليس بالقوي اه
 لسان الميزان ص ۱۸۱ و ۱۸۲ ج ۴ ويظهر من التقريب وشرح التدریب ان قولهم
 ليس الحديث من ادنى مراتب الجرح وهو قريب من التعديل وقولهم ليس
 بالقوي يكتب حاشية ايضا ولا يطرح بل يعتبر به ص ۱۲۶ و ۱۲۷ فعكرمة هذا ليس
 بمن يترك حديثه وقال السيوطي في خطبة كنز العمال وكل ما كان في مسند احمد
 فهو مقبول فان الضعيف الذي فيه يقرب من الحسن اه والحديث رواه احمد
 في مسنده ص ۶۲ ج اودعة الانقطاع لا تضر عندنا والله اعلم ۲ ج ۲۰۰

معذر كيلة استقبال قبله | سوال (۳) |

کی شرط کا ساقط ہو جانا جو شخص ایسا مجبور ہو کہ رو بہ قبلہ ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا، نہ اس طریق
 سے نماز پڑھ سکا جو طریق صاحب فراش کے لئے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے ایسی مجبوری میں
 جس طریق سے اور جس پہلو سے نماز ادا ہو سکے پڑھ لی، اکثر نمازیں مجبوراً مشرق کو منہ کر کے چاہئے
 پڑھیں پڑے پڑے ادا کی گئی ہیں ایسا یہ نمازیں صحیح اور درست ہیں یا قابل اعادہ ہیں، اور جو شخص
 مجبوری قبلہ کو منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکے، اس کو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہئے،
 یا وقت مجبوری تک نماز موقوف رکھنا چاہئے یا اس کو مجبوری کی حالت میں جس طرح بن پڑے
 ادا کرے، پھر بعد مجبوری ان نمازوں کو ادا کریں مسئلہ شرعی بیان فرما کر اجر اللہ سبحانہ
 سے حاصل فرمادیں،

الجواب؛ قال في مراقى الفلاح وقد مناجاز التوجه لما قدر عليه بلا
 وسقوط التوجه الى القبلة بعد المرض ونحوه اه ص ۲۵۱ وفي العالم الكبيرية فان
 كان يعرف القبلة ولكن لا يستطيع ان يتوجه الى القبلة ولم يجد احدا يحوله
 الى القبلة في ظاهرها الرواية انه يصلى كذلك ولا يعيد فان وجد احدا يحوله
 الى القبلة يشغى ان يامر حتى يحوله فان لم يامر و صلى على غير القبلة لا يجوز

۱۸ ص ۸۸ ج ۱، اس سے معلوم ہوا کہ جب مریض استقبال قبلہ پر قادر نہ ہو اور نہ کوئی قبلہ
 کی طرف متوجہ کرنے والا موجود ہو تو اس کو غیر قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھنی چاہئے اور نماز کو
 مؤخر نہ کرے، اور ان نمازوں کا اعادہ بھی نہیں، لیکن اگر قبلہ کی طرف متوجہ کرنے والا موجود
 تھا اور اس سے بدون کہے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی، تو نماز صحیح نہ ہوگی، اور اگر کہا لیکن
 اس نے کہنے پر عمل نہ کیا تو نماز درست ہوگئی، واللہ اعلم، ۲۲ رجب ۱۴۲۵ھ

اس سفر کا حکم جس کے درمیان | سوال (۴) | ایک شخص تھانہ بھون میں مقیم ہے اور سہارنپور
 میں وطن اقامت واقع ہو، کسی غرض سے آیا، اور سہارنپور سے دہلی جانے کا قصد کر کے

تھانہ بھون سے گذرا، اور اسباب وغیرہ اس کا تھانہ بھون ہی میں موجود ہے، پس ایسی
 حالت میں وہ تھانہ بھون میں قصر کرے گا یا اتمام اور اسباب عاک ہے، یا ضروریہ کی تخصیص؟
 الجواب؛ صورت مذکورہ میں یہ شخص جب سہارنپور سے بیت سفر دہلی چل کر تھانہ بھون میں
 داخل ہوگا تو تھانہ بھون میں اتمام کرے گا، کیونکہ اس صورت میں انشاء سفر من وطن الاقامت
 نہیں ہوا، بلکہ انشاء سفر من موضع غیرہ ہوا ہے، اور جب انشاء سفر موضع اقامت سے
 نہ ہو، بلکہ دوسرے موضع سے ہو تو وطن اقامت کے باطل ہونے کی شرط یہ ہے، کہ انشاء سفر میں
 اس پر مرد نہ ہو، یا اگر مرد ہو تو بعد مسافت ثلثہ ایام قطع کر چکنے کے بعد مرد ہو، اگر مسافت
 ثلثہ ایام قطع کرنے سے پہلے وطن اقامت پر گذر ہو، یعنی اس میں داخل ہوا، تو اتمام کرے گا
 بلکہ اس صورت میں وہ سہارنپور سے چل کر مسافر ہی نہیں ہوا جبکہ اس کا ارادہ درمیان میں
 وطن اقامت میں داخل ہونے کا ہے، قال العلامة الشامی والحاصل ان انشاء السفر
 يبطل وطن الإقامة اذا كان منه اما لو انشاءه من غيره فان لم يكن فيه مورد
 على وطن الإقامة او كان ولكن بعد سير ثلثة ايام فكذا لو قبله لم يبطل
 الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته والله اعلم اه وفيه
 ايضا قال في الفتح ان السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مورد على وطن
 الإقامة او ما يكون فيه المرور به بعد سير مدة السفر اه ص ۸۳۰ ج ۱،

اب یہ صورت باقی رہی کہ اگر کوئی شخص مسافت ثلثہ ایام قطع کرنے کے بعد وطن اقامت
 پر گذرا، مگر وہاں قیام کا ارادہ نہیں، بلکہ آگے جانے کا ارادہ ہے، اور وطن اقامت میں اس کا
 اسباب وغیرہ موجود ہے، اس صورت میں یہ شخص وطن اقامت میں قصر کرے یا اتمام؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسافت سفر قطع کرنے کے بعد وہ وطن اقامت میں داخل ہوا، اور اس کے بعد بھی مسافت سفر کا ارادہ ہے تو اب یہ اس کا وطن اقامت باقی نہیں رہا، سفر سے اس کی وطنیت باطل ہو گئی، اور اسباب کا باقی رہنا بطلان وطنیت بالسر کو مانع نہیں، ہاں اگر وطن اقامت سے منتقل ہو کر دوسری جگہ وطن اقامت بنا نا چاہے اور ان دونوں کے درمیان سفر نہ ہو تو پہلا وطن محض انتقال سے باطل نہ ہوگا، بلکہ انتقال بنفسہ و انتقال بالمتاع کے مجموعہ سے باطل ہوگا، حتیٰ کہ اگر دو سفر موضع میں نیت اقامت کرے اور موضع اول میں اس کا اسباب باقی ہے اور متاع سے مراد متاع ضروری ہے، الذی يعد الرجل ببقاء مقيما عرفا كما في البيت الذي لا بد منه والدار والعقار، پس بقا متاع انشاء سفر کی صورت میں مانع بطلان وطنیت نہیں بلکہ نیت اقامت بموضع آخر کی صورت میں بقا متاع بطلان وطنیت موضع اول کے لئے مانع ہے قال فی البحر کوطن الاقامة يعقب بقاء الثقل وان اقام بموضع اخره ص ۱۲۶ ج ۲ وفي العالم كبرية ووطن الاقامة ووطن الاقامة يبطل بوطن الاقامة وانشاء السفر وبالوطن الاصلی هكذا فی التبيين وفي الكفاية ومن حكم وطن السفر انه ينتقض بالوطن الاصلی لانه فوّه وينتقض بوطن الاقامة لانه مثله وينتقض بانشاء السفر لانه ضدّه ص ۱۰۷ ج ۲) البتہ اگر وطن اقامت میں اس شخص کے اہل و عیال کا مستقل قیام ہو تو وہاں جا کر یہ شخص معاً مقیم ہو جاوے گا، گو نیت اقامت نہ ہو۔ ما قدمنا فی السؤال السابق عن السراجية مسافر دخل بلدة فيها اهل يصير مقيما وان لم يوال الاقامة ام

ایک صورت اور باقی ہے وہ یہ کہ کسی شخص نے وطن اقامت سے سفر کا قصد نہیں کیا، بلکہ وہاں سے کسی دوسری جگہ گیا، اور وہاں سے سفر کا قصد کیا، اور مسافت سفر قطع کر کے وطن اقامت میں داخل ہوا مگر نیت قیام نہیں، آگے جانے کا ارادہ ہے، لیکن آگے جس جگہ جانے کا ارادہ ہے وہ موضع وطن اقامت سے مدت سفر پر نہیں ہے، اس صورت میں وطن اقامت پر پہنچ کر اس شخص کو تمام کرنا چاہئے، فی حاشیة الطحطاوی علی مرقی الفلاّ وبقی ما اذا خرج منه علی نية السفر الا ولی ثم جاوزه بمدّة سفر منه او من الاصلی وله یقیم فی غیره ثم مرّ به هل یتیم وظاهر کلاهما نعم لانه لم یدخل الاصلی ولم یقیم فی غیره ولم ینشئ سفرا بعده وحرره ۱۵ ص ۲۲۹،

خلاصہ یہ ہوا کہ وطن اقامت سے اگر انشاء سفر کا قصد کیا جاوے، اس صورت میں تو خروج من العمان کے بعد ہی وطن اقامت باطل ہو جائے گا، قال الشامی واولد قوله واما المکی الہ ان انشاء السفر من وطن الاقامة يبطل له وان عاد اليه ولذا قال فی البدائع لو اقام خراسانی بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها الى مكة، فقيل ان يسير ثلاثة ايام عاد الى الكوفة لحاجة فانه يقصر لان وطنه قد بطل بالسفر اه ص ۸۳۰ ج ۱، اور اگر انشاء سفر وطن اقامت سے نہ ہو تو بطلان وطن اقامت کی شرط یہ ہے کہ انشاء سفر میں وطن اقامت میں دخول نہ ہو، یا اگر دخول ہو تو بعد قطع مسافت ثلاثہ ايام ہو اور آگے جس جگہ کا ارادہ ہے وہ بھی وطن اقامت سے مسافت سفر پر ہو، اگر قطع مسافت سفر کے بعد وطن اقامت میں داخل ہو اور آگے جہاں جانے کا قصد ہے وہ وطن اقامت سے مسافت قصر پر نہیں تو وطن اقامت باطل نہ ہوگا، اور اس شخص کو اتنا کرنا لازم ہوگا، واللہ اعلم، ۲ شعبان ۱۳۲۵ھ

سوال (۵) اگر آدمی معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے اس کا طریقہ کے وقت سر میں اٹھائے یا نہیں؟

الجواب؛ قال فی مرقی الفلاح وفي العموی فان ركب جالساً ينبغي ان تحاذي جهته ركبتة ليحصل الركوع اه ولعل مراده انحاء الظهور عملاً بالحقيقة لانه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود اه ص ۱۳۲، اس سے معلوم ہوا کہ بحالت جلوس رکوع کرنے ہوئے صرف اتنا ضروری ہے کہ پیشانی کو گھٹنوں کے مقابل کر دیا جائے، اس سے زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں، نہ سر میں اٹھانے کی ضرورت ہے، واللہ اعلم، ۸ اشوال ۱۳۲۵ھ

سوال (۶) تمہید مسائل ذیل؛ کشتی اور جہاز کے ملاحوں کے لئے نماز قصر پڑھنے کی تحقیق، نیز فناء مصر کی تعریف، اور بندر گاہ پیر رسالہ الامداد ۱۳۲۵ھ کے جمادی الاولیٰ کے نمبر میں ایک فتویٰ محررہ حکیم الامتہ حضرت مولانا نیت اقامت کا حکم

محمد اشرف علی صاحب دام مجید ہم، متعلق مسافر سفینہ کے شائع ہوا تھا، ایک صاحب نے رنگوں سے اس پر کچھ شبہات معہ اپنی تحقیق کے لکھ کر بھیجے، یہاں سے ان شبہات کا جواب اور اس تحقیق پر تنقید لکھی گئی، جو ذیل میں اس ترتیب سے منقول ہیں، اول خط، ثانیاً

وہ تحقیق بصورت فتویٰ، ثالثاً وہ تنقید،

خط آمدہ از رنگون؛

حضرت والا آپ کا فتویٰ مندرجہ رسالہ الامداد ماہ
جمادی الاول ۱۳۲۵ھ احقر کی نظر سے گذرا، آپ نے جو جواب ارقام فرمایا ہے اس کے متعلق
عاجز کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہو گئے ہیں، امید کہ آپ تشفی فرما کر ممنون فرمائیں گے،
آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر
نہیں ہے، جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو، یہ تو آپ بھی
تسلیم فرماتے ہیں کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے، لیکن جب کشتی آبادی کے
متصل کھڑی ہو تو نیت اقامت درست فرماتے ہیں، اب گزارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم
کہاں سے اخذ کیا ہے، (۱) اگر آپ نے فنار مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم
ہوتا ہے، کیونکہ فنار مصر محل اقامت ہے، لہذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا، لیکن
جب کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھنے، اور دریا محل اقامت نہیں ہے تو
آبادی کے قرب کی وجہ سے ان میں کیونکر صلاحیت پیدا ہوگی؟

(۲) اگر آپ نے فقہاء کی تصریح اس بارہ میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمائیے تاکہ
دفعہ خلیجان ہو،

(۳) اس بارے میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں ان سے یہ مستنبط نہیں ہوتا
کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے، ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے
کہ دریا کا کنارہ جبکہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو فنار مصر میں داخل ہے لیکن
اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فنار مصر میں داخل ہے،

(۴) جب مصر اور فنار مصر کے درمیان کوئی باغ یا بڑا میدان یا جنگل حائل ہو
اس وقت وہ مصر کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے، تو جہاز اور کشتی جو دریا میں ننگر انداز ہوتی
ہے اس میں بہ تبعیت مصر کی نیت اقامت درست ہو سکتی ہے، حالانکہ فنار مصر اور باغ
اور میدان و جنگل کے درمیان قطع مسافت ہو، کوئی شئی مانع نہیں ہے، اور جہاز اور
خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد و رفت سے مانع ہے، اور بغیر حیلہ و علاج کے عبور
عادۃً ناممکن ہے،

(۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہو کہ بحر و کشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف
فقہاء کی کوئی تصریح نہ ملے اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟
(۶) عالمگیری سے بحوالہ عتباریہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ تو اس شخص کے
حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو، ظاہر ہے کہ کشتی توٹنے کے بعد وہ اپنے وطن
اصلی میں پہنچ گیا ہے، پس اس کی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہی فقط، فی الحقیقت
یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہو جو مسافت بعیدہ سے آکر یہاں کام کرتے ہیں، جو دریا
کے متصل کسی شہر یا آبادی میں مقیم نہ ہوں ان لوگوں کے متعلق نہیں ہے، جو کسی مصر
یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں، کیونکہ ان کی اقامت کی صحت
وطن اصلی یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل فتویٰ میں جو اس کے ساتھ منسلک
ہے موجود ہے،

(۷) دریا فنار مصر میں شامل ہے کہ نہیں؟

(۸) بحر الرائق کی اس عبارت (لان نیتہ الاقامة لا تصح فی غیرہا فلا تصح فی مفازة
ولا جزیرة ولا سفینة) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں شامی
وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگر چہ
کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے، بحر پر سفینہ کا عطف
اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں سے دو چیزیں مراد ہوں، کیونکہ بحر میں بحر کشتی کے اقامت
کی کوئی صورت نہیں، پس اس پر سفینہ کو عطف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سفینہ سے یہ مراد
ہو کہ جب وہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے، حقیقت
سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدوین قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں ہے، فی الجملہ فقہاء کی تصریحات
مترشح ہوتا ہے کہ بحر اور سفینہ محل اقامت نہیں ہے، پس اس کے حکم کے خلاف حکم دینے کے
کئے صریح دلیل کی ضرورت ہے، دست بستہ عرض ہے کہ ان شبہات کے دفعہ کی طرف توجہ
مبذول فرمادیں، جناب کا وہ فتویٰ جو رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ میں مندرج ہے
دستیاب ہونے سے قبل میں نے یہ فتویٰ لکھا تھا، اگر قبل اس کے آپ کا فتویٰ ملتا تو بغیر جواب
تحریر کے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیج دیتا، اب گزارش ہے کہ ازراہ نوازش جواب تحریر فرما کر
تسکین فرمائیں،

تحقیق صاحب خط کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمکم اللہ تعالیٰ، ان جہاز را نور، اور کشتی با نور کے حق میں کہ جن کے جہاز اور کشتی اپنے بنادر اور قرار گاہوں سے کہیں

دور دراز فاصلہ اور مسافت طویلہ میں جائیں جس سے مقدار مدت سفر قائم نہیں ہوتی، بلکہ اکثر مقامات قریبہ و مصنفات غیر بعیدہ میں روزانہ دورہ کرتے رہتے ہیں، اور عموماً رات کو بعد اختتام کام حسب معمول اپنی اپنی قرار گاہ میں آکر نگر انداز ہوتے ہیں، مندرجہ بالا جہاز اور کشتی کے ملازمین و اہل کار جو غیر مالک کے باشندے ہوتے ہیں انھیں جہاز اور کشتیوں میں رہتے ہیں، ان کا کھانا پینا، سونا و دیگر حوائج ضروریہ کے لئے پورا انتظام جہاز اور کشتی ہی میں ہوتا ہے، تنہا دستقار سے معلوم ہوتا ہے کہ سابق الذکر جہاز اور کشتی کے ملازمین و اہل کار تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ کہ اپنے وطن سے آکر شہر یا گاؤں میں اولاً کوئی جگہ اقامت کی نیت کر کے مقیم ہو جاتے ہیں، پھر کچھ دنوں کوشش و تلاش کے بعد کسی جہاز یا کشتی میں ملازم ہو جاتے ہیں، دوسرے وہ کہ وطن سے آکر بحیثیت ملازم قدیم براہ راست اپنی منصب پر مامور ہو جاتے ہیں اور انھیں کسی غیر جگہ پر اقامت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، تیسرے وہ کہ بحجرت سے ملازمت کسی شہر یا گاؤں پر بلا نیت اقامت تا حصول ملازمت ٹھہر جاتے ہیں اور بعد ملازمت ہو کر کسی جہاز یا کشتی میں جا کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، پس ایسے لوگوں کو پوری نماز پڑھنی چاہیے یا قصر؟ اس بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

الجواب اللہ الموفق للصواب اول الذکر لوگوں کو پوری نماز ادا کرنی ہوگی، کیونکہ بوجہ نیت اقامت و عدم موانع حکم سفر ان کا باطل ہو گیا، اور وہ لوگ

مقیم ہو گئے مافی الکبیری ثم لا يزال المسافر علی حکم السفر حتی یدخل وطنہ اور ینوی اقامة خمسة عشرة يوماً بموضع واحد من مصر او قرية وفي البحر عن المجتبی لا يبطل السفر الابنية الاقامة اور دخول الوطن او الرجوع قبل الثلاثة اہ، اگرچہ یہ لوگ جہاز ہی میں رہتے ہیں اور دوسرے کسی مسکن سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، مگر یہ سبب اس کے کہ اقامت ان کی صحیح اور ثابت ہو گئی ہے، تا وقتیکہ مدت سفر کی مسافت میں نہ جائیں اقامت ان کی باطل نہ ہوگی وہ ہمیشہ مقیم کہلائیں گے، ہاں اگر کبھی تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت میں سفر کریں تو وطن اقامت ان کا باطل ہو جائیگا پھر بعد مراجعت بدون نیت اقامت مقیم نہیں ہو سکتے ہیں، عالمگیری میں ہے ووطن الاقامة

یبطل بوطن الاقامة بانشاء السفر وبالوطن الاصلی الخ، وفي شرح الوقایة ولما وطن الاقامة فانه يبطل بوطن الاقامة الى قوله لمربع الموضع الاقل وطن الاقامة حتى لو دخله لا يصير مقیماً الا بالنية وكذا ان سافر عنه الخ فی الجملة ان کا مقیم کہلانا از حجرت صحت اقامت فی السفن کے نہیں ہے بلکہ بسبب اس اقامت ثابتہ کے ہے جو قبل ملازمت کسی شہر یا گاؤں میں جو لب دریا آباد ہیں، وقوع میں آئی ہے، کما یدل علیہ ما فی العالمگیریة ولا يصير مقیماً بنية الاقامة فیها وكذا لك صاحب السفينة والملاح الا ان تكون السفينة بقرب من بلدة او قرية فم یكون مقیماً باقامته الاصلیة، اہ،

دوسرے اور تیسرے قسم کے لوگوں کو تا بقائے قیام فی السفن نماز قصر کرنی ہوگی، کیونکہ قبل اس کے کہ وہ لوگ کسی جہاز یا کشتی میں ملازم ہوں شہر یا گاؤں میں کسی جگہ مقیم نہیں ہوئے اس لئے مسافت ان کی باطل نہیں ہوتی، جب تک نیت اقامت بحال صراح اقامت ان سے وقوع میں نہ آئے، حکم سفر ان پر ہمیشہ جاری رہے گا، کما فی الوقایة ولو خص قدوم وان عاصیاً فی سفره حتى یدخل بلدة او ینوی اقامة نصف شهر ببلدة او قرية اہ وفي الهدایة ولا يزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قرية خمسة عشر يوماً الخ، جہاز اور کشتی موضع صالح اقامت نہیں ہے، جو شرط ہے صحت اقامت کے لئے، لہذا اس میں نیت اقامت کرنے سے بھی اقامت شرعی ثابت نہیں ہوتی،

بناء بریں متذکرہ بالا تین قسم کے لوگوں میں سے قسم دوم و سوم کے ملازمین کا شمار ہمیشہ مسافت ہی میں رہے گا، اس لئے ان کے حق میں صلوة رباعیہ میں قصر واجب ہے، درمختار میں والحاصل ان شروط الاتمام ستة، النية والمدّة واستقلال الرائی وتوك السیر واتحاد الموضع وصلاحيته اہ، وفي العالمگیریة ونية الاقامة انما توشترخمس شرط ترك السیر حتی لو نوى الاقامة وهو یسیر لم تصح وصلاته الموضع حتی لو نوى الاقامة فی برا او بحر او جزيرة لم تصح والمآ اتحاد الموضع والاستقلال بالرائی اہ

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت و روشن ہے کہ جہاز اور کشتی قابل اقامت اور صالح سکونت نہیں ہے، اس لئے نیت اقامت شرقاً اس میں صحیح نہیں ہے، پس اگر کوئی شخص

معاہنے اثاث البیت اور اہل و عیال کے جہاز یا کشتی میں سکونت اختیار کرے تو بھی وہ شخص شرعاً مقیم نہیں ہو سکتا ہے بسبب نیت اقامت کے کافی الطحطاوی علی مرقی الفلاح
 رقلہ لا تصح نية الإقامة في مفازة) مثلها الجزيرة والبحر والسفينة والملاحة
 مسافر وسفینتہ لیست بوطن الا عند الحسن الخ وکما فی رد المحتار قال فی
 المجتبی والملاح مسافر الا عند الحسن وسفینتہ ایضاً لیست بوطن ام بحر وظا
 ولوکان ماله واهله معه فیها ثم رأیته صریحاً فی المعراج اه فی البحر وقید
 بالبلد والقریة لان نية الإقامة لا تصح فی مفازة ولا جزيرة ولا بحر
 ولا سفینة ام

نوٹ؛ وہ لوگ جو قبل ملازمت جہاز کے کسی گاؤں یا شہر میں مقیم ہو جاتے ہیں اور
 اقامت کی نیت کر لیتے ہیں، اور بعد قیام ملازمت جہاز اختیار کر کے تین روز سے کم کی مسافت
 میں سفر کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو نماز پوری پڑھنی ہوگی، خواہ وہ جہاز ہی میں رہتے ہو
 البتہ اگر کبھی تین روز یا اس سے زیادہ کی مسافت میں سفر کریں تو وطن اقامت ان کا باطل
 ہو جائے گا، بعد مراجعت بدون نیت اقامت کے مقیم نہیں ہو سکتے، جب تک جہاز میں رہیں
 نماز... قصر کرنی ہوگی، جو لوگ وطن سے آکر سیدھے جہاز میں قیام کرتے ہوں یا پندرہ یوم سے
 کم کسی گاؤں یا شہر میں بغیر نیت اقامت بٹھہر کر جہاز میں نوکری اختیار کر لیتے ہیں، ایسے
 لوگوں کے لئے قصر واجب ہے، واللہ اعلم و علم احکم، نمقہ محمد یعقوب غفرلہ

الكلام على الجواب لمذكور اجمالاً من جامع امداد الاحكام

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جہاز رانوں اور ملاحوں کے لئے بنادر اور قرارگاہیں
 متعین ہیں، جہاں وہ رات کو عموماً دورہ ختم کر کے نگر انداز ہوتے ہیں، پس یہ بنادر ان لوگوں
 کے حق میں ایسے ہیں جیسے ملازمان ریلوے کے لئے اسٹیشن، تو اگر یہ بنادر کسی شہر یا قریہ کے
 متصل ہیں، یا متصل نہیں، مگر حواجج بلد یا قریہ کا تعلق اس سے ہے تب تو یہ بمنزلہ فنا
 مصر یا متعلقات قریہ ہونے کے موضع اقامت ہونے کے قابل ہیں، اور اگر کسی مصر یا
 قریہ کے متصل نہیں، نہ ان کے حواجج کا بنادر سے تعلق ہے، تو چونکہ اہل جہاز کے مصالح ان
 بنادر سے متعلق ہیں، اس لئے یہ ان کے حق بمنزلہ صحراء کے ہیں رعایا کے لئے، لہذا بنادر

کوان کے لئے موضع اقامت کہنا صحیح ہے، بشرطیکہ بنادر پر انھوں نے خیمے اور چھونپڑے
 وغیرہ قائم کر لئے ہوں، یا کوئی عمارت ان کی ضروریات کے واسطے بنی ہوئی ہو، پس یہ جہاز ران
 اور ملاح جس وقت بنادر پر پہنچیں گے مقیم ہوں گے، اور جب بنادر سے انتقال
 کریں گے تو اگر تین دن کی مسافت یا زیادہ کا قصد کریں تو وقت سیر سے مسافر
 ہو جائیں گے، (یعنی جبکہ اپنے بندر کی حد سے نکل جائیں)، اور جب بندر پر واپس ہونگے
 مقیم ہو جائیں گے، اس حکم میں تینوں قسم کے آدمی برابر ہیں جن کا ذکر سوال میں ہے، اور
 ان لوگوں کا کشتی میں رہنا مانع عن الإقامة نہیں، کیونکہ فقہاء کے کلام سے یہ بات صراحتاً
 مفہوم ہوتی ہے کہ سفینتہ جب موضع اقامت میں پہنچے تو راکب سفینتہ مقیم ہو جاتا گا،

اور یہ جو فقہاء نے فرمایا ہے کہ سفینتہ صالح للإقامة نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سفینتہ
 سائرہ محل اقامت نہیں، یعنی سفینتہ سائرہ میں ۲۰ یا ۱۵ دن یا زیادہ قیام کی نیت سے
 راکب مقیم نہ ہوگا، قال فی العالمگیریة ولا یصیر مقیمًا بنية الإقامة فیہا
 وکذلک صاحب السفینة والملاح الا ان تكون السفینة بقرب من
 بلدته او قریہ فہ یكون مقیمًا باقامة الاصلیة کذا فی المحيط وفی
 اللؤلؤ الجیة افتتح الصلوة فی السفینة حال اقامتہ فی طرف البحر فنقلہا
 الریح وهو فی السفینتہ فتوی السفر تیمر صلوة المقیم عند ابی یوسف وفی
 الحجۃ الفتوی علی قولہ احتیاطاً وفی العتابیة ولوکان مسافر او شاع فی الصلوة
 فی السفینة خارج المصر فحجرت السفینة حتی دخل المصر تیمم اربعاً ام علیہ
 واللہ اعلم، الراجح سلمہ

الكلام علیہ تفصیلاً

تنبیہ؛ اس جگہ چند امور محتاج دلیل ہیں:- (۱) یہ کہ جب بندر و ساحل
 بحر متصل کسی شہر یا قریہ کے ہو تو وہاں نیت اقامت جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ موضع
 صالح للإقامة ہے یا نہیں؟ (۲) کشتی اور جہاز جب بندر پر کھڑا ہو اور بندر قریب
 شہر یا قریہ کے ہے تو اس حالت میں خود کشتی یا جہاز موضع اقامت ہے یا نہیں؟ (۳)
 اگر بندر متصل شہر و قریہ کے نہیں اس حالت میں اس کا صالح للإقامة ہونا کس
 دلیل سے ثابت ہے، اور کیا وہ مطلقاً صالح للإقامة ہو یا بندر پر خیمے اور چھونپڑے

وغیرہ نصب کرنا بھی شرط ہے،

جواب اول: بندر جب محصل شہر و قریہ کے ہو اس طرح کہ آبادی کا سلسلہ وہاں تک
متدرج ہو یا متصل نہ ہو مگر آبادی والے وہاں کپڑے وغیرہ دھوتے ہوں یا ان کے اور حوائج بندر
سے متعلق ہوں اس صورت میں وہ بحکم فناء مصر و فناء قریہ کے ہے، اور فناء مصر و فناء قریہ
کا حکم وہی ہے جو خود مصر و قریہ کا حکم ہے، اس لئے وہاں اقامت کی نیت درست ہوگی،
قال فی الدرر و فتاویٰ وهو ما حوله اتصل به اولاً لاجل مصالحہ اہ قال الشامی
نص الاثمة علی ان الفناء ما عد لدفن الموتی و حوائج المصر ککرض الخیل و
الدواب و جمع العساکر و الخروج للرحی و غیر ذلک و ای موضع یجد بمسافة یسع
عساکر مصر ویصلح میدان الخیل و الفرسان و رحی السبل و البندق و البارود
و اختیار المدافع و هذا یشترک علی فراغہ اہ و فیہ ایضا اعتبار بعضہم فی تعریف
الفناء الاتصال و قد خطاہ صاحب الذخیرة قائلاً فعلى قول هذا القائل
لا يجوز إقامة الجمعة بخاری فی مصلی العید لان بین المصلی و بین المصر منازع
و وقعت هذه المسئلة مرة و اذنی بعض مشایخ زماننا بعدم الجواز و لکن هذا
لیس بصواب فان احد المرین کجواز صلوة العید فی مصلی العید بخاری لا
من المتقدمین لان المتأخرین کما ان الفناء شرط الجواز الجمعة فهو شرط جواز صلوة العید اہ
ر ص ۸۳ ج ۱) غرض فناء کے لئے اتصال آبادی بھی شرط نہیں، بلکہ اس کے متعلقات بلد
و جبانہ مصر ہونا کافی ہے، اسی طرح قریہ کے متعلقات میں شمار ہونا بس ہر، اور یقیناً جب فناء
بحکم مصر و قریہ ہے تو ان کی طرح یہ بھی ضرور صالح للاقامت ہوگا، کیونکہ جب اسی موضع میں
جائز ہے جو صالح للاقامت ہو، مفازہ و بریہ میں اتفاقاً جمعہ صحیح نہیں باقی جواز قصر کے لئے
مجاوزت فناء کا شرط نہ ہونا دوسری وجہ سے ہے، اس کا مبنی یہ نہیں کہ فناء صالح للاقامت
نہیں، قال فی الکفایة فان قبل فناء المصر فی حکم المصر فی حق صلوة الجمعة و
العیدین حتی جازت الصلوة فیہ مع کون المصر شرطاً لجواز هذه الصلوة
فکیف اعطى الفناء حکم غیر المصر فی حق القصر للمسافر قلنا فناء المصر انما
یلحق بالمصر فیما کان من حوائج اهل المصر صلوة الجمعة العیدین من
حوائج اهل المصر فاما قصر الصلوة فلیس من حوائج اهل المصر فلا یلحق

الفناء بالمصر فی حق هذا حکم اہ (ص ۱۹۵ ج ۱)

پس صلاحیت نیت اقامت کے لئے فناء کی وہ تعریف لی جائے گی، جو صحت صلوة جمعہ
کے لئے فناء مصر کی تعریف عند الحنفیہ ہو، یا فناء قریہ کی تعریف عند الشافعیہ ہو کیونکہ دونوں
کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے اس کا موضع صالح للاقامت ہونا شرط ہے، اور وہ معنی
فناء کے نہ لئے جائیں گے جس کی مجاوزت سے قصر صحیح ہو جاتا ہے، فافہم،
وفی الاملاء عن ابی یوسف ان نزلوا ر عسکرا المسالین) بسا تینہم و اکنا فہم
(رای البغاة) وللمسالین منعة صحت اقامتہم ولا یصح اذا نزلوا علیہم
فی حیاہم و بنا یہ ص ۹۶۸ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ بسا تین بلد و جوانب بلد محل اقامت
ہیں حالانکہ مسافر کو قصر کے لئے مجاوزت بسا تین شرط نہیں، پس جب بندر سے مصلح مصر
و قریہ کا تعلق ہوگا اتصال نہ ہو وہ موضع صالح للاقامت ضرور ہوگا،

جواب شق دوم: جب کشتی یا جہاز بندر پر کھڑا ہو، اور بندر فناء شہر یا قریہ ہی
تو اس صورت میں کشتی یا جہاز کا بھی وہی حکم ہے جو ساحل بحر کا حکم ہے، جس طرح ساحل
بحر موضع صالح للاقامت ہے اسی طرح کشتی یا جہاز واقف و مشدود بالساحل بھی صالح
للاقامت ہے، قال فی الدرر و المربوطة فی الشط کالشط فی الاصح اہ قال الشامی و
ان کان الامام فی سفینة واقفة و المقتل و ن علی الشط فان بینہما طریق او
قدر نفس عظیم لم یصح بحواہ (ص ۹۸ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر درمیان میں طریق
و قدر نہر عظیم نہ ہو تو اقتدار صحیح ہے، اور یقیناً اقتدار کے لئے اتحاد موضع امام و مقتدی
شرط ہی، معلوم ہوا کہ سفینہ واقفہ کا حکم مثل ساحل کے ہے، لہذا اگر ساحل موضع صالح
للاقامت ہو تو سفینہ واقفہ مشدودہ بھی محل اقامت ضرور ہی، الاتحادہ بالساحل فافہم
وفی العتابیة ولو کان مسافراً شہراً فی الصلوة فی السفینة خارج المصر فحجرت
السفینة حتی دخل المصر تیمار بجا اہ عالمگیری (ص ۹۲ ج ۱) قلت و معناه
فحجرت السفینة حتی دخل المصر و هو فیہا، کیونکہ صورت مفروضہ یہ ہے کہ وہ
شخص نماز شروع کرنے کے وقت مسافر تھا، اور نماز شروع کرنے کے بعد اثناء صلوة
میں کشتی مصر میں پہنچ گئی، تو یہ شخص کشتی کے اندر ہی مقیم ہو گیا، پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا
کہ وہ کشتی سے اتر کر شہر میں داخل ہو جائے تو مقیم ہوگا، کیونکہ اثناء صلوة میں اس عمل کثیر کی

کوئی گنجائش نہیں، پس ثابت ہوا کہ دریا کا وہ حصہ جو متصل بلدیہ یا داخل بلدیہ ہو وہ حکم بلد میں ہے، اور کشتی کا اس موضع میں پہنچ جانا اقامت کے لئے سبب ہو سکتا ہے، پس ایسی طرح جو لوگ بندر پر مقیم ہیں اور بندر بوجہ فناء یا فناء قریہ ہونے کے صالح للاقامة ہو تو جب وہ لوگ کشتی کے اندر بیٹھے ہوئے بندر پر پہنچ جائیں اور کشتی یا جہاز بندر پر لنگر انداز ہو جائے تو یہ لوگ مقیم ہو جائیں گے، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سفینہ مشرودہ بالشط بحکم شط ہے، قال فی العالمکبیرۃ و اذا وقف علی الاطلاق یقتدی بالامان فی السفینة صح اقتداءہ الا ان یكون امام الامام کذا فی المحيط ۵ (ص ۱۹۲، ۱۹۳)

الغرض سفینہ کی چار حالتیں ہیں، واقف علی الشط، واقف فی لجة البحر، سائر بقرب الشط، سائر فی لجة البحر (یعنی بعید عن الشط) پس واقف علی الشط بحکم شط ہے، اور جب شط صالح للاقامة ہو سفینہ بھی صالح للاقامة ہے، اور واقف فی لجة البحر بحکم بحر ہے، وہ صالح لنية الاقامة نہیں، یعنی انشاء اقامت کا محل نہیں، گو بقائے اقامت کا محل ہو سکتا ہے، مثلاً پہلے سے شہر یا قریہ میں مقیم ہے، اور کشتی میں سوار ہو کر نہ سفر کی نیت کی، نہ تین دن کی مسافت قطع کی، یہ شخص سفینہ واقف فی لجة البحر باقامة سابقہ مقیم رہے گا، اور سائر بقرب الشط یا بعید عن الشط بھی موضع انشاء اقامت نہیں، البتہ جو شخص پہلے سے مقیم علی الشط ہو وہ کشتی میں بنیہت سفر سوار ہو کر اس وقت مسافر ہو گا جبکہ سفینہ اس کے بندر کی حد سے نکل جاوے، قال فی البناہ وان کان فی سفینة فحین یرکبہا رای یصیر مسافرا یرکبہا) الا ان یكون فی وسط المصر فیعتبوان یجاوز البیوت ۵ (ص ۱۹۳، ۱۹۴) قلت فلما کان سیر السفینة فی المصر لا یکفی لابتداء سفر اهلہ بدون المجاوزة عن البیوت فکذا سیرہا علی الشط لا یکفی لابتداء السفر لاهل الشط حتی یجاوز حد و دہ فانہم ۱۲

پس فقہا کا یہ قول فلا تصح نية الاقامة فی مغارة ولا بحر ولا سفینة ام اس میں اقامت فی البحر سے اقامت فی السفینة الواقفة فی لجة البحر مراد ہے، اگر یہ مان لیا جائے کہ بحر میں بحجز سفینہ کے اقامت ممکن نہیں اور اقامت فی السفینہ سے مراد اقامت فی السفینة السائرة ہے، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سفینہ واقف علی الشط فقہا کے نزدیک بحکم شط ہے، پس اس سے مطلقاً یہ سمجھنا کہ سفینہ کسی حال میں محل اقامت نہیں، غلط ہے،

علاوہ ازیں ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ اقامت فی البحر بدون اقامت فی السفینہ کے مقصود نہیں بلکہ کرامت کے طور پر اقامت فی البحر بدون سفینہ کے ہو سکتی ہے، لان بعض الاولیاء ہمیشی علی وجه الماء ولقیم فی البحر ایاماً، اور فقہا سور بعیدہ کا حکم بھی بیان فرمادیا کرتے ہیں، کما لا یخفی، پس بحجبت سلم کا یہ استدلال کہ عطف بحر علی السفینة تغاثر پر دلالت کرتا ہے، اور بحر میں بحجز سفینہ کے اقامت کی کوئی صورت نہیں، پس سفینہ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تب بھی اس میں اقامت درست نہیں البتہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے، دو بے سفینہ سے سفینہ واقف علی الشط مراد لینا کیا یہ حقیقت کے موافق ہے، یقیناً یہ بھی مجاز ہے، تو اس مجاز کا کیا قرینہ ہے، بخلاف اس کے کہ سفینہ سے سفینہ سائرہ اگر مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے قریب ہے، کیونکہ متبادر اطلاق لفظ سفینہ سے باب مسافر میں یہی ہے، فانہم حتی الفہم،

جواب شق سوم؛ اگر بندر فناء شہر و قریہ نہیں ہے اس صورت میں ظاہر روایت پر وہ صالح للاقامة نہیں، مگر ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صالح للاقامة ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جن کے حوائج و کاروبار بندر سے متعلق ہیں، پس اگر جہاز راں و ملاح وغیرہ کسی ایسے بندر پر جو فناء شہر و قریہ نہیں ہے خیمے یا جھونپڑے ڈال لیں، اور اس کو اپنی قرار گاہ و مرکز متعین کر لیں تو وہ ان کے لئے محل اقامت ہو جائے گا، اور اگر خیمے و جھونپڑے کچھ نہیں ڈالے، اس صورت میں کسی کے نزدیک انشاء اقامت کے لئے صالح نہ ہو گا، یعنی جو سفر کر کے وہاں پہنچے وہ اس حالت میں نیت سفر یا قطع مسافت سفر سے اقامت سابقہ باطل نہ ہو قال فی الکفاہ قولہ حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قرية الی قوله وهو الظاہر ای الظاہر من الروایة وهذا احتراز عما روی عن ابی یوسف ان الرعاة اذا نزلوا مواضعاً کثیراً لکلاء و الباء واتخذوا المخابز والمعالف والاداری وضربوا الخيام ونزلوا الاقامة عشرة یوماً و لکلاء و الماء یکفہم لتلك المدة صاروا مقیمین و کذا الترامکة و الاعراب ۵ (ص ۱۹۵) تراکمہ و اعاب جو کہ اہل خباہت ہیں جن کا مسکن کوئی متعین ہی نہیں ہوتا، ان کا حکم تو ظاہر ہے، مگر ابو یوسف کے نزدیک رعاة کا بھی یہی حکم ہے، اگر وہ جنگل میں خیمے ڈال کر قیام کر لیں، اور ظاہر ہے کہ رعاة کا مسکن کسی بلدیہ یا قریہ میں متعین ہوتا ہے، مگر چونکہ بوجہ شغل رعی کے ان کے حوائج صحرا سے بہت متعلق ہوتے ہیں اس لئے

ان کے حق میں بھی نیت اقامت فی الصحراء وہی حکم رکھتی ہے جو اہل خباہ کے حق میں، پس اسی طرح گو وہ بندر جو قنارہ مصر و شریہ نہ ہو عام لوگوں کے لئے محل اقامت نہیں، مگر ملازمان جہاں و سفینہ و ملاحین کے لئے محل اقامت ہوگا، اگر وہ وہاں خیمے وغیرہ قائم کر لیں ورنہ نہیں، اور چونکہ اہل خباہ کے مسئلہ میں قول ابو یوسف مفتی ہے پس احوط یہ ہے کہ مسئلہ رعاۃ میں بھی ان کا ہی قول لیا جائے مگر ایسے ملازمان جہاز و ملاح جو ان بندروں پر مدت سے آئے ہیں، اور یہاں نیت اقامت کرنے سے مقیم ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کے امام نہ بنیں جو اقامت سابقہ فی بلد یا اقامتہ فی قریہ کی وجہ سے مقیم ہیں، (یا بندر ہی پر مقیم ہیں) مگر ان کا وطن اصلی وہاں سے نزدیک ہے، مدت سفر کی مسافت پر نہیں، کیونکہ یہ خلاف حسیا طہر، والشداعلم وعلما تم واحکم، ۳۴۱ جیب کشتی میں نماز پڑھنے کے متعلق عربی زبان

سوال (۲) ما یقول العلماء الکرام والفضلاء
العظام فی الصلوة فی السفینة هل یجوز مطلقاً فیہ

تفصیل بینوا توجروا؟

الجواب؛ اقول ان هذه المسئلة علی وجوه فنذ کو کلہا مع احکامہ، الوجه الاول ان تكون السفینة مربوطة فی الشط فان كانت مستقرّة علی الارض بحيث اتصل اسفلها بها فالصلوة فیہا جائزة قائماً لا قاعداً لانها فی حکم السریر علی هذا التقدير والصلوة علی السریر انما تجوز قائماً لا قاعداً فكذا هذا وان كانت غیر مستقرّة علی الارض فان امکنه الخروج منها لیجب علیه الخروج للصلوة لكونها فی حکم الدابة علی هذا التقدير وان لم یکن الخروج یصلی فیہا قائماً لان الصلوة فیہا علی هذا التقدير كالصلوة علی الشط والصلوة علی الشط لا بد لها من القيام فكذا هذا، الوجه الثاني ان تكون مربوطة فی الوسط فان استقرت علی الارض فمن فی حکم السریر یصلی فیہا قائماً وان لم تستقر فان امکنه الخروج وهي ساکنة غیر متحركة بالريح یصلی فیہا قائماً لانها فی هذه الصورة كالواقفة علی الشط وقد مر حکمها وان كانت متحركة بالريح حركة شديدة تجوز الصلوة فیہا قاعداً ایضاً وان لم یحصل دوران الرأس بالقيام عند ابی حنیفة، لکن علی الاساءة وعندهما لا یجوز قاعداً وان حصل دوران الرأس فیجوز قاعداً بالاتفاق من غیر اساءة لانها فی

هذه الصورة فی حکم السفینة الساخرة الاتی حکمها، والوجه الثالث ان ان تكون ساخرة فی البحر فان امکنه الخروج منها بوجه یجب علیہ الخروج وان لم یکنه الخروج تجوز فیہا الصلوة فان حصل له دوران الرأس عند القيام یجوز قاعداً بالاتفاق من غیر اساءة وان لم یحصل دوران الرأس فغیراً یجب علیه القيام وعندنا یجوز مع القعود ایضاً مع الاساءة، فی الدر المختار صلی الفرض فی فلك جار قاعد ابل اعذر صرح لغلبة العجز و اساءة وقال الاصل الا بعذر وهو الاظهر برهان والمربوطة فی الشط كالشط فی الاصح والمربوطة بلجة البحر ان كان السیح یحکمها شدیداً فکالسائرة والافکال الواقفة ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وکلما دارت انتهى بلفظه قال فی رد المحتار قوله والمربوطة فی الشط كالشط قد تجوز الصلوة فیہا قاعداً اتفاقاً وظاهر ما فی الهدایة وغیرها الجواز قائماً مطلقاً ای استقرت علی الارض اولاً وصرح فی الايضاح بمنعه فی الثاني حيث امکنه الخروج العاقا لها بالذات فصرح واختاره فی المحيط والبداية، بحر وکن فی الامداد ایضاً الی جمیع الروایات عن المصنفی وجزم به فی نور الايضاح وعلی هذا ینبغی ان لا تجوز الصلوة فیہا مع امکان الخروج الی البر وهذه المسئلة الناس عنها غافلون شرح المنیة ص انتهى بعبارة فقد علم بن ذلك ان ما یفعله کثیر من الناس حتی بعض الخوا ایضاً من ینسبون الی العلم انهم یصلون فی السفن المربوطة فی الشط مع انہا غیر مستقرّة علی الارض وهم قادرون علی الخروج منها وکذا یصلون فی السفن الجارية حالة السیر وهم ینتظرون الخروج منها غلط عظیم نشاء من عدم تتبع کتب الفقه لا بد لهم ان یخرجوا منها وان استقلوا الخروج فعلیهم ان یوقفوها فی موضع تستقر علی الارض ثم یصلون قائمین فقط، والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب، حرره العبد الضعیف فیض الله عنی عنه، الجواب صحیح عزیر الرحمن معنی دارالعلوم دیوبند، ۱۶ شعبان ۱۳۲۵

الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفر له، الجواب صحیح ظفر احمد عفا الله عنه ازخان فاه امداد یہ تمام ہجوں قلت اتصال اسفلها بالارض فلیس بشرط اتصال طرف منها یکنی کما یظهر من نور الايضاح

وحاشیة للطحاوی ونصه فان صلی فی المربوطۃ بالثبط قائما وکان شیء من السفینۃ علی قراب الارض صحت الصلوٰۃ بمنزلة الصلوٰۃ علی السریراہ (۳۲) فقولہ شیء من السفینۃ یعمل الاسفل والمقدّم وغیرہا سواء کان قلیلا او کثیرا
 هذا والله اعلم، احقر ظفر احمد، ۱۹ رصفہ سنہ ۱۳۳۳ھ

سوال (۸) جہاز کے ملازمین کے لئے قصر کا حکم سے بہت سے لوگ نماز قصر پڑھتے ہیں، اور وہ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگ جسکی نوکری کرتے ہیں نہ معلوم کب اس کی طرف سے ایسی خبر آجائے جس سے مسافت کی راہ کوچ کرنا پڑے، اور ہمارے جہاز کا پیندا یعنی نیچے کا حصہ مٹی سے یعنی کنارے سے ٹیک لگی نہیں ہوتی، اگر جہاز کا حصہ کنارے سے لگا ہو تو پوری نماز پڑھنی ہوگی،

اور دوسری بات یہ کہ اپنی کمپنی سے خبر کب صادر ہوگی اس سے بھی واقف نہیں، اور نہ کمپنی نے ایسا کہا کہ فلاں تاریخ کو تمہیں فلاں جگہ جانا ہوگا، اور کمپنی کے دل میں کونسی بات گذرئی ہے اور کونسی بات گذرے گی، اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، اور اگر ایسا خیال ہے کہ ہر وقت آمدورفت ہوتی ہو تو بلا تردد نماز قصر پڑھنی چاہئے، اب یہ لوگ کہتے ہیں ہماری کمپنی کے اس رنگون کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہ کارخانہ ہے، اس جگہ ایک دو بار گیا بھی تھا، اب کوئی متعین وقت جانے کے لئے نہیں اور نہ جانے کا ارادہ ہے، لیکن مالک کی کوئی خبر آئے گی کہ نہیں اس کا علم تو خدا کو ہے،

اب تیسری گزارش یہ ہے کہ ہم لوگ جہاز میں شب دروزرہتے ہیں، اور اسی میں خوردنوش کا بھی انتظام ہے، بلکہ جہاز میں ہماری قیامگاہ ہے، اب اگر مالک کی طرف سے کوئی آرزو ایسا آ پڑے جس سے مسافت کی راہ طے کرنی پڑے، تو اس حالت میں ہم لوگوں پر نماز قصر پڑھنی چاہئے یا نہیں، بشرطیکہ جہاز ہماری قیامگاہ ہے، اور مع جہاز کے جگہ میں پہنچ جاؤں گا، سو اس پر آپ کی کیا رائے ہے، اس مضمون پر خیال فرما کر نورضیا، بخشے، اور کتاب کا حوالہ بھی ضرور دیجئے، اور جو مضمون عربی زبان میں ہو اس کا ترجمہ اردو زبان میں تحریر کیجئے، اس مسئلہ کے بارے میں جہازمی آدمیوں میں بڑا فساد برپا ہو رہا ہے، کوئی عالم کہتے ہیں کہ نماز قصر پڑھنی چاہئے، اور کوئی اس کے برخلاف، اب ہم لوگ حیران ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہیں،

الجواب؛ جو لوگ رنگون میں رہ کر قصر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں کہ

مالک جہاز کی طرف سے کب حکم آجائے اس کا حکم یہ ہے کہ شرع میں وہم وخیال کا اعتبار نہیں، ظن غالب کا اعتبار ہے، اگر ان کو کمپنی کی طرف سے حکم سفر آنے کا ظن غالب ہو، جس کا معیار یہ ہے کہ اکثر ہر مہینے میں ان کو حکم سفر آتا رہتا ہے، جس کی وجہ کسی ایسا موقع نہیں ملتا، کہ اپنے ارادہ و اختیار سے دس پندرہ دن قیام کر سکیں، یہ حالت ہو تو ان کا رنگون میں قصر کرنا درست ہے، بشرطیکہ وہ ان کا وطن اصلی نہ ہو، اور اگر ظن غالب نہیں محض خیال و وہم ہی ہے کہ شاید حکم سفر آجائے تو اس کا اعتبار نہیں، اس صورت میں اگر یہ لوگ رنگون میں نیت اقامت کر لیں، یا ظن غالب سے کبھی یہ معلوم ہو کہ پندرہ دن تک ابھی کہیں دور جانا نہیں ہے تو مقیم ہو جائیں گے، اور نماز پوری پڑھنا چاہئے، اور گذشتہ ایام میں اگر کبھی ایسا ہوا ہو کہ ظن غالب سے پندرہ دن تک کہیں جانا ان کو تحقق نہ تھا، یا پندرہ دن ٹھیرنے کی نیت کر لی تھی اور ظن غالب سے نیت کے پورا ہونے کی امید تھی اور اس وقت میں غلطی سے یہ لوگ قصر کرتے رہے تو ان ایام کی نماز کا اعادہ ضروری ہے، قال فی الدرود دخل بلدۃ ولم یبواہا ای مدۃ الاقامة بل ترقب السفر غدا او بعدہ ولولقی علی ذلک سنین (یقصر)، الا ان یعلم تاخر القافلة نصف شہر کما مرآہ، قلت اشارۃ الی قولہ سابقا وینوی اقامة نصف شہر حقیقۃ او حکما کما فی البزازیۃ لو دخل الحاج الشام وعلما نہ لا یخرج الامح القافلة فی نصف شوال اتم لانہ کناوی الاقامة (ص ۸۲۳ ج ۱) قلت وقد تقران غلبۃ الظن فی حکم العلم شرعا، واللہ اعلم
 سورجبادی الاول سنہ ۱۳۳۳ھ

سوال (۹)..... بندہ کے کمر میں بہت زخمی ہست کہ بافت سماویہ پیدا شود؛، درد ہے، اور درد کی وجہ سے پیٹھ میں پیٹھ کی عوار سطح سے چار انگشت چوڑا ایک انگشت اونچا بڑی انگلی سے ہو گیا ہے، حالانکہ وہ بھنسی بھی نہیں ہے، اور نہ پکتا ہے، اور کمر کے درد کی وجہ سے ایک بھرا ہوا لوتا بھی اٹھانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے، لہذا ہمارے یہاں کے لوگ مرض درد کے واسطے یہ علاج کرتے ہیں کہ نیم کے درخت کی ایک گولی لے کر گھٹنے کے تین انگشت نیچے یعنی پنڈلی کے اعلیٰ حصہ میں کاٹ کر زخم کر کے اس میں نیم کا درخت کی گولی رکھ دی جاتی ہے، اس کے اوپر تین انگشت چوڑا اور دو ہاتھ لمبا ایک کپڑا پیٹ کر باندھ دیتے ہیں، نیم کی گولی کم از کم ڈیڑھ سال تک رکھی جاتی ہے

اس سے زیادہ بھی رکھتے ہیں، اس زخم سے ہمیشہ پیپ پانی اور خراب چیزیں نکلتی ہیں بعضوں کے بہت بدبو ہوتی ہے، اور بعضوں کے بدبو کم ہوتی ہے، بعض احتیاطاً دھو دیتے ہیں اور بعض نہیں دھوتے، مگر بندہ کے بدبو کم ہے، پس ہمارے پڑوسیوں کو دو تین آدمیوں کے استعمال سے مرض درد میں شفا ہو گئی ہے،

خدا کے حکم سے اگر کہیں بدن میں زخم ہو گیا ہے اس سے پیپ خون پانی وغیرہ نکلنے سے صحتِ صلوٰۃ کے لئے قدر درہم تک معاف ہے، اگر بعد وضو بھی وہ خون پیپ وغیرہ نکلے، نماز کے پورے وقت تک وضو باقی رہتا ہے، پس اس صورت بالا میں یعنی خود کردہ زخم کے پیپ پانی وغیرہ کا کیا حکم ہوگا؟ بندہ نے چار ماہ ہوتے استعمال کیا ہے، درد میں کچھ تخفیف معلوم ہوتی ہے،

الجواب: اگر اس زخم میں روئی رکھنے یا اوپر سے پٹی باندھنے یا اور کسی طرح وقتِ صلوٰۃ میں سیلان بند ہو سکے، اور سہولت کے ساتھ بند ہو سکے تو ان طرق سے نماز کے وقت سیلان کو روکنا چاہئے، اور اگر سہولت سیلان کو نہ روک سکے تو پھر یہ شخص معذور ہے اور اس کے لئے معذورین کا حکم ہے، اس میں خود کردہ اور خدا کردہ زخم برابر ہے، خود کردہ زخم بھی خدا ہی کا کیا ہوا ہے، خصوصاً جب کہ بضرورت علاج کیا گیا ہے، قال فی نور الایض و جرح لا یوقا ولا یمن جسہ بحشو من غیر مشقۃ ولا بجلوسہ اما اذا کان یمن رد سو جب ردة و خروج عن ان یکون صاحب عذراھط،

اور اس زخم سے جو ناپاکی نکلتی ہے، اگر وہ قدر درہم یا اس سے کم ہو تب تو عفو ہے، اور زائد ہو تو دھونا واجب ہے، بشرطیکہ دھونا مفید ہو کہ دھونے کے بعد دیر تک ناپاکی نہ لگتی ہو، اور اگر دھونا مفید نہ ہو تو پھر جب تک غدر باقی رہے اس کا دھونا بھی عفو ہے، قال فی حاشیۃ مراقی الفلاح و فی المبدائع یجب غسل النواذع عن الدرہم ان کان مفیداً بان لا یصیبہ مرقۃ اخری حتی لولم یغسل و صلی لا یجزیہ وان لم یکن مفیداً الا یجب مادام العذر قائماً و هو اختیار مشایخنا ھرقتہ ۲۵/۳۲

رسالہ احکام القصر فی بعض احکام السفر | سوال (۱۰) ملاجئے ملازمت گو وطن تو نہیں ہے یعنی بعض مسائل متعلق نماز قصر لیکن وہاں پر اہل و عیال مقیم رہتے ہیں، تو کیا محض اہل و عیال کے مقیم ہونے کی بناء پر وہاں ہر حال میں نماز کا اتمام کیا جائے گا، خواہ مسافر ہی ہو؟

اور اگر بوجہ مسئلہ اس کے خلاف جاننے کے ایسے مقام پر قصر ہی پڑھتا رہا تو کیا اعادہ ضروری ہوگا حالانکہ یاد نہیں کہ کتنی نمازیں ایسی پڑھی گئیں؟

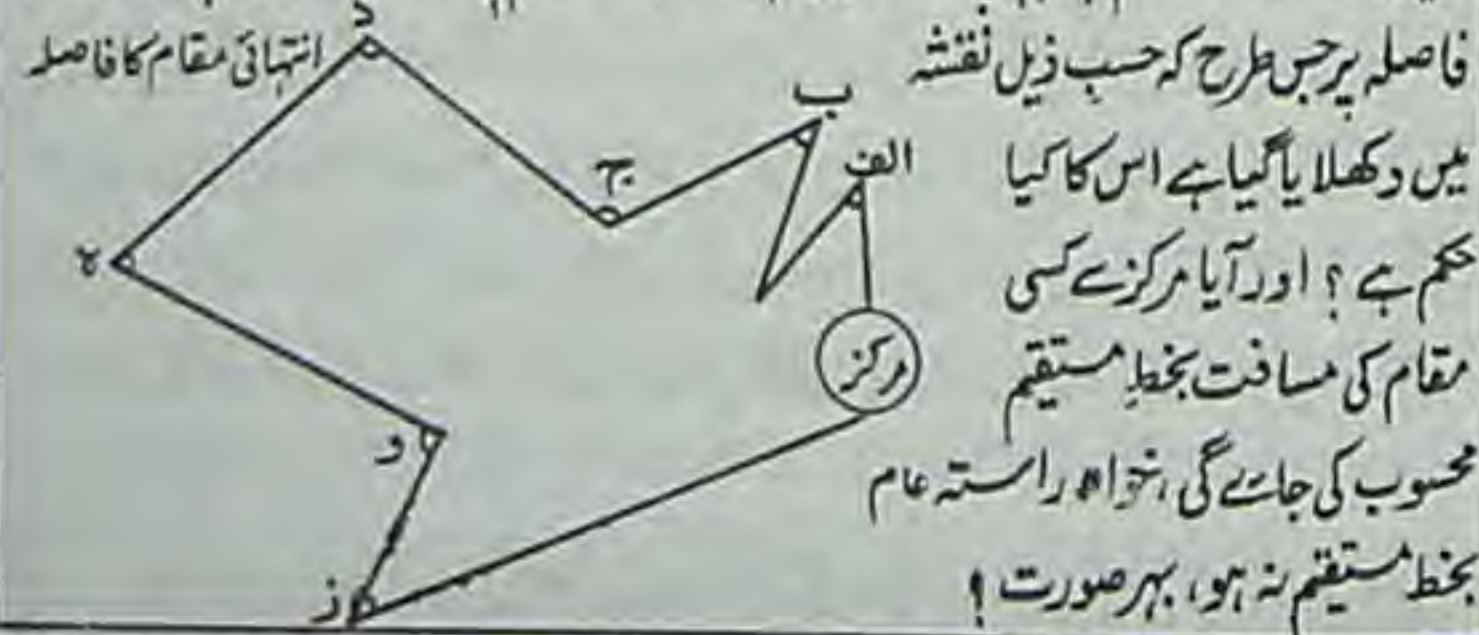
(۲) اگر زوجہ کسی ایسے مقام پر مقیم ہو جو نہ اس کا وطن ہو نہ اس کے شوہر کی جائے ملازمت ہو تو اس جگہ کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر زوجہ اپنے ماں باپ کے پاس گئی، اور وہ مقام ماں باپ کا وطن نہیں ہے، مگر ماں باپ وہاں مقیم ہیں تو اگر شوہر وہاں عارضی طور پر بحیثیت مسافر کے جائے تو وہ قصر کرے یا نہیں، اور اگر وہاں زوجہ بھی موجود ہو مگر وہاں اس کا مستقل قیام نہیں بلکہ بطور جہان کے گئی ہے تو اس صورت میں شوہر مسافر قصر کرے یا اتمام؟

(۴) کیا زوجہ کے وطن میں بحالت عدم موجودگی زوجہ بھی یا بحالت موجودگی زوجہ جبکہ خود اس کا قیام مسافرانہ ہو مسافر شوہر اتمام کرے؟

(۵) دورہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقامات دورہ تجویز کئے جاتے ہیں، اس صورت میں مجموعی مسافت کا اعتبار ہوگا یا صرف اس مقام کو جہاں کا فاصلہ مرکز سے بہ نسبت دیگر مقامات دورہ کے سب سے زیادہ ہو منتهی سفر کا سمجھا جائے گا، اور جہاں سے فاصلہ کم ہونا شروع ہو جائے وہ سفر واپسی سمجھا جائے گا، اور اس کا اعتبار نہ کیا جائے، نیز اگر صورت دورہ اس طرح ہو جس میں مرکز سے چل کر مرکز ہی پر ٹوٹنے کا ارادہ ہے، اور کل مجموعی مسافت مرکز سے مرکز تک ۴۸ میل ہے، اور درمیان میں جتنے مقامات ہیں وہ سب مقصود ہیں، قریب کا بھی ارادہ ہے بعید کا بھی تو اس صورت میں قصر ہوگا یا نہیں؟

(۶) صورت مذکورہ نمبرہ میں اگر اس طرح مقامات دورہ تجویز کئے جائیں کہ کبھی تو مرکز سے زیادہ فاصلہ کے مقام پر پہنچے، اور کبھی کم فاصلہ کے مقام پر اور اس کے بعد پھر دورہ کے فاصلہ پر جس طرح کہ حسب ذیل نقشہ



(۷) اگر ایک مقام براہ راست تو حد مسافت پر نہیں ہے مگر پھر کھا کر جاتا ہے اور جس رستہ سے جاتا ہے اس سے مقدار مسافت قصر پر ہے تو کیا حکم ہے، مثلاً یہ صورت ہے جو ذیل میں دکھلائی گئی، یعنی براہ راست تو صرف بارہ میل اور چکر کھا کر $۲۲ + ۲۲ = ۴۴$ میل

(۸) امام مسافر ہے، لیکن مسافر مقتدی کو امام کا مسافر ہونا نہیں معلوم تھا، اس لئے اس نے چار کی تو کیا وہ پوری چار پڑھے یا امام کے ساتھ دو رکعت ہی پر سلام پھیر دے؟



الجواب؛ قال فی البحر عن المحيط لوکان له اهل بالکوفة واهل بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة قبل البصرة لا تبقى له وطناً لانها انما كانت وطناً بالاهل لا بالعقار الا ترى انه لو تاهل ببلدة لم یکن له فیها عقار صارت وطناً له وقیل تبقى وطناً لانها كانت وطناً بالاهل والدار جميعاً فبزوال احدهما لا یرتفع الوطن کوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وان اقام بسو ضح اخراه (ص ۲۳) الى ان قال وفي المجتبى نقل القولین فیما اذا نقل اهله ومناعه وبقی له دور وعقار ثم قال وهذا جواب واقعة ابتلینا بهما وکثیر من المسلمین المتوطنین بالبلاد ولهم دور وعقار فی القرى البعيدة یصیفون بهما باهلهم ومناعهم فلا بد من حفظهما انهما وطنان له لا یبطل احدهما بالآخر او فی السراجیة اذا دخل المسافر بلدة له فیها اهل صار مقيماً نوى الإقامة اولاً (ص ۶۲-۱۷)

ان جزئیات سے خصوصاً مجتبیٰ کے جزئیہ سے معلوم ہوا کہ جس مقام پر انسان مع اہل و عیال کے مقیم ہو گو قیام عارضی ہو کہ زمانہ سیقت ہی میں وہاں قیام کرتا ہو وہ اس کا وطن ہو جاتا ہے، اور جب تک وہاں اہل و عیال مقیم رہیں گے وطن رہے گا، تنہا اس کے سفر سے وہ وطن باطل نہ ہوگا، جب تک وہاں سے اہل و عیال کو منتقل نہ کرے، پس صورت مسئلہ میں جائے ملازمت پر جب اہل و عیال مقیم ہیں وہاں نماز کامل پڑھنا چاہئے، اور چونکہ مسئلہ چھتر فیہا ہے، اس لئے اس سے پہلے جن نمازوں میں فتویٰ آخر کی وجہ سے قصر کیا گیا ہے ان نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، فان العانی مکلف بما افتاه به عالم و طاعة علی قوله صحیحہ کما ہوا الظاہر،

(۲) شوہر اس حالت میں قصر کرے، کیونکہ مجرد اقامت اہل تو وطن کو مستلزم نہیں بلکہ

یا تو وہ جگہ بیوی کا وطن ہو اور بیوی وہیں رہتی ہو یا شوہر نے مع اہل و عیال وہاں اقامت کر رکھی ہو اور اس کو اپنے اہل و عیال کا مسکن بنایا ہو خواہ عارضی ہی ہو، صرف بیوی کے عارضی قیام سے وہ جگہ شوہر مسافر کے لئے موجب اتمام نہ ہوگی و دلیل الاول فی شرح المنیة لوتزوج المسافر ببلد ولم یبق الاقامة به فقیل یصیر مقيماً وهو الاوجه لما مر من حدیث عثمان انی تاهلت بمكة منذ قدمت وانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم من تاهل ببلد فلیصل صلوة المقیم ام ای من تاهل ببلد و احتر اهله لا بدلیل قصره صلی الله علیه وسلم وازواجه بمكة مع انه تزوج بمكة ولكن لم یقر اهله به واما عثمان فقد کان له اهل بمكة مقيم لها فصار بهما مقيماً بمكة كلما اتى بهما وان لم یبق الاقامة بنفسه بل كانت الإقامة له بها حراماً لكونه مهاجراً،

(۳) اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالت سفر وہاں قصر کریں گے، بدلیل قصره صلی الله علیه وسلم واهله بمكة،

(۴) اس کا جواب وہی ہے جو اوپر گزرا، قال فی شرح المنیة ولوکان له اهل ببلد تین فایتھما دنہا صار مقيماً وان ماتت زوجته فی احدھا وبقی له فیھا دور وعقار قبل لا تبقى وطناً اذا المعتبر الاهل دون الدار كما لو تاهل ببلدة واستقرت مسکنی له ولس له فیھا دور وقیل تبقى ام، اس سے معلوم ہوا کہ محض تزوج ببلدة یا اقامت اہل ببلدة موجب اتمام نہیں بلکہ اس کے ساتھ استقرار سکونت زوجین بہا یا استقرار زوجہ وھما شرط ہے، اور صورت مسئلہ میں استقرار سکونت نہیں ہوا، نہ زوج کے لئے نہ زوجہ کے لئے، بخلاف جائے ملازمت کے کہ وہاں استقرار سکونت ہے، کیونکہ وہاں زوج مکان کرایہ پر لیتا اور اسباب تعیش خانہ داری کے لئے ہمیا کرتا ہے، پس وہ نظیر اس جزئیہ کی ہے، جو مجتبیٰ سے اوپر نقل کی گئی ہے، وہاں پہنچ کر زوج مسافر مقیم ہو جائے گا، جبکہ وہاں شوہر کے اہل و عیال مقیم ہیں، اور اس مسئلہ میں مالکیہ بھی ہمائے موافق ہیں، اور حضرت عثمان کے واقعہ سے وہ بھی احتجاج کرتے ہیں، قال مسیحون فی المدونة وقال مالک فی من خرج من ارض یقعة یرید بمكة وله بمصر اهل فاقام عند هم صلوة واحدة انه یتمھا قال ابن القاسم قلت لمالک الرجل

المسافر یمر بقریة من فراه فی سفره وهو لا یرید ان یتیم لبقی یتہ تلك الا یومہ
ولیلته وفيها عبیدة وبقرة وجواریہ ولیس له بما اهل ولا ولد قال یقصر الصلوة
الا ان یكون نومی ان یتیم بما او یكون فیما اهل وولده فان كان فیما اهل وولده
انتم الصلوة قلت اذ ایت ان كانت هذه القرية التي فیها اهل وولده مؤتی سفر وقد
هلك اهلہ وبقی فیها ولده اتیم الصلوة ام یقصر قال یقصر قال انما حمل
هذا رای القصر بعد هلاك الاهل عند مالك اذا كانت رالقرية بعد هلاكها
مستکنا له انتم الصلوة وانما تکتب مستکنا یتیم الصلوة ام رجحاً، واما قبل هلاكها فی مستکنا له البتة
فان مسکن المرأة مسکن له كما دل علیه حدیث عثمان واتمامه بمنی والله
تعالی اعلم

(۶۵) قصر میں اعتبار اس مقام کا ہے جس کی نیت سے اس نے جائے اقامت خرچ
کیا ہے، پس صورت مسئلہ میں جو شکل بنائی گئی ہے اگر سائل نے مرکز سے سفر کرتے ہوئے
یہ نیت کی ہے کہ وہ مقام تر پر جائے گا، مگر اپنی سہولت کے لئے اس نے مقام تر کا راستہ پورا
اختیار کیا کہ مقام الف و ب و ج و د و ع و ف پر گزرتا ہو جائے، اور اس رستہ سے مقام تر
مرکز سے مسافت قصر ۴۸ میل یا تین دن کی مسافت پر ہی، تو اس کو نماز قصر کرنا چاہئے بشرطیکہ
تین دن کی مسافت طے کرنے سے پہلے مرکز پر درمیان میں ٹوٹنے کا ارادہ نہ ہو، پس اب اس شخص
پر خرچ من عمارۃ موضع اقامتہ قاصداً امیرۃ ثلاثۃ ایام صادق آگیا، اور یہی مدارج تحقیق
سفر کا اور چونکہ اس کا ارادہ ابتداء ہی سے مقام تر پر پہنچنے کا ہے، اس طرح کہ الف، ب، ج، د، ع، ف، و، گ، کو اس کے لئے طریق بنائے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ منہتائے سفر وہ مقام ہے
جس کا فاصلہ مرکز سے سب سے زیادہ ہے، یعنی مثلاً د اور اس کے بعدہ اور د کو سفر
والپس کا سفر بنایا جائے، بلکہ سفر واپسی اس وقت شروع ہوگا، جبکہ وہ تر سے مرکز کا ارادہ
کرے گا جو اس کے ارادہ میں منہتائے سفر ہے، البتہ اگر یہ شخص مرکز سے چلتے ہوئے مقام تر
کا براہ الف و ب و ج و د و ع و ف و گ و ح و ز و ح و ز کا قصد کرے، بلکہ مقام د کا قصد کرے جو کہ ۱۸ میل نہیں پڑ
اور وہاں سے براہ ق و و و ز مرکز پر ٹوٹنے کا قصد کرے، تو چونکہ مرکز سے چلتے ہوئے اس کے

عہ و ہرولف لما قال فی شرح المنیۃ اولان المعبر الابل دون الدار و ہر الوجود ۱۲ منہ

مسافر کا ارادہ نہیں کیا، اس لئے مسافر نہ ہوگا، پس اس کو یہ مسافر خود دیکھئے کہ اس کی نیت
مرکز سے چلتے ہوئے مقام تر تک پہنچنے کی ہے، اور وہاں سے عود الی مرکز کا قصد ہی، یا مقام
د تک پہنچنے کی ہے اور وہاں سے عود الی مرکز کا قصد ہے۔

صورت اولی میں جو جواب یہاں دیا گیا ہے، وہی امداد الفتاویٰ ص ۸۵ ج ۱ میں مرقوم ہے
قال فی الدرر المسافر من خرج من عمارۃ موضع اقامتہ قاصداً امیرۃ ثلاثۃ
ایام ولیالیہا بالسیر الوسطۃ الاستراحات المعتادۃ ولو لموضع طریقان
احد ہما مدۃ السفر والاخر اقل قصر فی الاول دون الثاني ام (ص ۸۲ و ۸۳)
قلت فمن خرج من مرکزہ قاصداً موضع تر بحيث یجعل مواضع الالف و
الباء والجیم والذال والهاء والواو طریقاً لہ فقد صدق علیہ انه خرج
من موضع اقامتہ قاصداً امیرۃ ثلاثۃ ایام ولا یجعل راجعاً الی المرکز قبل
بلوغہ موضع تر لکونہ منتمی سفرہ فی قصدہ وانما یجعل راجعاً اذا خرج
من موضع تر فان رجح من طریق التي جاء منها قصر حتما وان رجح من
طریق اقل قصر ایضاً حتی یدخل عمران مرکزہ ہذا ما علمتہ واللہ تعالیٰ
اعلم، اور نیت واپسی کی تحقیق بظاہر یہ ہے کہ جو مقام ارادۃ مسافر میں منہتی سفر ہے وہاں
سے وطن یا مرکز اقامت کا قصد کرنا نیت واپسی ہے، پس جب تک منہتی سفر سے بارادۃ وطن
یا مقام اقامت نہ لوٹے اس وقت تک رجوع کا تحقق نہ ہوگا نہ اس کو راجع کہا جائے گا،
بناہ فہمتہ ولم ارہ صریحاً ولا ارجو وجہان التصریح بہ،

(۶) اس صورت میں بھی قصر لازم ہوگا فان العبرة للطریق التي سلكها ولو كان اختار
السلوک فیہ بلا غرض صحیح خلافاً للشافعی كما فی البدائع شامی (ص ۸۲ ج ۱)
وقد مرقول الدرر ولو لموضع طریقان احد ہما مدۃ السفر والاخر اقل قصر فی
الاول دون الثاني ام، اس کی مثال یہ ہے کہ تھانہ بھون سے دیوبند براہ راست ۲۳ کوں
اور براہ ریل مسافت قصر ہے، پس براہ ریل تھانہ بھون سے دیوبند جانے والا قصر کرے گا،
اور یہ نہ کہا جائے گا کہ سہارنپور سے چل کر اب سفر واپسی شروع ہو گیا کیونکہ سہارنپور انتہائی
فاصلہ کا مقام ہے، اور اب سہارنپور سے دیوبند کی طرف جوں جوں قریب ہوں گے تھانہ بھون
قریب ہوتا جائے گا، مثلاً ناگل جو درمیان دیوبند و سہارنپور ہے تھانہ بھون سے براہ راست

۵ اکوس ہے، سواس کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ سہارنپور سے دیوبند جاتے ہوئے بھی یہ سفر ہی کر رہا ہے، واپسی نہیں کر رہا، گو اس کا قصد دیوبند سے تھانہ بھون براہ راست ہی آنے کا کیوں نہ ہو، اس مثال سے صورت سابقہ (نمبر ۶۵) کی بھی وضاحت ہوگئی، کہ جو شخص مرکز سے مقام تہا کا قصد کر کے چلا ہے وہ مقام تہا پر پہنچنے سے پہلے راجح نہیں ہے گو مسافت مقام ۵ سے چل کر کم ہوتی جائے، اور اگر کوئی شخص تھانہ بھون سے سہارنپور کا قصد کر کے چلا، اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ سہارنپور سے واپس تھانہ بھون اس طرح ہوگا کہ سہارنپور سے دیوبند جا کر دیوبند سے براہ راست براہ پیادہ آئے تو یہ شخص مسافر نہیں کیونکہ تھانہ بھون سے سہارنپور مسافت قصر نہیں، اور سہارنپور سے براہ دیوبند جو واپسی ہے وہ بھی مسافت قصر نہیں، اس لئے اتمام کرے گا، یہ اس کی مثال ہے جو جواب سابق میں مرکز سے بقصد چلنے کی اور وہاں سے براہ ۵ و ۶ و ۷ مرکز پر واپس ہونے کے مرکز پر، فافہم رہی یہ صورت کہ کوئی شخص مرکز سے مرکز ہی کی طرف عود کرنے کے ارادہ سے سفر شروع کرے، اور بصورت دائرہ سفر کرے، مثلاً مرکز، اور درمیان میں چلنے مواضع ہیں وہ سب مقصود ہیں اور مرکز سے مرکز تک ۳۸ میل کی مسافت ہے، تو اس صورت میں یہ شخص مسافر نہ ہوگا، کیونکہ یہ خروج من عمارۃ البلد کے وقت مسافت قصر کا قصد نہیں، اس لئے کہ مسافت قصر کا تحقق مرکز سے علاوہ نہیں، بلکہ مرکز کو داخل مسافت کر کے مسافت قصر کا تحقق ہوگا اور اس سے سفر کا وجود نہیں ہو سکتا، بلکہ وجود سفر کے لئے یہ لازم ہے کہ مقام اقامت تکمل کر اس کے علاوہ کسی ایسے مقام کا قصد ہو کہ اس میں اور مقام اقامت میں مسافت ۳۸ میل کی ہو، اس رستہ سے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، گو دوسرے رستہ سے مسافت کم ہو، اب اگر مقام اقامت سے علاوہ مسافت قصر نہیں تو یہ مقیم ہوگا اور اس سے علاوہ ۳۸ میل ہو تو مسافر ہوگا، قال مالک فی الرجل یندر فی القہای ولیس بین منزل و بین اقصاھا اربعۃ برد و فیما یندر من دورۃ اربعۃ برد و اکثر قال اذا کان فیما یندر فیہ ما یكون اربعۃ برد قصر للصلوة اھ مد ونہ مالک (ص ۱۱۳) قلت وقواعدنا توافقه کما لا یخفی،

(۸) جس وقت امام نے خود رکعت پر سلام پھیرا اگر مسافر مقتدی کو معایہ خیال آ گیا کہ امام مسافر ہے اور اس کے مقیم ہونے کا اور سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ نہیں ہوا

تب تو مقتدی کو دو رکعت پر سلام پھیر کر مطمئن رہنا چاہئے، اور اگر امام کے متعلق سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ ہو تو مقتدی کو امام کے ساتھ نماز ختم کر کے اگر تحقیق سے مسافر یا مقیم ہونا معلوم ہو گیا ہو تو مسافر ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہوگئی، اور مقیم ہونے کی صورت میں اعادہ کرے، جیسا جرنیہ آیت میں مذکور ہے، اور اگر تحقیق نہیں کی اور اسی شبہ کی حالت میں مقتدی نے دو رکعت پر اکتفا کیا تو اس نماز کا اعادہ کر لے، والتفصیل فی بہشتی گوہر (ص ۵۷ و ۵۸) بحوالہ رد المحتار (ص ۸۲ و ۸۳) فقط ۱۰ رجب ۱۳۸۴ ھ بیوی ایک ماہ کیلئے وطن اصلی کے علاوہ کہیں | سوال (۱۱) زوجہ اگر کہیں ماہ کے لئے مقیم اقامت اختیار کرے اور شوہر وہاں آئے تو ہو جاوے علاوہ وطن اصلی کے، تو شوہر اس کا اگر اس کیلئے بھی وطن اقامت ہو جائے گا یا نہیں | وہاں آوے جہاں زوجہ مقیم ہے تو کیا شوہر کے لئے بھی وطن اقامت ہو جاوے گا، شبہ یوں ہو کہ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے میرٹھ کو صورتہ متذکرہ بالا میں وطن اقامت کا فتویٰ میرے لئے بھی دیا ہے، معلوم نہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟

۱ الجواب؛ خواجہ صاحب نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو شوہر ہے کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے یہ مطلق نہیں، بلکہ اس صورت میں ہے جبکہ وطن اقامت میں تہا مرد کا قیام ہو، اور اگر وطن اقامت میں مرد کا قیام مع اہل و عیال کے ہو تو تہا مرد کے سفر اور دور سے وطن اقامت باطل نہیں ہو بلکہ ہاں اہل و عیال کا قیام حکماً اسی کا قیام ہو پس اگر کوئی جگہ مرد کے لئے وطن اقامت نہ ہو بلکہ صرف بیوی کا وطن اقامت ہو کہ وہ اپنی ضرورت کیلئے ن کوئی ہو وہاں مرد مسافر ہو کر جائے گا، تو بیوی کے قیام سے مقیم نہ ہوگا، خواجہ صاحب کو میرٹھ کے متعلق فتویٰ اس وقت دیا گیا تھا جبکہ وہ میرٹھ میں ملازم تھے، اور مع اہل و عیال کے مقیم تھے، فقط ۲۲ جمادی الاول ۱۳۸۴ ھ

مقیم ہونے کے لئے کسی خاص جگہ | سوال (۱۲) ایک پیر ہے وہ منزل سفر طے کر کے ایک میں نیت اقامت ضروری ہے، ایسے مقام پر پہنچے جہاں پر ان کے بہت سے مرید ہیں مگر آٹھ دس کوس کے گرد میں ہیں یا کم اگر وہ آٹھ دس کوس کے اندر نیت اقامت کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

از جواب؛ آٹھ دس کوس کے اندر نیت اقامت معتبر نہیں، اس مقیم نہ ہوگا،

جب تک کسی خاص گاؤں یا قصبہ میں اقامت کی نیت نہ کرے اس طرح کہ رات کو وہیں ٹوٹ آئے گاؤں میں اور جگہ پھرتا رہے،

فصل فی الجمعة والعیدین

سوال (۱) ایک موضع ہے جس میں چار مسجدیں ہیں اور اس میں بہت سے گاؤں میں جمعہ کا حکم قسم کے لوگ آباد ہیں، اور بعض ضرورت کی چیزوں کی دکانیں بھی ہیں مگر ترتیب بازار اور شہر کی نہیں، جیسا دیہاتوں میں دکان رکھنے کا دستور ہے، موضع خود ایک بڑا موضع ہے، اس کے علاوہ چھ موضع اور چھوٹے چھوٹے موضع مذکور کے متعلق ہیں، سب موضعوں کی جمعہ اس بڑے موضع کے مردم شماری غالباً دو ہزار کی ہے، آیا ایسی جگہ یعنی اس بڑے موضع میں باعتبار مذہب حنفیہ جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اس موضع میں بحالت مذکورہ جمعہ صحیح نہیں ہو سکتا،

غروبی میں خطبہ دینے کے مسئلے میں امداد الفتاویٰ سوال (۲) بہشتی گوہر میں ہے کہ خطبہ علاوہ اور بہشتی گوہر کی عبارتوں میں تطبیق ہے؛ خطبہ عربی کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول میں ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبانیں بھی جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، صحیح کونسی عبارت ہے؟

الجواب؛ قال فی الدرکماصح لومشع بغير عربیة ای لسان کان الی ان قال وشراط عجزہ وعلی هذا الخلاف الخطبة وجميع اذکار الصلوة اھ یعنی غیر القراءۃ فان العجز شرط فیہما اجماعاً کما نصح علیہ فی الدر فیما بعد قال الشامی قوله وشراط عجزہ ای عن التکبیر بالعبیة والمعتمد قوله ط اھ وفیہ ایضاً لکن سیاتی کراهة الدعاء بالاعجمیة اھ (ص ۵۰۲، ۱۷) وفیہ (ص ۵۲۲ ج ۱) والظاہر ان الصلحة عنده لا تنفی الکراهة اھ،

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک قرآن کے علاوہ بقیہ اذکار جن میں خطبہ بھی داخل ہے بلا عجز کے بھی جائز ہیں، اور صاحبین کے نزدیک اگر عربی سے عاجز ہو تو جائز ورنہ نہیں، اور طحاوی نے امام صاحب کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، مگر فصل دعاء میں علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جواز وصحت کراہت کے منافی نہیں

پس قادر بالعربی کے لئے خطبہ عجمی میں جائز مگر مکروہ، یہی صحیح ہے، پس بہشتی گوہر اور فتاویٰ اشرفیہ کی عبارت میں منافات نہیں، فتاویٰ میں جواز سے مراد صحت ہی، وہو المعتمد کما قالہ الامام، مگر صحت کراہت کے منافی نہیں، ۲۷ ربيع الثانی سنہ ۱۰۰۰ھ

جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط النظر | سوال (۳) بہشتی گوہر میں مسئلہ ہے کہ بعض لوگ جمعہ کے پڑھنے کا حکم بعد نظر احتیاطی پڑھا کرتے ہیں، ان کو منع کرنا چاہئے، یہ

کس حالت میں شرائط صحیح ہونے کی صورت میں یا عدم شرائط کی صورت میں؟

الجواب؛ اگر شرائط صحت موجود ہیں تب تو نظر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں نظر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہی، اس لئے نظر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے، واللہ اعلم، ۳ رمضان سنہ ۱۰۰۰ھ

سوال (۴) چند مسئلے حسب ذیل ہیں امید کہ جواب باصواب فرمایا جائے،

۱۔ ہونے کا بیان | اولاً یہ کہ وہ کون سی دلیل دربارہ جواز جمعہ فی القرئی حضرات شوافع و

حنابلہ وغیرہم کی ہے، جس کی وجہ سے بجز امام ابو حنیفہ کے یہاں تک کہ غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے، کہ ہر قریہ صغیرہ و کبیرہ میں جمعہ بلا غنہ و خرنشہ ہو سکتا ہے، اور یہ شرائط جو جماعت کے شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک لگائی گئی ہیں، کہ چالیس پچاس کم اگر آدمی ہوں تو جمعہ نہیں ہو سکتا، یہ تعداد کس حدیث سے ثابت کرتے ہیں، اور اگر کوئی حنفی المذہب علی الخصوص مسئلہ جمعہ میں شافعیہ وغیرہ کے مسئلے پر متفق ہو کر وجوب جمعہ فی القرئی کا عام اس سے کہ صغیرہ ہو یا کبیرہ قائل ہو اور ادا بھی کرے تو کیا عند اللہ ماخوذ و آثم ہو گا یا نہیں اور حنفیہ کے نزدیک کوئی ایسی دلیل دیکھی نہیں جاتی جس سے صریح ممانعت ادا سے جمعہ فی القرئی کی پائی جائے، اور ادھر ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے مجھے بخوبی یاد نہیں وہ یہ کہ "الجمعة علی کل مسلم وقریة"، ہر حال آپ تو ضرور واقف ہوں گے، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اپنی دلیل میں اسی کو پیش فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جس جگہ جماعت کثیر ہو جمعہ پڑھنا چاہئے، اگرچہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اور دوسرے اس وقت دو آخر میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے پورسالہ فیوض قاسمیہ میں بہت بسط کے ساتھ غالباً تین درق تک ایک خط کے جواب میں لاجبارت فارسی جمعہ کی ادائیگی کے لئے ایک پُرزور تقریر تحریر فرماتی ہے، جس میں حنفیہ کو متعصب کا لفظ بھی فرمایا ہے، اور انھوں نے

گناہوں کے لوگوں کی رائے سے امام بنا کر جمعہ پڑھنے اور ادا ہونے کے لئے فرمایا ہے، آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے غالباً ہر کس و ناکس اور نہ کہ ذی علم واقف نہ ہو، ملاحظہ فرمائیے قیومین قادی اور ایسی ہی تقریر مولانا مولوی بحر العلوم صاحب لکھنوی نے بھی ایک چھوٹے سے رسالہ غالباً ارکان اربعہ میں عربی الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، مجھے عبارت بخوبی یاد نہیں، غرض کہ بہت سے احناف کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ دیہات میں ہونا چاہئے، اور پڑھتے بھی ہیں، ان علماء کو میں کہتا ہوں جن کی گنتی اہل علم کے نزدیک بڑے ہونے کی کی جاتی ہے، اور پھر بھی تعریف مصر میں بہت بڑا اختلاف ہے، اور اس وقت بعض شرائط بھی نہیں پائے جاتے، تو جب چھ شرائط میں سے کوئی مفقود ہو تو پھر جمعہ کا وجوب اور ادا کے جمعہ کے کیا معنی، چنانچہ بادشاہ یا نائب بادشاہ کا مجملہ شرائط میں سے ایک شرط وجوب ادا کے لئے ضروری ہے، مگر ہندوستان بھر میں بالکل یہ شرط عنقا صفت ہے، پھر اس کے نہ پائے جانے پر جمعہ جو لوگ شہروں میں ادا کرتے ہیں تو کیا جمعہ ادا ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے لوگوں نے احتیاط النظر کے مسئلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، مگر قریب قریب ہر ایک میں خدشہ لازم آتا ہے، اور دلائل ایک نہ ایک وجہ سے جرح پذیر ہیں، بہر حال اللہ فلشہ دربارہ تحقیق جمعہ فی القریٰ و تحقیق شرائط و تعریف مصر کسی براہین قاطعہ و ساطعہ کے ساتھ تحریر فرمائے تاکہ چاہے شکوک سے نکل کر کنارہ یقین پر فائز المرام ہوں، بینوا توجسروا،

الجواب؛ حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، امام صاحب اور صفیہ سب اس میں متفق ہیں، باقی ائمہ کا اختلاف ہے، پس سائل کا یہ کہنا یہاں تک کہ غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ و کبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ و خرخش ہو سکتا ہے، الخ بالکل غلط ہے، صاحبین قریہ صغیرہ میں جمعہ کو ہرگز جائز نہیں کہتے حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے روى عبد الرزاق في مصنفه اخبرنا معمر عن ابى اسحق عن العاصم عن عن علي رضي الله عنه قال لاجمعة ولا تشريق الا في مصر جامع او مدينة عظيمة اه
وغيره قلت قد وثقه ابن معين وغيره، ففي تهذيب التهذيب ج ۲ ص ۱۳۶ و قال الاورقي عن ابن معين العاصم قد سمع من ابن مسعود وليس به بأس وقال عثمان الدارمي عن ابن معين ثقة اه وفيه ايضا ص ۲۳۱۳ و قال

ابن ابی خيثمة قيل ليحيى بن عمار قال ما زال المحدثون يقبلون حديثه وقال ابن عبد البر في كتاب العلم له لما حكى عن ابراهيم انه كذب الحارث اظن الشعبي عوقب بقوله في الحارث كذاب ولم يبين من الحارث كذب به وانما نقم عليه افراطه في حب علي وقال ابن شاهين في الثقات قال احمد بن صالح المصري الحارث الاعور ثقة ما احتفظه وما احسن ما روى عن علي واثني عليه قيل له فقد قال الشعبي كان يكذب قال لم يكن يكذب في الحديث انما كان كذبه في رايه وقرأت بخط الذهبي في الميزان والنسائي مع تعنته في الرجال قد احتج به والجمهور على توهينه مع روايتهم لحديثه في الابواب وهذا الشعبي يكذب به ثم يروى عنه والظاهر انه يكذب حكاياته لاني الحديث اه فظهر بذلك ان الحارث ليس ممن اجمع على ضعفه بل هو مختلف فيه ثقة بعضهم والاختلاف في التوثيق لا يضر فان رجال الصحيحين ايضا لا يخلون من كلام، قال في عمدة القاري وروى ايضا بسند صحيح حد ثنا جابر عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن ابى عبد الرحمن انه قال قال علي رضي الله عنه لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع اه ص ۳۳۶۲ وفي الدراية لابن حجر وروى عبد الرزاق عن علي موقوف لا تشريق ولا جمعة الا في مصر جامع واستاده صحيح اه
اس تحقيق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس حدیث کے دو طریق صحیح ہیں، اور ایک طریق میں آثار عور ہے، وہ بھی اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے، اور ایک طریق ابن ابی شیبہ کے نزدیک اور ہے؛ حد ثنا عباد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحق عن الحارث عن علی قال لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا اضحی الا في مصر جامع او مدينة عظيمة اه
نصب الراية ج ۳ ص ۳۱۳، وفيه حجاج بن ارطاة مختلف فيه وثقة الثوري وقال ابوطالب عن احمد كان من الحفاظ وقال البزار كان حافظا مدلسا وكان معجبا بنفسه وكان شعبة يشني عليه ولا اعلم احدا المريد وعنه يعني بسن لقيه الاعمدة بن ادریس اه كذا في تهذيب التهذيب ص ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۲۰۰
وقال ابن القيم في زاد المعاد وحديثه لا ينزل عن درجة الحسن ما لم يتفرد بشيء او يخالف الثقات اه قلت وهذا ليس مما تفرد به واقفه الثقات في معني

مارواه فهو حسن وفي عمدة الرعاية و صححه ابن حزم في المحلى ۵، رہا یہ امر اس
 کہ یہ حدیث موقوف ہو مرفوع نہیں، اس کا جواب اصول حدیث جاننے والے پر ظاہر ہے کہ
 قول صحابی ما لایدرک بالقیاس میں حکم مرفوع ہوتا ہے قال السیوطی فی تدریب الراوی
 ص ۶۳ ومن المرفوع ایضا ما جاء عن الصحابی ومثله لا یقال من قبل الراعی ولا
 مجال للاجتهاد فیہ فیحصل علی السماع جزم بہ الرازی فی المحصول وغیر
 واحد من ائمة الحدیث ۵، اور ظاہر ہے کہ صحت جمعہ و فطر واضحی کے لئے حضرت علیؑ
 کا ایک ایسی شرط لگانا جو دوسری نمازوں کے لئے نہیں ہے، محض رائے اور قیاس سے
 ممکن نہیں، پس یہ بھی قاعدہ محدثین پر مرفوع میں داخل ہے، دوسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ
 البخاری عن عروہ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس
 یتسایون الجمعة ویروى یتناربون، من منازلہم والعوالی فیأتون فی الغبار
 یصیبہم الغبار والعرق فیخرج منهم العرق فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 انسان منہم وهو عندی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو انکم تطہرتم لیومکم
 هذا الحدیث، اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز جمعہ کے لئے عوالی وغیرہ سے نوبت
 بہ نوبت آنا ثابت ہوا جس سے صاف ظاہر ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور
 نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہوتا ہے ورنہ جو لوگ عوالی میں رہتے تھے ان کو وہیں ادائے جمعہ کا حکم
 ہوتا یا ان سب کو مدینہ آنا واجب ہوتا، حالانکہ عوالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
 میں کسی وقت کسی جگہ کبھی جمعہ ہونا ثابت نہیں ہوتا،

اور تیسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے فتح و بلاد کے ساتھ منابر اور مناسک
 جامعہ کی تعمیر امصار میں ہی کی تھی، کسی گاؤں میں ہرگز صحابہ نے منبر اور جامع مسجد تعمیر
 نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو اس کی ضرور احادیث میں کوئی اصل ملتی، ومن ادعی فعلیہ البیان
 قال المحقق ابن المہمام فی الفتح انه لم یقتل عن الصحابة انہم حین
 فتحوا البلاد واستغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامدادون القرئی ولو کان
 لنقل ولو احاداً، لہذا ان دلائل سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ
 میں دلیل نقلی صحیح و عقلی قوی موجود ہے، پس کسی حنفی المذہب کو چھوٹے گاؤں میں جمعہ
 کی نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، اور یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اودع (یعنی امام شافعی وغیرہ کی نظر

... ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے مجھے بخوبی یاد نہیں وہ یہ ہے "الجمعة علی کل مسلم وقریة
 سو یہ الفاظ کسی حدیث کے نہیں، سائل کو حدیث نبوی کی نقل میں اصل پتھر لکھنے سے احتراز
 واجب تھا، بدون خود الفاظ دیکھے ہوئے یا کسی عالم سے پوچھے ہوئے غلط سلسلہ الفاظ لکھنا
 اس کو جائز نہ تھا، بخاری میں جو حدیث شافعیہ وغیرہ کی دلیل ہے وہ یہ ہے عن ابن عباسؓ
 قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فی مسجد عبد القیس بجوانی من البحرین، اس سے بعض ائمہ نے جواز جمعہ فی القریہ
 پر استدلال کیا ہے، مگر اس استدلال کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے جوانی کا گاؤں ہونا
 ثابت کیا ہو، حالانکہ اب تک یہ بات ثابت نہیں ہو سکی جن لوگوں نے جوانی کو گاؤں کہلے
 ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کی نسبت قریہ من البحرین کا لفظ آیا ہے لیکن
 یہ دلیل کافی نہیں، کیونکہ اول تو لفظ قریہ کا اطلاق لغت عرب میں عام ہے، شہر کو بھی قریہ
 کہتے ہیں، چنانچہ خود قرآن میں ہے وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القرین
 عظیم، مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں قرین سے مکہ و طائف مراد ہیں، پس ممکن ہے
 کہ جوانی شہر ہو جسکو معنی لغوی عام کی بناء پر قریہ کہہ دیا گیا ہو، اور اس احتمال کی تائید ان
 اقوال سے ہوتی ہے، حکمی ابن التین عن الشيخ ابی الحسن انما منینة و فی الصحاح
 للجوهری والبلدان للناحشی جوانی حصن من البحرین وقال ابو عبید البکری
 ہی مدینة بالبحرین لعبد القیس، ص ۲۶۳، عینی علی البخاری،

ان اقوال سے جوانی کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے، پس دیگر ائمہ کا استدلال ساقط ہے،
 اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جوانی گاؤں ہی تھا، اور وہاں صحابہ نے جمعہ پڑھا تو پھر بھی
 اس حدیث سے استدلال کرنا اس پر موقوف ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کو صحابہ کے اس فعل کی اطلاع بھی ہوئی اور آپ نے سکوت فرمایا، حالانکہ اطلاع نبوی
 کا ثبوت اب تک کوئی نہیں ملا، پس ایسی کمزور دلیل سے جمعہ کا جواز گاؤں میں ثابت نہیں
 ہو سکتا، کیونکہ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز بخوفتہ نماز کی طرح ہر جگہ جائز نہیں
 چنانچہ جنگل بیابان میں جواز جمعہ کا کوئی قائل نہیں، بلکہ ہر ایک امام نے کچھ نہ کچھ شرط
 جواز جمعہ کیلئے ضرور لگائی ہے، شہر میں جواز جمعہ پر سب کا اجماع ہے، اور گاؤں میں جائز
 ہونے کے لئے کوئی شافی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس لئے محض مشکوک دلائل سے

گاہوں میں جمعہ جائز نہیں ہو سکتا، باقی سائل حجۃ اللہ الباقی اور فیوض قاسمیہ دارکان اربعہ کی عبارات کا جو حوالہ دیا ہے، سوان کتابوں کی عبارات اس کو نقل کرنا چاہئے تحقیق، یہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں ہیں، باقی محض سائل کا لکھنا کافی نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے سچے میں غلطی کی ہو، جیسا کہ حدیث بخاری کی نقل میں اس نے پہلے غلطی کی ہے، اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا بحر العلوم کو ہم امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے، توجیب ہم نے اس مسئلہ میں ان ائمہ ثلاثہ کے قول کے خلاف ابو حنیفہ کا قول اختیار کیا ہے، کیونکہ روایت و درایت ان کا قول ہمارے نزدیک صحیح ہے تو ہم ان متاخرین کے قول کو اس کے مقابلہ میں کب تسلیم کر سکتے ہیں، ان کے اقوال کو ائمہ اربعہ کے اقوال سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، اگر ان کی تحقیق امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے، ہوا کرے ہم نے ان کی تقلید کا التزام نہیں کیا، بعد میں فیوض قاسمیہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سائل نے مولانا قاسم العلوم کا مطلب بالکل نہیں سمجھا، مولانا قاسم العلوم کی عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے بڑی عقل کی ضرورت ہے، میں نہیں سمجھ سکا کہ سائل نے مولانا کی کس عبارت سے یہ مطلب سمجھا ہے، کہ جمعہ کے لئے مصر و اذن سلطان وغیرہ شرط نہیں، وہ اس عبارت کو پھر کچھ پھر جو آدیا جائے گا، رہا مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہونا، سو یہ اختلاف عنوان کا ہے حقیقت کا اختلاف نہیں، مراد سب کی ایک ہے، یعنی اتنی بڑی بستی جہاں انسانی تمام ضروریات مل جاتی ہوں، لیکن ہر زمانے میں ایسی بستیوں کی مختلف علامتیں رہی ہیں، اس لئے فقہاء کی عبارات میں مختلف الفاظ وارد ہو گئے، جیسے ہم کسی سے یوں کہیں کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ ان کی دارطہ صلی ملی اور مونچھیں کتری ہوتی ہوں، اور نماز پڑھتے ہوں، ایک زمانہ ایسا آیا کہ مسلمانوں نے ان کاموں کو مستی کر دی، پھر کسی نے یہ تعریف کی کہ جن کے کرتے لمبے پانچاٹھ ٹخنوں سے اوپر ہوں، کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں نے یہ وضع بھی ترک کر دی، تو اب یہ تعریف کی کہ جو ٹرکی ٹرپی پہنتے ہوں، تو اب ان مختلف تعبیروں کے بدلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کی حقیقت بدل گئی ہے، حقیقت ایک ہی ہے، لیکن ہر زمانہ کے اعتبار سے ان کی علامت جدا ہو گئی، اسی طرح شہر کے معنی سب لوگ جانتے ہیں گو اس کی علامتیں ہر زمانہ میں جدا ہوں،

رہا اذن سلطان یا سلطان کا شرط ہونا سو اس کے متعلق حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اذن

سلطان اگر متعذر ہو تو عام مسلمان جس کو امام و خطیب مقرر کر لیں جائز ہے، قال فی الدر و نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امام مع عدمہم فیجوز للفقہ و ۳۵۱ ص ۸۲۲ قال الشافعی تحتہ فلو الولاية کفایاً یجوز للمسلمین اقامة الجمعة و یصلوا القاضی قاضیا بقرایة المسلمین و یحب علیہم ان یلمتسوا و الیامسلما، ۱۱

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن سلطان کی شرط موجودگی سلطان میں ہے، اور اگر سلطان نہ ہو تو یہ شرط نہیں، اور درحقیقت اذن سلطان کی شرط بھی شرط مصر کے تابع ہے، اصل شرط مصر ہے، لیکن چونکہ سلطان کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی مصلحت کی وجہ سے گاؤں کو شہر بنا دے، یا شہر کو گاؤں بنا دے، تو سلطان کے ہوتے ہوئے اس کے اذن کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سلطان کا ارادہ اس شہر کو شہر باقی رکھنے کا ہے گاؤں بنانے کا ارادہ نہیں ہے، فافہم، باقی تفصیل اس مسئلہ کی رسالہ "القول البدری" مؤلفہ حکیم الامت و "احسن القرئی" مؤلفہ شیخ العالم دیوبندی قدس سرہ میں ملے گی، اس فتویٰ میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں،

غیر عربی زبان میں خطبہ کے متعلق سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع بعض فقہاء کی عبارات کا مطلب اس بارہ میں کہ عبارتوں میں مندرجہ ذیل سے فقہاء کرام کی کیا غرضیں ہیں، اور کیا مطلب ہے، علامہ ملہم من اللہ حسن شربللی مرقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تحریر فرماتے ہیں: فینبغی للخطیب التنبیہ علیہما فی خطبۃ الجمعة التي ینبغی علیہما العید، علامہ فقیہ العصر ابن نجیم تحریر الایضاح شرح کنز الدقائق میں زیر قول صاحب کنز و لعلم الاضحیۃ الخ تحریر فرماتے ہیں فینبغی للخطیب ان یعلم احکامہ فی الجمعة قبل عید الاضحیٰ کما انہ ینبغی ان یعلمہم احکام صدقة الفطر فی الجمعة التي قبل عید الفطر لیتعلموها و یخرجوها قبل الخروج الی المصلی و لم امرہا منقولا و العلم امانة فی عنق العلماء و ینبغی ان یعلمہم ان الخطیب اذا رای ہمم..... حاجۃ الی معرفة بعض الاحکام فانہ یعلمہم ایاہا فی خطبۃ الجمعة خصوصاً فی زماننا من كثرة الجهلة و قلة العلم فینبغی ان یعلمہم احکام الصلوة کما لا ینحی ۱۱، اسی طرح در مختار و شامی مطبوعہ مصر، ص ۸۴۲ و ۸۴۵ ج ۱ میں بھی ہے، علامہ ابن عابدین نے ماتن کے کلام کا

تمتہ بحر الرائق ہی سے نقل کیا ہے، یہ تعلیم خطبہ جمعہ میں کس طرح کی جاوے، اس تعلیم میں سامعین کو فائدہ پہنچانے یا صرف خطیب کا ہی سمجھنا مقصود ہی، اور بقول ابن نجیم وابن عابدین نماز وغیرہ کے احکام کی تعلیم کس طور ہو، ہمارے ائمہ کے فرمان تو صاف ہیں، مگر آپ جیسے ہمارے پیشواؤں سے حل عقد کرانا اندھیرے میں چراغ یا چراغ کو سلائی لگا دینا ہے، بلا سلائی لگا کر چراغ سے غیر ممکن ہے، بیٹو! توجسرو!

الجواب؛ خطیب کو چاہئے کہ خطبہ عربیہ مختصر کر کے ضروری احکام مناسب وقت میں اپنی زبان میں بیان کر دیا کرے، باقی تمام خطبہ کا عربی میں نہ ہونا خلاف سنت ہے، حضرات صحابہؓ بلا وعظ میں بھی عربی ہی میں خطبہ پڑھا ہے، لیکن اس وقت اسلامی حکومت تھی تمام قضایا اور فیصلے عربی زبان میں لکھے جاتے تھے، اس لئے اہل عجم عموماً عربی زبان سیکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس وقت بھی مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنا چاہئے، تاکہ دین کی حفاظت رہے، خطبہ عربی کو عوام کی سستی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ بعد خطبہ عربیہ کے اردو وغیرہ میں مسائل ضروریہ بیان کر دیئے جاویں،

نماز عیدین کا عید گاہ میں | سوال (۶) نماز عیدین مسجد میں ہی پڑھنی چاہئے یا جنگل میں اصل پڑھنا سنت ہی، شرعی حکم کیا ہے؟ جو لوگ اپنی ضد نفسانیت سے عناداً جنگل میں نہ جاتیں اور مسجد ہی میں پڑھیں، اور خطیب جامع مسجد دوسرے لوگوں کے ہمراہ جنگل میں پڑھتا ہو، اور تھوڑے اپنی نفسانیت سے نہ جاتیں، اور کوئی عذر شرعی بھی نہ ہو، تو ان کا کیا حکم ہے؟ بیٹو! توجسرو!

الجواب؛ نماز عیدین کا عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے، بلا وجہ اس سنت کا چھوڑنا برا ہے، لیکن اگر کوئی جماعت شہر ہی میں عید کی نماز بلا عذر پڑھ لے تو اس کو بھی ملامت نہ کرنا چاہئے، کیونکہ صلوٰۃ عید کا متعدد مواقع پڑھنا بالاتفاق جائز ہے، اور اگر کوئی جماعت بستی میں عید کی نماز اس لئے پڑھے کہ مثلاً عید گاہ کا امام جاہل یا فاسق ہے تو یہ عبادت اس فعل میں معذور ہے قال فی الدر والخروج الیہا ای الی الجبائنة لصلاة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح ام قال الشامی قوله وهو الصحيح قال فی الظہیریة وقال بعضهم لیس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة اذحاکم والصحيح هو الاول ام وفي الخلاصة والخاتمة

السنة ان يخرج الامام الی الجبائنة ويستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالاتفاق وان لم يستخلف فله ذلك ام فوح ص ۱۳۸۶، والدلیل علی الجزء الاخير كراهة الصلوٰۃ خلف الفاسق اتفاقاً لیکن دینی کاموں میں ضد اور نفسانیت کو کام میں لانا گناہ ہے، اگر کوئی غرض محمود ہو تو بستی میں بھی عید کی نماز جائز ہے،

عید گاہ کو پختہ تعمیر کرنا جائز ہے | سوال (۷) عید گاہ پختہ بنانا شرع شریف میں درست ہے یا نہیں؟ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں جو زیریں بیان مصلی عید تحریر فرماتے ہیں، "مصلی عید در زمان آل سرور بنا داشت، بلکہ از بنائے آل نبی فرمود، علامہ سہودی و فافا الوفا باخبار دارالمصطفیٰ صفحہ ۶ میں لکھتے ہیں:-

ولم یکن المصلی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد ابل کانت صحراء لابناء بہا ونھی صلی اللہ علیہ وسلم عن البناء بہا ام، نیز صفحہ ۱۱ میں ہے، روی ابن شیبہ عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی المصلی یستقی فبنا بالخطبة ثم صلی وکبر وواحدة افتتح بہا الصلوٰۃ وقال ہذا مجمعنا ومستقرنا ومدنا العیدنا ولقطننا واذحاکنا فلا یبنی فیہ لبنۃ علی لبنۃ ولا خیمۃ اسی طرح خلاصۃ الوفا میں بھی ہے، ان کی کیا غرض ہے؟ بیٹو! توجسرو!

الجواب؛ عید گاہ پختہ تعمیر کرنا جائز ہے، قال الشامی وفي الخلاصة عن خواهر زادہ ہذا ای بناء حسن فی زماننا ص ۳۸۶۸ اوفی البخاری عن ابی سعید ر فیہ فلما اتینا المصلی اذا منبر بناہ کثیر بن الصلت ام قلت وم یکنم علیہ الصحابة واستمر ذلك بعدہ فكان اجماعاً علی جوازہ قال العافظ فی الفہم وقد وقع فی المدونة لمالك رواه عمر بن شیبہ عن ابی غسان عنہ قال اول من خطب الناس فی المصلی علی المنبر عثمان بن عفان کلہم علی منبر من طین بناہ کثیر بن الصلت ام وقال ایضا فی ہذا الحدیث من الفوائد بیان المنبر قال الزین بن المنیر وانما اختار وان یكون باللبن لامن الخشب لکونہ یتروک بالصحراء فی غیر حوز فیوم من علیہ النقل ام قلت فلوا حیط المنبر بالاسوار من الجدران لاجل صیانتہ وبقاۃ فلا یاس بہ لانه ادخل فی

الامن من النقل ام،

اور جو احادیث سائل نے جذب القلوب اور سہودی سے نقل کی ہیں جن میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلیٰ میں عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ صحت یہ ہے کہ میدان مصلیٰ میں کوئی شخص اپنا گھر بناوے، بلکہ اس کو نماز عید کے واسطے وقف کر دینا ضروری ہے، کسی کو خاص اپنا قبضہ اس پر جانا جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ اس مصلحت کے لئے بھی عید گاہ کا پختہ بنا دینا اول ہے، تاکہ خالی زمین دیکھ کر کوئی شخص اس پر قبضہ نہ کر بیٹھے، کیونکہ آجکل زراعت کرنے والے وقف کی زمین کو بھی تھوڑی بہت اپنی زراعت میں داخل کر لیں گے، پھر ان سے مقدمہ لڑنا اور زمین عید گاہ کو ان کے قبضہ سے نکالنا دردناک ہے، غالباً اپنی مصلحتوں پر نظر کر کے متقدمین نے بنا عید گاہ کو پسند کیا ہے، واللہ اعلم،

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

سوال (۸) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریح کی جائے یا نہ،

تکبیر کہنے کا حکم کیونکہ بعض علماء کو دیکھا ہے کہ نماز کے بعد فی الفور ہی تکبیر کہہ لیتے ہیں، جب خطبہ شروع کرتے ہیں، اور بعضوں کو دیکھا ہے کہ نماز پڑھتے ہی تکبیر نہیں کہتی بلکہ عمر پہلے جاتے ہیں اور خطبہ شروع کر دیتے ہیں، تو آیا ان دونوں صورتوں میں بہتر و فتویٰ کس پر ہے؟ بیٹو اتوجسروا،

الجواب؛ قال فی الدرر لا بأس بہ رای التکبیر (۱۲) عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیہ البلخیون ام قال الشامی قولہ فوجب الظاہر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح و فی البحر عن المجتبی والبلخیون یکبرون عقب صلوة العید لانا تو ردی بجماعة فاشبهتہ الجمعة ام وهو یفید الوجوب المصطلح علیہ ط ام ص ۸۷۹ ج ۱،

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریح باواز بلند کہنا چاہئے واللہ اعلم، ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

جمعہ میں ایک آدمی کو خطبہ اور سوال (۹).....

دوسرے کو نماز پڑھانا
کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا نماز پڑھانا مشروع شریف میں درست ہے یا نہ، اگر درست

ہے تو مع الکراہت، یا بلا کراہت، اگر مکروہ ہے تو تحریم ہے یا تنزیہی،

(۲) پیچھے تہنا ایک آدمی کھڑا ہو، نیت کرنے سے قبل آگے کی صف سے ایک آدمی کو کھینچ کر یا بعد نیت، از تحریر جواب سرفراز فرمائیں،

الجواب؛ جمعہ میں ایک آدمی کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا اجازت خطیب سے نماز پڑھانا جائز ہے، مگر اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف ہے، کہ بلا ضرورت ایسا کرنے کو بعض نے منع کیا ہے، لہذا اس سے احتراز اولیٰ ہے، فی السراجیة لوصلیٰ احد بغیر اذن الخطیب الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایة الجمعة (کن فی الدرر) و فی الثامیة شمل الخطیب الماذون وذلك لان الافتداء به اذن دلالة بخلاف ما لوحضروا ولم یقتد وعلیہ تحمل عبارة الخانیة السابقة ثم اذا كان حضوره بدون اقتداء لم یعتبر اذا تأیہم منه انه لا یجوز خطبة غیرہ بلا اذن بالاولیٰ والاقتداء لمن فہم منه الجواز افادہ ط (ص ۸۴۱ ج ۱)

(۲) پیچھے صف کے جو آدمی کھڑا ہو وہ تہنا کھڑا ہو جاوے اگلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر نہ بعد نیت کے نہ قبل نیت کے، قال الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح والاولیٰ فی زمانہ عدم الجذب والقیام وحده، واللہ اعلم ۲۳ صفر ۱۳۲۴ھ

سوال (۱۰)..... نماز عیدین کے بعد رفع یدین

کے ساتھ مناجات کا حکم نماز عیدین کے مناجات برفع یدین جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو کرنے والوں پر ثواب و برکات دارین کی امید ہے یا نہیں اور اس کے منکر یعنی نہ کرنے والوں پر، اور دوسرے کو کرنے میں منع کرنے والوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب؛ نماز کے بعد دعا کرنا مطلقاً جائز ہے، اور رفع یدین آداب دعا ہے، لہذا بعد نماز عیدین کے دعا، برفع یدین جائز ہے، اور ثواب کی بھی امید ہے، مگر اس کو ضروری نہ سمجھا جاوے اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں، اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دعا کرنا جائز ہی نہیں تب تو وہ غلط کہتے ہیں، اور مباح سے روکنے کے سبب لم تحرم ما احل اللہ لک کے مخاطب ہیں، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس وقت دعا برفع یدین ضروری نہیں تو ان کا قول بھی صحیح ہے، ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ قال فی الحصن فی اداب الدعاء والصلوة عہ رجب مسنی و فی الحوزای ذمت

الركوع والسجود والموادان يقع الله عليه المطلوب بعد ما فهمي من باب تفصيل العمل
الصالح والتوسل به اه اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ذات رکوع و سجد کے بعد دعا جائز ہے
وفيه ايضا وليسط البيديت مس ورفه جمار ، والثناء علم ،
خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا

یا نہیں ؟

الجواب : عصا لینا بوقت خطبہ سنت ہے ، مگر سنت مقصودہ نہ سمجھے گا ہے
ترک بھی کرے ، قال فی الدرر ویکرہ ان یسکی علی عصا او قوس او فی الشامیة
استشکلہ فی الحلیہ بانہ فی روایة ابی داؤد انه صلی اللہ علیہ وسلم قام ای
فی الخطبۃ متوکا علی عصا او قوس او ونقل الفہستانی عن عید المحيطان اخذ
العصا سنة کالیام او قلت و محمل الکراہة اعتقاده سنة مقصودہ ، والثناء علم
ضد عداوت دوسری مسجد میں

سوال (۱۱۲)

اقامت جمعہ کرنے کا حکم ،
جبکہ مسجد قدیم کو نقصان بھی پہنچا تو

..... بیردنجات شہر یعنی دیہات میں اداے نماز جمعہ کا کیا حکم ہے ،
خصوصاً بستی سورہ میانی جو بقدر دو میل کے فاصلہ پر ملتان شریف کے غرب کی طرف ہے
اس بستی میں عرصہ دراز سے کہنہ و جامع مسجد موسومہ مولوی گل محمد صاحب مرحوم والی جو
مشہور و معروف اور موجود ہے ، اور آجنگ بفضل خداوند کبر آباد ہے ، جس کی نو تعمیر
کسی شخص کو خواہ طویل العمر اور سن رسیدہ بھی ہو کوئی حال معلوم نہیں کہ کس تاریخ
یا کس زمانہ میں اس مسجد شریف کی تعمیر شروع ہوئی ہے ، ہاں البتہ کچھ عرصہ دراز سے مرمت
کی تاریخ اس مسجد شریف مذکور کی محراب پر لکھی ہوئی ہے ، جس مرمت کو عرصہ ایک سو تیس
سال کا گذر چکا ہے ، شروع بنیاد کا کوئی حال معلوم نہیں ، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس
مسجد شریف مذکور کو تیار ہوتے ہی نماز جمعہ جاری یا کوئی زمانہ پیچھے شروع ہوئی ہے

ع جس میں تقریباً دو سو مکانات ہیں ، جن میں سے تخمیناً ۵۰ مکانات اہل ہنود ہیں اور تخمیناً ایک سو مکانات
اہل شیعہ ہیں اور تخمیناً ۵۰ مکانات اہل سنت ہیں اور متفرق تین جگہ پر بیس دو مکانات بھی ہیں ۱۲

ہاں البتہ اپنے بزرگان سے یہ سنا گیا ہے کہ بادشاہ نواب صاحب نے اپنی عمارت میں با اتفاق
تمام مسلمانان اس مسجد شریف مذکورہ میں نماز جمعہ ادا کی ہے ، علی ہذا القیاس آہا و اجداد سے
یعنی قدیم الایام سے تا حال کے زمانہ تک نماز جمعہ جاری ہے ، الحمد للہ ، و نیز اس مسجد شریف
کے گرد و نواح کی متفرق بستیوں میں بہت سی مساجد نو و کهنہ موجود ہیں ، جنہوں نے آج تک
ایسا کوئی موقع نہیں گذرا کہ ان مساجد میں بھی نماز جمعہ ادا کی گئی ہو ، کیونکہ یہ مسجد شریف مذکورہ
تمام گرد و نواح کی مسجد سے بڑی مسجد ہے ، اور جامع مسجد ہے ، اور تمام مساجد اس مسجد شریف
سے چھوٹی ہیں ، بلکہ چند مساجد غیر آباد بھی ہیں ، تمام لوگ گرد و نواح کے باہمیں اتفاق سے
جمع ہو کر اسی مسجد شریف مذکورہ میں نماز جمعہ ادا کرتے چلے آتے ہیں ، بلکہ بہت علماء عظام
واعظین وغیرہ خواہ مملتان شریف کے ہوں یا بیرونجات ہوں جو متفرق بستیوں میں دعظ فرمانے کو
تشریف لاتے ہیں اور روز جمعہ کا ہوتا تھا ، تو پہلے اسی مسجد شریف مذکورہ میں نماز جمعہ ادا
کر کے پھر متفرق بستیوں کی مساجد میں دعظ بیان فرماتے چلے آئے ہیں ، آج تک کسی علم نے
متفرق بستیوں کی مساجد میں نماز جمعہ ادا نہیں کی ، خصوصاً اس مسجد شریف مذکورہ میں کوئی
ایسا امر شرعیہ مانع نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے گرد و نواح کی مساجد متفرقہ میں بھی نماز
جمعہ ادا کی جاوے ،

جناب من آج عرصہ ڈیڑھ سال کا گذر چکا ہے کہ اقوام شیخان نے بسبب عداوت
اور ضد کے اور واسطے آزار دینے اور بیردنق کرنے اس مسجد شریف مذکورہ کے اپنی مسجد کو
جو ہر فاصلہ ۵۰ یا ۶۰ قدم پر ہے خوب سنوا کر اور آراستہ کر کے بلکہ بعض بعض مردمان
نماز خوانندگان کو راستہ سے روک کر اپنی مسجد شریف کی ترغیب دے کر ایک ملاً نو تعلیم یافتہ
غیر علاقہ کا بلا کر فی نماز جمعہ مبلغ عا یا عم نقد دے کر نماز جمعہ جاری کر دی ہے ، کیونکہ
ان کی مسجد شریف کا خاص اہم مقدر نہیں ہے ، جو آگیا اس نے نماز پڑھا دی ، بعض
اوقات کوئی شخص نماز پڑھانے والا ہو نہیں ہوتا ، اکیلے نماز بھی پڑھی جاتی ہے ، چند دفع
لوگوں نے کہا ہے کہ تم صد اور عداوت کو چھوڑ دو ، اور آپس میں اتفاق رکھ کر جن مسجد میں
نماز ہوتی رہتی ہے وہاں پڑھو ، ہرگز نہیں مانتے ، بلکہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری مسجد
شریف بھی جامع مسجد ہے ، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے نماز جمعہ پہلے ادا کر لی اس کی
نماز جمعہ درست ہے ، اور جس نے پیچھے ادا کی اس کی نماز جمعہ ناجائز ہے ، اس واسطے ہم

ان سے پہلے نماز جمعہ اور کر لیتے ہیں تاکہ ہماری نماز درست ہو جائے اور ان کی نماز ناجائز ہو گیا
ایا شرعاً اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے، مینو اور توجروا، جواب مجہ نقول کتب فتویٰ علیہ
و مجہ مواہیر بادستخط خود تحریر فرماویں، کہ عند اللہ ما جور وعند الناس مشکور ہوں گے،

الجواب: صورت مستولہ میں جن لوگوں نے محض عناد اور ضد کی وجہ سے دوسری
مسجد میں جمعہ قائم کیا ہے وہ گنہگار ہیں قال العلامة عبدالحی فی فتاواہ قال البغوی وقال
عطاء لما فتح الله على مصر الامصارا من المسلمين ان بينوا المساجد وامرهم ان لا يبنيوا
في مدینتہم مسجدین یضاد احدهما الاخرام ص ۲۰۶، پس اس صورت میں کہ سب
لوگ مسجد قدیم میں جمعہ پڑھنے پر راضی ہیں اور وہاں جمعہ کا انتظام بھی ہمیشہ سے ہے، بلا ضرورت
بلا وجہ محض ضد و نفسانیت سے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا اور اس مسجد قدیم کے درپے تخریب
ہونا سبب گناہ عظیم ہے، گو دوسری مسجد میں بھی جمعہ درست ہو جائے گا، مگر جو لوگ ضد و
نفسانیت کی وجہ سے وہاں جمعہ پڑھیں گے ان کو گناہ بھی ہوگا، اور جو لوگ خالی الذہن ہو کر
وہاں جمعہ پڑھیں گے ان کو گناہ تو نہ ہوگا مگر مسجد قدیم کے برابر ثواب نہ ملے گا، کیونکہ مسجد قدیم
میں حدیث سے زیادہ فصیلت و ثواب ہے، قال فی رد المحتار فی مسئلۃ تعدد الجمعة فی
بلدۃ واحدة مانصہ لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیہ شبهة
قویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفة واختارہ الطحاوی والمترتاشی وصاحب
المختار وجعلہ العتابی اظہر و ہر مذهب الشافعی والمشہور عن مالک واحدی
الروایتین عن احمد کما ذکر المقدسی فی رسالۃ نور المشعۃ فی ظہر الجمعة
بل قال السبکی من الشافعیہ انه قول اکثر العلماء ولا یحفظہ عن صحابی
ولاتبی تجوز تعددھا ام وقد علمت قول البدائع انه ظاہر الروایۃ وفی
شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انه اظہر الروایتین عن الامام قال فی النہر
وفی العاوی القدسی وعلیہ الفتویٰ وفی التکملة للملازی وبہ ناخذ اذہنہ
حینئذ قول معتد فی المذہب لا قول ضعیف ولذا قال فی شرح المنیۃ ہو
الاحتیاط لان الخلاف فی جواز التعدد وعدمہ قوی وکون الصحیح لجواز
الضرورة للفتویٰ لا ینع شرعیۃ الاحتیاط للفتویٰ ام ص ۸۲۳ ج ۱ قلت و
قد علمت من السؤال ان لاضرورة الى تعدد الجمعة فی الصورة الحاضرة

وانما هو ببعض العناد والحسد و ذکر قاضی خان وصاحب منیۃ المفتی وغیرہما
ان الاقدم افضل وان استویا فی القدم فالاقرب افضل ام ص ۲۰۶ جلد ۱
فتاویٰ مولانا عبدالحی - ۱۲ جمادی الاولیٰ مسندہ

وہ کارخانہ جو شہر سے متصل ہو | **سوال (۱۳)** جس دفتر میں خادم کام کرتا ہے وہ شہر سے قریباً
اس میں نماز جمعہ کا حکم، تین میل کے فاصلہ پر ہے، اور اس علاقہ کو مغلپورہ کہتے ہیں اس کا
ڈاکخانہ و تھانہ اور پولیس بھی شہر سے علیحدہ ہے، اور چنگل کی حد سے بھی باہر ہے، اور نہ ہی یہ
گاؤں کی صورت میں ہے، بلکہ یہ ایک بڑا دفتر ہے اور اس کے ساتھ ہی جو کارخانے بنے ہوئے
ہیں، جہاں دن کو بائیس تیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں، اور رات کو سوائے ان جو کیداروں کے
جو پہرہ پر مقرر ہیں، اور کوئی نہیں ہوتا، دفتر کے ادھر ادھر جگہ بجگہ انگریزوں کی کوٹھیاں
بنی ہوئی ہیں جو اس دفتر اور کارخانوں میں ملازم ہیں، کوٹھیاں بھی ایک جگہ نہیں بلکہ تھوڑی
تھوڑی (دس پانچ) کئی جگہ بنی ہوئی ہیں، گویا کہ دفتر نہ شہر کے حکم میں ہے، اور نہ گاؤں کے
یہاں کے ملازمین جمعہ کے دن کسی ایک کو مقرر کر کے دفتر میں ہی جمعہ پڑھ لیتے ہیں، آیا یہ
جمعہ ہو جاتا ہے، یا نہیں، اگر نہیں تو خادم کو قریباً عرصہ تین سال کا ہو گیا ہے کہ انہی میں
شامل ہو کر جمعہ پڑھ لیتا ہے اتنے عرصہ کی ظہر کی نمازیں قضاء پڑھ لے یا نہیں، اور چونکہ
خادم گاؤں سے آتا ہے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خادم پر جمعہ واجب نہیں ہے کہ
دفتر کو ہر حال میں چھوڑ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھے،

الجواب: قال فی الدرر افناءہ بکسر الفاء وهو ما حوله اتصل به اولاً
حرره ابن التکمال وغیرہ لاجل مصالحة کد فن المونی و رکض الخیل والمختار
للفتویٰ تقدیرہ بفرسخ ام قال الشامی اقول وبہ ظہر صحتمہا فی تکیۃ السلطان
سلیم بمسجدة دمشق وکنانی مسجدہ بصالحیۃ دمشق فانہما من فناء
دمشق بما فیہما من التربة بسفح الجبل وان انفصلت عنہ بمزارع لکنہما
قریبة لانما علی ثلث فرسخ من البلد وان اعتبرت قریبة مستقلة فہی مصر
علی تعریف المصنف ام ص ۸۳۷ ج ۱

قواعد سے مغلپورہ لاہور کا فناء معلوم ہوتا ہے، اس لئے جو لوگ مغلپورہ میں رہتے ہیں
ان پر جمعہ فرض ہے، لہذا آپ نے جس قدر جمعہ وہاں پڑھے ہیں وہ صحیح ہیں، آئندہ بھی

پڑھتے رہنا چاہئے، لیکن مزید احتیاط کے لئے جمع کے بعد چار سنتوں میں سنتوں کی نیت کے بجائے چار رکعت فرض ظہر کی نیت کر لی جائے، تاکہ فرض بالیقین ذمہ سے ادا ہو جائے، مگر جبلا کہ اس کی تعلیم نہ کی جائے وہ اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، واللہ اعلم،

جزو سوال؛ اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کا فتویٰ متعلق ظہر احتیاطاً دیکھ کر ایک اور بھی شبہ پڑ گیا ہے کہ اس صورت میں لاہور میں کہیں بھی جمعہ صبح نہیں ہوتا کہ کیونکہ یہاں گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں علیحدہ علیحدہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، اور کئی ایک بڑی مسجدوں میں بھی علیحدہ پڑھا جاتا ہے، حالانکہ اگر بادشاہی مسجد میں تمام شہر کے لوگ آکر جمعہ پڑھیں تب بھی سماجوں اور فتویٰ اس پر ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جاوے،

جواب؛ نہیں فتویٰ اس پر ہے کہ ایک شہر میں متحد جگہ جمعہ جائز ہے، لہذا لاہور شہر کے سب جمعے صحیح ہیں،

جزو سوال (۲) کیا کتاب تبتیہ الغافلین کوئی معتبر کتاب ہے، اور اگر خادم اس کا مطالعہ کرے تو اجازت ہے؟

جواب؛ اس کتاب کا مصنف کون ہے، مصنف کا نام معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے،

سوال (۱۴) نماز عید کے بعد دعا مانگنے کا حکم

..... عیدین میں ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا کیسا ہے، ایک مقام پر مدت سے لوگ ایک امام کے پیچھے عیدین کی نماز پڑھتے آئے ہیں، اب عرصہ دو سال سے سابق امام نے بوجہ کبر سنی کے اپنے لڑکے کو جو کہ حافظ اور عالم ہیں اپنی جگہ پر امام مقرر کیا، اور لوگ اُن کے پیچھے عیدین کی نمازیں پڑھنے لگے، حال کے امام نے عید کی نماز کے بعد مناجات نہیں کی، عام لوگ امام سے معترض ہوئے اور کہا کہ آپ کے باپ ہمیشہ سے مناجات کرتے آئے ہیں آپ کیوں ترک کرتے ہیں، امام صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے باپ نے حدیث نہیں پڑھی ہے، اس لئے وہ اس مسئلے سے ناواقف ہیں، میں نے حدیث میں اس کی دلیل کہیں نہیں پائی، اس لئے میں ترک کرتا ہوں، اس پر جو عوام نے اصرار کیا کہ مناجات کرنا تو اچھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں عاجزی پسند ہے، علاوہ اس کے ہمیشہ سے ہم لوگ کرتے آئے ہیں، یکایک ہم لوگوں کے لئے یہ ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے، اس لئے بہت سے لوگ ہماری عید گاہ میں آنا چھوڑ گئے

اور جماعت کو نقصان پہنچے گا، امام صاحب نے فرمایا کہ میں خود یہاں کی امامت چھوڑ دوں گا مگر مناجات کر کے گنہگار نہ ہوں گا، اور اس کے بعد امام صاحب اور چند لوگوں نے مشورہ کر کے تمام بازار میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو شخص مناجات کرے گنہگار ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں، اس بات سے عوام میں ایک ہنایت بے قراری پھیل گئی ہے، اور وہ جماعت ہو گئی ہیں، اور ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ عید کے موقع پر ایک بڑا ہنگامہ برپا کریں گے چونکہ لوگ ہمیشہ سے مناجات کرتے آئے ہیں، اس لئے تین حصہ سے زائد لوگوں نے مناجات کرنے والوں کی طرف ہیں، اور ایک حصہ سے کم لوگ نہ کرنے والوں کی طرف ہیں، اس لئے

عند اللہ وعند الرسول آپ اس کا فیصلہ بحوالہ کتب کر دیجئے، بینوا باللہ لیل تو جردا بالجزیل،

الجواب، طریقہ متعارفہ کے طور پر نماز عیدین کے بعد دعا مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً واضحاً ثابت نہیں، ہوا، یہی وجہ ہے کہ بعض نسخ بخاری میں جو باب الدعاء فی العیدین وارد ہوا ہے، تو شارحین کو اس کے اثبات کے لئے تکلف و تجتم کرنا پڑا، قال العلامة العینی فی العمدة مطابقة للترجمة المروية عن العموی فی قوله یخطب فان الخطبة مشتملة علی الدعاء كما انها تشمل علی غیرہ ام من ۳

وقال الحافظ فی الفتح ویمثل ان یوجہ بان الدعاء بعد صلوة العید یؤخذ حکمہ من جواز اللعب بعد ہا بطریق الاولی وقد روی ابن عدی من حدیث وثلة انه لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید فقال تقبل اللہ منا ومنک فقال نعم تقبل اللہ منا ومنک وفی اسنادہ محمد بن ابراہیم الشامی وهو ضعیف وقد تفرّد بہ مرفوعاً وخولف فیہ فروی البیہقی من حدیث عبادة بن الصامت انه سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال ذلك فعل اهل الکتابین واسنادہ ضعیف ایضاً وکانہ اراد لم یصح فیہ شیء وروی فی المعاملات باسناد حسن عن جبیر بن نصیر قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعض تقبل اللہ منا ومنک ام ص ۲۱ ج ۲،

پس حافظ کا حدیث تقبل اللہ منا ومنک سے اثبات ترجمہ کی طرف اشارہ کرنا بتلارہا ہے کہ دعا، فی العیدین کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے، اسی لئے بعض لوگوں نے

ان نمازوں کے بعد دعاء بطریق متعارف کو سنت نہیں سمجھا

لیکن کسی خاص قضیہ کا حکم ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس کا نام بھی بالتعمین وارد ہوا ہو بلکہ عموماً حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں اگر عموماً سے حکم ثابت نہ ہو سکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز و استحباب ثابت ہو سکتا ہے مثلاً مدارس کا قائم کرنا تعلیم دین کے لئے مستحب ہے، حدیث میں اس کا نام کہاں وارد ہوا ہے ریل میں سفر کرنا جائز ہے، حدیث میں اس کا نام کہاں وارد ہوا ہے، علی ہذا، پس بعد عیدین کے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا گو صراحتاً احادیث میں نظر سے نہیں گذرا مگر بعض احادیث سے ہر نماز کے بعد دعاء کا مستحب ہونا ثابت ہے، نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعاء کیا کرتے تھے، عن علی قال حدثنی ابوبکر وصدق ابوبکر انہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد ینبئ نباً فیحسن الطہور ثم یقول فیصلی رکعتین ثم یتغفر اللہ الا غفر اللہ له ثم قرأ هذه الآية والذین اذا فعلوا فاحشة اظلموا انفسہم الخ ص ۱۰۷ و ۱۰۸ ابوداؤد وسکت عنہ (ص ۲۲۰ ج ۱) ولذا قال صاحب الحصن الحصین من اداب الدعاء استقبال القبلة والصلوة والجلوس علی الרכب ولبط الیدین ورفعہما (ص ۲۲ و ۲۳) وحدیث رفع الیدین فی الدعاء متواتر کنانی تدریب الراوی (ص ۱۹۱)

پس عیدین کی نماز کے بعد مناجات و دعاء کرنا عموماً حدیث سے مستحب ہے، بلکہ ہر نماز کے بعد دعاء کرنا مستحب ہے، واللہ اعلم، ۲۱ رمضان ۱۳۴۴ھ

بعد تحریر جواب ہذا خاص مناجات بعد صلوة العید کے بارے میں روایات دستیاب ہو گئیں، وہی ہذہ عن أم عطیة قالت کتا نومران نخرج یوم العید حتی تخرج ابوبکر من خدرها حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرہم ویدعون بدعائہم یرجون بركة ذلك الیوم وطہرتہ ام اخرجہ البخاری فی صحیحہ کذا فی فتح الباری، ص ۲۸۶ ج ۲ واخرج الترمذی عن أم عطیة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرجوا الالبکار والعواتق وذوات الخدر والحيض فی العیدین فاما الحیض فیعترلن المصلی ویشهدن دعوة المسالین الحدیث (ص ۱۹۱)

قال الترمذی حدیث ام عطیة حدیث حسن صحیح، اس حدیث میں دعاء سے دعاء خطبہ مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ خطبہ میں صرف امام دعاء کرتا ہے، سامعین دعاء نہیں کر سکتے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں، اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اور انکی دعاء کے ساتھ دعاء کرتیں، اور اس سے مردوں اور عورتوں سب کا دعاء کرنا ثابت ہوتا ہے، اور یقیناً نماز سے پہلے تکبیر و دعاء کا وقت نہیں، یقیناً نماز کے بعد ہی دعاء کی جاتی تھی، اور ترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں یشہدن دعوة المسالین کہ عورتیں مسلمانوں کی دعاء میں شریک ہوتی تھیں، اس لئے عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا جائز و مستحب یقیناً ہے، استحباب و جواز کا انکار نہیں ہو سکتا، لیکن اگر کوئی شخص جائز و مستحب فعل کو ترک کر دے، تو اس پر ملامت و طعن اور اس سے ترک موالات ہرگز جائز نہیں کیونکہ یہ شان ترک فرائض و واجبات کی ہے نہ کہ مستحبات کی، اور اگر کسی وقت کسی مستحب و سنت کے ترک پر ملامت و طعن ہونے لگے، اور اس مستحب و سنت کے ساتھ واجب و فرض کا معاملہ ہونے لگے تو اس وقت اصلاح عقیدہ عوام کے لئے اس مستحب کا ترک کر دینا ضروری ہو جاتا ہے، تو جو لوگ بعد صلوة عیدین کے دعاء کو مستحب سمجھتے ہیں وہ تارکین پر ملامت و طعن کرنے کی وجہ سے خود ہی اس مستحب کو ممنوع بنا نا چاہتے ہیں، قال فی البحر لو قرأ فی الاولی بسورة الجمعة و فی الثانية بسورة المنافقین فحسن تبرکاً بفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ولكن لا یواظب علی ذلك بل یقرأ غیرہا فی بعض الاوقات لا یؤدی الی هجر الباقی ولا یظنہ العامة حتماً (ص ۱۵۰ ج ۲) واللہ اعلم

ایک عید گاہ میں عید کی سوال (۱۵)
دو جماعت کرنا، ایک عید گاہ کے اندر دو نمازیں عید کی یکے بعد دیگرے مشروعاً

جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا؟

الجواب؛ قال فی الخلاصة والسنة ان یرجوا الامام الی الجبانة یتخلف غیرہ لیصلی فی المص بالصنعفاء والمرضی ببناء علی ان صلوة العید فی موضعین جائزہ بالاتفاق فی دان لم یتخلف له ذلك ام ص ۲۱۳ ج ۱، و فی الدرر ولا یصلیہا وحده ان فانت مع الامام ولو امکنہ الذہاب الی امام اخر فعل لانہا تؤدی بہم واحد بہ مواضع کثیرة اتفاقاً (ص ۸۴۵ ج ۱ مع الشامیة) قلت قوله لو امکنہ

الذہاب الی امام الحرمین الی انہ لا یصلی فی موضع واحد مرتین وکن اقتصا
الفقہاء علی بیان الجواز فی مواضع عن یدة وسکو تمہم عن اداہما فی موضع واحد
مرتین یدل علی ذلک فافہم .

ان عبارات فقہیہ سے یہ معلوم ہوا کہ نماز عید ایک موضع میں مکرر پڑھنا درست نہیں
ہاں چند مواضع میں جائز ہے، جیسا کہ حجہ چند مسجدوں میں جائز ہے، ایک موضع میں دو مرتبہ
نماز عید ادا کرنے کی شریعت میں کوئی اصل ہماری نظر سے نہیں گذری، لہذا اس ابتداء کے
پچھا چاہئے، خصوصاً جبکہ اس کا منشاء محض نزع و خلات و تفریق ہو، واللہ اعلم، ۸، سوال
نماز عید ایسی جگہ ادا کرنا چاہاں | سوال (۱۶) ہمارے دیار میں ایک عید گاہ ہے، اس کے مغرب
سائے قبرستان ہو، میں ایک قبرستان ہے، جہاں امام کھڑا ہوتا ہے اس کے دو تین
ہاتھ کے فاصلہ پر بیچ میں کوئی آڑ نہیں، اور درمیان میں ایک مزار بھی ہے، اس کے گرد آرد
آدمی نماز پڑھتے ہیں، اس میں نماز عیدین جائز ہوگا یا نہ؟ اگر بیچ میں کوئی آڑ نہ ہو تو قبر سے کتنے فاصلہ
پر نماز جائز ہے، اور اگر آڑ ہو تو ایسا ہونا چاہئے کہ قبر بالکل نہ دکھائی دے یا کیسا، بعض آدمی
مسجد کے مغرب جانب تبرکاً قبر بناتے ہیں وہ کیسا ہے؟

الجواب؛ قال فی مرقا الفلاح وتکرہ الصلوٰۃ فی المقبرۃ اہ قال الطحطاوی
وفی زاد الفقیر وتکرہ الصلوٰۃ فی المقبرۃ الا ان یكون فیما موضع اعد للصلوٰۃ
لا نجاسة فیہ ولا قدر فیہ اہ قال الحلبي لان الکراهۃ معللۃ بالتشبیہ وهو
منتف حینئذ وفی القمستانی عن جنات المقبرۃ لا تکرہ الصلوٰۃ الی اجمتہ القبر الا اذا
کان بین یدینہ بحیث لوصلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ اہ مرقا الفلاح
صورت مسئلہ میں اگر قبر نمازیوں کے اتنے نزدیک نہیں ہوتی کہ خشوع کے ساتھ موضع
سجدہ پر نظر رکھنے سے قبر پر نظر پڑتی ہو تو نماز جائز ہے، اور اس سے زیادہ نزدیک ہو تو مکروہ
ہے، اور جس مزار کے گرد آرد لوگ نماز پڑھتے ہیں، اگر قبر کے گرد اتنی اونچی عمارت ہو جس سے
قبر پوشیدہ ہو گئی ہو نظر نہ آتی ہو، تو نماز درست ہے ورنہ مکروہ ہے، اور ہر حالت میں مسلمانوں
کو چاہئے کہ عید گاہ کی مغرب جانب میں ایک دیوار بنادیں، جس سے قبروں اور نمازیوں میں
آڑ ہو جائے مسجد کی مغرب جانب کو تبرک سمجھنا اور وہاں قبریں بنانا بے اصل بات ہے،
اس سے احتراز چاہئے، واللہ اعلم، ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

امام کالوگوں کے بیچ میں کھڑے | سوال (۱۷)
ہو کر خطبہ دینے کا حکم بڑی عید گاہ میں چونکہ امام کی آواز سارے

مقتدیوں کو نہیں پہنچ سکتی، اس لئے بعض جگہ آٹھ آٹھ دس دس صفوں کے بعد تھوڑے
تھوڑے فاصلے سے باواز بلند تکبیر کہنے کے واسطے پختہ یا لکڑی کے اونچے اونچے مکعبے
بنادیتے جاتے ہیں، پس اگر امام اپنی امامت کے پاس والی جگہ یعنی ممبر کو چھوڑ کر حاضرین کی
زیادہ تعداد کو خطبہ سنائی دینے کے خیال سے عیدین کا خطبہ وسط حاضرین میں کسی درمیانی
اونچے بکرہ پر کھڑے ہو کر پڑھے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز، اور اگر جائز ہوگا تو
بکراہت یا بے کراہت؟

الجواب؛ امام کا وسط قوم میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر ایسا کیا
تو خطبہ صحیح ہو جائے گا، گو خلات سنت ہونے کی وجہ سے کراہت ہوگی، قال فی مرقا الفلاح
ولیس استقبال القوم بوجہہ کما استقبال الصحابة النبی صلی اللہ علیہ
سلم اہ قال الطحطاوی فان ولاہم ظہرہ کسہ قال شمس لاشہ من کار امام
الامام استقبال بوجہہ ومن کان عن یسین الامام او یساراً انحرف الیہ اہ
رص (۲۹۹) قلت ولا یخفی ان فی قیامہ علی المکبرۃ یلزم تولیۃ الظہر الی
بعض السامعین فیکرہ، ۲، ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۲ھ

عید الفطر میں تکبیر تشریح | سوال (۱۸) بعض عید گاہوں میں دستور یہ ہے کہ بروز عید الفطر
جہرا کہنے کا حکم، پہلے ایک شخص باواز بلند تکبیر کہ کر خاموش ہو جاتا ہے، اس کے
سب حاضرین متفقہ طور پر باواز بلند تکبیر کہتے ہیں، ان سب کے خاموش ہو جانے کے بعد پھر
وہی پہلا شخص تنہا باواز بلند مثل سابق تکبیر کہتا ہے، اور اس کے خاموش ہونے پر جملہ حاضرین
مثل سابق آواز ملا کر تکبیر کہتے ہیں، یہ سلسلہ اسی طرح نماز عید شروع ہونے تک جاری رہتا کہ
پس ارشاد ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک عید الفطر میں باواز بلند تکبیر کہنا اور اس کے
ساتھ ہی ہیئت متعارفہ مذکورہ کو اختیار کرنا کیسا ہے، آیا مباح ہے یا مستحب یا سنت
یا واجب یا مکروہ یا حرام،؟ امام اعظم کے علاوہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے
نزدیک اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ تکبیر یہ ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ
واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر، ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

الجواب؛ قال في مراقي الفلاح ثم يتوجه الى المصلی ماشياً مكباً
سراً قال عليه السلام خير الذي كسر الخفي وعندهما جهر او هور رواية عن
الامام وكان ابن عمر يرفع صوته بالتكبير ويقطعه اي التكبير اذا انتهى
الى المصلی في رواية جزم به في الدراية وفي رواية اذا افتتح الصلوة كذا
في الكافي وعليه عمل الناس قال ابو جعفر وبه اخذاه قال الطحاوي في
حاشيته قال الطحاوي ذكر ابن ابي عمران عن اصحابنا جميعاً ان السنة
عندهم يوم الفطر ان يكبر في طريق المصلی وهو الصحيح اه (۳۰۸) وفي رد المحتار
وجزم في البدائع بالاولى وعمل الناس في المساجد على الرواية الثانية اه
(ص ۵، ۸، ۱۰) قال الطحاوي في حاشية مراقي الفلاح قوله وعندهما جهر
قال الحلبي الذي ينبغي ان يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه
لا في كراهته وعدمه نعم استحب الجهر وعندنا الاخفاء افضل و
ذلك لان الجهر قد نقل عن كثير من السلف اه قوله وكان ابن عمر يرفع
صوته بالتكبير اجيب عنه من طرف الامام بانه قول صحابي فلا يعارض
به عموم الآية القطعية اعني قوله واذ كررتك في نفسك الى قوله ونكروا
(ص ۳۰۹) اصل مذنب امام ابو حنيفة كايه ہے کہ عید الفطر میں تکبیر آہستہ کسی جائے اور عید گاہ
میں بیہوش کر دی جائے، ظاہر روایت راجح یہی ہے، اب اگر کوئی شخص تکبیر جہ سے کہے اور
عید گاہ بیہوش کر شروع صلوة تک اس کو مستمر رکھے تو بعض روایات پر اس کی گنجائش تو ہے،
مگر آواز ملا کر تکبیر کہنا جس سے عادت غیر معمولی شور پیدا ہو جاتا ہے خلاف سنت ہے اور بدعت
ہے، اور قابل ترک ہے، قال صلى الله عليه وسلم اربعوا على انفسكم فانكم لاتدعون
اصم ولا غاشياً، اگر جہ سے کرنا ہو اور نماز تک تکبیر کو مستمر رکھنا ہو تو ہر شخص کیفیت ما التفت
الگ الگ تکبیر کہتا رہے، اور اتنا جہ کرے کہ دو تین آدمی اس پاس والے سن لیں، نہ زیادہ جہ
کرے نہ آواز ملانے کا اہتمام کرے، واللہ اعلم، ۲ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

نماز عیدین کے بعد | سوال (۱۹) صلوة عیدین اور ان کے خطبہ کے بعد دعار مانگنا بہتر ہے
دعار مانگنے کا حکم یا نہ مانگنا، سلف کا کیا معمول ہے؟

الجواب؛ احادیث سے دعار کا ثبوت ہوتا ہے، مگر ضروری نہیں، بہتر یہ ہے کہ

دعار کر لیا کریں، اجتماع مسلمین کے وقت دعار قبول ہوتی ہے، ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ
نماز جمعہ اور تعدد جمعہ کی تحقیق | سوال (۲۰)

..... ایک چھوٹے گاؤں میں تقریباً ۵۰۰ گھر ہیں، اور اس گاؤں میں چار مسجدیں ہیں
اور چاروں مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے جس کو عرصہ پانچ چھ سال کے قریب ہو گیا ہے، اور اس
سے پیشتر دو جمعہ ہوتے تھے، اب یہ جو کہ دو جمعہ ہوتے ہیں، یہ جائز ہیں یا کہ نہیں اور اس
گاؤں میں احتیاط نظر پڑنا چاہئے یا کہ نہیں؟

الجواب؛ جس جگہ شرعی قاعدہ سے جمعہ جائز ہے وہاں دو چار جگہ بلکہ دس پانچ
جگہ بھی جائز ہے، اب دیکھ لیا جائے کہ اس گاؤں میں صحت جمعہ کے شرائط موجود ہیں یا نہیں
جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی محقق عالم کو یہ گاؤں دکھلا کر پھر مسئلہ دریافت کیا جاوے اور
جب تک صحت جمعہ کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک وہاں جمعہ نہ پڑھا جائے، صرف
نظر پڑھنی چاہئے، ۱۹ رمضان ۱۳۱۵ھ

گاؤں میں جمعہ کا حکم | سوال (۲۱) ایک چھوٹا سا گاؤں تقریباً ۱۰۰ یا ۲۰۰ گھروں کی آبادی ہے
اور اس گاؤں کی جو مسجد ہے اس کے اندر جمعہ کے روز اس قدر آدمی آتے ہیں کہ تمام مسجد
بھر کر اور آدمی باہر باقی رہ جاتے ہیں، آیا اس گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے یا کہ نہیں اور اگر جمعہ
ہو جاتا ہے تو پھر احتیاط نظر ان کو پڑھنا چاہئے یا نہیں، اور اسی طرح ایک گاؤں کل ۱۵
گھروں کی آبادی ہے، اس میں بھی جمعہ ہو گیا یا نہیں، بینوا تو توجروا،

الجواب؛ دو سرے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوتا، صرف نظر پڑھنی چاہئے
اور پوری تحقیق کسی محقق عالم کو گاؤں دکھلانے سے ہو سکتی ہے، ۱۹ رمضان ۱۳۱۵ھ

اس جزیرہ میں جمعہ کا حکم جو | سوال (۲۲) اس احقر کا وطن ایک جزیرہ میں ہے، جس کا نام
متعدد مواضع پر مشتمل ہو | ہاتھ ہے، اور اس کے چاروں طرف دریا ہے، موسم سرما میں
وہ جزیرہ خشک رہتا ہے، اور برسات میں دریا اور بارش کے پانی سے اکثر جزیرہ غرقاب
ہو جاتا ہے، اس میں ایک سرکاری رہتہ ہے، جو جانب شمال میں لب دریا سے جنوب کی
طرف قریب بیس میل تک گیا ہے، جو برسات میں اکثر وہ رہتہ کیچڑ اور پانی سے بھرا
رہتا ہے، لوگوں کی آمد و رفت برسات اسی رہتہ پر سے ہوتی ہے، اس میں لوگوں کے
مکانات علیحدہ علیحدہ ہیں، بعض جگہ دو تین مکانات ایک دوسرے متصل ہیں اور

متصل بھی اس طرح پر کہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک باغیچے کا فاصلہ ہوتا ہے، ہندوستان کے قصبہ اور گاؤں کے گھر جو ایک دوسرے متصل ہیں ایسا نہیں ہے، ہاں ایک جگہ کے دو تین گھر البتہ ایک دوسرے متصل ہیں، اور بعض جگہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک ایک کافی دو تین چار دس پندرہ کافی تک کا فاصلہ ہوتا ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ اس جزیرہ کی آبادی طولاً قریب پچیس میل اور عرضاً قریب پندرہ میل کے ہوگی، اور بعض نہریں اس طرح پر ہیں کہ دریا کے ایک طرف سے نکال کر دوسری طرف پہنچایا ہے، اور ان نہروں کے ایک طرف سے دوسری طرف پار ہونے کے لئے پل موجود ہیں، اور یہ بھی واضح ہو کہ اس جزیرہ میں مختلف مواضع ہیں، ان مواضع میں متعدد مسجدیں ہیں، مجموعہ مسجدیں اس جزیرہ کے قریب تین سو کے ہوں گی، اس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض مسجدیں مصلی تیس، بعض میں پچاس اور بعض میں ایک سو ہوتے ہیں، اور بعض مسجدیں جانے کے لئے برسات میں کپڑے بھیسے کی نوبت پہنچتی ہے، اور ایک مسجد کا فاصلہ دوسری مسجد سے اس قدر ہے کہ اگر ایک مسجد میں اذان دی جاتی ہے تو دوسری مسجد تک بخوبی سنی جاتی ہے، اور یہ بھی واضح ہو کہ ان مسجدوں میں فقط جمعہ کے دن گرام کے لوگ جمع ہوتے ہیں، اور پنجگانہ نماز کی جماعت بعض مسجد میں ہوتی ہی نہیں، اور بعض مسجد میں ہوتی بھی ہے، تو جس جس دروازے پر مسجد ہے اس مکان کے چار پارچ آدمی حاضر ہوتے ہیں اور بس،

اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس جزیرہ میں ہندو مسلمان، عورت مرد لڑکا قریب ایک لاکھ کے رہتے ہیں، اس میں ایک آفس ہے جس میں دیوان عدالت اور فوجداری موجود ہے، اور گرام میں اس آفس سے بہت دور دور ہیں، اب دریافت طلب حضور معدن النور سے یہ ہے کہ آیا اس جزیرہ میں حنفی مذہب کے موافق جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں، جو لوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں احتیاطاً ظہران پر پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس میں جمعہ نہ پڑھے تو موافق مذہب حنفی کے عند اللہ اس کا مواخذہ ہو گا یا نہیں، اور اس جگہ میں جو شخص جمعہ نہیں پڑھتا ہے اس کو سب و شتم کرنا اور اس پر لعن طعن کرنا اور مواکلت و مجالست اس سے نہ کرنا اور اس کو جہمی وغیرہ کہنا شرعاً کیسا ہے، احقر مدت سے اس مسئلہ میں متردد ہر حضور از روئے ہر بانی جو کچھ رائے عالی اس باب میں ہو تحریر فرما کر کمترین کو سرفراز فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں،

تنقیح؛ ہر ہر موضع کے جدا جدا حالات نہیں لکھے کہ آبادی کتنی ہے اور بازار مستقل ہے یا نہیں؟

جواب تنقیح؛ واضح رہے کہ بعض مواضع کی آبادی قریب ایک میل اور بعض قریب نصف میل کے ہوتی ہے، اور یہ مواضع ایک دوسرے متصل ہوتے ہیں، حد فاصل بعض جگہ راستے ہوتے ہیں اور بعض جگہ چھوٹی چھوٹی نہریں ہوتی ہیں، اور موسم سرما میں وہ نہریں خشک رہتی ہیں، اور برسات میں پانی رہتا ہے، ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے پل ہوتے ہیں، اور چھوٹی کشتیوں کی آمد و رفت بھی ہوتی ہے، اور بعض مواضع میں مکانات تیس چالیس پچاس سو تک یا اس سے کچھ کم و بیش ہوتے ہیں، اور مکانات ان مواضع کے فرادہ فرادہ ہوتے ہیں، اور ان مواضع میں بعض جگہ ایک بازار ہوتا ہے، ہفتہ میں ان مواضع کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں، تین چار بجے سے لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے، اور آٹھ کے آٹھ سات بجے تک رہتے ہیں، اور ہر ہر موضع میں دو تین مسجدیں ہوتی ہیں، کہ لوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں، ایسی جگہوں میں جمعہ پڑھنا موافق مذہب حنفی کے کیسا ہے، اور نہ پڑھنے والے کے لئے کیا حکم ہو سکتا ہے، اس احقر کو فقط رائے عالی معلوم کرنا مقصود ہے، کسی سے لڑنا جھگڑنا ہرگز مقصود نہیں، جو کچھ رائے عالی ہو تحریر فرما کر اپنے خاص خط سے سرفراز فرمائیں، اور یہ بھی واضح رہے کہ دو مکانات کے درمیان جو زمین ہوتی ہے اس میں زراعت کرتے ہیں،

الجواب؛ سارے جزیرے کو تو ایک شہر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ ایک پرگنہ ہے، جو متعدد مواضع پر مشتمل ہے، پس ان مواضع میں سے جس موضع کی شان یہ ہو کہ اس میں تین چار بازار یا اس سے زیادہ کی آبادی ہو اور بازار بھی روزانہ لگتا ہو جس میں ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہوں جیسا کپڑا، جوتا، غلہ، گوشت، ترکاری، دوا، دودھ وغیرہ اس میں تو جمعہ جائز ہے اور جس کی آبادی تو اس مقدار کو پہنچتی ہو مگر ضروریات سب وہاں نہ ملتی ہوں نہ بازار روزانہ لگتا ہو وہاں جمعہ جائز نہیں، اور جس جگہ جو از جمعہ میں تردد ہو وہاں جمعہ نہ پڑھیں صرف ظہر پڑھیں، واللہ اعلم، ۳ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

اس شخص کے ثواب کے بارے میں جو اذان کے بعد مسجد سوال (۲۳) جمعہ کے دن بعد اذان کے باہر سے باہر ہو اور بوقت خطبہ مسجد میں آئے، بیٹھ رہنا اور جب خطبہ شروع ہو جاوے،

تب آنا کیسا ہے، اور کتنے ثواب کا مستحق ہوگا؟

الجواب؛ باہر بیٹھنے سے کیا مراد ہے، آیا مسجد کی فناء سے بھی باہر یا مسجد کی حد کے باہر اور فناء مسجد کے اندر، جزیرہ صریح تو نہیں ملا، البتہ فقہاء نے فناء مسجد کو محکم مسجد فرمایا ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ جو شخص فناء مسجد میں بہ نیت صلوٰۃ جمعہ سویرے داخل ہو جائے گا وہ بھی سویرے آنے والوں میں شمار ہوگا، گو مسجد کی حد میں دیر سے آئے، اور فناء مسجد وہ احاطہ ہے جو مسجد کے متعلق ہے اور داخل باب مسجد ہے، جیسے حوض و حجرات وغیرہ، قلت و فی الحدیث الصحیح تفعد الملائکة علی ابواب المسجدين فیکتبون الاول فالاول الحدیث وھذا یفید ان من دخل من باب المسجدين فی السابقین یکتب فی السابقین وان لم یدخل فی المسجدين بل بقی جالساً فی الاحاطة المتعلقة به واللہ تعالیٰ اعلم، اور اگر مسجد کے احاطہ سے بھی باہر رہا یعنی دروازہ مسجد میں بھی داخل نہیں ہوا وہ دیر سے آنے والوں میں شمار ہوگا، پس جو شخص عین خطبہ کے وقت آئے گا اس کو حد کے موافق تصدق بیضہ کا ثواب ملے گا، اور جو خطبہ شروع ہونے کے بعد آئے گا وہ جمعہ میں سویرے آنے والوں کے اندر لکھا ہی نہیں جائے گا، المافی الحدیث فاذا اخرج الامام طوا الصحت وجاءوا یستمعون الذکر واللہ اعلم، ۳۰ محرم ۱۳۵۴ھ

سوال (۲۴) جمعہ کی بابت جو لکھا ہے قلعہ کی تفصیل یہ ہے قلعہ کے اندر کوئی غیر آدمی کسی وجہ سے بھی نہیں آسکتا، نہ جمعہ کے واسطے آسکے نہ اور کسی کام کے واسطے، اگر کسی کو کوئی ضرورت ہوتی ہے تو اجازت سے کمان افسر صاحب کی آسکتا ہے، اور ہمارے پیش امام صاحب نے تو نماز عید بھی اسی جگہ پڑھائی تھی حضرت اس مسئلہ کو صاف صاف لکھیں، اگر نماز کے واسطے ممانعت ہو تو کیا حکم ہے، اگر بالکل اجازت نہ ہو تو کیا حکم ہے، اکثر کھلی ہوئی چھاؤنی میں بھی آنے کی ممانعت ہوتی ہے چاروں طرف سنتری لگ جاتے ہیں، وہاں کی بابت بھی تحریر کر دیں تو عین ہر بانی کا ثواب ہوگا، کیونکہ ایسا موقع ہمارے ساتھ اکثر گذرتا ہے تو فرض نماز نہ رہ جاوے، اور اب ٹریننگ (تعلیم فوج) بھی شروع ہے، جنگل میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں، کیونکہ وہاں بھی غیر آدمیوں کے آنے جانے کی ممانعت ہوتی ہے،

الجواب؛ قال فی الدر والاذن العام من الامام وهو یحصل بفتح

ابواب الجامع للواردین کافی فلا یضرب غلق باب القلعة لعدو وادعایة قدیمہ لان الاذن العام مقر لاهله وغلقة لمنح العدو ولا المصلی نعم لولم یغلق لکان احسن ۵۱ (ص ۸۵، ج ۱ مع الشامی) اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر میں جامع مسجد وغیرہ نماز جمعہ کے لئے موجود ہو اور ان میں نمازیوں میں رکاوٹ نہ ہو، وہاں اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعہ میں دو سر لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے، پس قلعہ اور چھاؤنی والے اس حالت میں جمعہ وعید کر سکتے ہیں بشرطیکہ چھاؤنی یا قلعہ شہر میں یا فناء شہر میں اس کے متصل ہو، باقی جنگل میں جمعہ جائز نہیں، جبکہ وہ جنگل فناء شہر میں داخل نہیں، اور فناء شہر وہ ہے جس سے شہر کا تعلق ہو، خواہ قبرستان ہو یا گھوڑ دوڑ کا میدان ہو یا عید گاہ کا موقع ہو وغیرہ واللہ اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۵۴ھ

خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں | **سوال** (۲۵) درمیان خطبہ جمعہ بزبان بنگلہ یا اردو وعظ و تعلیم مسائل کی تعلیم درست ہے؟ امور دین درست است یا نہ؟

الجواب؛ درمیان خطبہ عربیہ بزبان دیگر قدرے تعلیم مسائل رواست، الدلیل؛ قال فی الدر ویکرہ تکلمہ فیہا ای فی الخطبۃ الا لامر بسعی وذلک لانه منہا ۵۱ (ص ۸۲، ج ۱ مع الشامی) یوم ریح الاول ۱۳۵۴ھ

نثر یا نظم میں ترجمہ خطبہ سنانے | **سوال** (۲۶) جمعہ کے پہلے خطبہ میں ترجمہ نثر ہو یا نظم کے بعد عربی میں خطبہ پڑھنا پہلے پڑھ کر بعد عربی میں خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب؛ خطبہ میں عربی کے ساتھ اگر کسی وقت کسی خاص ضرورت کی نصیحت کے طور پر اردو میں بھی کچھ بیان کر دیا جائے تو جائز ہے، لیکن اردو یا فارسی یا عربی نظم پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ سلف سے خطبہ میں نظم کا پڑھنا منقول نہیں، پس یہ بدعت ہے، اسی طرح سارا خطبہ اردو میں ہونا یعنی عربی بالکل نہ ہو، یہ بھی بدعت ہے، واللہ اعلم، ۱۲ ریح ۱۳۵۴ھ

قال العلامة عبد المحی فی فتاویٰ لکن بجهت آنکہ مخالف سنت متواترہ است (خطبہ بنظم خواندن) خالی از کراہت تزیہی نیست وصاحب نصاب الاحتساب بحرمتہ اور فتہ (ص ۱۳۱ ج ۱ مع الخلاصہ) وقال شیخنا فی امداد الفتاویٰ فقط خطبہ عربی پر اکتفا کرنا چاہئے، ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں ہے، ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت

کسی واقعہ میں کر دی جائے تو جائز ہے، بکروہ للخطیب ان تکلم فی حال الخطبة الا ان يكون امر ابصر وقت كذا في الفتح عالمگیری (ص ۱۲۵ ج ۱) ویروی رجوعه فی اصل المسئلة الی قولہما وعلیہ الاعتماد والخطبة والتشہد علی هذا الاختلاف ۱۲ ہدایہ، قال الشيخ فلما ثبت الرجوع عنه فی القراءۃ ثبت فی الخطبة بالفارسیۃ ایضاً (ص ۱۰۳ ج ۱) فقط،

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا سوال (۲۷) عصا گرفتن در خطبہ جمعہ مستحب است، لینا خلاف سنت نہیں، یا نہ، آنچه در بحر الرائق و عالمگیری آورده کہ ہر شہر کہ فتح آن بغلبہ شدہ باشد در آن شہر سیف گرفتہ خطبہ گوید و ہر شہر کہ برضار و رغبت اسلام آورده باشد بلا سیف خطبہ گوید، این فسق صحیح است یا نہ، بینوا و توجروا؟

الجواب؛ اخذ عصا در خطبہ خلاف سنت نیست، و آنچه در کتب حنفیہ قول بکراہت و عدم سنیت مذکور است، مراد بآن کراہت اعتقاد سنت مقصورہ است، و اما نفس این فعل بدون اعتقاد مذکور خلاف سنت نیست صراحۃً بہ فی رد المحتار و فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص ۲۹۹ ج ۱) و در بحر الرائق و عالمگیریہ فرقیہ میان بلد مفتوح بالغلبہ و بغیر غلبہ نوشتہ اند صحیح است، واللہ اعلم، ۵ ج ۲ ص ۲۳۳

مسجد واحد میں تعذیب سوال (۲۸) شہر مولین کے اطراف میں ایک جگہ کے لوگوں میں کسی وجہ سے تفرق جمعہ جائز نہیں،

پیدا ہوا، ایک فریق کے لوگ بروز جمعہ مسجد کے امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے وقت دوسرے فریق کے لوگ اقتدار نہ کر کے الگ رہتے ہیں، فریق اول کے لوگ نماز جمعہ ہونے کے بعد فوراً دوسرے فریق کے لوگ دوسرا ایک امام کھڑا کر کے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، پس سوال یہ ہے کہ اس طور سے ایک مسجد میں دو مرتبہ نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں، اور فریق اول کی نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں، اور فریق ثانی کی نماز جمعہ کا کیا حکم ہے، بینوا بالدلیل توجروا بالاجرا الجزیل،

الجواب؛ تعذیب جمعہ مسجد واحد میں جائز نہیں، اور اسی صورت میں جماعت اولی کی نماز تو صحیح ہو جائے گی، دوسری جماعت کی صحیح نہ ہوگی، قال فی الدرر قوڈی فی مصر واحد بمواضع کثیرہ مطلقاً علی المذہب ام قال الشافی فقد ذکر المسخسی ان الصحیح من مذہب ابی حنیفہ جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین و اکثر

وبہ ناخذ ام (ص ۸۲۳ ج ۱)، قلت و قیوداً لفقہ احترازیہ وقد قید و اجازها بمواضع کثیرہ و بمسجدین فصاعداً فمفادہ عدم جواز التعمد فی مسجد واحد کیف لا و جواز التعدد فی مسجدین مختلف فیہ ایضاً و عدم الجواز هو الظاہ و لکنہم جوزوه للضرورة ففی رد المحتار بل قال السبکی من الشافعیۃ انه رای عدم جواز التعدد، قول اکثر العلماء ولا یحفظ عن صحابی ولا تابعی تجویز تعددھا ام الی ان قال ولذا قال فی شرح المنیۃ الاولی هو الاحتیاط لان الخلاف فی جواز التعدد و عدمہ قوی و کون الصحیح الجواز للضرورة و رد للفتوی لا ینتفع شرعیۃ الاحتیاط للفقوی ام (ص ۸۲۳ ج ۱) قلت فلما کان هذا حال التعدد فی موضعین فکیف بہ فی موضع واحد لعدم الضرورة فیہ اصلاً و عدم تجویزہ عن احد من الائمة فینم کل المنع واللہ اعلم، ۱۲ ج ۱

احکام خطبہ عید سوال (۲۹) مسئلہ؛ عیدین کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنا سنت تو کد ہے، (شامی، ص ۸۶۵ ج ۱)

مسئلہ؛ جب تک امام خطبہ پڑھے اس وقت تک سب نمازیوں کا بیٹھا رہنا بھی سنت ہے، امام کی فراغت سے پہلے مقتدیوں کا چلا جانا مکروہ ہے، جس سے گناہ ہوتا ہے، (در مختار مع الشامی، ص ۸۷۴ ج ۱) اور اس کراہت پر مالکیہ و شافعیہ کا بھی اتفاق ہے (المدونة لما لک، ص ۱۵۵ ج ۱) و کتاب الام للشافعی، ص ۲۱۲ ج ۱)

مسئلہ؛ اور جو لوگ خطبہ کے وقت عید گاہ میں موجود ہوں، ان کو خطبہ ہوتے ہوئے بات چیت کرنا جائز نہیں، خطبہ چھوڑ کر چلا جانا تو مکروہ ہی ہے، اور خطبہ ہوتے ہوئے عید گاہ میں رہ کر بات چیت کرنا حرام ہے (شامی و در مختار، ص ۸۵۸ ج ۱) پس یہ جو دستور ہے کہ لوگ نماز عید کے ختم ہوتے عید گاہ ہی میں بات چیت کرنے اور معانقہ وغیرہ کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس وقت امام خطبہ پڑھنے میں مشغول ہوتا ہے، یہ فعل ناجائز ہے،

مسئلہ؛ خطبہ عیدین میں امام کو پہلے خطبہ میں کھڑے ہوتے ہی اول نورفعہ تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہئے، اور دوسرے خطبہ میں اول سات تکبیریں کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہئے، یہ سنت ہی، اگر لوگ اس سنت پر عمل نہیں کرتے، اس کو زندہ کرنا چاہئے، (شامی ۸۷۴ ج ۱) اس سنت کی دلیل حدیث سے کتاب الام للشافعی (ص ۲۱۱ ج ۱)

میں موجود ہے، واللہ اعلم، ۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

اختتام خطبہ کے بعد متصل اقامت شروع ہو تو امام سابع اقامت کے پو پٹھے یا نہیں سے اتر کر حسب معمول مع مقتدی تکبیر بیٹھ کر سنے، یا حتی علی الصلوة پر مع مقتدی کھڑے ہوں یا شروع تکبیر اولی اللہ اکبر پر مع مقتدی کھڑے ہو کر سنے،

الجواب؛ جمعہ کے دونوں خطبوں کے بعد بالاتفاق تکبیر کے شروع ہی سے کھڑے ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے کہیں سے ثابت نہیں، کہ وہ خطبہ پڑھ کر بیٹھے ہوں، وفی باب الجمعة واذا التم اقيمت ويكره الفصل ۱۵، قال الشامي بحيث يتصل اول الاقامة باخر الخطبة وينتهي الاقامة بقيام الخطيب مقام الصلوة ۱۵ ص ۸۶۱) فيه دلالة على ان الخطيب لا يجلس بعد الخطبة بل يقوم في موضع الصلوة فلو كان القيام عند حتى على الصلوة مند وبأني الجمعة لندب للخطيب ايضا لكون الامام والمقتدى في هذا الحكم سواء ولان الجماعة كثيرة يتعسر بها تسوية الصفوف بالعجلة فينبغي لهم القيام بعد الخطبة مع الاقامة كما قالوا ان التحليق هو الافضل لسامع الخطبة ولكن الرسم الان انهم يستقبلون القبلة للحرج في تسوية الصف لكثرة الزحام كذا في شرح الهداية للسروجي قال في شرح المنية واذا فرغ من الخطبة اقاموا الصلوة ۱۵ ص ۵۲۰) واقاموا امر لكل، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ رجب ۱۳۳۵ھ

سوال (۳۱) جو لوگ جنگل میں کھیت وغیرہ پر رہتے ہیں اور بعض کے وہاں سے آنے میں نقصان مال کا خوف ہے، اور بعض کے آنے میں کچھ نقصان بھی نہیں، تو ان میں سے ترک جمعہ سے کون فریق گنہگار اور کون نہیں، اور جبکہ اذان جمعہ کی آواز بعض کو آتی ہے اور بعض کو نہیں آتی، فقط والسلام

الجواب؛ جس کو جمعہ اور جماعت کی نماز میں شریک ہونے سے کھیت یا مال کے نقصان کا خوف ہو مثلاً غلہ کاٹ کر کھلیان میں ڈال رکھا ہے، اور چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں جمعہ و جماعت کے ترک سے گناہ نہ ہوگا، قال فی الدرر او خوف علی مالہ قال الشامي ای من نص ونحوه اذا لم یکنه غلق الدکان او اذ لم یکنه

مثلاً ومنه خوفه على تلف طعام في قدر او خبز في تنور تامل ۱۵ ص ۱۳۵۸) اور جس کو کھیت سے مسجد تک آنے میں نقصان کا اندیشہ نہیں اس کو جمعہ کا ترک کرنا جائز نہیں، گناہ ہوگا، باقی اوقات کی جماعت کا ترک کھیت پر رہنے والوں کو اس وقت ناجائز ہے جبکہ کھیت آبادی سے متصل ہو، اور جو آبادی سے اتنا دور ہو کہ اذان کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی ہو، نیز وہاں سے آبادی میں آنا اور واپس جانا موجب کلفت و حرج ہو تو اس صورت میں کھیت والوں پر مسجد میں آنا واجب نہیں، کھیت ہی پر جماعت کر لیں، اور جماعت نہ کر سکیں تو تنہا پڑھ لینا ہی جائز ہے، عن ابی ہریرة عن فروعاً لیسنتھن الرجال ممن حول المسجد لا یشھدون العشاء الاخرة فی الجسیم اولاً حرقن بیوتهم، رواه احمد ورجاله موثقون رجم الزوائد ص ۱۵۸ ج ۱) وعن صفوان بن امیة قال کنا عند رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقام عرفطة بن زهيك فقال يا رسول الله اني واهل بيتي مرزوقون من هذا الصيدين وهو مشغلة عن ذكر الله وعن الصلوة في جماعة وبنا اليه حاجة افتحلدهام تحرمه قال احله لان الله عز وجل قد احله ويكفيك من الصلوة في جماعة اذ رغبت عنها في طلب الرزق حبك للجماعة واهلها وحبك لذكرا لله واهله رواه الطبرانی فی الكبير وفيه بشر بن نمير متروك ۱۵ ص ۱۶۱ ج ۱) قلت ولكنه مؤيد بالنصوص المصرحة بنفي الحرج عن الامة، واللہ اعلم، ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

سوال (۳۲) ایک شخص اپنا ریوڑ بھیڑ بکری چراغا ہے، اور جمعہ کا روز ہے تو فرمائیے کہ اس پر نماز جمعہ کی فرض ہے یا کہ ظہر کی؟

الجواب؛ اگر یہ شخص فنا بمصر میں بکریاں چرا رہا ہے تو اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے، اور بکریوں کو اپنے ساتھ واپس لے آئے، بعد جمعہ کے پھر لے جاتے، اور اگر فنا بمصر سے اتنا دور ہے کہ شہر سے میل بھر کا فاصلہ ہو جائے تو اس صورت میں اس سے جمعہ ساقط ہے، ظہر کی نماز پڑھ لے، بشرطیکہ وہ شہر سے قبل زوال کے نکل گیا ہو قیاساً علی التیتمہ قال فی نور الايضاح اول الاقامة فيما ای فی هو داخل فی حد الاقامة بما ای بالمصر فی الاصح کر بیض المصر وفتاؤہ

الذی لم یفصل عنه بغلوة ولا یجب علی من کان خارجہ ولو سمع النداء من المصرا
(ص ۲۹۲) واللہ اعلم، ۲۷ سوال ۳۳

گاؤں اور قصبہ کی تعریف | سوال (۳۳) حنفیہ کے
نزدیک ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں جس کی تعریف حسب ذیل ہے۔

آبادی ۱۹۳۸ ہے، جس میں مسلمان مختلف قومیں آباد ہیں شیخ، مغل، بٹھان، زمیندار
راجپوت نو مسلم، لوہار، بڑھئی، نائی، دھوبی، قصائی تیلی، منہیار، درزی، تیرگر، ڈوم، خراڈ
نڈاف، جولہا، سقہ، عطار، پٹاری، بزاز وغیرہ وغیرہ، وسط گاؤں میں مسلسل دو طرفہ
تقریباً چالیس ڈکانیں، ایک ڈاک خانہ ہے، ایک ہی مسجد ہے، مع حوض نہایت عالیشان
ہے پہلے سے جمعہ ہوتا آیا ہے، اب اختلاف ہوا ہے،

الجواب؛ اصل یہ ہے کہ گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں اور شہر و قصبات میں صحیح ہے
قصبہ کی تعریف ہمارے عرف میں یہ ہے کہ جہاں آبادی چار ہزار کے قریب یا اس سے زیادہ
ہو، اور ایسا بازار موجود ہو جس میں ڈکانیں چالیس پچاس متصل ہوں، اور بازار روزانہ لگتا
ہو، اور اس بازار میں ضروریات روزمرہ کی ملتی ہوں، مثلاً جوتہ کی ڈوکان بھی ہو، اور کپڑے
کی بھی، عطار کی بھی، بزاز کی بھی، غلہ کی بھی اور دودھ گھی کی بھی، اور وہاں ڈاکٹر یا حکیم
بھی ہوں عمارتیں بھی ہوں وغیرہ اور وہاں ڈاکخانہ بھی ہو، اور پولیس کا تھانہ یا چوکی
بھی ہو، اور اس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں،

پس جس بستی میں یہ شرائط موجود ہوں گے وہاں جمعہ صحیح ہوگا، در نہ صحیح نہ ہوگا، قال
فی رد المحتار عن ابی حنیفہ انه بلدة کبيرة فیہا سکک و اسواق و لہا رساتین
و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ و علمہ او علم غیرہ یرحم
الناس الیہ فیما یقع من الحوادث و ہذا هو الاصح ۱۷ ص ۸۳۵ ج ۱، قلت
اقتنا البولیس و قیامہ مقام الوالی لرجوع الناس الیہ فی الحوادث و الرساتین
المحلات و القرئی التابعة لہا، و قال فی الغنیۃ المستملی و الفصل فی ذلک ان
مکة و المدینہ مصران تقام بہما الجمعة من زمنہ علیہ الصلوة و السلام
الی الیوم فکل موضع کان مثل احد ہما فہو مصر فکل تفسیر لا یرصد علی احد
فہو غیر معتبر ثم صح الروایۃ التي ذکرناہا عن الامام و قال قال قاضی خان

والاعتماد علی مارون بن علی عن ابی حنیفہ کل موضع بلغت ابنتہ ابنتہ منی
وفیہ مفتی و قاضین فہو مصر جامع و عن محمد ان کل موضع مصر الامام
فہو مصر حتی انه لو بعث الی قریة نائبا لاقامة الحد و رد القیاس تصیر
مصل فاذا عزله تلحق بالقرئی و وجہ ذلک ما صح انه کان لعثمان عبداً
اسود امیرا علی الرینة یصلی خلفہ ابو ذر و عشرة من الصحابة الجمعة
و غیرہا، ذکرہ ابن حزم فی المحلی ۱۷ ص ۵۱۱ و ۵۱۲

وفی الخلاصۃ الامام اذا منع اهل المصر ان یجمعوا لم یجمعوا کما ان له
ان یمصر موضعاً کان له ان ینہاہم (ای اذا لم یکن منعه تعیناً و اضراً)
بل امراد ان یخرج ذلک الموضع من ان یرکب مصر اقالہ الفقیہ ابو جعفر ۱۲
ولوان اماما مصر مصر ثم نفس الناس عنہ لخوف عدو و اما شہ ذلک شہ
عاد و الیہ فانہم لا یجمعون الا باذن مستانف من الامام ۱۷ ص ۲۰۸ ج ۱
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مصر مصر ہونے کے بعد جب تک کہ امام اس کو مصریت سے
نہ نکالے، مصر باقی رہتا ہے، مگر یہ کہ اس کے گل باشندے وہاں سے بھاگ جائیں تو از سر نو
اذن امام کی ضرورت ہے، اور جہاں امام نہ ہو وہاں عامۃ الناس بجائے
امام کے ہیں، پس جو بستی ایک دفعہ قصبہ ہو چکی اور وہاں جمعہ قائم ہو چکا، تو جب تک ...
وہاں پر آثار قصبہ کے مثلاً بازار اور عمارات کی ہیئت باقی ہوگی وہ قصبہ رہے گا جب تک
کہ عرف عام اس کو قصبہ ہونے سے نہ نکالے،

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قصبہ ہونے کے لئے ابنیہ و عمارات کی خاص ہیئت کو بھی دخل
ہے، واللہ اعلم، ۲۶، زلیقہ ۱۷ ص ۲۶

جیل میں نماز جمعہ کا حکم | سوال (۳۳) اگر کسی شہر کے جیل خانے میں کثرت سے مسلمان
قیدی ہوں، اور گورنمنٹ کی طرف سے جیل کے اندر کسی معتبر جگہ میں نماز پڑھنے کی اجازت
مل جائے، اور باہر کے کسی مولوی صاحب کو جمعہ پڑھانے کی اجازت ملے تو اس صورت میں
قید خانہ میں جمعہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب؛ صحت صلوة جمعہ کے شرائط میں سے اذن عام بھی ہے، اور صورت مذکورہ
فی سوال میں وہ مفقود ہے، لہذا جمعہ صحیح نہ ہوگا، فی الدر المنخار فلا یضر غلق باب

القلعة لعدو او لعادة قديمة لان الاذن العام مقر لاهله وغلقة لمنع العدو ولا المصلى نعم لولم يخلق لكان احسن كما في مجمع الاضواء شرح عيون المذاهب قال وهذا اولي مما في البحر والمنح فليحفظ وقال الشامي ر قوله لان الاذن العام مقر لاهله اي لاهل القلعة لانها في معنى الحصن والاحسن عودا للضمير الى المضمرا المفهوم عن المقاتل لانه لا يكفي الاذن لاهل الحصن فقط بل الشرط الاذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع (قوله وغلقة لمنع العدو الخ) اي ان الاذن هنا موجود قبل غلق الباب لكل من اراد الصلوة والذي يضر انما هو منع المصلين لا منع العدو وقوله لكان احسن) لانه ليعد عن الشبهة لان الظاهر اشتراط الاذن وقت الصلوة لا قبلها لان النداء للاشتهار كما مروهم يغلون الباب وقت النداء او قبيله الخ (ص ۸۵۱ ج ۱)

اور شامی میں کافی کی عبارت ہے (لان اشتراط السلطان للتعزز عن تقوية على الناس وذا لا يحصل الا باذن العالم) کے بعد جو کہا ہے، قلت وینبغی ان یكون محل النزاع ما اذا كان لا تقام الا فی محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا یتحقق التقویت كما افاده التعلیل تأمل، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک جیل خانہ میں جمعہ جائز ہے، جب کہ اس شہر میں دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، لیکن تحریر مختاری قول مذکور پر لکھتے ہیں لا یلزم من انتفاء العلة انتفاء المعلول فالعق ابقاء الكلام على عمومہ وان انتفت هذه العلة التي ذكرها الاحتمال علة اخرى اقتضت العموم على ان ما تقدم عن البدائع من التعلیل يقتضی عموم الحكم وقد قالوا لا یلزم من بطلان الدلیل المعین بطلان المدلول (ص ۱۱۲ ج ۱)

ونیز بحر الرائق (ص ۱۵۱ ج ۲) میں ہے فلو امر الناس اجمع بهم فی الجامع وهو فی مسجد اخرجوا لاهل الجامع دون اهل المسجد الا اذا علم الناس بان ذلك اس سے بھی ظاہر یہی معلوم ہوا کہ بدون اذن عام کسی حال میں جمعہ صحیح نہیں، پس جیلخانہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہئے، اور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بھی چونکہ نمازیوں کو عام اجازت نہیں، اس لئے اسٹیشن پر بھی باوجود مصر یا فنا مصر ہونے کے جمعہ صحیح نہ ہوگا، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ، الجواب صحیح، انشاء اللہ تعالیٰ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

مصر کی تعریف | سوال (۳۵) قریہ کبیرہ کی کیا تحدید ہے، کہ وہاں صلوة جمعہ واجب ہے، قریہ صغیرہ وکبیرہ میں نہایت اشتباہ ہے، تشفی بخشنے؟

الجواب؛ مصر کی علامات ہر زمانہ میں مختلف ہوتی ہیں، آجکل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، اور ڈاک خانہ وغیرہ ہو، ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا | سوال (۳۶) جمعہ کو خطبہ سے قبل خادم مسجد آن کر منبر پر جانا بچھا جاتا ہے، اور کتاب خطبہ رکھ جاتا ہے، اور ایک چھڑی پتلی سی بانس کی جو نہایت صاف ستھری ہوتی ہے منبر پر رکھ جاتا ہے، چنانچہ جب امام صاحب منبر پر خطبہ سنانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اسی چھڑی کو ہاتھ میں لیتے ہیں اس بانسے میں ناواقف لوگوں نے امام صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تھے تو کسی وقت آپ نے ہاتھ میں تلوار لی ہے اور کبھی کمان اور کبھی نیزہ اور لکڑی، چنانچہ بطریق سنت ایسا کیا جاتا ہے، اور مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے، چنانچہ جناب سے دریافت طلب ہے کہ اس کی کیا صورت ہے؟ امید ہے کہ جواب سے آگاہی فرمائی جائے گی؟

الجواب؛ عصا لینا مستحب ہے، لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا، فی الدر ویکسۃ ان یتکی علی قوس او عصاء و فی الشامی نقل القہستانی عن عین المحيط ان اخذ عصا سنة كالقيام (ص ۸۶۲ ج ۱) وقال شیخنا مد ظلهم العالی ان الکراهة محمولة علی مقصودة، واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کھانا پینا اور خطبہ | سوال (۳۷) جمعہ کی اول اذان کے بعد نیت باندھنے سے قبل بائیں کرنے کا حکم، نے کر خطبہ کی اذان تک اور ایسے ہی خطبہ کی اذان سے نماز کے ختم تک کھانا پینا کیسا ہے، کیونکہ اکثر لوگ مسجد میں آکر خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور پیچھے بھی پانی پیتے رہتے ہیں، خطبہ ختم ہونے کے بعد نیت باندھنے تک بول چال کرنی مثلاً نمازیوں کو پیچھے

آگے بلانا صحت سیدھی کرنے کے لئے بول چال کرنا کیسا ہے؟

الجواب، دونوں اذانوں کے درمیان کھانا جائز ہے، بشرطیکہ جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کھانا جائز نہیں فی الدر المختار مع المنہا و هو یا کل متروکہ ان خات فوت جمعة او مکتوبة لاجماعة (شامی، ص ۱۳۸۶۲) اور خطبہ کے وقت کھانا پینا کلام کرنا حرام ہے، کما فی الدر المختار وکل ما حرم فی الصلوة حرم فیہا ای فی الخطبة خلاصة وغیرہا فی حرم اکل و شرب و کلام الخ ص ۸۵ اور خطبہ و اقامت کے درمیان بھی امام صاحب کے نزدیک کسی قسم کا کلام جائز نہیں البتہ صاحبین کے قول پر فقط دعوی کلام ناجائز ہے، اور تسبیح صفوں کے لئے کلام کی گنجائش ہے، کما فی الدر المختار و قال لا یاس بالکلام قبل الخطبة و بعد ہا و اذا جلس عند الثانی و الخلاف فی کلام یعلق بالآخرة اما غیرہ فیکرہ اجماعاً، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ

کیا بنا بنا پر نماز جمعہ واجب ہے؟ سوال (۳۸) ایسے اندھے پر جمعہ واجب ہے یا نہیں کہ جو شہر کے اندر رہتا ہو، مکان متصل جامع مسجد ہو اور اندھا بانی مسجد میں یا اس سے بھی دو چند چہار چند فاصلہ کے سفر کو روزانہ طے کیا کرتا ہو، اور بلا کسی دوسرے آدمی کے مدد کے سارے شہر میں گھوم آتا ہے، لیکن سڑکوں اور جامع مسجد لب سڑک ہے، اور پانی کنویں میں خود کھینچ کر بھر لیتا ہے، کوئی وقت محسوس نہیں ہوتی، کبھی کبھی خفیف سی چوٹ دیوار وغیرہ کے ٹکرا جانے سے آجاتی ہے،

الجواب، جو بنا بنا بدون دوسرے شخص کے ہمراہ ہوتے بھی پھرتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس کے ذمہ جمعہ واجب ہے کما فی الشامی (ص ۸۵۳) و اقول بل ینظر لی وجوبہا علی بعض العیامان الذی یشی فی الاسواق و یعرف الطرق بلا قائد ولا کلفة و یعرف ای مسجد ارادہ بلا سوال احد لانه حیذ عن کالمریض القادر علی الخروج بنفسه بل ربما یلحقه مشقة اکثر من هذا فتامل، فقط، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، یکم محرم الحرام یوم شنبہ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ

شہر یا قصبہ میں نماز جمعہ پڑھ کر شام تک گاؤں واپس آئے ہوں تو ایسے گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ سوال (۳۹) جو دیہات شہر یا قصبہ سے اتنی دور ہوں کہ اہل دیہات جمعہ کی نماز پڑھ

شہر یا قصبہ سے اپنے مکان پر شام تک واپس چلے جاویں تو ان اہل دیہات پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب، اس قصبہ اور گاؤں میں کھیتوں وغیرہ کا فصل ہو اور وہ قصبہ سے جدا سمجھا جاتا ہو، تو اس گاؤں کے باشندوں پر جمعہ فرض نہیں، گو ایک دو ہی میل کا فصل ہو، اور اگر فصل درمیان میں نہیں بلکہ قصبہ کی آبادی گاؤں تک متصل چلی گئی ہو تو گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوگا، ۲۳ رجب ۱۲۵۵ھ

حضرت تھانوی کے قول اور احسن القرنی کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر کی تعریف میں جو اقوال منقول ہیں وہ تحدید حقیقی کے لئے ایک سوال کا جواب

نہیں بلکہ رسم ناقص ہیں، اور احسن القرنی ص ۶۳ و ۲۰۷ میں اس کے خلاف مصریح ہے نیز اگر درحقیقت یہ رسوم ہوتیں تو فقہاء کے بعض تعریفوں کو مزید اور بعض کو صحیح و مرجح قرار دینے کا کیا مطلب ہوگا؟ مثلاً علامہ حللی کبیری ص ۵۰۷ پر مالایسح اکبر مساجدہ الخ کو غیر صحیح فرماتے ہیں، لعدم صدقہ علی الحرمین، اگر رسم مراد ہوتی تو اس تعلیل کی کیا توجیہ، طحاوی ص ۲۲۹ میں اس تعریف کو غیر صحیح کہا ہے، درمختار و شرح وقایہ میں اسی تعریف کو مفتی بہ ٹھہرایا ہے، لظہور التوالی، اور شامی میں اس کی تائید میں چند اقوال نقل کئے ہیں،

ہدایہ میں امام صاحب سے مصر کی تعریف فیہ سلک و اسواق و وال الخ منقول ہے، اور یہی ظاہر المذہب ہے، کبیری ص ۵۰۷ میں اسی کو ترجیح دی ہے، اور ظاہر الروایت کہا ہے اور شامی ص ۵۳ میں بھی ظاہر الروایت کو ترجیح دی ہے، نیز اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ تعریف مالایسح الخ اکثر قرنی پر بھی صادق آجاتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تعریفوں کا مال ایک نہیں، ورنہ اس تعریف کے صدق کی تخصیص چہ معنی؟

(۲) والی جس تریہ میں چلا جائے وہ مصر ہو جائے، کما ہو مصریح فی الفقہ، یہ قرآن کس تعریف کے بموجب مصر کہلائے گی؟

(۳) اگر سب تعریفیں عربی ہیں تو موجودہ عرف میں مصر کی جامع مانع تعریف کیا ہوگی، بعض اطراف میں تو چھوٹی چھوٹی بستیوں کو بھی شہر کہتے ہیں، ان کا عرف معتبر ہوگا یا نہیں، ایسی تحدید فرمائیں کہ محل تجمع و تقید عند الاختلاف صاحب مختار ہو جائے

الجواب؛ (۱) مولانا دام مجدم کا مطلب اس سے یہ ہے کہ جمعہ کی حد حقیقی موافق اصطلاح میزانیین مراد فقہاء نہیں، بلکہ وہ جو کچھ بیان فرما رہے ہیں رسوم ہیں، جن کا بنی یہ ہے کہ وہ اس موضع میں جمعہ کی اجازت دینا چاہتے ہیں، چونکہ اور مدینہ کی اس حالت کے موافق ہو جس حالت پر یہ دونوں بلدان کرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے، اور ظاہر ہے کہ اس معیار کو حد حقیقی کے ساتھ بیان کرنا دشوار ہے، کیونکہ اختلاف امصار سے اس معیار کا مصداق مختلف ہوتا رہتا ہے، دوسرے مفہوم بھی فی نفسہ کلی نہیں جس کو حد کلی سے بیان کر دیا جائے، بلکہ جزئی ہے، اور مفہوم جزئی کو جب کلی کیا جائے گا تو لامحالہ وہ رسم ہی ہوگی، لیکن رسم سے رسم فقہی مراد ہے، نہ کہ رسم عرفی محض، پس اب مولانا کے ارشاد اور حسن القرنی کی عبارت میں کوئی مخالفت نہیں، قال ابن الجلبی فی شرح المنیة والفصل فی ذلك ان مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمانه صلی اللہ علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احد هما فهو مصر، فکل تفسیر لا یصدق علی احد هما فهو غیر معتبر (ص ۵۱۱) اور فقہاء کا بعض رسوم کو مزین و مزین کرنا اسی پر مبنی ہے کہ بعض اس معیار میں جامع اور مانع ہیں اور بعض نہیں،

(۲) یہ تشریح بموجب تعریف منقول از امام ابو حنیفہ مصر ہو جائے گا، عن ابی حنیفہ انه بلدة کبيرة فیها سبک واسواق واساتین و فیها وال یقدر علی الانصاف الخ کیونکہ جب وہاں والی ہوگا تو اس کا علم و محکمہ و عدالت و فرج بھی ساتھ ہوگا، جس سے اسواق و اساتین کا تحقق خود بخود ہو جائے گا، اور ان کا تحقق نہ بھی ہوگا تو یقیناً اس وقت امصار کبیرہ قریبہ اس قریبہ کے تابع ہو جائیں گے جہاں والی موجود ہے، کہ اوامر و نواہی میں اہل امصار اُس قریبہ کی طرف رجوع کریں گے، اور جب چند قریبہ کی تبعیت سے مصر ہو جائے، تو امصار کی تبعیت سے قریبہ مصر کیوں نہ ہوگا، اس صورت میں اس گاؤں کو اقرب مصر الیہا کا جزو اعظم اور اس مصر کو اس کے تابع ماننے کی وجہ سے مصر کہا جائے گا، اور نزول والی فی القریبہ کے وقت اقرب مصر کا اس قریبہ کا تابع ہو جانا مشاہدہ بشرطیکہ والی من حیث الولاية نزول کرے، کہ یہی مراد فقہاء ہے، خفیہ گشت و جاسوسی کے طور پر نزول کرے،

یہ نواو پر معلوم ہو چکا کہ فقہاء کا یہ مطلب نہیں کہ مصریت و قریبیت کا مدار محض عرف عام و رائے اہل عرفت پر ہے، بلکہ اس کے لئے اُن کے نزدیک معیار شرعی ضرور ہے، جس کو وہ مختلف عبارات سے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اختلاف زمان سے اس معیار کا مصداق مختلف ہو جاتا ہے،

پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اصل معیار مصر تو مکہ و مدینہ کی حالت موجودہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور اس معیار کی احسن تفسیر وہ ہے جو امام صاحب سے خود منقول ہے، اور آجکل اس تعریف کا مصداق ہندوستان میں ہمارے نزدیک ہر وہ موضع ہے جس کی آبادی قریب چار ہزار کے ہو یا اس سے زیادہ اور وہاں ایسا بازار موجود ہو جس میں تیس چالیس دوکانیں متصل یک جا ہوں کہ بازار اسی کا نام ہے، متفرق دوکانوں کو جن میں فصل کثیر ہو بازار نہیں کہا جاتا، اور اس بازار میں ضروریات روزمرہ دستیاب ہوتی ہوں کہ پارچہ کی دکان بھی ہو، جوتہ کی بھی، عطارہ کی بھی، دودھ، گھی، غلہ وغیرہ کی بھی اور وہاں ڈاکٹر یا حکیم بھی ہو، معمار و مستری بھی ہو اور وہاں ڈاک خانہ بھی ہو اور پولیس کا تھانہ یا چوکی بھی ہو، اور اس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں، جس میں یہ شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں، قلت اتمت البولیس مقام الوالی لرجوع الناس الیہ فی الحوادث، واللہ اعلم، ۸ رمضان ۱۳۵۴ھ

تکبیرات ایام تشریق کن پر واجب ہے، سوال (۳۱) مفشی بقول امام ابو حنیفہ کا یہ صاحبین کا؟

کن پر واجب ہے، چونکہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان خلاف ہے، امام صاحب نے جماعت مستحبہ و مصر و رجال وغیرہ کو شرط قرار دیا، اور صاحبین فرماتے ہیں مطلقاً جن پر نماز فرض ہے انہی پر تکبیرات تشریق بھی واجب ہے، اب سوال یہ ہے کہ فتویٰ امام صاحب یا صاحبین کے قول پر ہے، بحوالہ کتب مستندہ و معتبرہ مع صفحہ واضح طور پر بیان فرمادیں عند اللہ ماجور ہوں گے،

الجواب؛ قال یجب التکبیر فور کل فرض علی من صلاہ ولو کان منفردا و مسافرا و قرویا لانه تبع للمکتوبات و یہ ای بقولہما یعمل علیہ الفتویٰ طحطاوی ص ۱۳، مولانا عبدالشکور صاحب اپنے علم الفقہ کے حاشیہ پر

محرر فرماتے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں، عورت و مسافر اور منہ فرد اور قریہ میں تکبیر واجب ہے، صاحب بحر الرائق نے سراج دہاج وغیرہ سے نقل کیا ہے، کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، جلد دوم علم الفقہ، ص ۱۱۲،

وقال ابو علی کل من صلی المكتوبة مصر یا او قرویا او مسافرا او منفردا او امرأة لانه شرع تبعا للمكتوبة فيؤديه كل من يؤدیهما والفتوى علی قولیهما (کنز الدقائق، ص ۴۴ کا حاشیہ) : سوال : تکبیرات تشریح کن پر واجب ہے، جواب : جن پر نماز فرض ہے انہی پر تکبیر بھی واجب ہے، بموجب مذہب صاحبین کے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے، تو اب مسافر اور تنہا پڑھنے والے پر بھی تکبیر واجب ہوتی، رکن دین ص ۲۵ اور مختار کبیری وغندہا تکبیر علی کل من یصلی المكتوبة وابتداء من فجر عرفہ عندنا الخ والعمل علی قولہما، صغری ص ۲۸۵ وقال ابو علی کل من یصلی المكتوبة لانه تبیح المكتوبة حدیث، ص ۵۵ ج ۱، در حاشیہ مالا بد منہ فارسی و نزد صاحبین جماعت شرط نیست پس واجب است بر منفرد وزن و مسافر، در مختار، صفحہ ۶۵ میں مذکور ہے وقال ابو یوسف ومحمد علی کل من یؤدی المكتوبة فی هذه الايام علی ای وصف کان فی ای مکان کان وهو قول ابراهیم النخعی، بدائع انصائع جلد اول صفحہ ۶۹، و نزد صاحبین بر منفرد وزن و مسافر، ہم واجب است، مفتاح الصلوة ص ۱۲۳ کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ گفت در بحر الرائق وغیرہ والعمل وفتویٰ بر قول صاحبین است در ہر شہر و زمانہا قال فی بحر الرائق وغیرہ والعمل والفتویٰ علی قولہما فی عامۃ الامصار وكافة الاعصار، وبقول ابو یوسف ومحمد تکبیرات تشریح واجب است بر ہر کہ فرض بگذار دو ختم تکبیرات بر قول ایشان عصر آخر ایام تشریح است و آن بست نماز است و علیہ الفتویٰ، در کنز فارسی صفحہ ۲۷ و نزدیک صاحبین اقامت و ذکوة وصحت و منفرد جماعت شرط نہیں واجب باشد بر ہر مصلی بعد فرض ایام از فجر عرفہ تا عصر پس ایام تشریح ہو المعمول و علیہ الفتویٰ، فتویٰ بر ہانہ کما فی الترغیب وقال ابو جوبہ فرد کل فرض مطلقا ولو کان منفردا او مسافرا او امرأة لانه تبیح للمكتوبة الی عصر الیوم الخامس الخ ایام التشریح وعلیہ الاعتماد والعمل والفتویٰ فی عامۃ الامصار وكافة الاعصار، در مختار، قال ابو یوسف ومحمد تکبیر

تبیح الفرض فكل من ادى فی یضنة فعلیہ التکبیر والفتویٰ علی قولہما من تکبیر المسافر واهل القری جوہرۃ النیوۃ، ص ۹۲ و نزدیک ابو یوسف ومحمد ہر کہ نماز تکبیر برہے واجب آید کہ تکبیر گوید ر قدوری فاوی، ص ۲۸ وغندہا تکبیر علی کل من یصلی المكتوبة اکثر الدقائق نو لکثوری، ص ۲۳ کے حاشیہ نمبر ۶ میں مذکور ہے، لیکن اگر منفرد اور عورت اور مسافر بھی کہہ لے تو بہتر ہے، کہ صاحبین کے نزدیک ان سب پر واجب ہے، بہشتی گوہر ص ۹۹ حوالہ در مختار، وغندہا کل من صلی المكتوبة فی هذه الايام فعلیہ التکبیر مقیما کان مسافرا رجلا کان امرأة فی المصر او فی غیرہ فی الجماعۃ او وحدہ، خلاصۃ الفتویٰ، ص ۲۱۶ ج ۱، المستفی بندہ ادیس سلٹی

صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح
بندہ منظور احمد، عفی عنہ

صحیح
محمد زکریا، قدوسی، مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح
صدیق احمد عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم

صحیح ہے
بندہ محمد ظہور الحق عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم

ان کان کذا لک فکذا لک جواب صحیح ہے
عبد القیوم عفی عنہ بندہ راشد علی عفی عنہ بندہ عبد القیوم

جواب درست ہے
بندہ اخلاق احمد مدرسہ مظاہر علوم بہار نپور

چہ می فرمایند علمائے دین و شرع متین در بارہ جواب سوال مرقوم الصدر صحیح است یا غلط، بر تقدیر ثانی عبارتہا سے کہ علیہ الفتویٰ والعمل بقولہما فی الامصار وغیرہ راجع جوابتینو یا التفصیل و توجروا باجر البحرین،

الجواب، سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم،

جواب سوال مرقوم الصدر از تبیح کتب فقہاء حنفیہ غلط معلوم می شود علی الاطلاق کہیں واجب نیست بلکہ بر ہر مقیمیکہ نماز با جماعت مستحبہ گزاردہ باشد، چنانکہ در فتویٰ صاحب مرقوم است، اما شرطہ فاقامۃ و مصر و مكتوبة و جماعۃ مستحبۃ ہکذا

فی التبیین، والیضاد بریہ متاعقب الصلوات المفروضات علی مقیمین
 فی الامصار فی الجماعة المستحبة عند ابی حنیفة ولس علی جماعات النساء
 اذ المریکن معهن رجل ولا علی جماعة المسافرین اذ المریکن معهن مقیم
 وشرحا والشرع ورد عند استجماع هذه الشرائط الا انه يجب علی النساء
 اذا اقتدین بالرجال وعلی المسافرین عند اقتدائهم بالمقیم بطریق التبعية
 آمده است واین قول نیز در مختصر الوقایة آمده است من فجر عرفة عقب کل فرض
 ادى بجماعة مستحبة علی المقیم بالمصر ومقیدیه برجل ومسافر مقتد
 یقیم الی عصر العید وقال عصر آخرایام التشریق وبه یعمل، وکلذوالکعبه
 مسطور است بحجرات تشریق بعد ہر نماز کہ بجماعت گذارده بر مقیم بمصر واجب است از صبح
 روز عرفہ تا عصر روز عید نزد امام اعظم و تا عصر تا پنج سیزدهم نزد صاحبین و فتوی بر آن
 و اگر مسافر اقتداء بمقیم کند بر آنها نیز مجبور واجب شود، ہر کس و ناکس غبی و ذکی اظہر من الشمس
 ظاہر است کہ مختار قول ابی حنیفہ است، در مذہب احناف اکثر قول باقی ماند جواب علیہ الفتوی
 والعمل بقولہما فی الامصار، جواب آنست کہ مرجح ضمیر علیہ فقط قول صاحبین کہ تا عصر
 روز سیزدهم ہست، و مراد از قولہما قول تاروز سیزدهم ہست در آن شکی نیست کہ مختار
 و معمول بہ در مذہب احناف فی عامۃ الامصار و کافۃ الاعصار ہمین است، چنانکہ در عالمگیری
 منقوش است و اما وقتہ فاولہ عقب صلوة الفجر من یوم عرفۃ و اخرہ فی
 قول صاحبین عقب صلوة العصر الی آخرایام التشریق ہکذا فی التبین
 الفتوی فی عامۃ الامصار و کافۃ الاعصار علی قولہما کذا فی الزاہدی و
 ہکذا در مختصر الوقایة و قال الی عصر آخرایام التشریق وبہ یعمل و
 ایضاً در مالابدمنہ تاروز عصر روز عید نزد امام اعظم و تاروز عصر تا پنج سیزدهم نزد صاحبین
 و فتوی بر آن است " ہر کہ بر عبارت مرقومۃ الصدر بارے نظر سلمی می اندازد ہرگز فتوی
 ندہد کہ فتوی بر آنست کہ بر ہر دو مرد و زن خواہ مسافر باشد خواہ مقیم بمصر یا قریہ منفرد
 باشد یا بجماعت گزاردن بحجیر تشریق واجب است حاشا و کلا ہرگز این خیال صحیح
 نیست و عبارتہما سے کہ مفتی صاحب نقل فرمودہ اند ہر ہمہ را نقل کردن و تطبیق دادن
 بہنایت مشکل است و چنداں ضرورت ہم نیست لیکن عبارتے کہ در آن مدار فتوی است

و بارہا بزبان فارسی و عربی وارد و نقل کردہ اند آن عبارت در مختار است و علی مقتد
 مسافر و قروی او امرأۃ بالتبعیۃ لکن المرأة تخافت و یجب علی مقیم اقتدای
 بمسافر و قال لوجوبہ فور کل فرض مطلقاً ولو منفرداً او مسافراً او امرأۃ
 لانہ تبع للمکتوبۃ الی عصر لیوم الخامس آخرایام التشریق و علیہ الاعتماد
 والعمل والفتوی فی العامة الامصار و کافۃ الاعصار، عبارت عالمگیری و مختصر
 الوقایة و مالابدمنہ را اگر بدین عبارت ملاحظہ کردہ شود معلوم گردد کہ علیہ الاعتماد والعمل
 والفتوی الخیرا تعلق فقط الی آخرایام التشریق است چونکہ در اکثر جا عبارت فقہاء
 مختلط بودہ است بناً علیہ صاحب ہدایہ بوقت شرح علیہ بیان فرمودہ و صاحب
 عالمگیری علیہ باجتناب وضاحت بیان فرمودہ اند کہ در آن مسیح خفا ننماندہ کہ علیہ را
 تعلق الی آخرایام التشریق است، ناکہ با قول مفتی صاحب، کما لا یخفی علی المتامل، نیز
 سخنی تعجب نخر است کہ جناب مفتی صاحب عبارتیکہ نقل فرمودہ اند بہرچہ کہ از این
 حق ظاہر گردد نقل نہ فرمودہ اند، چنانکہ در عبارت بہشتی گوہر نظر فرمائید ہمہ عبارت
 اینست " بحجیر تشریق یعنی ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ اللہ اکبر الخ کہنا واجب ہے، بشرطیکہ
 وہ فرض جماعت سے پڑھا گیا ہو اور وہ مقیم مصر ہو، یہ بحجیر عورت اور مسافر پر واجب
 نہیں، اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کے مقتدی ہوں جس پر بحجیر واجب ہے، تو ان پر بھی تکبیر
 واجب ہو جائے گی، (در مختار) لیکن اگر مسافر اور عورت بھی کہے تو بہتر ہے کہ صاحبین
 کے نزدیک ان سب پر واجب ہے، ہر کہ عبارت گوہر را ملاحظہ نمایند، ہرگز نمی گوید کہ
 فتوی بر قول صاحبین است کہ ہر ہر مصلی مکتوبات بحجیر واجب است معہذا بندہ می گوید
 از لفظ بہتر واجب چگونہ ثابت گردد ہرگز نہ بل استحباب مستفاد گردد ہمیں عرض است
 کجا کہ فقہاء نقل قول صاحبین کردہ اند، لا یخفی ہذا من طالع کتب الفقہیہ و ہر گاہ
 ثابت شد عمل در امصار حسب قول امام ابو حنیفہ است، ہر چند کہ جناب مفتی صاحب
 قول صاحبین کہ مثبت و جوب است نقل کردہ اند اثر فائدہ نمی بخشد زیرا کہ قول صاحبین
 را کہ مفکر نیست لیکن عمل بدان و مفتی بہ نیست، کما علمت بل در مذہب ما از ان استحباب
 ثابت کردہ شود کما لا یخفی علی المتدبر، حرره احقر الناس محمد ظہر علی غفر اللہ عنہ
 الجواب صحیح، محی الدین احمد بن محمد بن محمد بن باغالبیہ، الجواب صحیح محمد غلام غفر اللہ

محمد بن محمد بن علي عن عيسى بن عمار عن ابي بصير عن ابي بصير عن ابي بصير عن ابي بصير عن ابي بصير
 واجب نيمت، كما في الصغير تكبير التشرين عقب الصلوة فريضته بجماعة مستحبة فلا يجب
 على المسافر ولا على المنفرد، انتهى وفي فتاوى السراجية لا تكبير على المنفرد عند ابي حنيفة انتهى،
 اقول وبالله التوفيق الصحيح عندنا

الجواب مرجع امداد الاحكام

الجواب الثاني دون الاول ودليله
 ما في رد المختار تحت قول الدرر عليه الاعتماد والعمل والفتوى في عامة
 الامصار ونصه هذا بناء على انه اذا اختلف الامام وصاحباها فالعبارة لقوة
 الدليل وهو الاصح كما في اخر الحاوي القدسي او على ان قولهما في كل مسألة
 مرادى عنه ايضا الى انه قال وبه اندفع ما في الفتح من ترجيح قوله هنا
 ورد فتوى المشائخ بقولهما بحراه (ص ۱۳۸، ۹) فهذا يدل على ان ابن القيم
 قد رد فتوى المشائخ في هذه المسئلة التي اعتمدوا فيها على قول الصحابين
 وفتوايه فلونظر المجيب الاول فتح القدير وراجع كلام المحقق لعلم
 ان المسئلة التي رجعت المشائخ فيها قول الصحابين انما هي مسئلة انتهاء
 وقت التكبير لا غير وفيها بسط المحقق الكلام وورد على المشائخ الاعلام كما
 ذكر في (ص ۲۹ ج ۲) واما مسئلة من يجب عليه التكبير فلم يرجح المشائخ فيها
 قولهما على قوله ولم يرد المحقق فيها على احد من المشائخ فظهر من مجموع
 الكلام الشامي وكلام المحقق ان الذي عليه الاعتماد والعمل والفتوى هو
 الذي رد فيه المحقق على المشائخ ورجح فيه قول الامام وليس ذلك
 الا مسئلة انتهاء وقت التكبير هذا وقد علم من عادة صاحب الهداية
 انه يؤخر دليل المذهب الذي هو المختار عنده وفي نتائج الافكار من
 عادة المصنف المستمرة ان يؤخر القوي عند ذكر الادلة على الاقوال
 المختلفة ليقع المؤخر بمنزلة الجواب عن المقدم وان كان قدم القوي
 في الاكثر عند نقل الاقوال ام من مقدمة الهداية (ص ۳ ج ۲) و
 في مسئلة من يجب عليه التكبير قدم صاحب الهداية قول الامام
 عند نقل الاقوال واخر دليله عن دليلهما وهذا يدل على ان قول

الامام هو الراجح فيها عنده، وفي الخلاصة في تكبيرات ايام التشريق ما نصه
 كبار الصحابة رضي الله عنهم يقولون بانته يبدأ بالتكبير من صلوة الغداة
 يوم عرفة وبه اخذ علماءنا رحمهم الله واختلفوا في القطع قال ابن مسعود
 يكبر الى صلوة العصر من اول يوم النحر وهو ثمانى تكبيرات وبه اخذ ابو حنيفة
 وقال على الى صلوة العصر من اخر ايام التشريق وهو ثلث وعشرون تكبيرة وبه
 اخذ ابو يوسف ومحمد رحمهما الله وعليه الفتوى وعليه عمل الناس ليوم،
 ثم هنالك التكبير على اهل الامصار في الصلوات المكتوبات المؤديات بجماعة
 مستحبة حتى لا يجب على النسوان وان صلين بجماعة وعند ما كل من صلى
 المكتوبة في هذه الايام فعليه التكبير مقيما كان او مسافرا رجلا كان او امرأة
 في المصر او في غير المصر في الجماعات او وحده ومن دخل في الجماعة من
 المسافرين والنساء فعليهم التكبير تبعاً لرجال كما في الجملة المفسر
 اذا صلوا جماعة في المصر فيه روايتان والاصح انه ليس عليهم التكبير
 (ص ۲۱۵ و ۲۱۶ ج ۱) وهذا صريح في ان الفتوى على قولهما انما هو في وقت قطع
 التكبير واما في حكم من يجب عليه فالراجح قول الامام لان صاحب الخلاصة
 وانما ذكر لفتوى على قولهما في الاول دون الثاني بل صرح في حكم المسافر
 اذا صلوا جماعة في المصر بان الاصح انه ليس عليهم التكبير مع انه
 قائل ان بوجوب التكبير على المسافر المنفرد ايضا ولو كان في قرية فعلى المسافر
 اذا صلوا جماعة في المصر اولى ولكن صاحب الخلاصة صرح بتصحيح
 ما يخالف قولهما ثم راجعت البدائع فرأيت قد رجح قول الامام
 على قولهما في الفصلين واجاب عن كل ما استدل لابه (ص ۱۹۸ ج ۱) و
 كذلك ابن امير حاجب في شرح المنية قول الامام على قولهما في الفصلين
 ايضا (ص ۵۳) نعم ذكر في البحر عن السراج الوهاج والجوهرية والفتوى
 على قولهما في هذا ايضا راي في وجوب التكبير على كل من صلى المكتوبة
 في هذه الايام، فالعاصل ان الفتوى على قولهما في اخر وقتها وفيمن يجب
 عليه ام (ص ۱۶۶ ج ۲) ولكن هذا معارض لترجيح صاحب الهداية وتصحيح

صاحب الغلاصة وتحقیق صاحب البدائع وتصویب ابن امیر حاج وبعارض الحدیث الذی استدال به الحنفیة علی اختصاص الجمعة والحدیثین بالمصر وهو ما رواه ابن ابی شیبہ فی مصنفه حدیثا عن ابي عبد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحق عن العاصم عن علی بن ابي طالب قال لا الجمعة ولا التشریق ولا صلوة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظيمة کذا فی نصب الراية (ص ۲۱۳) و مسندہ حسن کما ذکرته فی اعلام السنن و به احتج ابو حنیفة علی اختصاصه و جوب التکبیر باهل المصر دون القرى کما صرح به فی البحر والبدائع والتشریق رفع الصورة بالتکبیر قاله النضر بن شميل وهو من ائمة اللغة قاله صاحب البدائع فقول ابو حنیفة قوی روایة ودرایة و اکثر المصنفین علی توجیه قوله علی قولہا فی من یجب علیه التکبیر فلا عبرة بنقل المساجد الوهاج والجمہرہ، واللہ اعلم، حرره ظفر احمد عفا الله عنه ۲۲ رجب ۱۳۴۴ھ

تعریف مصر سوال (۳۲) آجکل کے زمانہ میں کس قسم کی جگہ شرعاً شہر کہلاتے گی؟

الجواب: جہاں تین چار ہزار کی آبادی ہو، اور بازار متصل ہو، جس میں ضروریات روزمرہ سب دستیاب ہوتی ہوں، اور اس آبادی کے متعلق اس کے تواج میں کچھ دیہات بھی ہوں۔
اشوال ۳۶ھ

صحرا، جہاں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے، سوال (۳۳) شرعاً صحرا کس کو کہتے ہیں؟ شرعاً کس کو کہتے ہیں، اور اس کے متعلق متحدہ سوالات

الجواب: جہاں مکانات نہ بنے ہوئے ہوں، مکانات آبادی سے باہر جو میدان ہو وہ عید گاہ کا محل مسنون ہے،

سوال: کس قسم کے میدان میں عیدین کی نمازیں پڑھنا چاہئے؟ کیا عید گاہ کا شہر سے باہر ہونا شرط ہے؟ اگر شرط ہے تو یہاں شہر سے کیا میونسپلٹی حدود مراد ہے یا بازار اور بستی وغیرہ؟

جواب: حدود میونسپلٹی سے باہر ہونا مراد نہیں، بلکہ مکانات و آبادی سے باہر ہونا مراد ہے

سوال: شہر کی میونسپلٹی کے اندر مگر بازار وغیرہ کے باہر کوئی کھلی ہوئی جگہ

(میدان) ملے تو اسی کو عید گاہ بنانے میں شرعاً کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اوپر کے جواب سے معلوم ہو چکا،

سوال: میونسپلٹی کی حدود کے اندر عید گاہ ہونے سے اگر تین ہزار لوگ جمع ہوں اور باہر ہونے سے تین سو ہوں تو کہاں عید گاہ بنانا افضل ہوگا؟

الجواب: اوپر گزر چکا کہ حدود میونسپلٹی سے باہر ہونا عید گاہ کا ضروری نہیں، صرف آبادی سے باہر ہونا چاہئے، اور زیادہ دور بھی ہونا ضروری نہیں،

سوال: اگر شہر کے لئے اندر یا باہر کوئی عید گاہ نہ ہو، مگر شہر کے اندر سرکاری یا غیر سرکاری ایسے وسیع میدان ہوں (مدرسہ، اسکول، کالج کے میدان) جہاں باجارت، مالک شہر کے لوگ ایک جا ہو کر بہت بڑی جماعت کے ساتھ عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں وہاں عیدین کی نمازیں میدان میں پڑھنا بہتر ہوگا یا مختلف مساجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں ادا کرنا بہتر ہوگا؟

الجواب: نماز عید تو اس صورت میں صحیح ہو جائے گی مگر سنت ادا نہ ہوگی بہت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عید گاہ ہو،

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ شہر کے چاروں طرف شہر پناہ دیوار تھی یا نہیں؟ بر تقدیر اول آپ کی عید گاہ اندر تھی یا باہر؟

الجواب: ہاں مدینہ کی شہر پناہ تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید گاہ شہر پناہ سے باہر تھی، مگر ظاہر یہ ہے کہ شہر پناہ حضور کے زمانے کے بعد بنائی گئی ہے، حضور کے زمانہ میں نہیں بنائی گئی، حضور کے زمانے میں مدینہ کی تین جوانب تو کجور کے درختوں اور عمارتوں سے محفوظ تھیں، اور ایک جانب کھلی ہوئی تھی، ادھر غزوہ احزاب میں خندق بنائی گئی، اور عید گاہ خندق سے باہر فاصلہ پر تھی یا خندق کے اندر تھی اس کی تحقیق نہیں ہو سکی، ہاں خلاصۃ الوفاء میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ مسجد نبوی اور عید گاہ میں ہزار ذراع کا فاصلہ تھا، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی شہر پناہ جو حضور کے بعد بنی ہے

عید گاہ اس شہر پناہ کے باہر تھی، (۱۷۸ و ۱۷۹) واللہ اعلم،

سوال: روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید گاہ شہر کے باہر تھی یہاں شہر سے کیا مراد ہے، اور شہر کے باہر عید گاہ ہونے میں کیا حکمت ہے، خاص کر

اس طرف عید گاہ کرنے کی کوئی وجہ تریح بھی تھی یا یہ ایک اتفاقی بات تھی،
الجواب: شہر سے مراد مکانات آبادی ہے، اور شہر کے باہر عید گاہ ہونے میں اس سے
زیادہ اور کیا حکمت مسلمان کو چاہئے کہ حضور نے شہر کے باہر عیدین کی نماز پڑھی ہے،
سوال: شہر کے اندر عید گاہ بنانے میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟
الجواب: ہاں مضائقہ نہیں مگر سنت کے خلاف ہے، واللہ اعلم، ۱۰ سوال ۳۳۴

خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم | سوال (۳۳۴)
..... صلح ہر دوئی میں انجمن تبلیغ و حفاظت اسلام قائم ہے، اور فی زمانہ اس کام
کی جس قدر اہمیت ظاہر ہے، مسلمانوں کی بے بسی بھی واقع ہے، چنانچہ مسلمانوں کو حالت
حاضرہ سے آگاہ کرنے کے لئے اور انجمن کی مالی کے واسطے زید ہر جمعہ کو خطبہ سے قبل کچھ وعظ
کہہ کر چندہ طلب کیا کرتا تھا، عمر جو مسجد کا امام ہے اس بات سے مانع ہوا کہ وعظ کہنے اور
چندہ طلب کرنے میں ان لوگوں کی سنتوں میں خلل پڑتا ہے، جو خطبہ سے پہلے سنتیں پڑھتے ہیں
اور اس نے یہ بھی کہا کہ خطبہ سے پہلے مسجد میں کسی قسم کا بھی وعظ ہو ممنوع ہے، اس لئے زید
اپنے فعل سے باز رہا، اور اس سلسلہ میں شعبہ تبلیغ کو جو کچھ چندہ مل جایا کرتا تھا وہ بند ہو گیا
نماز جمعہ کے بعد لوگ منتشر ہو جاتے ہیں، اس لئے پھر اس کا موقع نہیں ملتا، کہ وعظ کہا جا
یا چندہ فراہم کیا جائے، لہذا جبکہ شعبہ تبلیغ کی اس قدر اہمیت ہے، اور اس کے لئے نماز
جمعہ سے پہلے چندہ فراہم کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں شرع کا کیا
مسئلہ ہے، آیا قبل خطبہ کوئی وعظ کہا جا سکتا ہے یا نہیں، اور امام مسجد کا اس میں مانع
ہونا کہاں تک بجا ہو، بینوا توجروا؟

الجواب: خطبہ سے پہلے وعظ کہنا جائز ہے، البتہ اس میں یہ رعایت کی جائے
کہ جو وقت خطبہ شروع ہونے کے لئے مقرر ہے اس وقت وعظ شروع کیا جائے تاکہ
لوگ سنتوں سے فارغ ہو جائیں، اور جو شخص اس وقت تک بھی سنتوں سے فارغ
نہ ہوگا وہ خود کوتاہی کرتا ہے، کیونکہ اب اس کی سنتوں میں خطبہ سے خلل پڑتا ہے کہ
خطبہ کا وقت آگیا، البتہ اس صورت میں نماز دیر سے ختم ہوگی، جس میں نمازیوں پر
گرانی ہونا محتمل ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی جمعہ میں عام نمازیوں سے اس کی
اجازت لی جائے کہ اگر آپ صاحبوں پر گرانی نہ ہو تو خطبہ سے پہلے خطبہ کے وقت تھوڑی

دیر اس کام کے لئے آپ کا وقت لے لیا جائے، اگر سب یا اکثر اس پر راضی ہوں تو پھر مضائقہ
نہیں، حائل یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے وعظ کہنا فی نفسہ ممنوع نہیں، اگر کوئی مانع خارجی پیش
آجائے اس کا انسداد کر دے خواہ اس طریق سے جو اس جواب میں مذکور ہے خواہ کسی دوسری
طریق سے، واللہ اعلم، ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ سوال ۳۳۴ مشرف علی

المنبر اذا بنی فی المحراب هل | سوال (۳۵) ذکر فی الجبل الخامس من العالمگیریة
يجوز الخطبة عليه ام لا، المصری فی صفحہ ۳۵۵ دخل المحراب له حکم المنبر
فلو بنی المنبر فی المحراب ویخطب عليه یوم الجمعة هل يجوز ذلك ام لا،
بینوا توجروا؟

الجواب: نعم يجوز فان المنبر للخطبة وهي كالصلوة فليس فی بناء
شغل البقعة بغير الصلوة وقد وضع منبر المسجد النبوی فی المسجد بعد
ما بنی المسجد بتمامه وقد كان موضعه قبل موضع الصلوة وصار مشغولا
بالمنبر بعد وضعه فيه ولكنه جاز لكون الخطبة من الصلوة، قال الشامی
المنبر بکسر الميم من المنبر وهو الارتفاع ومن السنة ان یخطب عليه
اقتداء به صلی الله علیه وسلم، بعروان یكون علی يسار المحراب قہستانی
۱۱ ج ۸۶۰ قلت ویسار المحراب اعم من ان یكون داخله او خارجہ
فافهم، واللہ تعالی اعلم، ۲۹ سوال ۳۳۴

خطیب خطبہ جمعہ شروع کرنے سے قبل | سوال (۳۶)
..... عوذ باللہ بسم اللہ جہرا پڑھے یا آہستہ
کرنے سے پہلے خطیب کو بسم اللہ اور اعوذ باللہ انداز پر پڑھنا چاہئے یا آہستہ سے
پڑھنا چاہئے، بینوا توجروا؟

الجواب: پہلا خطبہ شروع کرنے سے صرف اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
آہستہ پڑھ لے، جہر نہ کرے، اور بسم اللہ کا پڑھنا منقول نہیں، قال فی الدرر ویبدأ
بالتعوذ سراً الا قال الشامی ویبدأ قبل الخطبة الاولى بالتعوذ سراً ثم یحمد
الله تعالی والثناء علیه والشهادتین والصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم
والتذکیر العظمتہ والقراءة قال فی التنجیس والثانية كالاولی الا انہ

یوں عوللمسلمین مکان الوعظ قال فی البحر وظاهرہ انه یسن قراءۃ آیۃ فیہا
کالاولی اقلت وکن اظاہرہ ان یبدأ بالنعوذ قبل الثانیۃ ایضاً سئل بعدم
استثناجہ سوی الوعظ واللہ اعلم،

اس عبارت کے اخیر جز سے قیاساً حیث قال والثانیۃ کالاولی، معلوم ہوا کہ دوسرے
خطبہ کو بھی اعوذ باللہ الخ آہستہ پڑھ کر شروع کیا جائے، باقی اعوذ باللہ یا بسم اللہ قبل
خطبہ کے یا قبل اذان و اقامت کے نماز کے زور سے پڑھنا جیسا کہ آجکل بعض مقامات
میں رواج ہے بدعت ہے، واللہ اعلم، ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

جمعہ کے دن آخر ظہر پڑھنے کا حکم | سوال (۳۷) اس ملک سندھ میں جو جو بڑے شہر ہیں
ان شہروں میں آخر ظہر پڑھی جائے یا نہ؟ بینوا و تو جرو الاجر اعظیما،

الجواب: بڑے شہروں اور قصبات میں آخر ظہر پڑھنا مکروہ ہے، اور جس جگہ
جمعہ کی صحت میں شبہ ہو وہاں جمعہ پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ ظہر ہی پڑھنا چاہئے، واللہ اعلم
۲ صفر ۱۳۲۶ھ

اذان جمعہ سے قبل وعظ کی | سوال (۳۸) ایک مسئلہ میں اور مولانا کی ڈھیل معلوم
ایک صورت کا حکم، ہوئی، وہ مسئلہ یہ ہے جو آجکل تمام عالم اسلام ترکی افغانی

وغیرہ میں معسرکۃ الاربابنا ہوا ہے، یعنی خطبہ جمعہ زبان مادری میں ہونا چاہئے، اسی تبلیغی
کا فرانس میں علی گڑھ کالج کے تین طلبہ آئے ہوئے تھے، انھوں نے ایک روز جس دن
مولانا حسین احمد صاحب دہلی گئے ہوئے تھے، ایک سبکیٹ کمیٹی (باصطلاح جدید)

یعنی وہ اشخاص نامزد شدہ جو تجاویز اول تیار کرتے ہیں میں پیش کی، یہ کہتے ہوئے کہ
مولانا حسین احمد صاحب نے اس کو منظور کر لیا ہے، تجویز کے الفاظ یہ تھے کہ امام صاحب
کو ضروری ہے کہ خطبہ اول حالات حاضرہ پر مادری زبان میں پڑھے، اور بعد اسی کا

ترجمہ عربی زبان میں پڑھے، مگر اس کو مولوی عبدالرحمن خان صاحب نے نام منظور کیا کہ یہ
نا جائز ہے، طالب علم مولانا حسین احمد صاحب کا حوالہ دیتے رہے، مولوی صاحب نے
فرمایا کہ اس مسئلہ کو مولانا آجائیں تو کل پیش کرنا، دوسرے روز مولانا کے رو برو تجویز

پیش ہوئی، مولانا نے اس کو منظور کر لیا اس پر مولوی صاحب بولے کہ حضرت یہ تو ناجائز
ہے، اس میں گفتگو ہوئی، مولوی صاحب نے فرمایا کہ لزوم یا یلزم کے تحت میں

آتا ہے اگر مفسدہ حال نہیں تو مفسدہ مال ضرور ہے، جملہ بدعات اسی طرح شروع ہوئیں، اس
میں ترمیم کی گئی کہ ہمیشہ نہیں بلکہ گاہ گاہ جبکہ ضرورت ہو، اس پر مولوی صاحب تو خاموش ہوئے
مگر اور صاحبوں نے اعتراض کئے کہ مصلی سنتوں کی نیت کہاں باندھے، جب امام تقریر اردو
میں کر رہا ہو آیا اس کو ترک کر دے، اگر ترک کرتا ہے تو اس کا جزیہ دکھایا جائے اور اگر پڑھتا
ہے تو نماز پر خلل پڑتا ہے، اس کا کچھ جواب نہیں دیا گیا کہ خطبہ کے آداب و سنن ہیں، مثلاً
خلفاء راشدین کا ذکر وغیرہ ترک ہوں گے، اس پر ترمیم ہوئی آج چونکہ مولانا حسین احمد صاحب
موجود تھے تو مولوی صاحب وغیرہ تو خاموش اور دیگر اصحاب انجمن مولانا کے مؤید سوا عبداللہ صاحب
گنج والے اور عبدالرحیم خان کے یہ دو صاحب اڑے رہے، اور بہت دیر تک مولانا کے بحث
کی مگر نہ چلی، اور تجویز بالفاظ ذیل منظور ہوئی، تجویز نمبر ۳ منجانب بینک مسلم ایوسی ایشن علی گڑھ
اس کا فرانس کی رائے میں اشد ضروری ہے کہ کسی نئی ضرورتوں کے پیش آنے پر خطبہ جمعہ کے
مواعظ و نصائح کم از کم دس پندرہ منٹ قبل اذان جمعہ بیابندی احکام شرعی مخاطبین کی
زبان میں بیان کئے جائیں، اس میں ان مضامین کی تصریح بھی شامل ہو کرے جو خطبہ
عربیہ میں ہوں،

اس تجویز کو مولانا حسین احمد صاحب نے کثرت رائے سے منظور کر لیا، اور طے ہوا کہ
جلسہ عام میں اس کو منظور کر لیا جائے، چونکہ سبکیٹ کمیٹی میں بندہ کو بولنے کا حق نہ تھا،
اس واسطے کہ بندہ اس کا باضابطہ ممبر نہ تھا، اس لئے وہاں سے اٹھ کر مشورہ ہوا کہ اس
تجویز کو جلسہ عام سے رد کرانی چاہئے، مجبوراً ہم نے چالیس پچاس اپنے ہم خیال بنائے اور
جلسہ عام میں، ان کو مختلف جگہوں پر متعین کر دیا، کہ جس وقت یہ تجویز پیش ہو اس کی زبرد
مخالفت کی جائے، غالباً ہمارے پر و پیگنڈے کا پتہ ان طلباء کو ہو گیا، جو سمجھ گئے کہ ہماری
تجویز کی مخالفت ہوگی اور ہم کو جلسہ عام میں زک ملے گی، اس لئے انھوں نے تجویز واپس
لے لی، اور فوراً جلسہ سے اٹھ کر چلے گئے اور کہنے لگے کہ ہم تو مولانا حسین احمد صاحب کا نام
دیکھ کر آئے تھے کہ خطبہ کو اردو میں کرالیں گے، مگر ان لوگوں نے چلنے نہ دی یہ ان طلبہ کی
نیچریت تھی، اور دیگر تاملین محض حیلہ حوالہ کے واسطے تھیں، اور ان کا منشا، ان نیچریوں کی
اتباع کرنا تھا، کہ جنھوں نے مادری زبان میں خطبہ جاری کر دیا ہے، مگر اللہ کا حکم ہے کہ
خورجہ سے منظور نہ کرائے،

الجواب؛ جن الفاظ سے تجویز نمبر ۳ (خط کشیدہ) کو مولانا نے منظور فرمایا ہے، فی نفسہ اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں، کیونکہ قبل اذان جمعہ کے جو بیان اردو میں ہوگا وہ خطبہ سے خارج ہے، مگر جس صورت سے اس کو منظور کیا گیا ہے اس میں ایک مباح کو اشد ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس کو پاس کر کے گویا ائمہ مساجد کو اس پر مجبور کیا جائے گا اور مباح میں جبر غیر امام کو جائز نہیں، ولا امام لنا، اور اگر ائمہ مساجد کو مجبور کرنا مقصود نہیں تو پھر قانون بنانے اور اس کو پاس کرنے سے کیا فائدہ، بلا جبر کے تو علماء قبل خطبہ بعد جمعہ وعظ کہتے ہی ہیں، ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

گاذوں میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں | سوال (۳۹) |

..... ہمارے علاقہ میں قدیم سے رواج چلا آتا ہے کہ عیدین کے دن ہر گاؤں میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا نماز عیدین بہ نیت نفل باجماعت ادا کرتے ہیں اور جس گاؤں میں کوئی عالم ہو تو وہاں کچھ وعظ و نصیحت و شوکت اسلام کی اچھی رونق ہو جاتی ہے، اب یہاں بعض علماء نے آکر عیدین فی العسریٰ کو منع فرمایا ہے، اور کہا، تم تمام حنفی المذہب ہو اور عند الاحناف جہاں جمعہ ہے وہاں عید بھی ہے، اور تم جمعہ نہیں پڑھتے ہو اور عیدین (ضرور) ادا کرتے ہو یہ کیا وجہ ہے؟ جب علماء نے یوں کہا تو عوام کا لانعام نے شور و غل مچا دیا، جب عید نہیں تو قربانی و فطر کیسا؟ حتیٰ کہ بعضوں نے فطرہ اور تبراتی کو ترک کر دیا ہے، اسی موضع میں میرے دادا صاحب اور والد صاحب اور ماموں صاحب جو کہ اچھے عالم ہیں بحسب رواج قدیم کے عیدین ادا کرتے چلے آئے ہیں اب میرے ماموں صاحب یہاں کے امام مسجد ہیں، اور احقر بھی انہی کے ساتھ شامل ہے، جب علماء نے جماعت نوافل و عیدین کو منع کیا، تو مجھ سے بھی مسئلہ پوچھا گیا میں نے بھی منع کیا چنانچہ کتب فقہ حنفیہ میں ہے، مگر بوجہ کمال خوشی اُس دن کے اُن لوگوں نے کچھ توجہ نہ کی، چونکہ میں بچہ اللہ و فضلہ تعالیٰ کچھ طالب علم ہوں میرا عیدین میں شامل ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور وعظ وغیرہ کا مشیاق رکھتے ہیں، اور میری عدم شمولیت اُس سخت ناگوار گذرتی ہے، اب گزارش یہ ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں اس رواج کے متعلق کیا ارشاد ہے، آیا اس کو برقرار رکھا جائے یا اس سے حتیٰ الوسع برکنار ہو جائے اور اس کے ادا کرنے میں عند الشرع کوئی جرم ہے یا نہیں، اب تو پنجاب کا شاید کوئی ہی موضع ایسا ہوگا کہ

عیدین اس میں نہ پڑھی جاتی ہوں، حتیٰ کہ اب جمعہ کا رواج بھی لکڑی مقاموں میں بہت پھیل رہا ہے، پس اگر جمعہ کو بھی بغرض تبلیغ احکام کے پڑھا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مصنفی شرح موطاے امام مالک رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں "پس ظاہر آنست کہ در وہ اگر دون از اربعین جمعہ خوانند نماز ایشان صحیح باشد و متخلفان آئمہ باشند انتہی (ص ۱۵۲)"

۲؛ اگر نماز عیدین کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھا جاوے تو کیا فرادہ فرادہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۳؛ نفلوں کی جماعت تو احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی شرح تیسیر القاری باب صلوٰۃ النقل بجماعۃ در جواز بائز نفل باجماعت اور فتح الباری باب صلوٰۃ النقل بجماعۃ قیل مرادہ النقل المطلق و حتمل ما ہوا عم

من ذلك، اور شرح الیاس میں ہے، و یصلی التطوع بجماعۃ خارج رمضان نیز صحیح بخاری میں یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہذا عیدنا یا اہل الاسلام و امر انس بن مالک بن ابی عتبہ بالزواویۃ فجمع اہلہ و بنیہ و صلی کصلوٰۃ المصر و تکبیرہم و قال عکرمۃ اہل المصر یدجمعون فی العید و یصلون رکعتین کما یصلح الامم و قال عطاء اذا قاتہ العید صلی رکعتین انتہی تو اب عرض ہے کہ فقہاء اس کو مکروہ کیوں لکھتے ہیں، اور اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی، اگر تحریمی ہو تو شرعاً اس کا کیا نتیجہ اور سزا و جزاء ہے مفصل منجلی ہو،

الجواب؛ قال علی رضی اللہ لاجمعة ولا تشریون ولا فطرو ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ رواہ ابن ابی شیبہ فی المصنف بسند حسن کما حقیقہ فی اعلاء السنن وللہ الحمد، وهو موقوف فی حکم المرفوع لکونہ و اسر دا علی خلاف القیاس المستمر فی الصلوٰۃ من عدم تقيدها بمكان دون مكان قال تعالیٰ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلْتُ لِي الْأَرْضَ كُلَّهَا مَسْجِدًا أَطُورًا، اثر مذکور کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں، بلکہ ان کے لئے قصبات یا شہری محل ہیں، اور عوام کا الانعام کی ضد سے احکام شرعیہ نہیں بدل سکتے، اور نفل نماز کی جماعت بالتداعی مکروہ تحریمی ہے

اور جن احادیث سے جماعت نوافل ثابت ہو وہ صلوٰۃ کسوف اور استسقاء کے باب میں ہیں، یا جماعت بلا تداعی و اہتمام تھی، اور حضرت انسؓ کا اثر حنفیہ کے معارض نہیں، کیونکہ حضرت انسؓ کا زاویہ بصرہ کے توجہ سے تھا، یا وہاں حضرت انسؓ کو قامت جمعہ و عیدین کی والی بصرہ کی طرف سے اجازت ہوگی، اور حاکم مسلم کی اجازت کے بعد دیہات میں بھی حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست ہے، جبکہ دیہات میں حاکم کی طرف سے کوئی نائب مقدمات کے فیصلہ کے لئے متعین ہو اور احتمالات کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہے، جیسا کہ طلبہ کو معلوم ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے شرح مؤطا میں حنفیہ کا مذہب نہیں لکھا، بلکہ امام مالکؒ کے کلام کی شرح کی ہے، پس اس سے بھی استدلال صحیح نہیں، ۵۔ سوال مشکلم

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا | سوال (۵۰) یہاں مدراس میں ہر جگہ عصا ہاتھ میں لیکر خطیب خطبہ جمعہ پڑھتا ہے، اس میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ امام کی عدم موجودگی میں لوگوں نے اصرار کیا کہ میں خطبہ جمعہ پڑھوں اور نماز بھی پڑھاؤں، میں نے عصا لینے سے انکار کیا، اور بغیر عصا لڑ پڑھنے کو بخوشی تیار ہوں، تو یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کے علماء کہتے ہیں کہ عصا ہاتھ میں لے کر پڑھنا سنت ہے،

الجواب، اخذ عصا فی الخطبۃ کی مسنونیت میں حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، خلاصہ میں مکرہ کہا ہے، اور قہستانی نے محیط سے اخذ عصا کی مسنونیت نقل کی ہے، شامی ص ۸۶۲ ج باب الجمعة، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اخذ عصا سنت مقصودہ نہیں، بلکہ سنت مقصودہ اخذ سیف ہے، اس مقام پر جو سیف سے مفتوح ہوا ہو، اور اگر سیف نہ لے تو عصا کا لینا بالقصد مسنون نہیں، بلکہ محض اعتماد اور سہولت قیام کے لئے اخذ عصا جائز ہے، و ہو محل ماروی ابو داؤد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متوکنا علی عصا او قوس ای حکا علی احدہما الاعتقاد والیسر لا تعبدا، پھر جب عوام نے اخذ عصا کو مثل اخذ سیف کے سنت مقصودہ سمجھ لیا تو بعض فقہاء نے اس کو مکروہ کہہ دیا، کیونکہ مباح کو مسنون سمجھ لینا مکروہ ہے، پس اخذ عصا فی نفسہ جائز ہے، مگر اس کا التزام نہ کیا جائے، حیثاً ترک بھی کر دیا جائے، واللہ اعلم، ۱۳۔ زیقعدہ مشکلم

سوال (۵۱) عید جمعہ روز ہو تو جمعہ اور عید دونوں واجب ہیں

فرض میں یا دونوں واجب یا دونوں سنت، یا ان میں تفصیل ہے، یعنی بعض فرض اور بعض واجب یا سنت، مدلل تحریر فرمائیں، اور دلیل اگر حدیث ہو تو بہتر ہے،

الجواب، قال فی الدرر لواجتماعی العید والجمعة لم یلزم الا احدهما کذا فی القہستانی عن التمرتاشی قلت وقد رجعت التمرتاشی فرأیتہ حکاہ عن من ہب الغیر و بصیغۃ التمریض فتنبہ اہ قال فی رد المحتار امامنا ہدینا فلزوم کل منہما قال فی الہدایۃ ناقلاً عن الجامع الصغیر عیدان اجتماعی یوم واحد فالاول سنتہ والثانی فریضۃ ولا یترک واحد منہما قال فی المعانی قال عبد البر سقوط الجمعة بالعید مہجور وعن علی ان ذلک فی اهل البادیۃ ومن لا تجب علیہم الجمعة ام وسماہا فی الجامع الصغیر سنتہ لان وجوبہما ثبت بالسنة حلیہ قال فی البحر والظاهر انه لا خلاف فی الحقیقہ لان المراد من السنة المؤکدۃ بدلیل قوله لا یترک واحد منہما وکما صرح بہ فی المبسوط وقد ذکرنا مراراً انہا بمنزلۃ الواجب عندنا اہ (ص ۶۸۵) اس سے معلوم ہوا کہ عید اور جمعہ مجمع ہو جائیں تو پہلی نماز واجب ہے، یعنی عید کی اور دوسری یعنی جمعہ کی نماز فرض ہے، اور شہر والوں کو کسی کا ترک بھی جائز نہیں، ہاں دیہات والوں کو جن پر جمعہ و عید واجب نہیں، گنجائش ہے کہ عید پڑھ کر اپنے گاؤں کو واپس ہو جائیں، اور جمعہ نہ پڑھیں، کیونکہ دیہاتی اگر شہر میں آجائے تو جب تک زوال کے وقت تک شہر میں نہ رہے اس پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، زوال سے پہلے اس کو واپس ہو جانا جائز ہے، کما فی الدرر والشامی (ص ۸۶۱) مع ذکر الاختلاف فیہ

واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰۔ ردی الحجہ مشکلم

سوال (۵۲) تکبیر تشریح جماعت کے نماز والوں کیساتھ خاص ہے یا یہ حکم عام ہے، پڑھنے والوں کے ساتھ خاص ہے یا منفسرد وغیرہم کے لئے بھی عام ہے؟

الجواب، بحر میں مجتہبی وجوہ سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ ہر فرض نماز پڑھنے والے کے ذمہ تکبیر تشریح واجب ہے، خواہ جماعت ہو یا منفسرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، اس لئے اسی پر عمل احوط ہے، قال فی

الشر بن لایة والد المختار وقال بوجوبه فور كل فرض مطلقا ولو منفردا او مسافرا
 او امرأة لانه تبع للمكتوبة الى عصر اليوم الخامس الاخر ايام التشريق وعليه
 الاعتماد والعمل والفتوى في عامة الامصار وكافة الاعصار اه وتوهم منه
 رجوع قوله وعليه الاعتماد الى مجموع قولهما من بيان الوقت ومن يجب عليه
 وعندى ذلك راجع الى بيان الوقت فقط بدليل ما في متن الوقاية وتجب
 تكبيرات التشريق من فجر عرفة عقيب كل فرض ادى بجماعة مستحبة
 على المقيم بالمصر ومقتدية برجل ومسا فر مقتد بمقيم الى عصر العيد وقال
 الى عصر الاخر ايام التشريق وبه يعمل اه (ص ۲۲۸ ج ۱) وبها في الدر وقال فور
 كل فرض مطلقا سواء ادى بالجماعة او لا وسواء كان المصلي رجلا او امرأة
 مسافرا او مقيما في المصر او في القرى الى عصر الخامس من يوم عرفة وبه اي
 بالتكبير الى هذا الوقت وعدم الاقتصار الى عصر العيد يعمل الا ان احتياطا
 في باب العبادات اه (ص ۱۲۶ ج ۱) وبها في الخلاصة قال ابن مسعود يكبر
 الى صلوة العصر من اول يوم النحر وبه اخذ ابو حنيفة وقال علي الى
 صلوة العصر من اخر ايام التشريق وهو ثلاث وعشرون تكبيرة وبه
 اخذ ابو يوسف ومحمد وعليه الفتوى وعليه عمل الناس اليوم ثم
 هذا التكبير على اهل الامصار في الصلوات المكتوبات المؤديات وبالجماعة
 مستحبة حتى لا يجب على النساء وان صلتين بجماعة وعندهما على كل من
 صلوة المكتوبة في هذه الايام فعليه التكبير اه (ص ۲۱۵ ج ۱) ولم يذکر
 الفتوى على قولهما في ذلك ومثله في العالم الكبرى ايضا وصحيح صاحب الهداية
 يدل على ترجيح قول الامام في بيان من يجب عليه لانه قدم قول الامام
 واخر دليله والله تعالى اعلم واصحاب المتن كالسنن والقدرى اقتصر
 على ذكر قول الامام في بيان من يجب عليه فهو المذهب ولو كان الراجح
 قولهما في ذلك لذكروه كما ذكروا قولهما في الوقت نعم نقل في البحر عن
 المجتبي والجرهرة ان الفتوى على قولهما في من يجب عليه ايضا في حروب الجماعات
 الا حوط العمل بقولهما والله اعلم، ۲۲ محرم ۱۲۵۰

جو شخص یہ کہتا ہو کہ یہاں ر ہندوستان میں، سوال (۵۳) ایک امام صاف کہتا ہے کہ
 جمعہ اور انہیں ہوتا اس لئے ہم نظر احتیاطی ادا کرتے ہیں اس کے پیچھے نماز جمعہ جائز ہی یا نہیں
 یہاں جمعہ اور انہیں ہوتا اس واسطے ہم نظر احتیاطی
 بھی ادا کرتے ہیں، اس کے پیچھے جمعہ کی نماز درست
 ہے یا نہیں؟ الجواب؛ یہ مسئلہ اقتدارا شافعی فی الوتر کی نظیر ہے اور اس میں اختلاف ہے
 قال فی الابر شاد انه لا يجوز اصلا باجماع اصحابنا لانه اقتداء
 مفترض بالمتنفل ۱۲ شامی وواقفہ ابن المہمام فی الفتح، مگر اصح یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہر
 بشرطیکہ امام نے صرف وتر کی نیت کی ہو، سنت و تطوع بالوتر کی نیت نہ کی ہو، صرح
 فی التحنيس ان الامام ان نوى الوتر وهو يراه سنته جاز الاقتداء بمن صلى
 الظهر خلف من يرى الركوع سنة وان نواه بنية التطوع لا يصح لانه
 اقتداء المفترض بالمتنفل اه شامی ص ۶۹۹ ج ۱ وفي التتوير صرح الاقتداء
 فيه بشافعي لم يفصله بسلام على الاصح للاتحاد وان اختلف الاعتقاد،
 اس جزئیہ کا مقتضایہ ہر کہ قول اصح پر اس شخص کے پیچھے نماز جمعہ صحیح ہے، جبکہ وہ جمعہ
 کی نیت کرتا ہو، نفل جمعہ کی نیت نہ کرتا ہو، اور ظاہر یہی ہے کہ جو امام ہندوستان میں جمعہ
 کو صحیح نہیں مانتا وہ نماز جمعہ پڑھنے کے وقت متنفل بالجمعة کا قصد نہیں کرتا، بلکہ فرض جمعہ
 یا مطلق جمعہ کی نیت کرتا ہے، اس لئے اس کے پیچھے جو جمعہ پڑھے گئے ہوں ان کی قضاء
 لازم نہیں ہاں جو تصریح کرے کہ میں متنفل بالجمعة کی نیت کرتا ہوں اس کے پیچھے نماز جمعہ
 صحیح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ صفر ۱۲۵۰

مسجد محلہ میں بانی یا کسی دوسرے شخص کا سوال (۵۴)
 نماز جمعہ ادا کرنے سے منع کرنے کی متعلق ایک محلہ میں قریب ستر برس سے ایک پختہ
 اذن عام کے فوت ہونے پر شبہ کا جواب، مسجد واقع ہے، جس میں قریب ستر آدمی اس محلہ
 کے اور سات آٹھ آدمی دوسرے محلہ کے جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، گزشتہ
 رمضان شریف کے بعد ایک دن اکثر کی رائے سے کسی طالب علم کی امداد کے لئے حسب
 توفیق دو چار آنے پیسے لانے کے لئے مصلیوں کو کہہ دیا گیا تھا، دوسرے جمعہ کو بعد ازاں
 نماز جمعہ کے چندہ مذکورہ وصول ہونے لگا، لیکن دوسرے محلہ کے سات آٹھ آدمیوں نے
 کہا کہ ہمارے گھر جانے سے ہم دیں گے، ورنہ نہیں، اس بات پر بانی مسجد کے دو پوتوں

میں سے صاحب نے (جو چھوٹے ہیں اور متولی مسجد مذکور بھی نہیں ہیں، مگر دیوبند شراروں میں سے ایک سردار تھے) زجر اور تنبیہا کہا، تم لوگ ہمیشہ (مخیر میں ہمارے ساتھ شرکت نہیں کرتے) ہو، اس مسجد میں نماز پڑھنے مت آؤ۔ لیکن اس کے بعد کے جمعہ میں ان ممنوعین سے دو تین آدمی اس مسجد میں نماز پڑھنے آئے، اور بلا روک ٹوک بدستور سابق نماز جمعہ پڑھی اور اس منع کا تذکرہ تک نہ ہوا، اور باقی عین چار آدمی اس مسجد میں نہ آئے، دوسری مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کی، اور اس بات پر اڑے رہے کہ جب تک مانع ہم لوگوں کو بلا کر نہ لے جائے ہم لوگ اس مسجد میں نہیں جاتے، اب ویسا ہی کیا گیا،

لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ گذشتہ سات آٹھ ہینہ تک جو ممنوعین اس مسجد میں نہیں آئے اس سے بوجہ فوت ہونے شرط اذن عام باقی مصلیوں کی نماز جمعہ شرعاً درست ہوئی یا نہیں، اور اس قسم کے منع سے اذن عام مرتفع ہو گیا تھا یا نہیں؟ اس میں حق کیا ہے، اور اذن عام وقت جمعہ کے مشروط ہے یا قبل جمعہ کے، بینوا تو جروا؟ صورت مستولہ میں صرف صاحب کے

الجواب من جامع امداد الاحکام منع کرنے سے اذن عام فوت نہیں ہوا، اذن عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں مثلاً حاکم وقت منع کرے، اور حاکم وقت کی ممانعت سے بھی اذن عام اس وقت فوت ہوتا ہے جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کرے، اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے تو اذن عام فوت نہیں ہوتا، نماز جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی اور صاحب کی یہ حرکت خلاف شرع تھی، کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہئے، اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرے، واللہ اعلم بالصواب، نظر احمد عفا عنہ

الجواب من جامع تمت امداد الاحکام ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذن عام مرتفع نہیں ہوتا، الا آنکہ کہنے والا صاحب حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہو سکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کرے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگا دے تو اذن عام فوت ہو جائے گا، اور یہ سب تفصیل جب ہو جبکہ وہاں

ایک ہی جمعہ ہوتا ہو، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو تو بہر حال جمعہ جائز ہو جائے گا، فی الشامی قلت ویسبغی ان یکون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام الا فی محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا یتحقق المقویت کما افادہ التعلیل قبل پس صورت مستولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ رجب ۱۳۸۶ھ

سوال (۵۵) یہاں جمعہ کی نماز ایک ہی جامع مسجد میں جہاں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہوتی ہو وہاں بعض افراد سے نماز جمعہ فوت ہوتی ہے، گاہ گاہ بعض بعض نمازیوں کے پہنچنے سے ہو جا تو ان کو کیا کرنا چاہئے؟ قبل ہی نماز جمعہ ختم ہو جاتی ہے، اب وہ لوگ دوسری مسجد میں جا کر اذان و اقامت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، یا جمعہ کی نماز ادا کریں یا فرادی فرادی ظہر کی نماز پڑھیں، جو کچھ شریعت کا حکم ہو اس سے اطلاع دیجئے،

الجواب فی الدر المختار (وکن اهل مصر فاتهم الجمعة) فانهم یصلون الظہر بغیر اذان ولا اقامة ولا جماعة وقال الشامی الظاہر ان الکراهة هنا تنزیہة لعدم التقلیل والمعارضۃ المذکورین ویؤیدہ ما فی القہستانی عن المضمرات یصلون وحداناً استحباً با ما ص ۸۵۶ ج ۱ و فی البحر الرائق (ص ۱۵۲ ج ۲) قال فی الظہیریۃ جماعة فاتهم الجمعة فی المصر فانهم یصلون الظہر بغیر اذان ولا اقامة ولا جماعة ام وهكذا فی الخلاصۃ، ص ۱۳۲۱

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں اور ان سب میں وجوب جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں تو جمعہ واجب ہو، اور اگر فقط صحت کی شرطیں ہوں تو واجب نہ کہا جاوے، لیکن پڑھیں تو صحیح ہو، مگر حیرت یہ کوئی نہیں ملا، بلکہ روایات مذکورہ بالا سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں تنہا تنہا ظہر پڑھیں لیکن خلاف قواعد ہونے کی وجہ سے ان روایتوں میں تاویل کی جاوے گی، اور میرے نزدیک ان روایتوں میں کسی تاویل نہیں ہو سکتی، اول تو یہ کہ ان روایتوں کو مبنی کہا جاوے تعدد جمعہ کے عدم جواز پر اور جب منستی بہ جواز تعدد ہے تو یہ روایت بھی مفتی بہ نہ رہے گی، و ہذا ما قالہ سیدی و ہر وجہ وجیہ، دوسرے یہ کہ جماعت کے لفظ کو محمول کیا جاوے چار سے کم پر، یعنی دو یا تین آدمی رہ جاویں تو وہ جمعہ نہیں

پڑھ سکتے بوجہ فوت ہونے شرط جماعت کے بلکہ تہنا تہنا نظر پڑھیں، کیونکہ جمعہ کے دن مصر میں نظر کی جماعت مکروہ ہے، اور یہ تاویل گو خلافت ظاہر ہے لیکن زیادہ بعید بھی نہیں، تطبیق روایا میں اس سے زیادہ بعید کا تمسک کر لیا جاتا ہے، اذیل یہ دو تاویلیں کہنے کا ارادہ تھا، کیونکہ اور کوئی تاویل ذہن میں نہ تھی، لیکن عین مکھے کے وقت ایک تیسری تاویل سمجھ میں آئی، احقر کے نزدیک وہ تہنا کافی دانی ہے، اس لئے اسی پر اکتفاء کا ارادہ ہوا تھا، لیکن تمہیم فائدے کے واسطے یہ دونوں بھی درج کر دیں، ممکن کسی اہل علم کے نزدیک ان میں سے کسی کو ترجیح ہو وہ یہ ہو کہ یہ روایت محمول ہے اس جگہ پر جہاں حکومت اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو اگر وہاں جمعہ فوت ہو جاوے تو بدو دن اذن حاکم دوسرا جمعہ نہیں ہو سکتا، باقی ہمارے ملک میں چونکہ تقرر امام کا مدار تراویحی مسلیں پر ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ لوگ کسی کو امام بنا سکتے ہیں، اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں، کما قال صاحب الخلاصہ (ص ۲۰۸) ولو اجتمعت العامة علی تقدیر رجل لمدیامہ القاضی لمدی جزولہ لیکن جمعة وان لم یکن ثمہ قاضی ولا خلیفة المیت فاجتمعت العامة علی تقدیر رجل للضی ورتة وفي الدر المختار (ونصب العامة) الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) اما مع عدمہم فیجوز للضی ورتة وفيہ ایضا وفي النعجة فی تعدد الجمعة لابن جریب باش انما یشترط الاذن لاقامتها عند بناء المسجد ثم لا یشترط بعد ذلك، غرضیکہ اہل مصر کو تہنا تہنا نظر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو، ویؤید ہذا ما فی العالمگیریہ ونصہ وکرہ جماعة النظر لاہل المصر اذا لم یجمعوا المانع (ص ۹۵ ج ۱) اب اس بحر وغیرہ کی روایت متقدمہ کی وجہ سے تو کوئی خلجان نہیں، والحمد للہ علی ذلک، الان وجوب الجمعة فی ہذا الصورة فی دیارنا، یقتضی وجوب طلب الاذن فی دار الاسلام وهو غیر منصوص فی کتب الفقة ایضا لیکن الفرق بالتعذر فی طلب الاذن من السلطان وغیرہ دون نصب امام الجمعة فلیتامل، لیکن حالت مسئلہ کے متعلق جزئیہ نہ ملنے کے باعث بہتر ہے کہ دوسری جگہ بھی تحقیق کر لیا جاوے اور اس جواب کو بھی وہاں بھیجیں تاکہ کسی قدر سہولت کا باعث ہو سکے، یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا تو جب کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں، اور اگر چار سے کم یعنی دو تین آدمی رہ جاویں تو وہ نظر پڑھیں اور الگ الگ پڑھیں جماعت نہ کریں، اس کے بعد مجموعۃ الفتاویٰ میں مولانا عبدالحی

کا فتویٰ بھی اس تحریر مذکور کے مطابق پایا، کتب الاحقر عبد لکریم عفی عنہ، خاتقاہ امدادیہ ۹ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ
 فناء مصر میں نماز جمعہ کی سوال (۵۶) - - - - -
 ایک صورت کا حکم

(الف) سلیم سرائے ایک بستی ہے کہ جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اس سے متصل اور بھی بستیاں ہیں منجملہ ان کے میرا موضع بھی ہے (موضع ہر وارہ) مگر اور بستوں میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ وہ بالکل ہی متصل ہیں، ایک مکان کا بھی فصل نہیں، اور میرا موضع قریباً دو بیگہ کے فصل سے ہے، یا زیادہ سے زیادہ اتنا جیسا کہ خانقاہ شریف تھا نہ بھون سے عید گاہ ہے، لیکن یہ موضع حقیقتاً گاؤں ہے اس میں کوئی علامت مصر کی یا کثرت آبادی نہیں، تقریباً پانچ سو کی آبادی ہے، پس اس صورت میں اس موضع میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

(ب) شہر سے جو سڑک بیرون شہر کو جاتی ہے، اس پر اکثر اینٹوں کے بھٹے اور چوہے کی بھٹیاں سڑک کے کنارہ آبادی شہر سے تین چار میل تک برابر ہوتے ہیں تو جہاں تک یہ بھٹے ہیں، یہ فناء مصر میں داخل ہے یا نہیں؟

(ج) اگر یہ فناء مصر میں داخل ہے تو وہ مواضع جو بالکل ان بھٹوں سے متصل اور محاذی ہیں، کیا ان میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے؟

الجواب؛ (۱) اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والا اس گاؤں کو سلیم سرائے کا ایک جملہ سمجھے اور عام لوگ بستی سلیم سرائے کو اور ان سب بستیوں کو ایک ہی بستی سمجھتے ہوں، تو ہر وارہ میں صبح ہے ورنہ نہیں، اور پورا فیصلہ کسی مفتی کو موقع کا معائنہ کرنا ہو سکتا ہے؛ (۲) فقہاء نے فناء بلد کو بحکم بلد اس لئے فرمایا ہے کہ اس سے مصالح اہل بلد کے متعلق ہوتی ہیں، اور اہل بلد سے مراد عام اہل بلد ہیں، نہ خاص، اور فناء بلد کی مثال میں میدان گھوڑ دوڑ اور غلہ گاہنے کے میدان، قبرستان، عید گاہ، موضع تبریض وغیرہ کو بیان کیا ہے، جس میں قبرستان، عید گاہ موضع تبریض تو ایسے ہیں جن سے عام اہل بلد کا تعلق ظاہر ہے، مگر گھوڑ دوڑ کے میدان اور غلہ گاہنے کے میدان سے عام اہل بلد کا تعلق نہیں، صرف گھوڑے سواروں اور کاشتکاروں کو تعلق ہے، مگر اس لحاظ سے کہ دیکھنے والے

گھوڑے والوں کے سوا بھی ہوتے ہیں اسی طرح غلہ کاٹنے کے وقت کاشتکاروں زمینداروں کو مزدوروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مزدوری پیشہ لوگ ہر شہر میں زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بھی فقہاء نے مصالح عامہ میں داخل کر لیا ہے، اسی لئے میرے نزدیک اینٹوں اور چونے کے بھٹوں کو بھی مصالح اہل بلد میں داخل سمجھنا چاہئے، گو بظاہر ان سے تعلق بھٹہ لگانے والا ہی کو ہے، مگر درحقیقت مزدوری پیشہ لوگوں کو بھی تعلق ہے، اس لئے میں اس کو بھی فناء مصر کے حکم میں سمجھتا ہوں، مگر چونکہ یہ میرا قیاس ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق و تھانہ بھون سے بھی کر لی جائے،

(۱۳) بان، المجیب نظرًا لحدیث الترمذی عن زرنگون، ۵ ارجادی الاول ۱۲۵۴ھ

الجواب من الخاتمة الإمدادية (۱) جواب سوال اول صحیح ہے، کما هو المصرح فی البحر حیث قال واختلفوا فیما یكون من توابع المصر فی حق وجوب الجمعة علی اهلہ فاختلفوا فی الخلاصة والخانیة انه الموضع المعد للمصالح المصر متصل به ومن كان مقيما فی عمران المصر واطرافه ولیس بین ذلك الموضع و بین عمران المصر فرجة فعلیه الجمعة ولو كان بین ذلك الموضع و بین عمران المصر فرجة من مزارع او مراع كالقلع ببخاری لاجمعة علی اهل ذلك الموضع وان سمعوا النداء بجانب (۲) سوال دوم کے جواب میں غور کیا گیا اور حضرت مدظلہ العالی سے بھی دریافت کیا یہی طے ہوا کہ محض بھٹوں کی وجہ سے کوئی جگہ فناء مصر نہیں بن سکتی، بھٹے زائد سے نظیر میں کھیتی کی اور کھیتی فناء میں داخل نہیں، جیسا کہ روایت مذکورہ بالا سے واضح ہے، و نیز علامہ شامی نے فرمایا ہے (تحت قول الدر والمختار للفتویٰ تقدیرہ بفسرہ) اقول وبہ نظر صحیحہ فی تکیة السلطان سلیم بمرجہ دمشق وکذا فی مسجدہ بصالحیة دمشق فاہنا من فناء دمشق بما فیہا من التربة بسف الجبل وان انفصلت عن دمشق بمزارع لکنہا تریبہ لاہنا علی ثلث فرسخ من البلدة (ص ۸۲ ج ۱)

اور کما حرره ابن الکمال کے تحت میں تحریر فرمایا ہے؛ حیث قال واعتبر بعضهم فیہ الاتصال وقد خطاه صاحب الذخیرة قائلًا فعلى قول هذا القائل لا تجوز اقامة الجمعة ببخاری فی مصلی العید لان بین المصلی وبلد المصر

مزارع و وقعت هذه المسئلة مرة وافتی بعض مشائخ زماننا بعدم الجواز ولكن هذا ليس بصواب فان احد لم ينكر جواز الصلوة العید فی مصلی العید ببخاری لان المتقدم من ولا من المتأخرين وکمان المصر او فناءه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلوة العید اذ رصفه من كون بالان ان دونوں عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی فناء میں داخل نہیں، کما لا يخفى، دراصل فناء وہ جو آبادی یعنی سکونت کی ضروریات سے ہو، کیونکہ کچھ ضروریات اہل بلد کی بلد میں پوری نہیں ہو سکتیں وسعت نہ ہونے وغیرہ کی وجہ سے، اس لئے آبادی سے باہر ان ضروریات کے لئے جگہ مقرر کی جاتی ہے اور اس جگہ کو ایک قسم کی آبادی سمجھا جاتا ہے، لہذا وہ ملحق بالبلد ہو کر اقامت جمعہ کا محل ہو جاتی ہے، پس ضروریات سے خاص وہ ضروریات مراد ہیں جو متعلق باسکنی ہوں سب ضروریات مراد نہیں، ورنہ تمام کھیت، باغات اور لکڑیوں کے جنگل وغیرہ کا فناء میں داخل ہونا لازم آتا ہے، ولاقائل بہ،

(۳) تیسرا نمبر متفرع ہے، نمبر دوم پر اس لئے اس میں بھی ہمیں اختلاف ہے، واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ تھاہودہ ارجادی الاخری ۱۲۵۴ھ

آبادی سے باہر عید گاہ تعمیر کی گئی، پھر وسعت آبادی کے سبب آبادی میں آجائے تو اسکی صحیحیت باطل ہوگئی یا نہیں

سوال (۵۴) عرصہ چالیس پچاس سال کا گذرا کہ مسلمانوں نے قصبہ کے باہر ایک عید گاہ تعمیر کی اور چہار دیواری تعمیر کر کے محفوظ کر دی، اور آج تک تمام مسلمان اس میں بلا اختلاف نماز عیدین ادا کرتے رہے، کچھ عرصہ سے اس کے تین اطراف میں مکانات تعمیر ہو گئے، (جس میں بعض ابھی احاطہ ہی میں اور بعض مکانات ہیں، اب کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز عیدین صحراء میں پڑھنی افضل ہے، اور مکانات تعمیر ہوتے سے صحرائیت باطل ہوگئی، لہذا اس عید گاہ کو چھوڑ کر صحراء میں نماز پڑھنی چاہئے، اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ عید گاہ تعمیر ہوئی تھی تو اس وقت صحراء میں تھی وہی حکم باقی رہے گا اور تعمیر مکان کی وجہ سے اس عید گاہ کو معطل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ مصلی نبوی کے پاس کثیرین الصلوات کا مکان اور حضرت معاد یہ رحمہ کا مکان تعمیر ہو گیا تھا، لیکن صحابہ کرام اس میں نماز عیدین برابر ادا کرتے رہے، نیز کہ معظمہ میں باوجود بستی ہو جانے اب تک نماز

مسجد ہی میں ہوتی ہے، بواہر غیر ذی ذرع کا حکم اب تک باقی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

تنقیحات؛ (۱) کیا صحراء میں جانے کا حکم ہر حال میں ہے، (۲) اس عید گاہ موجودہ کو کس کام میں لانا چاہتے ہیں، (۳) کیونکہ مسئلہ نبوی کے پاس الخ کا حوالہ مع عبارت کتاب درج کیا جاوے؟

جواب تنقیحات؛ (۱) کہتے ہیں کہ اگر عذر شرعی (بارش وغیرہ) نہ ہو تو صحراء میں جانا چاہئے، (۲) عید کی نماز صحراء میں پڑھی جائے، اس کے بعد اگر ضرورت ہوگی تو مجبور یا بیمار لوگ اس میں نماز پڑھیں گے یا جو مصرف نکل آوے، (۳) کتاب الام میں امام شافعی نے لکھا ہے کہ مکہ والے برابر اسی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے، اور صحراء کے بعد سب سے کا ہونا آیت سے معلوم ہوتا ہے، ویز شیخ عبدالحی محمدت دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں واپل مکہ کہ ہم ازمن اول عادت برس دارند کہ در مسجد گزارند و صحراء بیرون نروند الا ان خود اہل مدینہ نیز در مسجد میگذارند و در مفارقت از شرف و برکت راضی نمیشوند و وسعت مسجد شریف الا ان بروج کفایت است آبادانی این بلده شریفہ بخلاف زمان مبارک دے صلی اللہ علیہ وسلم کہ وسعت مسجد کمتر بود و آبادانی شہر بیشتر انتہی، مدارج النبوة جلد اول، صفحہ ۴۴۸،

الجواب؛ اس کے متعلق کہیں تصریح تو ملی نہیں، مگر قواعد کا مقتضایہ ہے کہ اگر نماز عید کسی ایسے میدان میں ہوتی ہو جو بالخصوص نماز عید کے لئے وقف نہ ہو، بلکہ مصارج عامہ کے واسطے ہو، اور وہ آبادی میں شامل ہو جاوے، تب تو اس جگہ کو ترک کر کے کسی دوسری میدان میں جو آبادی سے خارج ہو، نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے، اور اگر خاص نماز عید کے لئے کوئی جگہ وقف ہو، جیسا کہ سوال میں درج ہے، اور اکثر شہروں میں دستور ہے تو عید گاہ آبادی میں آجانے سے ترک نہ کی جاوے گی، کیونکہ مصلح وقف کی رعایت ضروری ہے گو اس کو صحراء نہیں کہہ سکتے، مگر سنت اصلیه کو حفاظت وقف کی وجہ سے ترک کیا جاوے گا لان تحفظ الوقت واجب و ایقان الواجب اہم من فعل السنۃ، واللہ اعلم،

اور سوال میں جو دو دلیلیں لکھی ہیں ان میں سے دلیل اول تو ناکافی ہے، اور دلیل دوسری بالکل ہی ناقابل ذکر ہے، دلیل اول اس واسطے ناکافی ہے کہ کثیر بن الصلت اور حضرت معاذ بن عمار نے جو حوالہ دریافت کیا گیا تھا جواب تنقیح میں اس سے تعین نہیں کیا گیا، مگر فتح الباری میں

دیکھا تو کثیر بن صلت کا مکان ہونا تو مذکور ہو رہا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مکان کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ۱۲ منہ

کے ایک دو مکان بن جانے سے اس جگہ کو آبادی قرار نہیں دے سکتے، بلکہ چند مکان بننے کو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مکان جنگل میں ہیں، آبادی اس وقت ہوتی ہے جبکہ تمام اطراف میں مکانات ہو جائیں کما لا یخفی، اور مدارج النبوة کی عبارت کو صورت بحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں وہ صرف اہل مدینہ کے فعل کی ایک تاویل ہے، ورنہ اس سے ایک سطر قبل شیخ خود مدارج النبوة میں تحریر فرما چکے ہیں "و در بعضہ امصار کہ در مساجد میگذارند خلاف سنت است مگر آنکہ عذرے باشد" علاوہ ازیں یہ خرابی ہے کہ اگر شیخ کی توجیہ مذکور فی السؤال کو تسلیم کیا جاوے تو سنت صحراء بالکل اڑ جاتی ہے، و لا قائل بہ من الفریقین بلکہ صحراء میں نماز عید کی سنت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ اختلاف ہے کہ صورت مسئلہ میں یہ جگہ صحراء کے حکم میں ہے یا نہیں، و نیز یہ کہ اگر صحراء نہیں تو قابل ترک ہے یا نہیں، خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ حالت موجودہ میں عید گاہ کو ترک کرنے کی ہمارے نزدیک گنجائش نہیں ہے، فقط کتبہ الاحقر عبد الکریم عینی عنہ

الجواب صحیح اشرف علی ۲، ذیحجہ ۱۳۵۴ھ
۲ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ
جمعیۃ فی القری کے متعلق مذہب امام اعظم کی تحقیق؛ از جنیب احمد کیرانوی

سوال (۵۸۱) فافہم غیر مقلدین اور ان کے متبعین نے جمعیۃ فی القری کے باب میں امام المجددین کو نشانہ ملامت بنا رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں امام صاحب کے اجتہاد کی حقیقت اغیار تو کیا خود ان کے اتباع بھی کما حقہ نہیں سمجھے، سوان کے اجتہاد کی حقیقت جہاں تک میں جھمکے اور انشاء اللہ صحیح بھی ہوگی یہ ہے: "کہ جمعہ کے روزاصالہ ظہر فرض ہے، اور جماس کا قائم بس جس صورت میں جمعہ کی صحت یقینی ہے اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر ہو کر مسقط فرض ظہر ہو کر یقیناً ہو سکے گا، اور جس صورت میں اس کی صحت مشتبہ ہے اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر اور مسقط فرض ظہر نہ ہوگا" اب امام صاحب نے دیکھا کہ صحت جمعہ فی المدینہ مع وجود الامام اذنا تبہ صحیح علیہ ہے، اس لئے یہ جمعہ ضرور قائم مقام فرض ظہر اور مسقط ظہر ہے اور صحت جمعہ فی القری یا فی المدینہ بلا امام یا نائب امام مشتبہ ہے، اس لئے انھوں نے فرمایا کہ یہ جمعہ مسقط فرض ظہر نہیں ہے، اور جب وہ مسقط فرض ظہر نہیں تو جائز بھی نہیں، لان الحجۃ الغیر المسقطۃ للظہر لم یعرف مشروعیتہا، پس یہ مبنی ہے ان کے اس حکم کا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور نہ ان شہروں میں جن میں امام یا نائب امام نہ ہو، سو یہ بات ایسی نہ تھی کہ امام الائمہ کو نشانہ ملامت بنایا جاتا، بلکہ درحقیقت اپنی اس وقت فہم اور کمال تو سع

و احتیاط پر آفرین کے مستحق تھے، مگر خدا برابر کرے جہالت اور تعصب کا کہ انھوں نے امام صاحب کے کمالات کو عیوب بنا دیا، لیکن اگر ہم اس وقت فہم سے بھی قطع نظر کریں اور صرف آثار ہی کو پیش نظر رکھیں تب بھی امام صاحب ہی کا پہلا بھاری نظر آتا ہے، کیونکہ حضرت علیؑ اور حضرت حذیفہؓ کی روایات سے ہنایت صحت اور صفائی کے ساتھ اشراط امصار و مدین ظاہر ہے، برخلاف اس کے جو آثار ان کے مقابلہ میں پیش کئے جلتے ہیں، ان سے عدم اشراط اس صفائی کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا، مثلاً وہ جو ان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، لیکن اس میں فترت کا لفظ محل کلام ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد گاؤں ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق بستی ہے، چنانچہ تمام فترت میں یہ لفظ مطلق بستی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، لہذا یہ روایت و حدیث میں حضرت علیؑ و حذیفہؓ کے برابر نہیں،

اسی طرح وہ الحجۃ واجب علی کل مسلم سے استدلال کرتے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کے معنی واجبہ شرعیہ ہیں، لہذا یہ روایت بھی مفید مدعا نہیں، نیز وہ حضرت عمرؓ کے قول: جموعا حیثما کنتم سے استدلال کرتے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ اس میں خطاب و لاقہ کو ہے نہ کہ عوام کو، نیز اس میں اتنا عموم مراد نہیں جتنا کہ وہ مراد لیتے ہیں، کیونکہ مجتہدین کے نزدیک صحاری و بحار وغیرہ مستثنیٰ ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک اراضی مغصوبہ و مقالات نجسہ وغیرہ مستثنیٰ ہیں، پس جبکہ یہ لفظ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے، تو اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں، پس جبکہ یہ اور اسی قسم کی روایات و ضاحات میں حضرت علیؑ و حذیفہؓ کی روایات کو ترجیح ہوگی، کیونکہ جو لوگ اشراط امصار کے قائل ہیں ان کے قول کا مبنی علم بالدلیل ہے، اور جو لوگ اشراط کے قائل نہیں ان کے قول کا مبنی عدم علم بالدلیل ہے، وہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون، اور اگر ترجیح بھی ثابت نہ ہو تو غایت درجہ مساوی ہوں گی، اور مساوات کی صورت میں صحت و عدم صحت جمعہ مشکوک ہو جائے گی، اور اس سے فرض ظہر ساقط نہ ہوگا، اور جب فرض ظہر ساقط نہ ہو تو یہ جمعہ مشروع نہ ہوگا، لان الحجۃ ما شرعت الامسقطۃ لفرض الظہر، و ہذہ لیست بمسقطۃ فلا تکن مشروطۃ، اور اگر بالفرض مخالفین کی کے دلائل کو ترجیح ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے تو غایت مافی الباب یہ کہ گاؤں میں جمعہ فرض ظہر ہوگا اور اس لئے وہ فرض قطعی یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، وہو المدعی،

پس اس مقدمہ میں تو فیصلہ امام صاحب کے موافق رہا، اب رہا دوسرا مقدمہ یعنی

اشراط امام یا نائب امام کا مسئلہ، سو ابوسعید خدریؓ کی حدیث مرفوعہ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوعہ کا سوال و جواب اور مولیٰ سعید بن العاصؓ اور ابن عمرؓ کے سوال و جواب اور عمر بن عبد العزیزؓ کا عدی بن عدی کو حکم یہ تمام امور دلیل اشراط ہیں، اور نایب اشراط کے پاس کوئی دلیل نفی اشراط پر نہیں، اور اگر ہو بھی تو پھر اس میں یہی بحث ہے کہ اشراط مبنی ہے علم بالدلیل الا اشراط پر اور نفی کا مبنی عدم علم بالاشراط ہے، وہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون اور اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ عدم امام یا نائب کی صورت میں صحت جمعہ مشکوک ہوگی اور بصورت رجحان دلائل مخالفین جمعہ بدون امام فرض ظہر ہوگا، جس کو واجب کہتے ہیں، اور واجب فرض قطعی کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، پس یہ مقدمہ بھی امام صاحب کے موافق طے ہوا اور ثابت ہوا کہ امام صاحب کا مسلک ہر طرح صحیح ہے، اور ہرگز قابل اعتراض نہیں،

یہ گفتگو تو اغیار سے متعلق تھی، اب ہم کچھ اتباع امام صاحب کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں، اچھا سنتے، امام صاحب نے دلائل کے ذریعہ سے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا صحت جمعہ کے لئے دو شرطیں لگائی تھیں؛ اول مصر، اور دو شری امام یا نائب امام، اور یہ دونوں مستقل اور علیحدہ شرطیں تھیں، لیکن مقلدین نے اپنے اجتہاد سے دونوں شرطوں کو حذف کر دیا، کیونکہ انھوں نے کہا کہ امام یا نائب امام کی شرط محض انتظامی ہے، اور یہ شرط صرف اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ تقدیم و تقدم میں تنازع نہ ہو، اب اگر یہ مقصد کسی اور طریق سے پورا ہو جائے تو پھر امام یا نائب امام کی ضرورت نہیں،

نیز انھوں نے کہا کہ اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہاں وہ اقامت جمعہ کر سکتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مصر کی شرط فی نفسہ ضروری نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ عادتاً امام یا نائب امام شہر ہی میں موجود ہوتا ہے، پس اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہ بھی حکماً شہر ہی میں جبکہ نہ مصر مقصود بالذات ہوا اور نہ امام یا نائب امام، بلکہ شہر مطلوب ہوا امام یا نائب امام کے لئے اور امام مطلوب ہوا انتظام کے لئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر گاؤں میں تنازع کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ آجکل ہے تو اس میں جمعہ جائز ہے، اور اگر کسی شہر میں اندیشہ فساد ہو جیسا کہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ شہروں میں ہندو مسلم فساد یا کوئی دوسرا ہٹ بولنگ ہو تو وہاں جمعہ جائز نہیں، لفوات الشرط و ہوا انتظام، لیکن غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر امام کا یہی مطلب

ہوتا جو یہ معتقدین بیان کرتے ہیں تو ان کو مصر اور امام یا نائب امام کی علیحدہ علیحدہ شرطیں لگانے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف شرط امن عن التنازع کافی تھی، اور جبکہ انھوں نے یہ شرط نہیں کی بلکہ مصر کو علیحدہ شرط کیا اور امام یا نائب امام کو الگ تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں فی نفسہ مطلوب ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر شہر میں امام یا نائب امام نہ ہو جیسا کہ ہندوستان میں تو جمعہ جائز نہیں، لغوات الشرط الثانی، اور اگر گاؤں میں امام ہو تو وہاں بھی جمعہ جائز نہیں لغوات شرط الاول، اور اگر گاؤں میں امام یا نائب امام نہ ہو تب بھی جمعہ جائز نہیں لغوات الشرطین، پس ثابت ہوا کہ امام صاحب کے مذہب کو غیر مقلدین تو کیا خود مقلدین بھی نہیں سمجھے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مذہب کے موافق ہندوستان میں شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور نہ گاؤں میں، اور دوسرا ائمہ کے نزدیک شہروں میں بھی صحیح ہے، اور گاؤں میں بھی اور چونکہ اس وقت رواج عام کی وجہ سے امام صاحب کے مذہب پر عمل ناممکن ہے اور اس کی دعوت دینے میں شدید فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے موجودہ رواج کو جائز قرار دیا جاوگا اور یوں کہا جاوگا کہ ہم بضرورت دوسرا ائمہ مجتہدین کے مذہب پر جمعہ پڑھتے ہیں، اور جبکہ مقلدین خود دوسرا ائمہ کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں، تو جو لوگ دوسرا ائمہ کے مذہب کے موافق گاؤں میں جمعہ پڑھتے ہیں ان پر تشدد نہ کرنا چاہئے، ہاں اگر کوئی امام صاحب پر طعن کرے اس کا جواب ضرور دیا جاوے،

نیز چونکہ موجودہ جمعہ دوسرا ائمہ کے مذہب پر صحیح ہیں، اس لئے ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں، ہاں اگر کوئی امام صاحب کے خلاف سے بچنے کے لئے پڑھے تو مضائقہ نہیں، لیکن اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں، اور غیر مقلدین کا فرض ہے کہ وہ امام صاحب کے مقلدوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے پر مجبور نہ کریں، کیونکہ اگر ان کے حق اجتہاد تسلیم کر لیا جاوے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کو کسی امام کی تقلید کے لئے مجبور نہ کیا جاسکے گا، لیکن ان کو یہ حق کسی طرح نہیں کہ وہ دوسروں کو اپنی تقلید پر مجبور کریں، سلف کا طریقہ یہ تھا کہ فتنہ کے موقع پر خود اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے نہ یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کی اس طرح تبلیغ کریں جس سے شدید فتنے کا صورت خطرہ ہی نہ ہو، بلکہ ان کا مشاہدہ ہو رہا ہو، خدا کے لئے امت مرحومہ پر رحم کرو اور اپنے اجتہادات کو (بشرطیکہ ان کو اجتہادات کہا جائے) اجتہادات ہی کی حد میں رکھو اور ان کو وحی قطعی کا مرتبہ نہ دو، امید ہے کہ آپ میرے

مخلصانہ مشورہ پر غور کر کے اس کی قدر کریں گے، و ما رید الا اصلاح ما استطعت و ما توفیق اللہ باللہ

جواباً بحال نقلاً املاً دئیہ، ملاحظہ فرمورہ حضرت اقدس امجدی، اقول وباللہ التوفیق، الشرط مصر و سلطان پر جو استدلال کیا ہے وہ بظاہر بہت عمدہ ہے اور احقر نے بہت روز ہوئے کسی کے کلام میں دیکھا بھی ہے، مگر غور کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے دونوں مقدموں پر کلام ہو سکتا ہے، پہلا مقدمہ یعنی جمعہ کے روز اصالۃ ظہر فرض ہے، اور جمعہ اس کا قائم مقام، یہ امام صاحب اور امام ابی یوسف کے قول پر تو صحیح ہے، مگر امام زفر کے اور امام شافعی کے نزدیک جمعہ اصل ہے، اور ظہر بدل، اور امام محمد نے فرمایا ہے، الا اداری ما اصل فرض الوقت فی ہذا الیوم و لکن یسقط الفرض عنہ باء النظر والجمعة قال شمس الائمۃ فی المبسوط یرید بہ ان اصل الفرض احدہما لا بعینہ یتعین لفعلة (ص ۳۳ ج ۲) اور مختلف مقدمہ سے خصم پر حجت قائم نہیں ہو سکتی، البتہ فی نفسہ اثبات مذہب کے لئے یہ مقدمہ کارآمد تھا، اگر دوسرا مقدمہ محذور نہ ہوتا، لیکن دوسرا مقدمہ میں یہ شبہ ہے کہ کچھ شرائط جمعہ ایسے بھی ہیں جو دیگر ائمہ نے لئے ہیں، مگر امام صاحب نے نہیں لئے، مثلاً تعداد جماعت میں اختلاف ہے، امام صاحب نے تین مقتدی ہونا کافی سمجھا ہے، حالانکہ دوسرے ائمہ اس پر متفق نہیں، پس اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کا قول تعداد جماعت کے بارے میں معتبر نہ ہو، کیونکہ وہ مجمع علیہ نہیں، اسی طرح تعدد جمعہ مختلف فیہ ہے، اس تقریر پر تعدد جمعہ کو شرط کہنا ضروری ہے، حالانکہ امام صاحب علیہ الرحمۃ کا مذہب صحیح جو متون معتبرہ میں موجود ہے، اس کی بنا پر تعدد جمعہ علی الاطلاق درست ہے،

اس کے بعد آثار میں سے اثر علی و حدیث رضی اللہ عنہما کو ترجیح کی وجہ جو بیان کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، مگر معارضہ تسلیم کرنے کی صورت میں جو یہ لکھا ہے "جو لوگ اشترط کے قائل ہیں ان کے قول کا مبنی علم باللیل ہے اور جو لوگ قائل نہیں ان کے قول کا مبنی عدم علم باللیل ہے" یہ محل تامل ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر مسئلہ میں مثبت شرطیت و قائل فرمیت کا قول معتبر ہو، حالانکہ ایسا نہیں، مثلاً فاتحہ خلف الامام کو جو حضرات فرض کہتے ہیں اس تقریر پر ان کے قول کو تسلیم کرنا ضروری ہے، درحقیقت ہر دو فریق علم رکھتے ہیں تمام دلائل کا مگر ایک فریق اس دلیل کو کافی خیال کرتا ہے دوسرا کسی قدر

سے اس کو ناکافی قرار دیتا ہے، واللہ اعلم

اور بعد ازاں جمعہ ظنی الثبوت کو اس بنا پر جو رد کیا ہے کہ وہ فرض قطعی یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا اس میں بھی کلام ہے، اول تو اس لئے کہ یوم جمعہ میں ظہر کا اصل ہونا قطعی نہیں بلکہ مختلفاً فیہ، دوسرے اس لئے کہ امام صاحب کے قول پر بھی تو بعض جگہ ظنی جمعہ جائز ہے جس کی دو مثالیں اوپر گزر چکیں، پھر وہ مسقط وقائم مقام ظہر کیسے ہو جاتا ہے،

یہ گفتگو تو تقریر استدلال کے متعلق تھی، اب دوسرے جزو کی بابت عرض ہے وہ یہ کہ وہ فقہاء مقلدین پر جو ترک تقلید کا مشبہ کیا گیا ہے وہ مبنی ہے اس پر کہ تمصر قریہ بوجود الامام اونیام اور نیز نصب الخطیب من العامہ للضرورة کو تخریج فقہاء سمجھا گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلا مسئلہ خود جامع صغیر میں موجود ہے، و نصہ ہذا فی الجمعۃ بمنان کان الامام امیر الحجاز و کان الخلیفہ مسافر جمعہ وان کان غیر الخلیفہ وغیر امیر الحجاز و ہو مسافر فلا جمعۃ فیہا وقال محمد لا جمعۃ بمنان ولا جمعۃ لبعرفات فی قولہم جمیعاً

اور دوسرا مسئلہ امام محمد سے منقول ہے کما صرح بہ فی المبسوط (ص ۳۴ ج ۲) اور شیخین کا اس میں کسی نے اختلاف بیان نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اتفاق ہو گا یا کم از کم اختلاف کی نوبت نہ آئی ہوگی، یعنی امام صاحب کے وقت میں یہ مسئلہ مسکوت عنہ رہا ہو، بعد میں بوقت ضرورت امام محمد رحمہ اللہ نے ظاہر فرمایا ہوگا، اور شیخین سے جو امام یا اس کے نائب کی ضرورت اقامت جمعہ کے لئے اطلاق کے ساتھ مروی ہو وہ اطلاق اس روایت محمد کے معارض نہیں، کیونکہ اطلاق کو بلا ضرورت کے ساتھ مقید کر سکتے ہیں، اور جہاں کوئی والی نہیں وہاں ضرورت ہے اس لئے اس کا حکم جدا ہو جائے، اسی واسطے درمختار نے کہا ہے نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امام علیہم فجز للضرورة، اس میں دونوں روایتوں کی رعایت موجود ہے، اور یہی تفصیل قرین قیاس ہے، کیونکہ حکام و ولایہ کی موجودگی میں عوام کو اس قسم کا اختیار دینا بالکل نامناسب ہوگا، اور جب حکام نہیں تو ان کو خود اپنا انتظام کرنا لابدی ہے، کما لا یخفی بعد ادنی تأمل،

بہر حال یہ مسئلہ بھی مشائخ و فقہائے متاخرین کی تخریج نہیں پس ان پر اجہاد و ترک تقلید کا الزام نہیں ہو سکتا، البتہ نفس مسئلہ پر اشکال متوجہ رہا جو باعث ہوا تھا الزام کا

سو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کو یعنی تمصر قریہ بالامام کو ہم سمجھ کر یہ اشکال پیش آیا، حالانکہ فقہاء کرام کے کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قریہ اس حکم میں نہیں بلکہ وہی قریہ ہے جس میں دوسری اوصاف شہریت بھی موجود ہوں، چنانچہ درمختار میں ہے و جازت الجمعۃ بمنی فی الموسم فقط لوجود الخلیفہ۔ اور امیر الحجاز و العراق و مکہ و وجود الاسواق و السلک و کذا کل ابنیہ نزل بہا الخلیفہ، اس میں صرف خلیفہ وغیرہ کے وجود کو کافی نہیں کہا بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجود اسواق و سلک کو بھی اس میں دخل ہے، اور اس سے زیادہ صریح فتح القدر میں ہے ثبوت ولایۃ الاقامۃ للجمعۃ ہوا المصحح بعد کون المحل صالحاً للتمصیر (الی قولہ) بخلاف ما اذا کان المحل غیر صالح للتمصیر فلذا اقولوا اذا سافر الخلیفہ فلیس لہ ان یصح فی القریٰ کا لبراری اع (طہ ۲۱) اور تمصر قریہ کے لئے وجود سلطان کے ساتھ قابل تمصیر کی قید معلوم ہونے کے بعد وہ اشکال کسی طرح واقع نہیں ہو سکتا جو اس تحقیق میں فاضل محقق داماد نے درج کیا ہے، اس مختصر عرض سے واضح ہو گیا کہ بلاد ہند وغیرہ کے شہروں میں جمعہ پڑھنا عین مذاہب

احناف کے مطابق ہے، اس میں دوسرے امام کا مذہب حنفیہ نے ہرگز اختیار نہیں کیا، ورنہ دوسرے شرائط ضروریہ کی رعایت کا حکم بھی دیا جاتا، مثلاً چالیس مقتدی کا قابل امامت ہونا، کیونکہ مذہب غیر اختیار کرنے کے واسطے استیجار شرائط لازم ہے، اور جب یہ واضح ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ جمعہ فی القریٰ کی ممانعت میں ڈھیلا ہونے کا مشورہ قابل قبول نہیں،

ایک بات قابل گزارش یہ بھی ہے کہ ترک جمعہ میں کوئی تکلیف اور حرج پیش نہیں آتا جو مسوغ ہے خروج عن المذہب کا، اس لئے اگر مذہب حنفیہ میں اصحاب ہند محل جمعہ نہ ہوتے تو اس باب میں دیگر امام کا مذہب اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی، پس اس کہنے کی بھی گنجائش نہیں کہ گو اصحاب ہند میں مذہب غیر لینے کی نوبت نہ آئی ہو مگر جمعہ فی القریٰ میں لیلیا جائے واللہ اعلم، احقر عبدالکریم از خان نقاہ امدادیہ تھانہ بیون ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

آبادی متفرقہ متصلہ کے مجموعہ میں سوال (۱۵۶)
وجوب جمعہ کی ایک صورت حکم موضع بسی ایسی بستی ہے کہ جو قریباً

ساڑھے تین سو برس سے آباد ہے، اور پٹھانوں کی آبادی ہے، بفضلہ اس بستی نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کے اندر سے گیارہ موضع اور جداگانہ پٹھانوں نے آباد کئے، جسکو قریباً تین سو برس کا زمانہ ہو چکا ہے، اور ان مواضع کے اسماء جداگانہ کاغذات سرکاری میں درج ہیں اور

عوام الناس میں مشہور ہیں، اور موضع بسی سے مواضع پلڑہ و پلڑی قریب قریب ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر آباد ہیں، اور یہ ہر دو مواضع بسی ہی میں سے جدا ہو کر آباد ہوتے ہیں، بلکہ پلڑی میں دو ہزار کی مردم شماری خود ہے، اور اس میں سے ایک اور گاؤں تھوڑے عرصہ سے جدا ہو کر آباد ہوا ہے، جو نیا گاؤں کے نام سے مشہور ہے، جس کی مردم شماری پانچ سو کی ہے، و نیز دیگر مواضع آدم پور و کمال پور قریب ایک ایک میل کے فاصلہ سے موضع بسی کے آباد ہیں، اور یہ بھی سب و سب اسی موضع بسی کے اندر سے نکل کر آباد ہوئے ہیں، موضع بسی میں مستقل بازار دکان پرچون و حلوائی و بزاز و قصائی و لوہار بھی موجود ہیں، اور جس وقت یہاں بسی میں اذان ہوتی ہے تو مواضع پلڑہ و پلڑی میں بخوبی آواز پہنچتی ہے اور اس بسی میں ایک بازار ہفتہ وار بھی لگتا ہے، جس میں مویشیاں اور دکان قرب و جوار کی آتی ہیں، مثلاً حلوائی، بزاز، قصاب جو لحم فروخت کرتے ہیں اور بکر قصاب و سبزی و پنساری لوہے کی چیزیں، لکڑی کی چیزیں، بسائی، جوتوں والے، تیل، غلہ، گھی، برتن، رنگی ہوئی کھانا و پلا رنگی ہوئی، مسلمان بھٹیاری کی دکان، ہندوؤں کا کھانا، پان والوں کی دکانیں، سوت، سٹاروں کی دکانیں، جن پر بنا بنایا زور ملتا ہے، پٹوؤں یعنی زیور بننے والوں کی دکانیں اور اس موضع میں ایک سرخ منجانب گورنمنٹ اہل ہنر بھی مقرر ہے، جو مقدمہ طے کرتا ہے، اور مردم شماری اس وقت سات سو کے قریب ہی، البتہ موضع پلڑی کی مردم شماری دو ہزار ہے اور پلڑہ کی مردم شماری پانچ سو ہے،

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جیسے اس موضع بسی میں قدیم الایام سے جمعہ و نماز عیدین ہوتی چلی آ رہی ہیں کیا یہ جائز ہیں؟ اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ قصبہ شاہ پور موضع بسی کے ایک میل کے فاصلہ پر آباد ہے اور وہاں جمعہ ہوتا ہے، مردم شماری قصبہ قریب چار ہزار کی ہے، بمقابلہ قصبہ مذکور موضع بسی میں نماز عیدین و جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ۱۸ سوال مشہدہ تنقیح؛ (۱) مجھ سے جس وقت میں بسی گیا تھا، زبانی یہ بھی کہا گیا تھا کہ موضع بسی کے حدود میں پلڑی کے مکانات کا سلسلہ آ گیا ہے، اسی طرح بسی کے مکانات سے ایک جانب میں پلڑہ کے مکانات کا سلسلہ مل گیا ہے، سوال میں یہ بات ظاہر نہیں کی گئی، اگر یہ صحیح ہے تو اس کو ظاہر کرنا چاہئے؟

(۲) مجھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ جس جگہ بسی کا مدرسہ ہے وہ موضع ہے پلڑی کا حصہ ہے؟

اور اس کو بھی عرفاً پلڑی میں شمار کیا جاتا ہے، اور سرکاری کاغذات میں مدرسہ بسی کا کھلا تاج ہے، اس کو بھی سوال میں ظاہر نہیں کیا گیا، فقط ظفر احمد عفاعنہ ۲۴ سوال مشہدہ۔

جواب تنقیح؛ حضرت مفتی دین مشرع متین گذارش بابت تنقیح یہ ہے کہ فی الواقع موضع بسی کے حدود میں پلڑی کی آبادی کئی بیگہ بڑھ گئی ہے، اور اب بوجہ اس کے بڑھتی بند ہو گئی ہے کہ بسی کی جانب اب تالاب ہے، اور وہ رکاوٹ تعمیر مکانات پیدا کر رہا ہے، یہ تالاب بسی کی آبادی کے پچاس قدم فاصلہ پر پلڑی کی جانب واقع ہے اور پلڑہ کی آبادی بسی سے نہیں ملی، بلکہ خود بسی کی آبادی پلڑہ کے گوڑہ سے اور کچھ صحرا پلڑہ سے مل گئی ہے، اور گوڑہ کا بھی آبادی کے کاغذات سے تعلق ہوتا ہے،

۲، موضع بسی میں کوئی مدرسہ سرکاری اسلامیہ نہیں ہے، البتہ پہلے جس کو عرصہ پانچ ماہ کا ہوا، اسلامی تعلیم ایک معلم بچوں کو..... دیا کرتے تھے، باقی موضع پلڑہ میں مدرسہ سرکاری درجہ تین تک مقرر ہے، اور موضع پلڑی میں سے جو مزرعہ نکل کر آباد ہوا ہے جس کا نام نیا گاؤں عرفت گوکل گڑھ ہے اس میں ایک مدرسہ میڈل جماعت تک سرکاری کھلا ہوا ہے، اور خود پلڑی میں مدرسہ امدادی قائم تھا، مگر اب نہیں ہے، اور نیا گاؤں پلڑی ہی کا مزرعہ ہے، باقی نئے گاؤں کے نام کوئی صحرائی نہیں ہے، نیا گاؤں جو ہے اس میں ایک کارخانہ کوٹھوایکھ پڑنے کا بھی ہے، جہاں پر چرخیاں کثرت سے ملتی ہیں اور دیگر حلوائی اور پنساری و لوہے کی دکان بھی ہے، پلڑے میں بھی مستقل بازار ہے، پنساری، بزازہ و پرچون و لوہار و اناج و غلہ و جولاہے کی دکان جو کہ کپڑا بنتا ہے موجود ہیں،

الجواب؛ میرے نزدیک بسی اور پلڑہ پلڑی کا مجموعہ ایک ہی بسی ہے بوجہ اتصال حتی کے، گو کسی وجہ سے نام الگ الگ ہوں، اس لئے میں ان تینوں کو ایک گاؤں قرار دیکر ان میں جمعہ جائز سمجھتا ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۵ ذیقعدہ مشہدہ

سوال (۵)؛ زید ایک گاؤں کا پاسبان ہے، گاؤں کے دیگر مسلمان اس کی درنی معلومات اور علی قابلیت کی وجہ سے اس کو اپنے مقابلہ میں بمنزلہ عالم کے سمجھتے ہیں اور وہ حضرت والا کا معتقد ہے، اس کے گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین ہوا کرتی ہے، زید کبھی گاؤں میں حاضر رہتا تو وہی نماز جمعہ و عیدین پڑھایا کرتا تھا، کچھ عرصہ سے زید نے حضرت والا کا یہ فتویٰ دیکھ کر کہ گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین درست نہیں، نماز جمعہ و عیدین پڑھنا پڑھنا

چھوڑ دیا ہے، مگر بخیالِ فتنہ دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں کرتا ہے، اور وہ لوگ برابر پڑھا کرتے ہیں، مگر ان کو یہ امر ناگوار گذرتا ہے کہ زید سا شخص جو علمِ دین سے نسبتاً زیادہ واقفیت رکھتا ہے نمازِ جمعہ و عیدین کیوں نہیں پڑھتا دیکھتا ہے، بعض لوگ زید کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ نماز پڑھے، کیونکہ قربِ دجوار کے دیہات کے لوگ بھی نمازِ عیدین کو اس کے گاؤں میں آیا کرتے ہیں، ورنہ یہ لوگ آنا بند کر دیں گے، اور دوسرے بھی جو کم از کم جمعہ یا عیدین کی نماز پڑھا کرتے ہیں وہ بھی چھوڑ دیں گے، پس ایسی صورت میں نمازِ جمعہ یا عیدین زید کا نہ پڑھنا اور نہ پڑھانا شرعاً کیسا ہے، کیونکہ زید اپنے پیشوا (یعنی حضرت دالاکے) کے فتوے کے خلاف عمل کرنا نہیں چاہتا ہے،

(۲) یا لوگوں کے اصرار یا انتشار کے خیال سے زید کو بھی نمازِ جمعہ و عیدین پڑھنا دیکھنا چاہئے؟

الجواب؛ اگر اس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار سے کم ہے اور وہاں تمام ضرورتی معاش نہیں ملتیں تو وہاں جمعہ و عیدین کی نماز درست نہیں، پس اس صورت میں زید کو وہاں جمعہ و عیدین نہ پڑھنا چاہئے، اور جو لوگ پڑھتے ہیں ان سے منازعت اور جھگڑا بھی نہ کرنا چاہئے، ہاں نرمی سے عقلاً کو سمجھا دیا جائے کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ گاؤں میں جمعہ و عیدین کی نماز درست نہیں اس لئے میں نہیں پڑھ سکتا، اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ لوگ بھی نہ پڑھیں، تاکہ گناہ سے بچ جائیں، آئندہ تم کو اپنے فعل کا اختیار اور اگر نرمی سے کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اس سے بھی احتراز کیا جائے، صرف اپنے عمل کو درست کر لیا جائے، واللہ اعلم، ۲۶ رذیقہ ۱۳۴۸ھ

حضرت نافوتوی کے ایک فتوے سے سوال (۵۸) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوازِ جمعہ فی القرئی کے مشبہ کا ازالہ کا ایک فتویٰ فیوضِ قاسمی میں درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ حتی الوسع شہروں میں قائم کرنا چاہئے، اور شہروں میں احتیاطِ نظر حکم

اور نظر بھی ضرور پڑھنا چاہئے، اور اگر کوئی شخص گاؤں میں جمعہ قائم کرے اس سے دست و گریبان نہ ہونا چاہئے، اس سے جوازِ جمعہ فی القرئی ثابت ہوتا ہے، احناف کو اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں، علماء احناف کی جوازِ جمعہ فی القرئی مع التزام احتیاطِ نظر کیا راز ہے؟
الجواب؛ حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا

حاصل صرف یہ ہے کہ چونکہ دیہات میں جمعہ کا صحیح ہونا امامہ میں مختلف فیہ ہے، اس لئے حنفیہ کو اس میں دو سکر مذہب کے لوگوں سے جھگڑانا چاہئے، اور واقعی مسائل مجتہد فیہا میں جھگڑانا مناسب نہیں، مگر مولانا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حنفیہ کو دیہات میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، کیونکہ جب ان کے مذہب میں جمعہ فی القرئی صحیح نہیں تو ان کو ایسا کرنا کب جائز ہے،

رہا شہروں میں جمعہ کے ساتھ نظر پڑھنے کا حکم یہ اس وقت کا ہے جبکہ ہندوستان میں شرطِ سلطان فوت ہونے کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں علماء کو اختلاف تھا، کہ یہاں کے شہروں میں بھی جمعہ صحیح ہے یا نہیں، بعض لوگ اس وجہ سے شہر میں بھی جمعہ کو صحیح نہ مانتے تھے، اور بعض شہر میں بھی جمعہ کے ساتھ احتیاطِ نظر پڑھتے تھے، ہمارے اکابر نے اس کو رد کیا، اور عام اہل اسلام کو قائم مقام سلطان کے فرمایا، مگر مولانا محمد قاسم صاحب جمعہ کے ساتھ احتیاطِ

نظر کو بہتر سمجھتے تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فسادِ عقیدہ عوام کی وجہ سے اس کو منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب اصرار میں جمعہ دلیل سے صحیح ہے تو ہندوستان کے شہروں میں جمعہ و عیدین درست ہیں احتیاطِ نظر کی ضرورت نہیں، بلکہ فسادِ عقیدہ عوام کے افساد کے لئے احتیاطِ نظر سے شہروں میں اور جمعہ قائم کرنے سے دیہات میں سختی کے ساتھ منع کیا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی یہ تحریر بطور فتوے کے نہیں، بلکہ علل احکام سے بحث کے طور پر ہے، جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح ہے، اور عام کا فتویٰ تو عوام کے حق میں حجت ہو سکتا ہے، نہ کہ اس کی بحث اور تدقیق رد المحتار میں تصریح ہے کہ ابن الہمام کی ابحاث حجت نہیں، کیونکہ وہ عالمانہ گفتگو ہوتی ہے، نہ کہ فتویٰ اور فیصلہ مجرم

اذن الحاكم بالجمعة یہی اجزؤ اور عزالہ الاموال (۵۹) ایک موضع میں صحتِ جمعہ کے متعلق اختلاف ہو رہا ہے، مگر اس موضع میں قدیم زمانہ کی شاہی جامع مسجد موجود ہے، جس کے لئے شاہی فرمان سے خطیب و امام کا تقرر بھی ہوا ہے، اس صورت میں یہ موضع جمعہ کے لئے صالح ہے یا نہیں؟ اس جگہ جمعہ اب تک ہو رہا ہے، کبھی منقطع نہیں ہوا، آبادی دو ہزار سے زیادہ ہے، بازار باقاعدہ متصل نہیں؟

الجواب؛ فی الدر عن الفہستانی اذن الحاكم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقاً علی ما قالہ الشيخی واذا اتصل بہ الحكم صار مجعاً علیہ فلیحفظ ام قال الشامی عن فتاویٰ الدیناری اذا بنی مسجد (رأی جامع)

فی الرستاق بامر الامام فهو امر بالجمعة اتفاقا على ما قال الشيخى ام والرستاق
القرى كما فى القاموس وظاهر ما مر عن القهستانی ان مجرد امر السلطان او القاضی
ببناء المسجد وادائها فيه حکم رافع للخلاف بلاد عوی وحادثة، وفى قضاء
الاشباه امر القاضی حکم وافق ابن نجيم بان تزويج القاضی الصغيرة حکم
رافع للخلاف ليس لغيره نقضه ام ر ص ۸۳۶ ۸۳۷ قلت ومثل هذا الحكم
الذى لا يجوز لغيره نقضه لا يبطل بموت الحاكم كما لا يخفى فلما كان
حکم الحاكم رافعا للخلاف الذى كان بين الحنفية والشافعية فى صلاحية
الموضع للجمعة وصار الموضع بحكمه صالحا للجمعة اتفاقا يصح ادعاء الجمعة
فيه والله تعالى اعلم، صورت استولى على اس موضع بين جمعة درست، بلکه لازم ہے
قلت وقد تردد سيدى حکيم الامة فى بقاء مثل هذا الحكم بعد موت الحاكم
فليتأمل ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا، ظفر احمد عفا عنه ۲۳ ر ج ۱۵۵
نوٹ: پھر یہ فتویٰ تحقیق کے لئے مدرسہ مظاہر علوم بہار پور میں بھی بھیجا گیا تو
حسب ذیل جواب آیا اور وہی جواب صحیح ہے، میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں ظفر احمد
قال العلامة ابن عابدین بن علی قول الدر المختار "اذن عام" اى لكل خطيب
ان يتنيب لا لكل شخص ان يخطب فى اى مسجد اراد (۳) اقول لكن لا يبقى
الى اليوم الاذن بعد موت السلطان الاذن بذلك الا اذا اذن به ايضا
سلطان زمانا نصرة الله تعالى كما بينته فى تنقيح العامدية وسند كره
فى باب العيدين عن شرح المنية ما يدل عليه ايضا فتنبه رد المحتاب ۲۲
باب الجمعة وقال فى باب العيدين وما ذكره من عمل العامة بقول ابن عباس
لا مراد لاداء من الخلق به كان فى زمنهم اما فى زمانا فقد زال فالعمل بما
هو المذهب عندنا كذا فى شرح المنية وذكر فى البحر ان الخلاف فى الاولوية
وضوحه فى الحلية،

عہ لم اجدہ فی البسط فی باب الجمعة وقال الطحاوی علی هذا القول ما الذى فى القهستانی ابو القاسم ام فالظاهر
ان تصحيح من الكتاب ثم رأيت القهستانی فغفیر فی آخر عبارة فتاوى الديارى علی ما قال السرخسى كما
نقله الشامى ۱۲ سعید احمد غفر له

(تنبیه) یؤخذ من قول شرح المنية كان فى زمنهم الخ ان امر الخليفة
لا يبقى بعد موته او عزله كما صرح به فى الفتاوى الخيرية وبني عليه انه
لوفى عن سماع الدعوى بعد خمس عشرة سنة لا يبقى عليه بعد موته، والله
تعالى اعلم ام، ص ۸۷۱ فى تنقيح العامدية ص ۲۳۶ و ص ۱۰۷ ۱۰۸

ان عبارات اور جزئیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں حکم حاکم حاکم کی موت
کے بعد باقی نہیں رہتا، اور حضرت اقدس کی رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے،

بقا حکم کی کوئی صریح دلیل نہ اپنے لکھی اور نہ ہم کو ملی، اور آپ نے صرف اس سے استدلال

کیا ہے، کہ حاکم جو حکم کرے اس کے نقض کا کسی کو حق نہیں، یہ نقض نہ کرنا اس کی زندگی میں

تو مسلم ہے، اور ہر حکم جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، بالخصوص مجتہدین

میں، الثالثہ۔ اذا قضی فی مجتہد فی مخالفت المذہبہ فله نقضه دون غیرہ اشباہ، ص ۳۲۱، لیکن

جو احکام محض اطاعت خلیفہ کی وجہ سے قابل تسلیم ہوں، ان کا بقا بعد الموت مسلم نہیں بلکہ

حاکم جدید کو اس کے نقض کا حق ہے، جیسا کہ عبارت بالا سے ظاہر ہے، اور تنقیح حامد ص ۲۲ پر

اس کی مفصل بحث موجود ہے، اور خصوصیت سے جمہ کے متعلق بھی فقہاء تصریح کرتے ہیں

الامام اذا منع اهل المصر ان یجمعوا لم یجمعوا کما ان له ان یمصر موضعا

فان له ان ینہاہم قال الفقیہ ابو جعفر هذا اذا نہاہم مجتہد بسبب من

الاسباب واراد ان ینخرج ذلك المصر من ان یتكون مصر اما اذا نہاہم متعنتا

او اضارنا ہم فہم ان یجمعوا علی رجل ان یصلی ہم الجمعة ربح ۲۲

بخلاصہ ص ۲۲۸

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس جگہ کے لئے جب حکم شاہی جمعہ کے لئے ہوا تھا تو کیا اس

وقت بھی یہی حالت تھی، سوال میں اس کی تصریح نہیں، اگر یہی حالت تھی تب تو حکم

شاہی سے استدلال بصورت بقا حکم بعد الموت صحیح ہو سکتا ہے، اور اگر اس وقت اس میں

مصریت کی شان تھی، اس کے بعد ویران ہو گیا، تو کیا پھر بھی حکم شاہی سے اس جگہ جواز

جمعہ کا حکم دیا جاتے گا؟ بظاہر فقہاء کے کلام سے اس کی تردید معلوم ہوتی ہے، ولوان اماما
مصر مصر آثم نفر الناس عنه بخوف او عدوا وما یشبه ذلك ثم عادوا الیہ فانہم
لا یجمعون الا باذن مستانف من الامام، بحر، ص ۱۴۷ عن الخلاصہ ص ۲۰۸، والله اعلم

حرره سعید احمد غفرلہ دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم بہار پورہ

صبح، عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم بہار پورہ، ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ
نوٹ: پھر یہ سوال دوسری صورت سے آیا تو جواب دہمرا دیا گیا، جو آئندہ فتاویٰ
رمضان ۱۳۵۵ھ میں نقل ہے، دونوں سوالوں میں یہ فرق ہے کہ پہلے میں آبادی کو دو ہزار
اور بازار کو غیر متصل ظاہر کیا گیا، اور دوسرے سوال میں آبادی تین ہزار اور بازار کو متصل
ظاہر کیا گیا، اور بازار میں ضروریات کے ملنے کی تصریح کی ہے، اور دونوں جوابوں میں یہ
فرق ہے کہ پہلے جواب میں صرف اذن حاکم بنا، الحاج پر اس ستر یہ کو بحکم مصرمان کر جواز
جمعہ کا فتویٰ دیا گیا تھا، مگر یہ بنا صحیح نہ تھی، اور دوسرے جواب میں قریہ کی حالت موجودہ کو
قریہ کبیرہ میں داخل مان کر فتویٰ دیا گیا ہے، اور یہ بنا صحیح ہے، پس دونوں میں تعارض کا
شبهہ نہ کیا جاوے،

جس جگہ کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو | سوال (۶۰) میرے موضع چائل کی مردم شماری ۲۶۹
اور ضروریات زندگی اس میں دستیاب آدھیوں کی ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے، پندرہ سولہ
ہوں، اس میں جمعہ کا حکم، دوکانیں مستقل طور سے بازار میں روزمرہ رہتی ہیں، اور یہ
سب ایک ہی لائن میں ہیں، دس بارہ ایک طرف جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اور
پانچ چھ دوسری طرف جو ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں، بیچ میں دس بارہ قدم کا فرق
اس وجہ سے ہو گیا ہے کہ ایک مکان کا پچھوڑا پڑتا ہے، اور آگے سڑک ہو ورنہ یہ سب
مل جاتیں، یہ سب دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں، ضروریات کی ساری چیزیں مثل
غلہ، کپڑا، جوتہ، لکڑی، تیل، تمباکو، چینی، گوشت وغیرہ بلا تکلف ملتی ہیں، حتیٰ کہ دوغڑ
بھی مل جاتی ہیں، دو طبیعتیں مستقل طور سے گاؤں رہتے ہیں، ڈاک خانہ، سرکاری بڑا اسکول
ہے جس میں انگریزی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے، شاہی
زمانہ میں قلعہ بھی تھا، جس کے نشانات اب تک موجود ہیں، اور وہ زمین مع ایک تالاب
کے شاہی نام سے مشہور ہے، جمعہ کے متعلق شاہی اسناد بھی ایک شخص کے پاس ہیں،
انگریزوں کے شروع زمانہ میں تحصیل تھی، جب وہ آباد چلی گئی، تو اسی عمارت میں
تھانہ ہو گیا، بعد میں تھانہ اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا، تو اس میں اسکول ہو گیا، گاؤں کے
اندر سات مسجدیں ایک دوسرے سے فاصلہ پر مختلف محلات میں واقع ہیں، اور سبہوں میں

نماز ہوتی ہے، گاؤں کے باہر بہت بڑی پختہ عید گاہ ہے، اس کے علاوہ چار پورہ جات جن کی
تفصیل حسب ذیل ہے، اسی موضع کی زمین میں واقع ہیں، ان سب کا نقشہ خسره ایک
ہے، مجموعی مردم شماری موضع کی مع پورہ جات متعلقہ کے ۳۱۰۳ آدمیوں کی ہے، لہذا
اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

تفصیل پورہ جات

نام پورہ	مردم شماری	اصلی موضع سے ان کا فاصلہ	نوٹ
پورہ محمد نعیم	۲۱۹	تخمیناً ۳ فرلانگ	۸ فرلانگ کا ایک میل ہوتا ہے،
دریا پور	۳۴	تخمیناً ۳ فرلانگ	
ڈیپا	۸۲	۶ فرلانگ	
سرتے امام قلی	۷۱	۱ میل	

الجواب: صورت مستولہ میں چائل ستر یہ صغیرہ نہیں، بلکہ قریہ کبیرہ ہے جس
میں جمعہ بالاتفاق جائز بلکہ واجب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۰ رمضان
میری رائے میں بھی یہ موضع اقامت جمعہ کا محل ہے، اشرف علی، ۲۱ رمضان ۱۳۵۵ھ
خطبہ جمعہ میں تطویل مکروہ ہے | سوال (۶۱) بعض لوگ خطبہ کو نماز جمعہ سے طویل کرتے
ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب: عن ابی وائل عن عمار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مثنة من فقهه فاطيلوا الصلوة
واقصر وا الخطبة الحدیث رواه مسلم ص ۱۱۷، وفي الدرر بسن خطبتان خفيفتان
وتكروه زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل وعبارة الفهستانية وزيادة
التطويل مكروهة اه (ص ۸۴ ج ۱) وفي مراقی الفلاح ولسن تخفيف
الخطبتين قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ طول الصلوة وقصر الخطبة
من فقه الرجل (قال المحقق في الفتح من الفقه والسنة تقصير
الخطبة وتطويل الصلوة) بقدر سورة من طوال المفصل ولكن يراعى
الحال بما هو دون ذلك وتكروه التطويل من غير قيد بزمن ففي الشتاء

لفص الزمان وفي الصيف للضرب بالوحا والحراره (ص ۲۹۹) احادیث نبویہ اور تصریحات فقہاء اس پر متفق ہیں کہ خطبہ کو نماز سے طویل نہ کرنا چاہئے، اور یہ کہ خطبہ میں تطویل مکروہ ہے، پس اگر گناہ ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر اس کا عادی ہونا مکروہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ظواہد ۲۳ رجب ۱۲۵۴ھ، نعم الجواب بوعین الصواب، لکنبہ شرف علی، ۲۳ رجب ۱۲۵۴ھ تحقیق کراہتہ المخطبۃ یوم الجمعۃ بغیر العربیۃ (۶۲) ہر چند کہ خطبہ جمعہ میں مضامین تذکیر کا ہونا متواتر ہے، جیسا احمد و تہجد و صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ترضی عن الخلفاء و اہل البیت و استغفار للمؤمنین و المؤمنات کا اس میں ہونا متواتر ہے، مگر مقصود محض تذکیر نہیں، بلکہ خطبہ جمعہ میں شانِ تعبد غالب ہے، جس کی ایک دلیل حضرت عمر بن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد ہے، انما جعلت المخطبۃ موضع الکرکتین من فاترۃ المخطبۃ صلی اربعۃ اعلی السنن، ص ۳۷ ج ۸، و ذکر ہناک معنی فوت المخطبۃ فیہ راجح) دوسری یہ کہ باتفاق علماء آیت اذ قرئی القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ہ کا نزول ترک قرأت خلف الامام و انصات فی خطبۃ الجمعۃ کے متعلق ہوا ہے، جس سے خطبہ جمعہ کا مثل صلوٰۃ ہونا ظاہر ہے،

اگر خطبہ جمعہ سے مقصود تذکیر محض ہوتی تو بحالت خطبہ کسی کو بات کرنے سے روکنا اور نصت کہنا ممنوع نہ ہوتا، کیونکہ یہ بھی تذکیر ہی کی تکمیل تھی، مگر بخاری و مسلم وغیرہما نے حدیث صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت والامام یخطب فقد لغوت، امام طحاوی نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے، (اعلاء السنن، ص ۶۰ ج ۲)

اور نماز میں غیر عربی میں ذکر و دعاء مکروہ ہے ممنوع ہے، درمختار میں ہے و دعاء بالغریم و حرم بغیرہا (نہر، ص ۵۳۳ ج ۱) یعنی درود و شریف کے بعد نماز میں جو دعاء کی جائے، وہ عربی میں کی جائے غیر عربی میں دعاء (نماز کے اندر) حرام ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ منقول مذہب میں کراہت ہے، پھر کراہت میں تفصیل کی ہے، مگر تحقیق یہ ہے کہ نماز کے اندر تو غیر عربی میں دعاء مکروہ تحریمی ہے اور نماز کے علاوہ مکروہ تنزیہی معنی خلاف اولیٰ ہے اور جن لوگوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول جواز قرأت بالفارسیہ سے جواز خطبہ بالعمیۃ پر استدلال کیا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام صاحب اس قول سے رجوع فرما چکے ہیں

اور قول مرجوع عنہ بحکم منسوخ ہوتا ہے، جس سے استدلال باطل ہے، ملاحظہ ہو شامی جلد ۱۵ و اعلاء السنن، ص ۱۳۷ ج ۲

بہر حال خطبہ جمعہ عربی زبان میں ہونا چاہئے، مقامی زبان میں ہرگز نہ ہونا چاہئے، رہا یہ کہ جب سامعین نہیں سمجھتے تو فائدہ کیا ہوا؟ اس کا جواب دینے کی ہم کو ضرورت نہیں اگر سمجھنا ضروری ہے تو چاہئے کہ جب تک نماز کے اذکار و ادعیہ کا مطلب معلوم نہ ہو اس وقت تک نماز بھی لغو ہو، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خطبہ جمعہ مثل نماز کے ہے، دوسرے یہ سوال وہاں نہیں کیا جاتا، جب کوئی دوسرے انگریزی زبان میں شاہی پیغام سناتا ہے اور سننے والوں میں ہزاروں اور اکوں آدمی انگریزی سے ناواقف ہوتے ہیں، مگر وہاں اہل دنیا کی عقل خود جواب دے لیتی ہے کہ شاہی پیغام شاہی زبان میں ہی ہونا چاہئے، رعایا کی زبان میں نہ ہونا چاہئے، یہی جواب یہاں کیوں نہیں دیا جاتا، شریعت مقدسہ نماز اذان اور خطبہ جمعہ کو عربی میں اس واسطے رکھا ہے تاکہ مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ ہو جس کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، اور تاکہ مسلمانوں کو قرآن کریم سے مناسبت فی الجملہ حاصل ہے، اجنبیت محض نہ ہو جائے، اگر خدا نخواستہ یہ شعائر اسلام بھی مقامی زبانوں میں ہونے لگے تو مسلمانوں کو قرآن و حدیث سے بہت بعد ہو جائے گا، جس کا دین کے لئے خطرناک ہونا ظاہر ہے، پس اس رواج کو بند کرنا چاہئے، جو بعض شہروں میں ہونے لگا ہے، کہ خطبہ جمعہ اردو میں دیا جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب، ۳ رمضان ۱۲۵۴ھ

فصل فی صلوٰۃ الکسوف والاستسقاء و متعلقا بہما

کسوف اور خسوف کے وقت سوال (۱) چاند گرہن یا سورج گرہن کے وقت کھانا کھانا کھانا کھانا پینے کا حکم، یا کوئی اور کام سوائے نماز وغیرہ کے کرنا جائز ہے یا نہیں، (اذا راہیم شینا من ہذہ الایہوال فافزعوا الی الصلوٰۃ) میں امر وجوب کے لئے ہے یا ندب کے واسطے؟ بینوا تو جسروا؟ ۲۵ رجب ۱۲۵۴ھ

الجواب؛ فافزعوا الی الصلوٰۃ میں امر ندب کے لئے ہے، اکل و شرب بحالت کسوف مباح ہے، البتہ بہت بھوکا نہ ہو تو ترک اکل اولیٰ ہے، لانه ینافی الفسوخ المنسوب، واللہ اعلم فقط،

حکم استسقاء بجالت قلت مطر | سوال (۲) السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، اس وقت عریضہ ہذا کے ارسال کا منشاء یہ ہے کہ عرصہ سے یہاں اور قرب وجوار میں امساک باران ہے، اگرچہ خاص بہار پور اور اس کے نواح میں اوائل موسم میں خاصی بارش ہو چکی تھی، مگر اب تقریباً بائیس روز سے بارش نہیں ہوئی، علاوہ بہار پور کے دیگر اضلاع کے قرب وجوار میں مظفر نگر، میرٹھ، دہلی، انبالہ میں یا بالکل بارش نہیں ہوئی یا بقدر ضرورت نہیں ہوئی، اس بناء پر دہلی میں ۲۷ ماہ رواں کو صلوة استسقاء پڑھی گئی ہے، اب آپ سے یہ استفسار ہے کہ بہار پور اور پٹنہ کے حالات میں جزوی فرق ہے، حالات موجود اور فقہاء کے اقوال پر نظر کرتے ہوئے یہ تحریر فرمائیں کہ بجالت موجود صلوة استسقاء کی ضرورت ہے یا نہیں، خطبوں کے اندر یہاں دعاء ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے، حضرت سلمہ کی رائے اور جواب جو کچھ عنایت ہو مفصل تحریر فرمائیں، اور فقہا جو تین دن کے خرچ کو لکھے ہیں آیا صلوة استسقاء تین دن تک کا کسی روایت سے ثبوت ہے؟ اگر کوئی تصریح

بل جاوے تو حوالہ تحریر فرمائیں، مولانا عبداللطیف صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر علوم بہار پور
الجواب؛ السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ومغفرة۔ قال الحافظ فی التلخیص الجیدی فی قول الرافعی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یصل صلوة الاستسقاء الا عند الحاجة ما نصه لم اجد صریحا لکن بالاستسقاء یتبین صحة ذلك ما (ص ۱۳۹) نعم قد ثبت انه صلی الله علیه وسلم استسقی من غیر صلوة لفقوظ المطر عن البلاد البعيدة ایضا کما فی حدیث ابن عباس عند ابن ماجہ، قال جاء اعرابی الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله لقد جئتک من عند قوم ما یتزود لهم راع ولا یحط لهم فحل قصعد المنبر فحمد المنبر ثم قال اللهم اسقنا غیثا غیثا وسندة صحیح ومن ههنا والله تعالی اعلم قال فقهاء ان صلوة الاستسقاء مسنونة عند الحاجة الیه فی موضع لا یتزود لاهله اودیة وانهار والبارش یون منها ویستقون مواشیهم وذرعیهم او کان ذلك لکن لا یکفیهم فان کان کافیا لا یستقون کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مرقی الفلاح (ص ۳۱۸) واما دعاء اهل الحصب لاهل الجن فیستحب مطلقا کما فی الشامی (ص ۸۸۵) لحدیث خیر الدعاء ان تدعوا لخصیک

بظہر النیب استحب الشافعی ان یتسقی امام الناحیة المخصبة لاهل الناحیة المجتہد ولجماعة المسلمین ویسأل الله الزیادة لمن اخصب مع استسقاء من احد کما فی الام (ص ۱۳۰) وعزاه الشرنبلالی فی کشف الغمہ الی الصحابة انهم كانوا یستقون لنواحي الارض والطرقات المداخن اذا بلغهم قحط بلادهم (ص ۱۳۸) ولعل ذلك محمول عند علمائنا علی الاستسقاء بالدعاء فقط بدین الصلوة، وتفسیر الحاجة عندی ان یخاف من قلة المطر غلاء العر بحيث یضطرب به فقراء الناس وعامتهم ولا عبرة بامر انکم وظنی ان مثل تلك الحاجة قد تحققت فی بلادنا هذه فقد تشوشت العباد واضطربت الزراع وبلغت قلوب الفقراء الحناجر من مخافة الغلاء الشدید ان لم یطر وافی المدة القریبة والله المستعان فقد هلكت الزرع او کادت تمهلك لقله المطر وهبوب الصبا فیستحب لائمة البلاد ان یستقوا ولا شک فی الجواز والله تعالی (تتمت) واما انکم یخرجون ثلاثا متتابعات فقد صرح الشافعی باستحباب فی الام وقال الشرنبلالی فی نور الايضاح وشرحه ان اکثر من ذلك لم ینقل ولم یرد ذلك فی الحدیث لانه صلی الله علیه وسلم اذا استسقی سقی اولاً وكذا الصحابة ایضا والله اعلم حرره لفظ احمد عفی عنه ۲۹ صفر ۱۳۴۴
الجواب صحیح، اشرف علی ۲۹ صفر ۱۳۴۴

مسائل متفرقة کتاب الصلوة

نمازی کے آگے سے گزرنا | سوال (۱) زید کو یہ معلوم نہیں کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والے کو عذاب ہوگا اور آگے زید گزر گیا تو زید کو عذاب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

عہ ای عن السلف ولعل وجه ذلك ان الدعاء یستحب فیہ التکریر وقله التلیث کما فی الحصن الحصین وعزاه الی ابی داؤد فلم یتجاوزوا فی الاستسقاء اقل عدد التکریر لکونه دعاء مخصوصا علی هیئة خاصة خلاف القیاس فلا یکرر الا بدلیل وقد ثبت عندی صلی الله علیه وسلم تلیث الدعاء صلحة فی غیر الاستسقاء فلا یزاد علیه ۱۲

الجواب؛ مسئلہ کے نہ جاننے کا زید کو گناہ ہوگا، شعبان ۱۳۳۵ھ
حالت رکوع میں الصاق کعب کی تحقیق | سوال (۲) الصاق کعب بالکعب فی الصلوٰۃ
عند الركوع والسجود للرجل ^{منا} حاشیہ طحطاوی (ص ۱۳۳۳) ملحق الا بحر
شامی (ص ۱۳۳۳) ملسو (ص ۹، ۱۱) بحر الرائق (ص ۱۳۳۱۵) ملحق الا بحر
مع لجمع الاضطر (ص ۹۶، ۱۰۷) کبیری (ص ۲۰۰) در مختار (ص ۳۰) حاشیہ مالابین
اور جناب نے بہشتی زیور میں الصاق کو عورتوں کے لئے تحریر فرمایا ہے، اور ہمارے بزرگوں
کا عمل درآمد بھی اسی پر ہے، مگر کتب مذکورہ سے صحت معلوم ہوتا ہے کہ جناب کی تحقیق کے
خلاف ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور صحیح کیا ہے؟

الجواب؛ الصاق الکعب بالکعب فی الركوع کارجال کے لئے مسنون ہونا تو
محل کلام ہے، یہ صرف زاہدی کی روایت ہے، اور وہ نقل میں ضعیف ہے، بحالت تفرد
اس کی روایت معتبر نہیں اور سب متون و شروح میں زاہدی ہی کی اتباع سے اس
الصاق کو مسنون کہا گیا ہے، صرح بہ شیخ مظہر فی تزیج الرائج المطبوعہ مسلسلانی رسالۃ
النور، ص ۱۶ شعبان ۱۳۳۵ھ، بلکہ طحاوی کی معانی الآثار، ص ۱۳۴ سے رکوع و سجد میں
تجانی کا مسنون ہونا اور الصاق کا مسنون نہ ہونا مصرح ہے، باقی عورتوں کے لئے بلحاظ
ستر بہشتی زیور میں اس الصاق کو باقی رکھا گیا، ودلیلہ ما فی الاشباہ من احکام الانثی و تضم
فی رکوعها و سجودها ولا تفرج اصابعها فی الركوع ام (ص ۳۴۶) اس میں تضم رکوعها
و سجودها، مطلق ضم کی مطلوبیت پر دلالت ہے، جس میں الصاق الکعب بالکعب بھی داخل
ہے، واللہ اعلم، ۵ ربيع الاول ۱۳۵۵ھ

الجواب؛ میں تہجد پڑھنے کا حکم | سوال (۳) نماز تہجد روشنی میں پڑھنا اولیٰ ہے، یا
اندھیرے میں، دونوں میں کونسی صورت بہتر ہے؟

الجواب؛ جہاں قبلہ مشتبہ ہونے کا اندیشہ ہو وہاں رات کی نماز اندھیرے
میں مکروہ ہے، اور جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں بلاکراہت جائز ہے، البتہ عدم اشتباہ کی
صورت میں بھی اگر اندھیرے سے قلب کو تشویش ہوتی ہو تو روشنی میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے،
۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

کوئی شخص بالکل نمازی کے سامنے | سوال (۴) احقر نے غایۃ الاوطار میں دیکھا ہے کہ کسی کے
بیٹھا ہو تو اس کو کسی طرف سرک جانا
جائز ہے؟ اور نمازی کے سامنے سے کوئی
چیز اٹھانے کا حکم !!
نہیں، یہ مسئلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور نمازی کے آگے سے داہنی طرف سے یا بائیں طرف
سے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب؛ فی الشامی (ص ۶۶۵) اراد المرور بین یدی المصلی فان
معه شیء یضعہ بین یدیہ ثم یمر ویأخذہ ولو مر اثنان یقوم احدہما
امامہ ویمر الآخر ویفعل الآخر هكذا ویمران وان معه دابة فمرر اکبأ
اشم وان نزلت تستر بالذابۃ و مر لمد یا ثم ولو مر رجلان متعاضدین فالذی
یلى المصلی هو الاشم قنیہ و ایضا فی العالمگیریہ ولو مر اثنان یقوم احدہما
امامہ ویمر الآخر ویفعل الآخر هكذا ویمران کذا فی القنیۃ (ص ۶۶) |
ان روایات سے معلوم ہوا کہ غایۃ الاوطار کا مسئلہ صحیح ہے، اور نمازی کے سامنے
سے چیز اٹھانا جائز ہے، رکما علم من قول الشامی و یاخذہ) احقر عبدالکریم عفی عنہ
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۵ رزی الحجہ ۱۳۳۳ھ

نمازی کے سامنے سے ہٹنے کا حکم | سوال (۵) اگر کوئی شخص پیچھے بالکل محاذات میں نماز
پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں وہاں سے الگ ہو جانا مرد و بین المصلیٰ میں داخل ہے
یا نہیں، ہر دو صورتوں کا مع الدلیل جواب تحریر کیا جائے؟ ممتاز احمد گیلانی مقیم خانقاہ
الجواب؛ فی العالمگیریہ (ص ۶۶) ولو مر اثنان یقوم احدہما امامہ
ویمر الآخر ویفعل الآخر هكذا ویمران کذا فی القنیۃ، اس روایت فقہیہ سے معلوم
ہوا کہ محاذات مصلیٰ سے ہٹ جانا مرد و بین المصلیٰ، لیکن ایسے فعل سے عوام کو مرد کی جرات ہو جاتی
ہے، اس لئے بہتر ہے کہ آگے سے نہ ہٹے بلخصوص جبکہ کوئی ضرورت ہٹنے کی نہ ہو، واللہ اعلم،
احقر عبدالکریم عفی عنہ ۶ رجب ۱۳۳۳ھ | الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۶ رجب ۱۳۳۳ھ
سوال (۶) قادیانی کہتے ہیں کہ کما صلیت علی ابراہیم
درود ابراہیمی میں کما صلیت علی ابراہیم
میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم

علیہ وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں نبوت دی گئی، اسی طرح ہمارے حضرتؑ کی اُمت میں بھی دی جاتی ہے، اس تشبیہ کے متعلق کیا منقول و محقول ہے؟

الجواب؛ قال فی الدر وخص ابراہیم راى التشبیہ بابراہیم دون غیرہ من الرسل انکرام علیہم السلام (۱۲) لسلامہ علینا راى لانہ مسلم علینا لیلۃ المعلن ج حيث قال ابلغ امتک السلام منى ۱۲ شامی، اولانہ سمانا المسلمین رکما اخبر عنہ تعالیٰ بقولہ ہوسما کم المسلمین من قبل ۱۲ شامی، اولانہ المطلوب صلوٰۃ یتخذہ ہما خلیلاً وعلی الاخیر فالتشبیہ ظاہرہ قال الشامی واجب (راى عن التشبیہ) باجوبۃ اخر من احسنہا ان التشبیہ فی اصل الصلوٰۃ لا فی القدر کما فی قولہ تعالیٰ انا وحنینا الیک کما وحنینا الی نوح وکتب علیکم الصیام کما فی کتب علی الذین من قبلکم واحسن کما احسن اللہ الیک وفائدۃ التشبیہ تاکید الطلب ای کما صلیت علی ابراہیم فصل علی محمد الذی هو افضل منہ ام (ص ۵۳، ۵۴)

اور قاریانیوں نے جو جبر بیان کی ہے وہ صحیح نہیں، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں نبوت دی گئی تھی، نہ کہ امت میں، اگر اس سے بقاء امت کی طرف اشارہ ہوگا تو بہت سے بہت مثل ابراہیم علیہ السلام کے حضور کی ذریت میں اس کے بقاء کی طرف اشارہ ہوگا، امت میں نبوت باقی رہنے کی طرف اشارہ کی کیا دلیل ہے؟ دوسرے اگر ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص اس اشارہ کی وجہ سے کی گئی ہے تو نوح علیہ السلام کا نام بھی درود میں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ بقاء نبوت فی الذریت کا شرف ان کو بھی حاصل ہے، بلکہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اُن کو یہ شرف حاصل ہوا، قال تعالیٰ وان من شیعتہ (ای نوح ۱۲) لابراہیم (سورۃ الصفات) وقال تعالیٰ ولقد ارسلنا نوحاً و ابراہیم وجعلنا فی ذریتہما النبوة والکتاب (سورۃ الحدید) پس یہ وجہ غلط ہے، اور کما صلیت علی ابراہیم میں بقاء نبوت کی طرف اشارہ نہیں، بلکہ اشارہ غلت کی طرف ہے، وقد استجاب اللہ دعاء عباده فاتخذہ اللہ تعالیٰ خلیلاً ایضاً نفی حدیث الصحیحین دکن صاحبکم خلیل الرحمن ام شامی (ص ۵۳۶ ج ۱) ای وخلۃ بیننا اکمل وافضل کما دللت علیہ الآیات والآثار واللہ اعلم، ۱۳ سوال ۲۶

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نماز باجماعت کے لئے لوگوں کی حاضری لینے کا حکم، موضع کے کل لوگوں کا نام جسٹریں درج ہے، اور نماز کے وقت مسجد کے اندر ہر شخص کا نام بنام پکار کر حاضری لی جاتی ہے، تاکہ لوگ جماعت سے نماز پڑھیں اور مستی نہ کریں، لہذا از روئے شرع کے اس قسم کی حاضری مسجد کے اندر لی جاتی ہے یا نہیں، بحوالہ کتب مع عبارات کے ارقام فرمادیں، بینوا بالکتاب وجرؤ بالفتوا

الجواب؛ اس قسم کی حاضری لینا جائز نہیں، کیونکہ جماعت کا وجوب بعض اعذار شرعیہ سے ساقط ہو جاتا ہے، اور بعض اعذار مخفی ہوتے ہیں جن کا علم بجز مبتلی بہ کے کسی کو نہیں ہو سکتا، اور نام بنام حاضری لینے میں متخلف عن الجماعۃ کی بابت لوگوں کو ناحق بدگمانی پیدا ہوگی وقد قال تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا الا یہ وهذا داخل فی التجسس المنہی عنہ وانما جازم مثل ذلك للمزکی لمصلحة شرعیة وہی تعدیل الشہود وجرؤم ولا مصلحة فی ذلك الان لعدم وجود الام والقضاة، نیز یہ طریقہ سلف صالح سے ثابت نہیں، وکافوا سابقین الی الخیرات، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ شعبان ۱۳۰۶

سوال (۸) خانقاہ امدادیہ کے حوض پر بلاسترہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کے متعلق حکم، میں بعض لوگ حوض کے اوپر نقلیں پڑھتے ہیں، اور سترہ سامنے نہیں ہوتا، ان نمازیوں کے سامنے سے پچرہ میں چلنا اور گزرنے

جائز ہے یا نہیں؟ صورت یہ ہے:-
الجواب؛ قال فی القنیۃ شرح المنیۃ ثم انکریکۃ المرور بین ید یہ عند عدم الحائل اذا کان فی موضع سجودہ فی الاصح قال فی الکافی، فی النہایۃ الاصح

ان کان بحال لوصلی صلوٰۃ الخاشعین بان یکون بصرہ حال قیامہ الی موضع سجودہ لا یقع بصرہ علی الماء لا یکراہ ہذا اذا کان یصلی فی الصحراء اما ان یصلی فی المسجین ولم ینک حائل فان کان المسجین صغیراً کما المرور مطلقاً



وان كان كبيراً فقيل كالصغير لا يمر بينه وبين حائط القبلة وقيل كالصغير وير
فيما وراء موضع السجود وقيل يمر فيسأورا خمسين ذراعاً وقيل قد رما بين الصف
الاول وحائط القبلة قال الشيخ ابن الهمام وانشاء هذه الاختلاف ما يفهم من لفظ
بين يدي لمصلي (الوارد في الحديث) فمن فهم ان ما بين يديه يخص ما بينه وبين
محل سجوده قال به ومن فهم انه يصدق مع اكثر من ذلك نفاه وعين ما وقع عنده
والذي يظهر ترجيح ما اختاره في النهاية من مختار فخر الاسلام وكونه من غير
تفصيل بين المسجن وغيره فان المؤمن المورور بين يديه، وكون ذلك البيت بمرته
اعتبر بقعة واحدة في حق بعض الاحكام ركضة الاقتداء ونحوها لا يستلزم تغيير
الامر الحسي من المورور من بعيد فيجعل البعيد قريباً انتهى ملخصاً ص ۳۵۲

قلت فما ظنك بدار لم تعتبر بقعة واحدة في حق صحة الاقتداء من
غير اتصال الصفوف فيها، صورت مسوٰله في مسجدك من اندر سے یا مسجد کے اندر سے ہو کر ان
نمازیوں کے سامنے سے گذرنا جو حوض پر یا حوض کے متصل نہ از پڑھ رہی ہیں جائز ہے، کیونکہ
بجدرہ اور حوض مکان واحد نہیں اور فصل بھی زیادہ ہے، کہ نمازی کی نظر گذرنے والے پر نہیں
پڑ سکتی پس وہاں سے گذرنے والے کو ان نمازیوں کے سامنے سے گذرنے والا نہ کہا جائے گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم، ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ رجب ۱۳۵۵ھ، صحیح الجواہر اشرف علی ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ

کتاب الجنازہ

فصل فی احوال موتی و القبور

عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم | سوال ۱۱ | اگر عورت ضعیفہ یا جوان پردہ کے ساتھ قبرستان
جائے اور اس جگہ کوئی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے تو اس کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ قال فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص ۳۶۲ وان كان
للاعتبار والترحم والتبرک بزیارة قبور الصالحین من غیر ما یخالف الشرع فلا بأس
به اذا کن عجائز وکرة ذلك للشابات کحضورهن فی المساجد للجماعات ام
اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جاوے تو بوڑھی عورتوں کو زیارت قبور

جائز ہے، جوان کو نہ چاہئے کہ اس میں فتنہ ہے،
قبر پر کتبہ لگانا مکروہ ہے | سوال ۱۲ | کیا قبر کا گردا پتھر یا اینٹ سے ایک بالشت تک اونچا
اس غرض سے بنانا کہ نشان قائم رہے اور اوپر سے کھلی رہے جائز ہے یا نہ، اور کتبہ کندہ شدہ
نام متوفی بمجہ تاریخ وغیرہ لگانا جائز یا نہ؟

الجواب؛ علامت باقی رکھنے کے لئے گردا بنانا یا کتبہ لگانا قبر پر مکروہ ہے قال
فی العالمگیریة ویکس، ان یبني علی القبر ویعلم بعلامته من کتابة ونحوه کذا
فی التبیین ۵ ملخصاً ص ۱۱۳۱، ۲۶ ربيع الثاني ۱۳۵۵ھ

میت کی بعض رسومات کا حکم اور غسل | سوال ۱۳ | یہاں
اور کفن و دفن کا طریقہ، کی قدیمی رسم درواج یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے

بعد دم نکل جانے کے لاش کو اتر سر ہانے قبلہ رخ غسل دینے تک جیسے قبر میں رکھتے ہیں
ویسے ہی رکھتے ہیں، اور چلیا قوم جو کہ اکثر شافعی مذہب والے اور نیشاپوری لوگ جو کہ اکثر
حنفی مذہب والے ہیں، یہ لوگ دم نکلنے ہی قصداً مردے کو پورب سرہانا اور قبلہ رخ
پاؤں لاش اٹھنے تک رکھتے ہیں، اور دم نکلنے ہی سبباً غسل اور کفنانے کے وقت تک
غسل دلاتے ہیں اور لاش کو اونچے پلنگ یا تخت پر رکھتے ہیں، حالانکہ رنگوں میں سب
پہی عمارت یا تختے کے گھر ہیں، کہیں مٹی کے مکان نہیں ہیں، فی الحال آج جو تھکان ہے،
کہ ایک شخص ہمارے محلے میں فوت ہوا، تو فرقہ اول یعنی محلہ والوں نے جن میں دو پیش امام
مسجد کے اور تین مولوی بھی ہیں اپنے قدیمی رواج کے مطابق مُردے کو اتر سرہانے قبلہ رخ
بٹائے رکھا تھا، اتنے میں فرقہ ثانی کے لوگ نے آکر جبراً میت کو غسل دلایا پھر پلنگ یا تختے
منگاکر اونچے پر قبلہ رخ پاؤں اور پورب کی طرف سرہانا کر کے رات بھر لاش صبح اٹھنے
تک رکھا، اور بہت کچھ گفت و شنید ہوئی، اور کہتے ہیں اصح و صحیح طریق یہ ہے،
ہزاروں دلیلیں ہم نے بتائی اور ثبوت دیا کہ میت کو اس رسم سے اٹھنے تک رکھنا ام
اب پیش امام و مولوی لوگ فرقہ ثانی سے عاجز ہیں کہ فضول بخت چہ کار آید، اب محلہ والے
حضور سے دست بستہ خدمت عالی میں عرض کرتے ہیں کہ فرقہ ثانی کی کارروائی سے فساد
ہونے کا اندیشہ ہے، آپ برائے خدا ان شقوں سے نجات دلانے،
اول یہ کہ بلا ضرورت میت کو پورب سرہانے لاش اٹھنے تک رکھنا،

دوسرے بلا ضرورت دم توڑتے ہی غسل دینا پھر کفنانے کے وقت بلا ضرورت غسل دینا
سوم بلا عذر میت کو اونچے تخت پر رکھنا،
چہارم، جنازہ پر لے جلتے وقت مرد میت پر پھول کا ہار چڑھاتے ہیں، میت پر نہیں
جنازہ پر لیجاتے ہیں، یہ سب رسم درست ہیں یا نہیں، برائے خدا و برائے کرم نوازی غریب
مسلمانوں پر نظر شفقت ڈال کر آنجناب مہر شہت کے ساتھ مدلل جواب ارسال فرما کر سب
مسلمانوں کو مشکور و ممنون فرمائیے، یہی یہاں کے مسلمانوں کی دست بستہ عرض ہے،
پنجم، جب میت کو جنازہ پر رکھے ہیں یا کھڑے یا کھڑے پڑتے ہیں پھر قبرستان پہنچ کر نماز پڑھنے کے بعد ایک بار فاتحہ پڑھتے ہیں
پھر دفن کے لئے وقت نماز قبرستان پر کھڑے ہو کر ایک بار فاتحہ پڑھتے ہیں، اب غرض یہ کہ کیا اتنی مرتبہ فاتحہ دینا درست یا نہیں؟
الاجوبہ، قال فی الدرر یوجہ المحتضر لقبلۃ علی یمینہ ہوا السنۃ وجا
الاستلقاء علی ظہرہ وقد ماہ الیہا و ہوا المعتاد فی زماننا ام قال الشامی ناقلا
عن البحر اختارہ مشائخنا بما وراء النہر لانہ ایس لخروج الروح بل عقبہ
فی الفتح وغیرہ بانہ لا یعرف الانتقال واللہ اعلم بالالیس منہما ولکنہ
ایسر لتغمیضہ وشد لعیبہ ومن امنح من تقوس اعصابہ ام رضی اللہ
وف حاشیۃ الطحاوی علی المراقی الفلاح قولہ وجاز الاستلقاء ویوضح ہکذا
فی الغسل والصلوۃ قال فی شرح الطحاوی وهو العرف بین الناس قال فی الزاد
والادل افضل لانہ السنۃ کذا فی المضمحل ما (ص ۳۲۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پیر کر کے میت کو لٹانا خروج روح سے پہلے
بعض مشائخ نے مستحسن سمجھا ہے، کیونکہ اس میں ان کے نزدیک خروج روح میں سہولت ہے،
مگر زاد فیر اور مضمرات میں تصریح ہے کہ افضل طریقہ موافق سنت ہے کہ میت کو داہنی کروٹ
پر قبلہ رخ کیا جائے، اس کی یہی صورت ہے کہ سر جانب شمال ہو اور پیر سمت جنوب، اور داہنی
کروٹ دے کر قبلہ رخ کر دیا جائے، پھر یہ اختلاف تو خروج روح کے وقت ہے، اور
خروج روح کے بعد قبلہ رخ پیر کر کے لٹانا یہ تو محض لغو حرکت ہے، کیونکہ اب اس میں کوئی
بھی فائدہ نہیں اور جب وقت فائدہ کے بھی یہ صورت خلاف سنت اور غیر افضل تھی، تو
اب بدرجہ اولیٰ خلاف سنت وغیر افضل ہوگی، فافہم،

(۲) قال فی مرقی الفلاح واذا تیقن بموتہ یجعل بتجهیزہ اگر مالہ لما فی

الحديث وعجلوا به لانه لا ينبغي لجيفة مسلم ان تعبس بين ظهري اهل
والصارت عن الوجوب الاحتياط قال بعض اطباء ان كثير من ممن يموت
با سكتة ظاهرة ايد فنون احياء لانه يعسر ادراك الموت الحقيقي بها الاعلى
افضل اطباء فيتعين التاخير فيها الى ظهور اليقين بنحو من التغير وقد ما
النبي صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين ضحوة ودفن في جوف الليل من ليلة
الاربعاء اه قال الطحاوی وظاهر كلامهم ان التاخير مطلوب مطلقا
رواه من الحديث رای مارواه من التاخير في دفنه عليه افضل الصلوة
والسلام والمراد التاخير الى تيقن الموت فانه ربما عرض عليه هذه الداء
اه (ص ۲۲۹) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مردہ کے غسل وغیرہ میں دم توڑتے ہی جلدی
نہ کی جائے بلکہ کسی قدر تاخیر اتنی دیر تک کی جائے کہ موت کا یقین پختہ ہو جائے، اور سکتہ
وغیرہ کا وہم نہ رہے، اور یقین موت کے بعد پھر دیر نہ کی جائے، پس دم ٹوٹتے ہی فوراً میت
کو غسل دینا اور کفن کے وقت دوبارہ غسل دینا لغو حرکت ہے، بلکہ محض کفنانے کے
وقت غسل دینا چاہئے، اور بعض متون میں جو یہ الفاظ ہیں فیوض کلمات علی سریر محراب
الح جس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ پس مرتے ہی فوراً تختے پر رکھ دیا جائے، اس کا مطلب
یہ نہیں بلکہ مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ تيقن موت کے بعد جب غسل وکفن کا
ارادہ کریں تب تختے پر رکھیں، صرح فی مرقی الفلاح وحاشیۃ للطحاوی (ص ۳۳۰)
وفیہ لا باس بالتاخير لعرض کما فی ابن امیر حلب،

(۳) قال الطحاوی فی حاشیۃ علی مرقی الفلاح روی انه صلى الله عليه
عليه وسلم لما غسل وكفن ووضع على السرير دخل ابو بكر وعمر وهما
فی الصف حیال رسول الله صلى الله عليه وسلم اه (ص ۳۳۰) اس سے معلوم
ہوا کہ میت کو غسل وکفن کے بعد تخت یا پلنگ پر رکھنا سنت ہے، حضرات صحابہ نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل وکفن کے بعد تخت پر رکھا تھا، اور بظاہر اس میں اگر
میت بھی ہے اس فعل میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ ضرور نہیں کہ پلنگ اور تخت
معمول معتاد سے ادریجا ہو، تھوڑی سی بلندی سطح ارض سے کافی ہے، واللہ اعلم
قال فی الہندیۃ اذا حملوا علی سریر اخذوا بقوائمہ الاربع بہ وروث

السنة (ص ۱۰۳ ج ۱)

(۴) جنازہ پر پھول چڑھا مکروہ ہے قال فی الہندیہ ویکوہ عند القبر ما لم یعہد من السنة (۱۰۳ ج ۱) قلت والکفن والدفن کذا لک فی فکرہ فیہما ما لم یعہد من السنة ووضع الریاحین علی الکفن لم یعہد منها، علاوہ ازیں یہ ہندوؤ کا طریقہ ہے، اس لئے تشبہ میں داخل ہے،

(۵) یہ تین بار میت پر فاتحہ پڑھنا خلاف سنت ہے، سنت یہ ہے کہ وقت نزع روح کے سورۃ یس پڑھیں، اور بعد موت کے اس کے پاس قرآن پڑھنا بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے، اور بعض نے غسل سے پہلے منع کیا ہے، بعد غسل کے ہر شخص آہستہ آہستہ جو توفیق ہو قرآن پڑھ کر میت کو بخش دے، اور بعد دفن کے تھوڑی دیر قبر پر پھر کر کچھ قرآن پڑھ کر بخش دیں اور میت کے لئے دعا کریں، باقی جس صورت سے بمبئی وغیرہ میں فاتحہ دیجاتی ہے یہ صورت بدعت ہے، ۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۳ھ

سوال (۴) هل یحل للزوج ان یقبل امرأته التي ماتت وكفنت بلا واسطة الثوب وغیرہ وہو لیس من قرابتها ایضا؟

الجواب: لا یجوز له مسها بغیر حائل ولو كان من قرابتها لعدم المحرمية وطلان النکاح بالموت قال فی الدرر ویمنع زوجها من غسلها ومسها الا من النظر اليها علی الاصح قال الشافعی عن الخانیة اذا كان للمرأة محرم یسرها بیده واما الاجنبی فیحرقہ علی یدہ ویغض بصرہ عن ذراعها وکذا الرجل فی امرأته الا فی غض البصر ام قال وهل وجهه ان النظر اخف من المس فجاز یشبہتہ الخلاف ام (ص ۸۹ ج ۱) قلت وجواز تمسہ ایاها بخرقۃ یدل علی جواز مسہ ایاها بحائل ولكنه مقید ایضا بالضرورة فلا ینبغی المس بدونها ولو بحائل هذا والله تعالیٰ اعلم، ۲۴ صفر ۱۲۲۵ھ

ایام مخصوصہ میں ارواح کا گھروں میں آنا سوال (۵) یہاں ہماری علاقہ میں اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ارواح جمعرات یا جمعہ کو مکانات میں آتی ہیں، اور شب برات میں تمام مردوں کی روہیں ضرور اپنے قرابت داروں کے یہاں

آیا کرتی ہیں، چونکہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس لئے ان کا عقیدہ راسخ ہے، مگر آپ نے بہشتی زیور و نیز دوسرے رسالوں میں لکھا ہے کہ روہیں مقید ہیں گھروں میں نہیں آتیں، اس لئے گزارش ہے کہ برائے ہر بانی مطلع کریں، کہ آیا ارواح گھروں میں آتی ہیں یا نہیں، اور ایسا عقیدہ رکھنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟ برائے ہر بانی کتابوں کا حوالہ بھی دیں،

الجواب: مقرر ارواح کے متعلق علماء میں بہت اختلاف ہے، انبیاء اور شہداء کے متعلق تو اتفاق ہے کہ وہ بعد وفات کے جنت میں رہتے ہیں، اور جسد عنصری سے بھی ان کو تعلق قوی رہتا ہے، اور غیر شہداء یعنی عامہ مؤمنین کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں وہ بھی جنت میں رہتے ہیں، بعض کہتے ہیں جنت سے باہر رہتے ہیں، بعض کا قول ہے کہ قبر کے پاس رہتی ہیں اور جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں، اور بعض کا قول ہے کہ ارواح مؤمنین برزخ میں رہتی ہیں (جو شام کا ایک شہر ہے) اور ارواح کفار حضرموت میں ایک کنواں برہوت ہے ان میں رہتی ہیں، اور بعض کا قول ہے کہ ارواح مؤمنین علیین میں رہتی ہیں اور ارواح کفار سجین میں رہتی ہیں، اور قبر جسد عنصری سے بھی ان کو تعلق رہتا ہے، اور ممکن ہے کہ جاتیہ و زمزم سے بھی کچھ تعلق ارواح مؤمنین کو اور برزخ برہوت سے ارواح کفار کو بعد فوت کا ہوتا ہو، ذکر کل ذلك السیوطی فی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور (ص ۹۱ تا ص ۱۰۳) وفيه ایضا قال العافظ ابن حجر فی فتاویٰ ارواح المؤمنین فی علیین وارواح الکفار، فی سجنین وکل روح بجسدھا اتصال معنوی لا یشبہ الاتصال فی الحیوة الدنیابل اشبہ شیء بہ حال النائم اتصالا قال ولہذا یجمع بین ما ورد ان مقرھا فی علیین وسجنین و بین ما نقلہ ابن عبد البر عن الجدید ایضا انھا عند افنیۃ القبور قال ومع ذلك فہی ما دون لہا فی التصرف وتاوی الی محلہا من علیین اوسجنین ام ثم ایدہ السیوطی بما اخرجہ الحاکم عن ابن عباس قال بیئنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالساً و اسماء بنت عمیس قریباً منه اذ رد السلام وقال یا اسماء هذا جعفر بن ابی طالب مع جبرئیل ومیکائیل مروا سلموا علینا واخبرونی

انه لقی المشکین يوم کذا وکذا الخ (ص ۹۶)

اور نصوص صحیحہ تشریحیہ وحدیثیہ سے حافظ ابن حجر کا قول زیادہ قوی ہے کہ معتبر ارواح مؤمنین علیین ہے جو ایک مقام سما، صالح میں ہے، اور مقرر ارواح کفار مجنوں ہے، جو ارض سابعہ کے نیچے ہے، لیکن ان مقامات میں ارواح مقید نہیں ہیں، بلکہ ان کو اپنے جسد اول سے اور قبر سے بھی تعلق رہتا ہے، اور بعض کوزمین میں تصرف و سیر کا بھی اختیار دیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ پھر اپنی مقرر پہنچ جاتی ہیں،

باقی اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کہ سب ارواح جمعرات یا جمعہ کو یا پندرہ شعبان کو اپنے گھر آتی ہیں، کیونکہ اول تو زمین میں تصرف کی سب ارواح کو نہیں ہوتی، بلکہ خاص خاص کو ہوتی ہے، دوسرے جن کو تصرف و سیر فی الارض کا اختیار بھی دیا جاتا ہے یہ ضرور نہیں کہ وہ جمعرات یا جمعہ ہی کوزمین میں تصرف و سیر کریں، اور تصرف و سیر میں اپنے گھر بھی ضرور آئیں، اس یہ عقیدہ بلا دلیل جو جس احتراز لازم ہے، حرر الاحقر ظفر احمد عفا عنہ اشرف علی عرض کرتا ہے کہ جب اس عقیدہ کا بے دلیل ہونا ثابت ہو گیا، اور عقیدہ

بے دلیل کے باب میں حکم شرع ہے لاتفق مالیس اک بہ علم، پس بنا براس آیت کے ایسا عقیدہ رکھنے سے عاصی و مبتدع ہوگا، اس سے توبہ واجب ہے، اور کسی کتاب میں کوئی مضمون ہونا حجۃ شرعیہ نہیں تا وقتیکہ اس پر کوئی دلیل نہ ہو، اور یہ چونکہ یہ امر متعلق نقل کے ہے اس لئے دلیل نقلی ہونا شرط ہے، جو اصول شرعیہ کی رُو سے قابل استدلال ہو اور ایسی دلیل مفقود ہے، اس لئے ایسی کتاب کافی نہیں،

اشرف علی، یکم ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ

حالت نزع میں محضر کو سوال (۶).....

پانی پلانا مستحب ہے..... بعض جگہ دستور ہے کہ بحالت نزع اس کے حلق میں شہد پانی میں ملا کر پلایا جاتا ہے، کیا اس کا شرعاً ثبوت ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا پلانا مفید ہے یا مضر؟

الجواب؛ حالت نزع میں محضر کو پانی پلانا مستحب ہے، فقہاء حنفیہ نے اس کا استحباب ذکر کیا ہے، کیونکہ نزع کے وقت پیاس کا غلبہ اور شدت ہوتی ہے، اور حضرات صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ وہ معسرکہ بقتال میں محضرین کو پانی پلایا کرتے تھے،

قال فی نور الایضاح و شرحہ و یستحب لا قریباً المحترض و احد قائمہ و جوارمہ الخ و علیہ للقیام بعقودہ و تن کیرہ و تجریعہ و سقیہ الماء لان العطش یغلب لشدۃ الترع و لذک یأتی الشیطان کما ورد بماء زلال (ای بارد) و یقول قل لا اله غیری حتی اسقیک نعوذ باللہ منہ ۱۵ (ص ۳۲۴) پس یہ دستور خلاف شرع نہیں، بلکہ مستحسن ہے، ۱۹ رجب ۱۲۵۸ھ

حکم نحوی عظام میت | سوال (۷) یہاں پر ایک قبر ایک شخص کے مکان میں برآمد ہوئی جو بہت سی صدیوں کی معلوم ہوتی ہے، اور ہڈیاں ان صاحب کی بدستور باقی تھیں، فتویٰ دیا گیا کہ اگر ان کو دوسرے قبرستان میں دفن کر دیں تو جائز ہے، بندہ عرض رسا ہے کہ یہ فعل مطابق شرع شریف کے ہوایا کیا؟ آیا اسی جگہ رہنا چاہئے تھا، یا ہٹانے کے سبب کچھ گناہ ہوا اور خلاف شرع ہوا دوسری جگہ جو دفن ہوئے تو کفن نیا دینا چاہئے تھا یا نہیں اور ان کے نماز جنازہ پڑھنی چاہئے تھی یا نہیں، اب یہ ہوا کہ وہ مکان جو بنایا گیا گر گیا، اور فتویٰ دہندگان کے لڑکے کا انتقال ہو گیا،

الجواب؛ مسلمان کی لاش اگر کسی جگہ زمین کھودنے سے نکل آوے تو اس کو اسی جگہ دفن کر دینا لازم ہے وہاں سے منتقل کرنا اور دوسرے قبرستان میں یا کسی اور جگہ دفن کرنا جائز نہیں، فقہانے اس سے منع کیا ہے، اور اس میں مسلمان میت کی بے حرمتی بھی ہے، جس شخص نے جواز نقل کا فتویٰ دیا اس نے بہت بُرا کیا، کہ قول فقہاء کو دیکھ کر فتویٰ نہ دیا، لیکن اگر وہ مفتی اپنی غلطی کا اقرار کر لیں اور آئندہ اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینے کا وعدہ کر لیں تو پھر ان پر ملامت کرنا ایذا پہنچانا جائز نہیں، اور اس صورت میں نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاسکتی، کیونکہ نماز جنازہ کی صحت کے لئے جسم شرط ہے، اور ڈھانچ جسم نہیں، نیز تکرار صلوة جنازہ غیر مشروع ہے، الا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حسین فات صلوا علیہ مرة واخری فرادی وکان ذلک خاصاً بہ، اور ظاہر یہ ہے کہ جس مسلمان کی لاش نکلتی ہے وہ نماز پڑھ کر دفن کیا گیا، قال فی مرقی الفلاح و لویلی المیت و صارت رابا جاز دفن غیرہ فی قبورہ ولا یجوز کس عظامہ ولا تحویلہا ولو کان ذمیاً و لویلی و ان طال الزمان ۱۵ و ذکر الطحاوی فی حاشیئہ نحوه و انکر علی فعل الحفار

من نقل عظام الموتى او طمسها او جمعها في حفيرة فلا يقال تصنم او تجمم
عظام الا اول في موضع دفن الضرع عن موتى المسلمين وقال قبله ان ضم عظام
المسلم يحصل به اخلال ولا تخلويه عن كسر بسبب التحويل ولو شيد عظام
(ص ۳۵) والله اعلم

قبرستان میں لو بان سلگنا سوال (۸) خیال ناقص خاکسار میں لو بان و خوشبو وغیرہ قبرستان
جائز ہے یا نہیں؟ میں سلگنا ناجائز معلوم ہوتا ہے، اگر لوگ یہاں پر اس وجہ سے
کہ آگ و وزخ کی ہوتی ہے منع کرتے ہیں لہذا جو حکم ہو، زیادہ حدیث ادب،

الجواب: عن عمرو بن العاص قال لا ينه وهو في سياق الموت اذا انا
فلا تصحبنى نائحة ولا نار الحد قال في المرقاة اي للمباهاة والرياء كما كان
عادة الجاهلية قال ابن حجر ولا ينه من التقاؤل القبيح وفيه انها سبب
المقاؤل القبيح لا انها بعضه كما هو ظاهر (ص ۳۸۱، ۳۸۲) وفي حاشية
العلامة الطحطاوي على المرقاة في علة كراهة الاجرة في القبر ما نصه و بان
الاجرية اشرا النار فيكوه في القبر للتشاؤم بخلاف الغسل بالماء الحار فانه
يقع في البيت فلا يكره الاجمار فيه بخلاف القبر (ص ۲۵۶)

اگر قبرستان میں خوشبو، لو بان وغیرہ سلگنا بغرض فخر و ریاء ہے تب تو کراہت
ظاہر ہے، اور اگر یہ غرض نہیں جب بھی یہ فعل اچھا نہیں، کیونکہ اس میں قبر کے پاس
آگ جلانا ہے، جو تقاؤل قبیح کا سبب ہے، اور گھر میں گرم پانی سے غسل دینا اور تختہ
کو اور کفن کو دھونی دینا بضرورت ہی، نیز وہ گھر میں ہوتا ہے اس میں یہ محذور نہیں، اس لئے
اس کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے، فقط، ۱۹ شعبان ۱۳۲۶ھ

مختصر کے لٹانے کا سوال (۹) سنون طریقہ کیا ہے،

..... جب کوئی مرنے لگتا ہے یا مر گیا، تو یہاں یعنی دکن میں سر اس کا
مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی طرف کر دیا جاتا ہے، اور سر تھوڑا اٹھا دیا جاتا ہے،
تاکہ قبلہ کی طرف منہ اچھی طرح ہو جاوے، ممالک شمالی میں اس کے برعکس سر اس کا
بجانب شمال اور پاؤں بجانب جنوب کر کے پہلو سے راست پر رو قبیلہ لٹا دیا جاتا ہے،
اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں میں شروع و مسنون طریقہ کون سا ہے، نیز

اس کے متعلق علماء اسی طرف نے مختلف رائے قائم کی ہے، جس سے از روئے مشروع و
احادیث معتبرہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون طریقہ معتبر ہے، لہذا آنجناب معلی القاب سے التجا
ہے کہ براہ کرم متنازعہ فیہ مسئلہ پر اپنی خاصی رائے نیز بحوالہ کتب معتبرہ حنفیہ مدلل و مبرہن
ثبوت سنیت کس طریقہ میں ہے، تحریر جواب سے ہم راہ روان دین کی رہبری فرمادیں،
مگر رآنکہ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مرحوم کا جواب مندرجہ ذیل تھا، مگر اس پر
یہاں کے لوگ حوالہ کتب نہ ہونے سے معترض ہیں،

الجواب من المولوی مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی،
پہلا طریقہ سر بجانب شمال اور پیر نیچا جنوب اور منہ قبلہ کی طرف کر دینا یہی مسنون ہے
کتبہ عزیز الرحمن مفتی مدرسہ دیوبند، ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ

الجواب صحیح، قال في مرقاة الفلاح ليس توجيه المحتضراي من قرب من
الموت على يمينه لانه السنة و جاز الا ستلقاء على ظهره الخ قال الطحطاوي
يوضع هكذا في الغسل والصلوة قال في شرح الطحاوي وهو العرف بين الناس
قال في الزاد والاول افضل لانه السنة كذا في المصنعات ۵ ص ۳۶۵،
حرره الاحقر طفل احمد عفاعنه از تھا بھون ۱۶ شعبان ۱۳۲۵ھ

کیا باپ کی موجودگی میں شوہر سوال (۱۰) میت کے باپ کی موجودگی میں شوہر اس کا
میت کا ولی ہو سکتا ہے؟ ولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو خبروا،

الجواب: زوج کو ولایت حاصل نہیں، ولایت عصبات کے لئے ہے، البتہ
اگر میت کا کوئی ولی موجود نہ ہو تو زوج لوگوں سے مقدم ہے، پس صورت مسئلہ میں
ولایت باپ کو حاصل ہے، اور اس باب میں وہ سب مقدم ہے، کافی العالمگیریہ
(ص ۱۰۳، ۱۰۴) والاولیاء علی ترتیب عصبات الاقرب فالاقرب الا الاب
فانه يقدم علی الابن کذا فی خزائن المفتیین قبل هو قول محمد وعندهما
الابن اولی والصحيح انه قول الكل کذا فی التبيين وهكذا فی العنایة فتح القدر
وفی الصفحة الآتية ولا ولاية للزوج عندنا لانقطاع الوصلة بالموت
کذا فی الجامع الصغير لقاضي خاں فان لم يكن للميت ولی فالزوج اولی
ثم الجيران من الاجنبی، کذا فی التبيين، الاحقر عبد الكريم عفی عنه ۲۸ صفر ۱۳۲۵ھ

مرنے کے بعد بیوی کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا ... با شوہر تعلق باقی ماند یا نہ و نیز دیدن و بدست گرفتن برائے شوہر جائز است یا نہ؟

الجواب؛ اگر عورت کا انتقال ہو جاوے تو شوہر کو اس کی طرف دیکھنا تو جائز ہے لیکن اس کو چھونا جائز نہیں اور اس کو غسل بھی نہ دیوے، اور اگر مرد مر جاوے تو بیوی کو چھونا اور غسل دینا بھی جائز ہے، کذا فی الدر وغیرہ

فصل فی الغسل و الکفن

سوال (۱۲) میت کو غسل دینے وقت کس طرح لٹایا جائے میت کو بہشتی زیور میں بھی اس کی تصریح نہیں ملی، امید کہ جواب با صواب مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جاوے، فقط

الجواب؛ فی مراقی الفلاح فیوض کما مات علی سریر مجہر و متواویز وضع میت کیف اتفق علی الاصح، قالہ شمس الائمة السرخسی وقیل عرضا وقیل الی القبلة او فی الطحطاوی بقولہ وقیل عرضا، ای کہ ایوض فی القبر بقولہ وقیل الی القبلة، فتكون رجلاہ الیہا کالمريض اذا اراد الصلوة بایامہ و فی القہستانی عن المحيط وغیرہ انه السنة ۵۱ ص ۳۳۰، خلاصہ یہ کہ غسل کے وقت جس طرح چاہیں میت کو لٹادیں یہ صحیح ہے، اور بعض نے یہ کہا ہے کہ قبلہ کی طرف مٹنے کر کے عرضا لٹادیں، جیسا کہ قبر میں رکھا جاتا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قبلہ کی طرف طولاً لٹادیں، اس صورت میں پیر اور مؤمنہ دونوں قبلہ کی طرف ہوں گے، محیط وغیرہ میں اس طریقہ کو سنت بتلایا ہے، والامر اوسع، والله اعلم، احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

سوال (۱۱) در مسئلہ مرقومہ علماء محققین چہ می فرمایند، بعد مرگ زوجہ دیکھنا اور ہاتھ لگانا ... با شوہر تعلق باقی ماند یا نہ و نیز دیدن و بدست گرفتن برائے شوہر جائز است یا نہ؟

الجواب؛ اگر عورت کا انتقال ہو جاوے تو شوہر کو اس کی طرف دیکھنا تو جائز ہے لیکن اس کو چھونا جائز نہیں اور اس کو غسل بھی نہ دیوے، اور اگر مرد مر جاوے تو بیوی کو چھونا اور غسل دینا بھی جائز ہے، کذا فی الدر وغیرہ

لیکن اس کو فروخت کر کے اس کے داموں میں کچھ مال زیادہ ملا کر دوسرا کپڑا خریدے، کذا فی جوہر الفتاوی، حضرتنا؛ اس کا کیا مطلب ہے؟ پورا پورا مطلب و مفہومات ارقام فرماویں، جنازے کے کونے کپڑے پھاڑ دیتے جاویں، یعنی پیراہن یا ستجامہ پگڑھی وغیرہ یا فقط پیراہن، ہمارے یہاں تو فقط پیراہن پھاڑ کر اتارتے ہیں، کیونکہ میت کے عضو تنگ ہو جاتے ہیں، اس لئے پیراہن اتارنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے پھاڑ دیا جاتا ہے باقی یہ قید کہ اس طرح پھاڑیں کہ پہلی طرح استعمال نہ آسے اس کی کیا وجہ، غرض کہ بخوبی ارقام فرمادیں، اور اصل کپڑا پھاڑ کر بیچنا اور نیا کپڑا خرید کر ناکیا ضروری ہے، سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب؛ فتاویٰ ہندیہ میں عالمگیریہ کی عبارت کا ترجمہ اس جگہ بالکل غلط کیا گیا عبارت عالمگیریہ یہ ہے ثوب الجنائزۃ تخرق بجمیث لا یتعل فیما کان یتعل فیہ لا یجوز للمتولی ان یتصدق بہ ولكن یبیعہ بثمان و ہشتی بہ و بزیا دة مال ثوباً اخر کذا فی جوہر الفتاوی والله اعلم

(ترجمہ) جنازہ کا کپڑا پھٹ گیا، اس طرح کہ اب اس کام میں نہیں آسکتا جس میں استعمال کیا جاتا ہے تو متولی (وقف) کو یہ جائز نہیں کہ اس کو صدقہ کر دے کیونکہ اس میں وقف کو غیر مصرف میں صرف کرنا لازم آتا ہے) اور لیکن اس کو کسی قیمت پر فروخت کر دے، اور اس قیمت میں کچھ اور ملا کر اس سے دوسرا کپڑا خرید لے الخ اور جنازہ کے کپڑے سے مراد اس عبارت میں وہ کپڑا ہے جو کفن کے اوپر چادرہ کے طور پر ڈالا جاتا ہے، بعض لوگ جنازہ کی چار پائی اور اس کے اوپر کی چادر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا کرتے ہیں، تاکہ ہر میت کے اوپر وہ چادر ڈالی جاوے، پس وہ چادر اگر پھٹ جاوے اور کام میں نہ آسکے تو اس کا حکم اس عبارت میں مذکور ہے واللہ اعلم

سوال (۱۳) کیا شوہر بیوی کے مرنے کے بعد غسل دے سکتا ہے؟ اور اگر کوئی عورت نہلا سکتا ہے یا نہیں، اور وہ اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے قبر میں اتار بھی سکتا ہے یا نہیں، اور اگر کوئی عورت نہلانے والی موجود نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے نہلا سکتا ہے یا نہیں، اور اگر خاوند مر جاوے تو وہ عورت اپنے

سوال (۱۲) میت کو غسل دینے وقت کس طرح لٹایا جائے میت کو بہشتی زیور میں بھی اس کی تصریح نہیں ملی، امید کہ جواب با صواب مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جاوے، فقط

الجواب؛ فی مراقی الفلاح فیوض کما مات علی سریر مجہر و متواویز وضع میت کیف اتفق علی الاصح، قالہ شمس الائمة السرخسی وقیل عرضا وقیل الی القبلة او فی الطحطاوی بقولہ وقیل عرضا، ای کہ ایوض فی القبر بقولہ وقیل الی القبلة، فتكون رجلاہ الیہا کالمريض اذا اراد الصلوة بایامہ و فی القہستانی عن المحيط وغیرہ انه السنة ۵۱ ص ۳۳۰، خلاصہ یہ کہ غسل کے وقت جس طرح چاہیں میت کو لٹادیں یہ صحیح ہے، اور بعض نے یہ کہا ہے کہ قبلہ کی طرف مٹنے کر کے عرضا لٹادیں، جیسا کہ قبر میں رکھا جاتا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قبلہ کی طرف طولاً لٹادیں، اس صورت میں پیر اور مؤمنہ دونوں قبلہ کی طرف ہوں گے، محیط وغیرہ میں اس طریقہ کو سنت بتلایا ہے، والامر اوسع، والله اعلم، احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خاند کو نہلا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مسلمان کا مردہ مر جاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب؛ مرد اپنی بیوی کے جنازہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے لیکن اگر اس کے محرم موجود ہوں تو قبر میں نہ آتا ہے، اور جو سب غیر محرم ہی ہوں تو شوہر بھی اس کو قبر میں اتار سکتا ہے، اور اگر کوئی عورت نہلانے والی موجود نہ ہو تو عورت کو مرد غسل نہیں دے سکتا، نہ شوہر اور نہ محارم بلکہ شوہر اس کو تیمم کر دے، اور شوہر کو تیمم کرانے کے لئے اس کے ہاتھ کو اور منہ کو دیکھنا جائز ہے، مگر چھوئے نہیں، بلکہ ہاتھ کو کپڑا لپیٹ کر تیمم کراتے، اور بیوی اپنے مرد کو غسل دے سکتی ہے، جبکہ کوئی مرد غسل دینے والا موجود نہ ہو،

مسلمان بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھنا بھی ضروری ہے، بدون نماز کے دفن نہیں ہو سکتا، اگر بدون نماز کے دفن کیا گیا سب گنہگار ہوں گے، قال فی مرقا الفلاح والمرأة تغسل زوجها بخلافه ای الرجل فانه لا يغسل زوجته لا لقطع النكاح واذ لم توجد امرأة يغسلها تیممها (ای زوجہا، ظ) وليس عليه غرض بصره عن ذراعها بخلاف الاجنبی ام فانه يلف يده بخرقه وتیممها مع غرض بصره عن ذراعها الا ان تكون امة فلا تحتج الي حائل ام، ص ۳۳۲ والله اعلم، ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

کوئی عورت فاسلہ موجود نہ ہو | سوال (۴)
تو بیٹا میت کو بہ نیت غسل تیمم کر دے بیٹے کو غسل دینا جائز نہیں اس کا خاوند اور اس کا لڑکا دونوں موجود ہوں، اب میت کے غسل کے لئے کوئی عورت نہیں ملتی ہے، اور عنقریب دس میل یا پندرہ میل کے فاصلے پر نہ کوئی شہر ایسا ہے کہ جہاں مسلمانوں کے گھر ہوں، میت والوں کا شہر تین سو میل کے فاصلے پر ہو اور میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، حالانکہ جس جگہ میت ہے وہاں نمازی موجود ہیں، لیکن غسل میت کے واسطے تلاش کرنے سے بھی عورتیں نہیں ملتیں یہ حادثہ دھرم پور میں فی الحال درپیش ہوا ہے، اس لئے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے،
الجواب؛ ایسی حالت میں میت عورت کا محرم یعنی لڑکا میت کو بہ نیت غسل کے تیمم کر دے، یعنی دو مرتبہ مٹی پاک پر ہاتھ مار کر ایک بار تو میت کے منہ کو مل دے،

اور اس کے بعد ایک بار مٹی پر ہاتھ مار کر ہاتھوں کو کہنیوں تک مل دے، غسل نہ دیا جائے، کیونکہ اس میں بدن کھولنا اور جسم مستور کو ہاتھ لگانا پڑے گا، ولا يجوز ذلك للرجال مع النساء قال فی مرقا الفلاح ولو ماتت امرأة مع الرجال المحارم وغيرهم بيسوها كعكسه وهو موت رجل بين النساء وكن محارمة يمينه بخرقه تلف على يد الميمم الاجنبی حتى لا يمس الجسمی يغض بصره عن ذراعی المرأة ولو عجزوا ان يحل ذورحم محرم يميم الميت ذكرًا كان او انثی بلا خرقه لجواز مس اعضاء التيمم للمحرم بلا شهوة كالنظر اليها منها له ام، ص ۳۳۳ مع الطحاوی والله تعالى اعلم
۳ ربيع الاول ۱۴۲۶ھ

غسل میت کے متعلق بہشتی زیور | سوال (۵) بہشتی زیور مدلل مکمل طبع ثانی اشرف المطابع حصہ کی ایک عبارت پر شبہ کا جواب دوم، ص ۴۷، میں اول مسئلہ یہ درج ہے "مسئلہ؛ اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو جو عورت اس کی محرم ہو وہی نہلاؤ غیر محرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر کوئی محرم عورت نہ ہو تو اس کو تیمم کر دو،" لہذا اس کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا گیا ہے، بظاہر جہاں تک کتب فقہیہ کو دیکھا گیا، اس کے خلاف ہی ملا، فی البدلہم وان لم یکن معہم ذلك فانہن لا یغسلنہ سوا من ذوات رحم محرم اولاً لان المحرم فی حکم النظر الى العورة والاجنبیة سوا قلما لا یغسله الاجنبیة فکذا ذوات محارمه ولكن یمسونه (ص ۳۰۵ ج ۱)، وفي العالمگیریة (ص ۱۰۲ ج ۱)، والاصل فيه ان کل من یحل له وطئها لو کان حیا بالنکاح یحل لها ان تغسله والا فلا و مثله فی نور الايضاح، امید کہ حضرت اپنی رائے عالی سے مطلع فرما کر اس اشتباہ کو دور فرمائیں گے،

الجواب؛ عبارات فقہ تمام کتابوں میں قریباً وہی ہیں جو بدائع و عالمگیری میں ہیں جن کو آپ نے نقل کیا ہے، اس لحاظ سے نقلاً بہشتی زیور کا مسئلہ واقعی مخدوش ہے، مگر درآئ اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ دو قاعدے کتاب الکرامۃ در مختار میں ہے مصرح ہیں، تنظر المرأة من الرجل کنظر الرجل علیہ وما جازا النظر الیہ جازئسہ اس مجموعہ کا حاصل یہ ہے کہ ماسوی السرة الی الركبة کا تو عورت محرم ہے

اسے کہتی ہے اور ماتحت السرة الی الرکبة کا عدم مس جیسا عورت محرم کے لئے ممنوع ہے جل کے لئے بھی ممنوع ہے، اور جس جیلہ خرقة سے مرد غسل دیتا ہے عورت بھی غسل دے سکتی ہے
اللهم ان یقال ان حکم غسل المیت مفتوح عن حکم النظر والمس فی الحیاة تکمیل
علیه قول البیہاقم الجنس یغسل الجنس ولا یغسل الجنس خلاف الجنس
والله اعلم ولعل الله یحدث بعد ذلك امراً، ۲۰ صفر ۱۳۴۸ھ

میت پھول جائے اور ہاتھ لگانے کے قابل | سوال (۶) بحوالہ کشف الغطاء ایک کتاب میں
درجہ تو اس کو کس طرح غسل دیا جائے؟ یہ لکھا دیکھا ہے کہ اگر مرد پھول گیا ہو اور اس کو
غسل نہ دے سکیں تو پیٹ پر مسح کرنا کفایت کرتا ہے، انتہی، مگر اس میں مسح کا کوئی طریقہ
تحریر نہیں ہے، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو طریقہ مسح تحریر فرمائیے، اور مقدار بھی واضح ہو،

الجواب؛ فی العالمگیریہ ولو كانت المیت متفسخاً یعد مسحہ کفایہ
الماء علیہ کذا فی التاتاریخانیة ناقلاً عن العتابیة، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اگر میت پھولنے کی وجہ سے ہاتھ لگانے کے قابل نہ ہو یعنی ہاتھ لگانے سے پھٹ جائے گا
اندیشہ ہو تو صرف پانی بہا دینا کافی ہے، کیونکہ ملنا وغیرہ ضروری نہیں، یہ روایت تو قواعد
کے موافق ہے باقی جو روایت سوال میں درج ہے، اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ پیٹ اتنا
پھول گیا ہے کہ اس پر پانی بہانا بھی ممکن نہیں تو باقی بدن کو دھو کر یعنی اس پر پانی بہا کر
پیٹ پر صرف مسح کر دیا جاوے جیسا کہ زندہ کے لئے غسل و وضو میں حکم ہے تب تو صحیح ہے
اور اگر یہ مطلب لیا جاوے کہ غسل کی جگہ صرف پیٹ پر مسح کافی ہے تو بالکل غلط ہے،
ارذیقہ ۱۳۴۸ھ

فصل فی الصلوة علی المیت

سوال (۱) نماز جنازہ میں قصداً یا سہواً آگے درود پچھے
دعا میں تقدیم و تاخیر کرنا
ثنا یا اول دعا، تب درود پڑھے، عرض ایسی کچھ تقدیم یا

عہ اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مظنہ شہوت کو بمنزلہ شہوت قرار دیا گیا، اور ضرورت شدید نہیں ہے،
کیونکہ غسل کا خلیفہ تم موجود ہے، ۱۲ عبد الکریم عفا عنہ

لہ فی ان المس یجوز بلا ضرورة فی الحیاة فباتی وجہ لایجز بعد الموت ۱۲ عبد الکریم عفی عنہ

تاخیر سے نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب، نماز درست ہے، ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ

سوال (۲) نماز جنازہ کو نماز جمعہ سے
مقدم کرنے کا حکم، اگر جمعہ کی نماز کے کچھ قبل مسجد میں جنازہ آ گیا، لوگ زیادہ ہونے
کے واسطے اور ستوا آدمی لے کر جنازہ پڑھنے کے واسطے بعد نماز جمعہ کے جنازہ پڑھنا کیسا ہے،
اگر امام کسی مصلحت سے جمعہ کی نماز کو جمعہ سنت پڑھ کر بعد اس کے نماز جنازہ پڑھے تو درست
ہے یا نہیں، بیّنوا التوجروا؟

الجواب؛ قال فی رد المحتار وقدّم صلوة العید علی صلوة الجنائز والجنائز
علی الخطبة والقیاس تقدیمہا علی العید لکنہ قدم مخافة التشویش کی
لا یظنہا من فی اخریات الصفوف انہا صلوة العید، بحر، ومفادہ تقدیم
الجمعة علی الجنائز لعلہ المذکورة ولا نہا فرض عین بل الفتوی علی تقدیم
سنتہا علیہا ومرتمامہ فی اول باب صلوة العید ۱۴ (ص ۱۳۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ نماز جنازہ کو نماز جمعہ اور اس کی سنتوں کے بعد
پڑھا جائے، البتہ اگر جنازہ خطبہ سے پہلے آجائے، اور خطبہ سے پہلے جنازہ کی نماز پڑھنے میں
نمازیوں کو انتشار و تشویش نہ ہو تو پہلے جنازہ کی نماز پڑھ دی جائے، اور اگر انتشار و تشویش
کا احتمال ہو تو جنازہ کو نماز جمعہ اور سنت جمعہ کے بعد پڑھا جائے، واللہ اعلم، ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ

سوال (۳) نماز جنازہ کی تکرار بدعت
اور مکروہ تحریمی ہے، معروض اینکه مسئلہ تکرار جنازہ میان علماء اہل دیار اختلاف عظیم واقع
گشتہ، فلہذا امید تمام از تلمط عام ہی وارد کہ مجرد وصول نیاز نامتہ ہذا تحقیق تکرار جنازہ
اگرچہ چار دفعہ باشد جائز و رواست یا چہ، بر تقدیر اول بلا کراہت است یا با کراہت،
واگر کراہت باشد تحریمی بود یا تنزیہیہ بزیر قلم فیض رقم مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایند؟

الجواب؛ نماز جنازہ تکرار نہیں ہو سکتی، اس کا تکرار بدعت ہے، اور مکروہ تحریمی
ہے، قال فی مرقاۃ الفلاح فان صلی غیرہ ای غیر من لہ حق التقدم بلا اذن ولم یقتد
اعادہا ہوان شاء لعدم سقوطہ حقہ وان نادى الفرض بہا ولا یعین معہ
ای مع من لہ حق التقدم من صلی مع غیرہ لان التفضل بہا غیر مشروع کما

لا یصلی احد علیہا بعدہ وان صلی وحدہ ام قال الطحاوی اما اذا اذن اولم یا اذن
ولکن صلی خلفہ فلیس لہ ان یصلی لانه سقط حقہ بالاذن او بالصلوة مرة
وهی لا تتکرر ولو صلی علیہ ولی ولیمت اولیاء الخرون بمنزلتہ لیس لہم
ان یصلیوا لان ولایة الذی صلی تکاملہ ام (ص ۳۴۴) البتہ ایک صورت
میں تکرار نماز جنازہ جائز ہے جبکہ اس شخص کے جواحق بالتقدم ہو بلا اذن کوئی دوسرا
نماز پڑھاوے، اور احق بالتقدم نے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی ہو تو یہ احق بالتقدم اعادہ
نماز کر سکتا ہے، واللہ اعلم، ۱۲ ربيع الاول ۱۳۵۴ھ

سوال (۴) احقر کی نظر میں حضرت کے تتمہ فتاویٰ اداویہ.....
نماز جنازہ میں سلام کے بعد ہاتھ چھوڑے یا پہلے، گذرا کہ صلوٰۃ جنازہ میں سلام پھیرنے سے آگے ہاتھ چھوڑنا،
احقر کو خلیجان ہوا کہ علماء دیوبند وغیرہ کے عمل اس کے خلاف دیکھا گیا، اور یہ مسئلہ لے کر
اس دیار میں بہت ہی بخت و تکرار شروع ہو گیا، اور عوام میں فتنہ جگہ جگہ برپا ہو رہا ہے،
اب دریافت طلب ہے کہ ایسے وقت میں عمل کس پر ہونا چاہئے، للہ رفیع خلیجان فرمادیں
زیادہ والسلام مع الکرام،

الجواب: اس مسئلہ میں اس سے زیادہ کچھ تحقیق نہیں ہو سکا جو تتمہ اداویہ فتاویٰ
میں ہے کہ یہ قول صحیح ہے، کہ دعائیں پڑھ کر ہاتھ چھوڑ دیے جائیں، اور سلام بعد ہاتھ چھوڑنے
کے کیا جائے، کیونکہ وقت سلام کے نہ کوئی دعا ہے نہ تحریمہ کا بقا ہے، بلکہ سلام خروج
من الصلوٰۃ کے لئے ہے، پس اس وقت نہ قیام لا قرانیہ ذکر مسنون کا تحقق ہے نہ حرمت
صلوٰۃ باقی ہے، پھر ہاتھ باندھ کر سلام پھیرنے کی کیا وجہ ہے، مگر اس وقت تک علماء
دیار کا معمول یہی دیکھا ہے کہ بعد تسلیم کے ہاتھ چھوڑتے ہیں، اور اس میں یہ تاویل ہو سکتی
ہے کہ سلام تکبیر راجع کے بعد معاً ہوتا ہے، اور سلام بھی دعا ہے، اس لئے سلام کے
وقت بھی وضع یدین بھی باقی رکھا گیا، لیکن ابھی تک شرح صدر نہیں ہوا، ولعل اللہ یحکم
بعد ذلک امر، واللہ اعلم، بہر حال یہ امر ایسا نہیں ہے جس میں نزاع و تکرار کیا جاوے کہ کلام
مخص اولویت میں ہے کہ اباحت و حرمت میں، فقط ۱۳ ربيع الثاني ۱۳۵۴ھ

سوال (۵) محلہ میں گاہ گاہ اموات ہو جاتی ہیں جن کا جنازہ
مجھے پڑھنا ہوتا ہے، ان دنوں میں ایک شخص عبدالرحیم نامی اہل قرآن و فرقة معروفہ

زمانہ حال جس کا بانی مولوی عبداللہ چکڑاوی ہوتے ہیں، اکانتقال ہوا، یہ شخص مجمع احباب
میں یہ الفاظ کہتا تھا کہ صحاح ستہ محض خرافات ہیں، قرآن کے بعد کسی دوسری وحی کو
ماننا صریح شرک ہے، اور ان احادیث کے ماننے والے اکفر ہیں، عوام میں تقیہ کرتا تھا،
احقر نے مندرجہ بالا الفاظ چار پانچ مرتبہ اس کی زبان سے سنا تھا، چونکہ میرے محلہ کا تھا
لوگوں نے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مجھ سے کہا، میں کنارہ کش ہو گیا، کیونکہ مجھ میں مخالفت
کی جرأت نہ تھی، اب دریافت طلب یہ ہے کہ میں گنہگار تو نہیں ہوا، کیا مجھے جنازہ پڑھنا
چاہئے تھا، لوگ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اُس نے توبہ کر لی ہو، تم نے اچھا نہیں کیا، احقر
جماعت مسلمین میں شامل تھا؟

الجواب: قرآن کی طرح حدیث کا حجت شرعیہ ہونا اجماعی اور قطعی مسئلہ ہے،
اور یہ فرقہ حجت حدیث کا منکر ہے، خصوصاً جو شخص حدیث کو خرافات کہے اور قرآن کے
بعد وحی حدیث کے ماننے کو شرک کہے وہ تو قطعاً کافر ہے، ایسے شخص کی نماز جنازہ
پڑھنا آپ کو جائز نہیں تھا، اچھا کیا کہ مل گئے، فی العالمگیریۃ عن صدق الاسلام
سئل عن من قرأ حدیثاً من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال
رجل ہمدہ روز خلتہما خواند قال ان اضاف ذلك الى القاری دون النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ینظر ان کان حدیثاً یتعلق بالذین واحکام الشرع
یکف، وان کان حدیثاً لا یتعلق بہ لا یکف، ویحمل مقالته علی ان ارادته
قراءة غیرہ اولی ام (ص ۳۱۶) ومثلہ فی (ص ۱۶۳ ج ۳) والصحاح
شاملة علی الاحکام وغیرہا فقط، ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۴ھ

سوال (۶) اگر چند جنازے موجود ہوں تو نماز ایک ہی کافی ہے
متعدد جنازوں پر ایک نماز بھی کافی ہے، یا متعدد؟ امید ہو مدلل و مشرح صان بیان فرما کر مشکور فرمائیں گے

الجواب: چند جنازوں کی نماز ایک ساتھ بھی ہو سکتی ہے، اگر مردوں اور عورتوں
کے جنازے مختلط ہوں تو امام کے قریب مردوں کے جنازے ہوں اور عورتوں کے ان کے
پیچھے ہوں اور بچوں کے عورتوں اور مردوں کے بیچ میں ہوں، اور دیندار کو غیر دیندار سے
مقدم کیا جاوے، واللہ اعلم، ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ

دریابیں غرق ہو کر ایسی حالت میں سوال (۷) ایک دن دو عورتیں دریاب میں ڈوب گئیں اور لاش برآمد ہوئی کہ جسم کی صرف ہڈیاں باقی ہوں تو اینز نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں

ایک جڑی ہوئی نکلیں، تو اب اس کا جنازہ مثل اور مردوں کے پڑھنا چاہئے یا نہیں یہاں تو اس کو صرف ایک کپڑے میں لپیٹ کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: قال الطحاوی تحت قول مراقی الفلاح صلی علی قبرہ ما لم یتفسخ ما نصنہ ای سترق اعضاءہ فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقاً لانہا شرعت علی البدن ولا وجودہ بعد التفسخ ام (ص ۲۲۵) فی مراقی الفلاح فی شرائط الصلوٰۃ علی المیت والرابع حضورہ او حضور اکثر بدنہ او نصفہ مع رأسہ ام (ص ۲۲۹) قلت والظاهر ان البدن یطلق علی مجموع اللحم والعظام لا علی العظام وحدها، صیرت مستولہ میں ان ہڈیوں پر نماز پڑھنا نہ چاہئے تھا، بلکہ ویسے ہی کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے تھا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

سوال (۸) میت کا جسم پھول اور پھٹ جائے تو نماز جنازہ ساقط ہو جاتی ہے؟ حافظ محمد اسمعیل صاحب کے نماز جنازہ میں متعلق عوام کا یہ خیال ہے کہ چھ روز کے بعد پانی میں لاش ملی، اور لاش نکالنے کے بعد پانی کے باہر اُن کا پیٹ پھوٹ گیا، آیا اُن کی نماز جنازہ پڑھی گئی درست ہے یا نہیں؟ اس کا خلاصہ عنایت فرمائیے، باقی والسلام

الجواب، اس حالت میں نماز ساقط ہو جاتی ہے، کما یدل علیہ قول البحر (ص ۲۳۱، ۱۸۲) قول الکنز صلی علی قبرہ ما لم یتفسخ لان الصلوٰۃ بدون الغسل لیست بمشروعۃ لایؤمر بالغسل لتضمنہ امرأ حراماً وھونبش القبر فسقطت الصلوٰۃ ام وقید بعدم التفسخ لانه لا یصلی علیہ بعد التفسخ لان الصلوٰۃ شرعت علی بدن المیت فاذا تفسخ لم یبق بدنہ قائماً واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عبدالکریم المحرم ۱۲۲۵ھ یوم جمعہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ

سوال (۹) ایک مردہ کا پانچا نہ بند نہیں ہوتا، تو اس پر نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

آیا اس کی نماز پڑھانی جاوے یا نہیں؟

الجواب: کفن دینے کے بعد اگر میت سے نجاست نکلے تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں اور اس پر اسی طرح نماز درست ہے، فی الشامی (ص ۱۰۷) (قولہ وما خرج منه یغسلہ) ای تنظیفاً بحرقال الرملی ای لاش طاحختی لوصلی علیہ من غیر غسلہ جاز وھذا املاً لیتوقف فیہ ام و فی الاحکام عن المحيط بسمہ ما سال ویکفن و فی کتاب الصلوٰۃ للحسن اذا سال قبل ان یکفن غسل و بعدہ لا

قلت و سیأتی تمامہ فی بحث الصلوٰۃ علیہ (ای ص ۱۹) کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۰/ ۱۲/ ۱۳۲۵ھ

سوال (۱۰) میت کا جنازہ پڑھا گیا اور اس کی چار پائی شرقاً نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے، غرباً رکھی گئی، گویا پاؤں مغرب کی طرف اور سر مشرق کی طرف تھا ایسا کرنے میں شرع محمدی مانع ہے یا نہیں؟

الجواب، سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے جنازہ اس طرح رکھا جاوے کہ میت کا سر امام کے دائیں جانب ہو اور پاؤں بائیں جانب، اس کے خلاف کرنا برا ہے، کافی الشامی واقادان السنۃ وضع رأسہ ممایلی یبین الامام کما هو المعروف الآن ولہذا علل فی البدائع الاساءۃ بقولہ لتخیرہم السنۃ المتوارثۃ ویوافقہ قول الحاوی القدسی (ص ۹۰، ۸) احقر عبدالکریم عفی عنہ ۵ محرم ۱۲۲۵ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۶ محرم ۱۲۲۵ھ

سوال (۱۱) بے نمازی پر نماز جنازہ پڑھانی جائے یا نہیں، استخاص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، اُن کی نماز جنازہ پڑھانی جائے یا نہیں، قرآن خوانی کی جائے یا نہیں، محض اُن کو خوت دلانے کے لئے ہم ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں، قبر میں دفن کر دینے کے بعد دوسرے یا تیسرے دن چند لوگ خفیہ طریقہ سے کسی وقت جا کر نماز جنازہ پڑھ لیا کریں، تاکہ غیر نمازیوں کو یہ راز نہ معلوم ہو، اور غیر نمازی سے کیا مراد ہے، بعض لوگ دو روز پڑھ کر دس روز غائب ہو جاتے ہیں اور پھر ایک روز پڑھ کر ایک ماہ غائب ہو جاتے ہیں، اگر ایسے غائب کردہ وقت میں فوت ہو گئے تو کیا حشر کیا جاوے، کیا غیر نمازی کی میت چالیس قدم گھسیٹنے کا حکم

بھی محمد رسول اللہ ص نے فرمایا ہے، بہر کیفیت جو کچھ حضور تحریر فرمادیں، غلام جو اس کا دل و جان سے منتظر ہے،

الجواب: بے نمازی جو زیادہ تر نمازیں نہ پڑھتا ہو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، بدون نماز کے دفن کرنا حرام ہے، زجر کے لئے اتنا کافی ہے کہ بستی کا عالم اُس کی نماز نہ پڑھے، باقی اور لوگوں کو پڑھنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے، اور قبر پر پڑھ لینا اس گناہ سے سبکدوش نہیں کر سکتا، لہذا جو زلضرورۃ اللہ ۲۲ شعبان ۱۳۵۴ھ

سوال (۱۲) اکثر لوگ جنازہ کی نماز جو تہ پہنے ہوئے پڑھتے پڑھنا کیسا ہے؟ میں اور امام بھی، اور کوئی اور جو تہ کے پیر رکھ لیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، اور بارش کے موسم میں جبکہ جوتے تمام ناپاکی سے اوپر تلے سننے رہتے ہوں، اور سب مٹی سے طے رہتے ہوں اس امام کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اور میت کی نماز ہو گئی یا نہیں، جواز کی صورت کس طرح ہے،

الجواب: قال فی العالمگیریۃ ولوقام علی النجاسة فی رجلیہ نعلان او جوریان لم یجز صلواتہ کذا فی المحيط السخسی ولو خلع نعلیہ وقام علیہما جاز سواء کان مایلی الارض منه نجسا او طاهرا اذا کان مایلی القدم طاهرا (ص ۱۳۳۸) وفيہ ایضا الخف اذا اصابته النجاسة ان كانت متجسدة كالعدر والروث والمنی یطهر بالعت اذا یبست وان كانت رطبة فی ظاہر الروایة لا یطهر الا بالغسل وعند ابی یوسف اذا مسح علی وجه المبالغة بحيث لا یبقی لها اثر یطهر وعلیہ الفتویٰ لعموم البیوتی کذا فی قاضی خان ام وفيہ ایضا الارض تطهر بالجفاف وزوال الاثر للصلوة لا التیمم کذا فی کافی ام (ص ۱۳۰۲)

(۱) اور جوتوں میں سے پیر نکال کر اوپر رکھ لئے تو یہ ضروری ہے کہ جوتوں کا اوپر کا حصہ جو پیر سے متصل ہے پاک ہو گونچے کا ناپاک ہو (۲) اگر جوتے پہنے پہنے نماز پڑھے تو یہ ضروری ہے کہ زمین اور جوتے کے اندر اور نیچے کی دونوں جانبیں پاک ہوں، لیکن نیچے کی جانب کو پاک کرنے کے لئے دھونے کی ضرورت نہیں، بلکہ زمین سے خوب اچھی طرح

رگڑ دینا بھی کافی ہے، اور اس صورت میں زمین کا پاک ہونا بھی شرط ہے،

(۳) اگر جوتہ نکال کر زمین پر کھڑے ہوں تو زمین کا پاک ہونا شرط ہے، اور زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے، جبکہ ناپاکی کا اثر باقی نہ رہے، اس تفصیل سے تمام شقوق کے حکم معلوم ہو جائیں گے، واللہ اعلم ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

سوال (۱۳) نماز جنازہ نماز عیدین سے مؤخر اور خطبہ عید مقدم کرنا چاہئے؟ میت کی نماز عیدین پر مقدم ہونی چاہئے یا مؤخر

الجواب: قال فی الدرر وتقدم صلاتها ای العید علی صلوة الجنائزۃ اذا اجتمعوا وتقدم صلوة الجنائزۃ علی الخطبة وعلی سنۃ المغرب وغیرھا (کستۃ الظهر والجمعة والعشاء ۱۲ شامی) والعید علی الکسوف ام قال الشامی الاولی التعلیل بنحو التشویش علی الجماعة بان یظنھا صلوة العید ثم رأیتہ کذلک فی جنازۃ البحر عن الفنیۃ ام (ص ۸۶۵ ج ۱ باب العیدین) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کو نماز عید سے مؤخر اور خطبہ عید سے مقدم کرنا چاہئے، اور گو صاحب شبہا نے نماز عید سے جنازہ کو مقدم کیا ہے، مگر راجح وہی ہے جو در مختار میں ہے، واللہ اعلم، قال فی الدرر بعد العبارة المذكورة سابقا لکن فی البحر قبیل الاذان عن الحلبي الفتویٰ علی تاخیر الجنائزۃ عن السنۃ واقرة المصنف کانه الحاقا لهما بالصلوة ام (ص ۸۶۶ ج ۱) قلت وینبغی بناء علیہ تاخیر الجنائزۃ عن خطبة العید لكونها ملحقۃ بالصلوة العید وهو لا یحق بالناس لما فی اجتماع الناس بعد الجنائزۃ للخطبة من خشية الانتشار والفرار واللہ اعلم، اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ نماز جنازہ کو خطبہ عید سے بھی مؤخر کیا جائے، اور یہی سہل ہے ورنہ لوگ نماز جنازہ کے بعد خطبہ نہ سنیں گے، واللہ اعلم، ۸ شوال ۱۳۵۴ھ

سوال (۱۴) جس کی ختنہ نہ ہوتی ہو... مگر دیگر دلائل اس کے مسلمان ہونے کی موجود ہوں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ جو کہ مجذوب تھا اور ایک عرصہ دراز سے منصوری میں رہتا تھا، اور وہ قوم کا مسلمان تھا، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، ان سے تصدیق

ہو گیا کہ وہ مسلمان تھا، اور کم عمری میں دہلی کی طرف چلا گیا تھا، اور اب ایک عرصہ دراز سے منصوری میں رہتا تھا، اور اس کا انتقال یہاں پر ہو گیا، اس کی ہم مسلمانانِ منصوری نے تجہیز و تکفین کرنا چاہی، اور نعش کو جامع مسجد منصوری میں لائے، تو ایک شخص کا بلی جو کہ منصوری میں رہتا ہے، اور دوکانداری بساطخانہ وغیرہ کرتا ہے، اس نے کچھ مسلمانان یعنی قوم قسا بان کو جو کہ وہاں پر موجود تھے بہکا دیا، اور کہہ دیا کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہے، ہندو ہے، کیونکہ اس کی ختنہ نہیں ہوئی تھی، جبکہ وہ اس مکان سے نابالغی کی حالت میں نکل گیا تھا اس وجہ سے اس کی ختنہ نہیں ہوئی، تو کیا اس سے یہ تصور کر لیا جاوے کہ وہ ہندو تھا، جبکہ تصدیق پیشتر ہی سے ہو چکی تھی کہ وہ مسلمان ہے، خیر یہ سب قصہ اس کا بلی شخص لے گیا، اور کچھ مسلمانانِ منصوری علیحدہ ہو گئے، اور شریک جنازہ نہ ہوئے، پھر ایک شخص مرزا صاحب جو کہ محلہ راجمندی کی مسجد میں پیش امام ہیں انھوں نے اس کی تجہیز و تکفین کی، اور ان کو بھی یہ کا بلی شخص ہر قسم کی دھمکیاں دیتا رہا، کہ تم نے کافر کی تجہیز و تکفین کی ہے ہم تم کو جان سے مار دیں گے، اب اس قدر التجاہ ہے کہ اس مجزوب کی بابت جو کام ہم نے کیا وہ کس حد تک صحیح تھا؟

الجواب؛ جس شخص کے والدین مسلمان ہیں اور وہ نابالغی میں مجزوب یا مجنون ہو گیا، تو وہ مسلمان ہی مانا جائے گا، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی واجب تھی، ختنہ کے ہونے یا نہ ہونے سے اسلام و کفر کا حکم وہاں لگایا جاسکتا ہے جہاں اور کوئی صورت تحقیق اسلام و کفر کی نہ ہو، اور جہاں دوسرے دلائل موجود ہوں، وہاں صرف ختنہ کا نہ ہونے سے حکم کفر نہیں ہو سکتا، بس جن مسلمانوں نے اس میت کے جنازہ کی نماز پڑھی انھوں نے ٹھیک کیا، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، جو لوگ اس فعل پر انکار کرتے ہیں وہ احکام شرعیہ سے جاہل ہیں یا متجاہل، واللہ اعلم، ۶ رمضان ۱۳۸۵ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم | سوال (۱۵) میت موجود ہوتے ہوئے باوجود قدرت شرکت نماز ایک قصبہ میں نماز غائبانہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ میت سامنے رکھے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں چاہے اس قصبہ وغیرہ میں پڑھی جائے جس میں میت ہو، یا کسی دوسرے مقام میں دونوں کا ایک حکم ہے، فی العالمگیریہ (ص ۱۰۵، ۱۰۶) ومن الشارح حضور المیت و وضعہ و کونہ امام المصلی فلا یصح

علی غائب ولا علی محمول علی دابة ولا علی موضوع خلفه مکذافی المذلل الغائی، احقر عبد الرحیم عنہ
نماز جنازہ میں کون شخص دلی | سوال (۱۲) کد ام شخص برائے نماز جنازہ لائق ترازوئی است سے احقر بالامامت ہے، بحوالہ کتب توجہ فرما بند،

الجواب؛ دلی سے مقدم سلطان وقاصی وغیرہ ولایہ مسلمین ہیں، اور ان کی تقدیم دلی پر واجب ہے، اور امام محلہ و امام جمعہ کی تقدیم دلی پر مستحب ہے، فقط کتبہ الاحقر عبد الرحیم عنہ
الجواب صحیح، نظر احمد

شوائف بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھائیں | سوال (۱۴) میت کا دلی شافعی ہے، اور امام بھی تو حنفیوں کو ان کی اتباع کرنی چاہئے یا نہیں | انھوں نے نماز جنازہ مسجد میں بلا عذر پڑھی تو حنفیوں کو بحالت موجودگی اتباع کرنی چاہئے یا نہیں، نیز صورت مذکورہ میں موجود ہوتے ہوئے نماز ترک کرنے میں گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ بلینا توجروا عند اللہ،

الجواب؛ جب جماعت میں حنفی بھی ہوں اس وقت شافعی حضرات کو ان کی رعایت کر کے خارج مسجد انتظام کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو ایسے موقع پر مجبوراً حنفیہ کو شامل نماز ہو جانا چاہئے، اور عذر کی وجہ سے امید ہے کہ ان پر مواخذہ نہ ہوگا، کما فی الفتاوی الثامیہ ص ۱۳۰۹۲۶ تحت قول الدرر فلا صلوة له) تمہ انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا ومن الاعذار المطر کما فی الخانیۃ والاعتکاف کما فی المبسوط کذا فی المحلیۃ وغیرہا واللہ اعلم اور جو شخص احتیاطاً شرکت سے پرہیز کرتا ہے اس کے لئے بھی گنجائش ہے، کتبہ الاحقر عبد الرحیم عنہ ۱۰ رجب الاول ۱۳۸۵ھ

غیر حق تقدم نماز جنازہ پڑھائی، | سوال (۱۸) سیدی المحترم ادام اللہ ظلالہ منیو ظکم، بعد سلام مستون معروض خدمت عالی اینکہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں چند اشکال درپیش ہیں، امید ہے کہ ان کو حل فرما کر تسکین فرمائیں گے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ غیر من حق تقدم نے اگر میت کی نماز پڑھائی تو دلی اعادہ کر سکتا ہے؟ شرکت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

اول اشکال یہ ہے کہ فرض جماعت اولی سے ساقط ہو گیا، اب دلی کی نماز فرض ادا ہوگی یا نفل، دوسرے یہ کہ دلی کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی شرکت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرکت نہیں ہو سکتے، اور دلی تہنا

نماز پڑھے، اس لئے کہ ولی کو اجازت اس لئے دیجی ہے کہ اس کا حق باقی رہ گیا ہے، اور دوسرے لوگوں کا کوئی حق باقی نہیں رہا، لہذا جماعت ثانیہ ولی کے ساتھ نہیں ہو سکتی، اسی کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے، جو تمیم کے باب میں ہے، کہ ولی کے علاوہ اور لوگوں کو اگر فوتِ صلوة کا خوف ہو تو تمیم کر لیں اور ولی وضو کرے، اور لوگوں کو اگر ولی کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی تو یہ چاہئے تھا کہ اگر ولی کو وضو کرتے دیکھیں تو یہ بھی وضو کر لیں، اور ولی کے ساتھ شریک ہو جائیں اور جماعت ثانیہ کر لیں، اور تمیم نہ کریں، حالانکہ یہ کہیں نہیں ملتا، ادھر اس صلوة کا فرض کفایہ ہونا یہ بتلاتا ہے کہ فرض تو تھی ہر ایک پر مگر بعض کے ادا کرنے سے اوروں سے ساقط ہو جاتی ہے، اور اگر دوسرے بنفسہ ادا کریں تو ہر ایک سے فرض ہی ادا ہوگا، لہذا بعد میں ولی کی اور اس کے ساتھیوں کی نماز فرض ادا ہونی چاہئے، جیسا کہ ایک شہر میں اگر کسی شخص اعتکاف کریں تو ہر ایک کی سنت ادا ہوگی، غرضیکہ بہت تردد ہے، بدائع و فتح القدر و شامی وغیرہ بہت دیکھیں، جزئیہ مرقومہ کہیں نہیں ملتا، کہ تعددِ صلوة جنازہ اس طریقہ پر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی رد المحتار فالاحسن الجواب عما قاله المقنن سی بان اعادة الولی لیست نفلان صلوة غیرہ وان تادی بہا الفرض وهو حق لیت لکنہا ناقصہ لبقاء حق الولی فیہا فاذا اعاذها وقعت فرضا مکملا للفرض الاول فلیس لمن صلی اولاً ان یعید ہا مع الولی لان اعادة تکون نفلان من کل وجه بخلاف الولی لانه صاحب الحق ام (ص ۹۲۳ ۱۱۷)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے:- (۱) ولی کا اعادہ بطور نفل کے نہیں (۲) جو لوگ پہلی جماعت میں شریک ہو چکے ہیں، ان کو ولی کے ساتھ اعادہ مکروہ ہے (۳) جو لوگ پہلے شریک نہ ہوئے ہوں ان کو ولی کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے، افادہ قید لمن صلی اولاً و قیود الفقہ استرازیہ، اور تمیم کے مسئلہ پر قیاس درست نہیں، کیونکہ جو لوگ جماعت اولی کے وقت حاضر ہیں اور تمیم کر کے جماعت اولی کو پاسکتے ہیں، ان کو جماعت ثانیہ کا انتظار مکروہ ہے، اس لئے کہ وہ مامور بالتمیم ہیں، کیونکہ انتظار جماعت ثانیہ میں جماعت ثانیہ کا گونہ اہتمام ہے، حالانکہ بعد اوائے فرض کے دوسری جماعت قابل اہتمام نہیں ہے، اور ولی کو تمیم کی اجازت اس لئے نہیں کہ وہ صرف اپنے حق کی وجہ سے

پہننا بھی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اس کو انتظار جماعت کی ضرورت نہیں،

ایک ہی مکان میں مسلمانوں کے ساتھ سوال (۱۸) ایک گھر کے اندر کتنے مسلمان و ہندو رہتے ہندو جل کر جائیں اور تمیز ممکن نہ ہو تو ہندو کا تمیز کرنا دشوار ہے، لہذا جماعت میں نماز جنازہ کس طرح پڑھی جاوے؟

الجواب: سب پر نماز پڑھ لی جائے مگر نیت مسلمانوں پر نماز پڑھنے کی کی جائے، کذا فی الشامیہ، ص ۹۰۰ ج ۱ درجہ الصلوة فی الاحوال الثلث سواء کان الکفار اکثر او اقل او کافرا سواء، واللہ اعلم، ۲۸، ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

فصل فی حمل الجنازة و دفنہا

تختے رکھ دینے کے بعد قبر پر مٹی ڈالنا سوال (۱) میت کو قبر میں دفنانے کے بعد قبر میں مٹی ڈالنا اندر کیسا ہے؟

الجواب: جب میت پر تختہ وغیرہ رکھ دیئے جاویں، اس کے بعد تین مٹی سے مٹی ڈالنا ہر شخص کو مستحب ہے، قال فی المراقی الفلاح و بہال التراب متوالہ و مستحب ان یحیی ثلاثا ۵۱، اور اگر تختے وغیرہ ابھی تک نہ رکھے گئے ہوں تو مٹی ڈالنا قبر کے اندر مکروہ ہے، کیونکہ اس میں تلویث میت ہے،

تدفین کے بعد ہاتھ اٹھا کر سوال (۲) ما قولکم علماء نارحکم اللہ، اس مسئلہ میں کہ بعد دعاء مانگنے کا حکم، دفن میت کے جو دعاء ایصالِ ثواب کے لئے پڑھنا ثابت ہے اس دعاء میں رفع یدین کو مثل اور دعاؤں کے آداب دعاء سمجھنا اور عوام کا اسکو مثل واجب جاننا اور تارک کو قابل ملامت سمجھنا، اور دعاء میں اگر رفع یدین کو قبولیت میں منحصر کر لینا جائز ہے یا نہیں، اور بوجہ فساد عقیدہ عوام کے اس رفع یدین کو ترک کرنا ضروری ہے یا نہیں، بلینا تو جرداً، بحوالہ الکتب المعترہ؟

الجواب: بعد دفن میت کے دعاء بدون رفع یدین کے کرنی چاہئے، میں نے فقہ کی کسی کتاب میں اس موقع پر غیر رفع یدین کی قید دیکھی ہے، مگر اس وقت باوجود تلاش

کا بھی اور برہنگی کا شبہ غلط ہے، مردہ کا قبر میں بیٹھنا جسم مثالی سے ہوتا ہے، یہ جسم تو اگر کوئی پہرہ لے برسوں تک اسی طرح پڑا رہے گا، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

فصل فی الشہید

سوال (۱) کسی شخص کو مرض ربوہ ہو، جس کو ہندی میں جس شخص نے مرض ضیق النفس میں وفات پائی ہو وہ شہید کہلائے یا نہیں؟

جواب: شہید کامل ہی یا ناقص، آدمی لیٹ نہیں سکتا، اور کھڑا بھی نہیں ہو سکتا، کہ سانس کی بیماری بھی کہتے ہیں، اس بیماری میں سوائے بیٹھنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا اس مرض کی بابت کیسی ماہر حکیم سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری کس قدر تکلیف دہ ہے، اس کی بابت یہ دریافت کر لے کہ جو شخص اس مرض میں مر جائے تو آیا شہید مرنے سے یا نہیں، شہید ناقص ہے یا کہ شہید اصلی ہے؟ یا کہ شہید نہیں ہے؟ کیونکہ ایک کتاب رسالہ رکن الدین مولوی رکن الدین صاحب لکھا ہے، اس رسالہ میں بہت سی ناقص شہید کی قسمیں بیان کی ہیں، یہ قسم نہیں ہے، اس لئے دریافت کرتا ہوں کہ شاید اس مرض والا بوجہ زیادہ تکلیف ہونے کے ناقص شہید کی قسم میں نکل آدے، اس کا جواب بہت ہی غور سے مطلع فرمائیں، آیا کوئی مستند حدیث ہے یا کوئی ضعیف حدیث ہے، یا کسی حدیث سے ثابت بھی ہوتا ہے یا کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا، اس کی بابت کوئی کتاب دیکھ کر پوری پوری طرح سے تحقیق فرمادیں؟

الجواب: علامہ سیوطی نے احادیث مختلفہ کو جمع کر کے جو شہداء آخرت کو شمار کیا ہے تو ان میں من مات بالستل او بالصراخ او بالحثی اور اس کے بعد من مات بالشرق کو بھی لیا ہے، کذا فی الطحاوی علی المراتی، (ص ۳۶) تو مر لیٹنے کی کیفیت موت شرق کے مشابہ ہے، بلکہ اشد ہے، اس لئے وہ بھی شہداء آخرت پر الشاء اللہ تعالیٰ، دلائل الجرم فی مثلہ الا بنص صریح ولم یوجد اور سوائے مقتول فی سبیل اللہ فی المعرکہ کے اور سب اموات امراض شدیدہ شہداء ناقص ہیں، شہید کامل صرف مقتول فی معرکہ القتال ہے، کہ وہ شہید دنیا و آخرت ہے، اور باقی شہداء آخرت ہیں،

احکام دنیا میں شہید نہیں، ۲۲ رمضان شریف ۱۳۵۸ھ
سوال (۲) عالمگیری جلد اول، ص ۸۸ مطبع میندیہ، فصل شہید ولو کان المسلمون فی سفینۃ فرما ہم العدو وبالنار فاحترقوا من ذلک تعدی الی سفینہ اخرى فیہا المسلمون فاحترقوا فہم کلہم شہداء کذا فی الخلاصہ و حکمہ (ای الشہید ۱۲) ان لا یغسل ویصلی علیہ، کذا فی المحيط السرخسی و یدفن بدنہ وثیابہ کذا فی الکافی، اس عبارت سے حریق فی النار کا حکم مثل شہید فی الدنیا والاخرۃ کے معلوم ہوتا ہے، حالانکہ حریق فی النار کو شہید فی الاخرۃ فقہاء نے قرار دے کر حکم غسل کا ثابت کیا ہے، یہ حکم صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حکم بالکل صحیح ہے، کیونکہ رہا ہم العدو وبالنار کی قید ہے، اور دشمن خواہ کسی چیز سے مار ڈالیں ہر حال میں شہید ہوتا ہے، اور وہ حریق جس پر حکم شہید جاری نہیں ہوتا، اس سے وہ مراد ہے جو بدون حملہ دشمنان ویسے ہی جیل کر گیا ہو، واللہ اعلم بالصواب، عبدالکریم عفی عنہ، از مجتہد بھون خانقاہ امدادیہ مورخہ، اردن قعدہ ۱۳۵۸ھ

جلد تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امداد الفتاویٰ مبسوط

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد علی صاحب فتاویٰ
حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ فقہ اسلامی کے ہر باب اور ہر کتاب اور ہر نئی پیش آنے
والی ضرورت کے متعلق علمی تحقیقات کا ایک بھر پور خزانہ اور تقویٰ اور دیانت اور احتیاط
کا بیش بہا نمونہ ہیں،

بلاخوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ کتب فتاویٰ میں "امداد الفتاویٰ" اپنی نظر آپ پر
امداد الفتاویٰ کی چند خصوصیات

- ۱۔ ایک مسئلہ کے متعلق جس قدر فتاویٰ یا تحقیقی مقلے مختلف جلدوں یا ترجیح الراجح
دیگرہ میں تھے یا ان پر کوئی بحث تھی ان سب کو یک جا کر دیا گیا ہے،
 - ۲۔ جن مسائل میں متعدد فتاویٰ بظاہر متعارض نظر آتے اور ترجیح الراجح میں بھی
اس کے متعلق کوئی کلام نہیں ان کی تطبیق یا ترجیح کے لئے حاشیہ لکھ دیا گیا ہے
 - ۳۔ مبہم مسائل پر مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب نے خود حواشی تحریر فرمائیں
۴۔ اہم مسائل کو جداگانہ مستقل عنوان کے تحت ضبط کیا گیا ہے
 - ۵۔ اس کی ترویج و ترتیب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے خود فرمائی ہے،
 - ۶۔ ہر جلد کے فتاویٰ پر ترتیبی نمبر اور مسئلہ کا عنوان لکھا گیا ہے،
 - ۷۔ آخری فتاویٰ جو کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے تھے متعلقہ رسائل سے لے کر
ان کو بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے،
- امداد الفتاویٰ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل و مکمل ہے، علماء و مفتیان کرام کے لئے امداد الفتاویٰ
بجد ضروری اور مفید کتاب ہے،

منزلت کا :-
منزلت کا :-